چاند گگن اور چاندنی

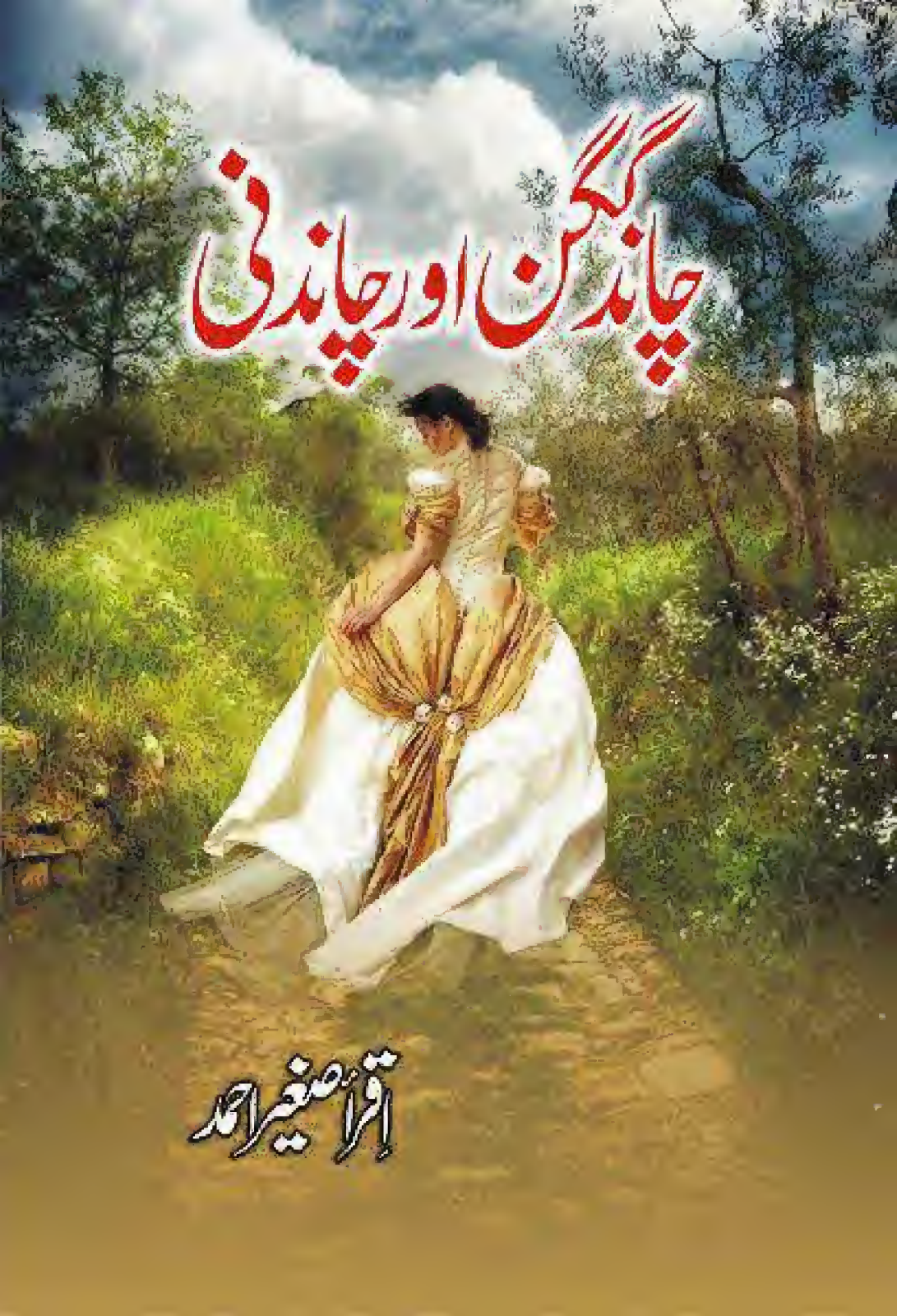

اقرا صغیر احمد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ورشا! پلیز اپنا موڈ درست کرو اس کی تمام پارٹی یہاں موجود ہے۔ تم نے اگر ذرا بھی معمولی سی جذباتیت کا اظہار کیا تو اسکینڈل بن جائے گا۔ اس کی یہی کوشش پچھلے سال سے رہی ہے کہ کسی طرح تمہارا نام اس کے ساتھ آئے تم برداشت سے کام لو۔" سنبل نے اس کے خوب صورت چہرے پر پھیلتے ہوئے طیش اور جنون آمیز غصے کو محسوس کر کے کہا۔ اس کی نیلی آنکھوں سے نکلتے شعلے چار جانہ تھے۔

"تم ہمیشہ مجھے سمجھانے بیٹھ جاتی ہو جانتی ہو اچھی طرح' ہمیشہ زیادتی اس خبیث شخص کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہر بار جان بوجھ کر میری راہ میں حائل ہوتا ہے۔ آج مجھے اس کا دماغ درست کرنے دو پھر کبھی بھول کر بھی میری راہ میں آنے کی کوشش نہیں کرے گا۔" ورشا نے لائبریری روم کے باہر کوری ڈور سے ملحقہ سیڑھیوں پر صارم آفریدی کو اپنی پارٹی سمیت براجمان دیکھ کر دانت پیستے ہوئے کہا۔

جب کہ وہ ارد گرد سے گویا بے خبر و بے نیاز ہو پہلی سیڑھی پر آنکھیں بند کیے گنگناتی آواز میں گا رہا تھا۔ اس کے ساتھی بالترتیب سیڑھیوں پر بیٹھے بہت محویت و خاموشی سے سن رہے تھے۔ ان کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس کی آواز کی سحر انگیزی کے باعث مجسموں میں تبدیل ہو گئے ہوں۔ اس نے معمولی سی آنکھ کھول کر دیکھا تھا ورشا کی جانب' ورشا بری طرح سلگ اٹھی۔

"پلیز راستے سے تو ہٹ جایئے' راستہ دیں پلیز!" فارحہ کے بعد سفیرہ نے درخواست کی۔

دل کا دروازہ کھولے کب سے کھڑا ہوں
آؤ میرے مہمان آؤ
گھر میں اندھیرا کیے کب سے پڑا ہوں
چاند ستارے لیے آؤ
دل کا دروازہ کھولے کھڑا ہوں.....

گیت مکمل ہوا اور وہاں ہر جانب سے تالیاں اور سیٹیاں... واہ.... واہ کے نعرے بلند ہونے لگے۔ کیوں کہ وہاں اور بھی طلبا آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ صارم خان خالصتاً لکھنوی انداز

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں جھک جھک کر ماتھے پر ہاتھ رکھ کر شکریہ ادا کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ازلی شوخی و شرارت اٹکھیلیاں مار رہی تھی۔ وہ راستہ دانستہ طور پر نہیں چھوڑ رہا تھا۔ وہ پانچوں اس کی شرارت سے انجوائے کر رہی تھیں۔ ورشا کی وجہ سے نہ ہو پا رہی تھیں جس کی آنکھوں سے شعلے سے نکلنے لگے تھے۔ چہرے کا رنگ مزید سرخ ہو گیا تھا۔

"کیوں چڑتی ہو اتنا؟ وہ محض تمہیں ستانے کے لیے ایسی حرکتیں کرتا ہے۔" سفیرہ ہنستی ہوئی اس سے گویا ہوئی۔ کافی دیر بعد انہیں نیچے اترنے کا موقع ملا تھا۔ صارم خان کی مسکراتی' بے باک' شوخ نگاہیں ورشا نے دور تک محسوس کی تھیں۔ جواباً وہ اسے گالیاں بکتی ہوئی ان کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔

"چھوڑو یار! انجوائے کیا کرو۔ یہ دن انجوائے منٹ کے ہیں پھر حملا کہاں پلیٹ کر وقت آتا ہے۔"

"میں لطف اندوز ہوں گی؟ وہ بھی اس ڈفر فراڈ' کمینے' گھٹیا انسان کی بے ہودہ حرکتوں سے...؟ احمق!" ورشا کا بی پی بدستور بلندی کی طرف محو پرواز تھا۔

"چھوڑو ڈیئر! لوکوک ہونے اب تھوڑا عرصہ ہی تو رہ گیا ہے چند ماہ بعد سسٹرز ہوں گے پھر چھٹی۔ مزید آگے تعلیم کا سلسلہ دراز کرنے کی اجازت ہم میں سے کسی کو بھی نہیں ہے۔ پھر شجر حیات کی وجیہ چھاؤں میں یہاں پر گزرا ہوا ایک ایک لمحہ کسی ماورائی خواب کی طرح سے لگے گا۔ دلکش' حسین سی' بے شمار خوب صورت چمکتے رنگوں والی تتلی کی طرح۔" فارحہ نے کیفے میں پہنچ کر ٹھنڈی یخ کوک اسے پکڑاتے ہوئے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

"مائنڈ یو ورشا! صارم خان کی شرارتوں و شوخیوں کو ہوا تمہارے از حد اجتناب اور اپنے خول میں بند رہنے والے رویے نے دی ہے۔ دو رویے شخصیت کو بہت زیادہ نمایاں کر دیتے ہیں۔ پہلا وہ جس میں بندہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو کر نگاہوں کا مرکز بن جاتا ہے۔ دوسرا وہ جس میں ہجوم بیکراں میں شامل ہو کر خود کو سب کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے اور از خود دوسروں کو شدت سے اپنی جانب متوجہ کر بیٹھتا ہے۔ تمہارا شمار دوسری کیٹیگری میں ہوتا ہے۔ تم جامعہ میں آئیں اور خود کو اس قدر عزلت نشین کر رکھنا چاہا کہ اس ماحول کا ایک حصہ ہونے کے باوجود خود کو الگ تھلگ رکھا اور یہ تمہاری یہی احتیاط و اجنبیت بہت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ صارم خان جیسے شوخ بندے کو بھی شدت سے متوجہ کر گئی۔ دوسرے اسٹوڈنٹس تمہارے سرد و خشک رویے کے باوجود تمہارے گرد منڈلاتے رہے مگر صارم تمہارے پیچھے کسی بھوت کی طرح لگ گیا ہے۔ اگر تم اسے اس کی بکواس اور شاعری کو کوئی اہمیت نہ دیتیں تو وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح راستہ بدل چکا ہوتا۔"

شعوانہ نے کوک کا سپ لیتے ہوئے بھرپور تجزیہ پیش کیا۔ ورشا کا موڈ قدرے درست ہو گیا تھا۔

"تم لوگ میری مجبوریوں سے ناواقف ہو۔ میرے قبیلے کے رسم و رواج سے قطعی نابلد ہو۔ اس لیے ایسا سوچ سکتی ہو' کہہ سکتی ہو۔ میرا وجود رواجوں' اصولوں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ ادرے کے اعتماد و یقین کی چادر میرا حصار کیے ہوئے ہے۔ ایک وحشت خار زار کو ننگے پاؤں' عبور کر کے میں یہاں تک پہنچی ہوں۔ اپنے اوپر باقی خود سر و ضدی ہونے کا لیبل چسپاں کروا کر۔ بابا جان نے زندگی میں پہلی مرتبہ شمشیر الا کی نہیں مانی' اس اعتماد و افتخار کے تفاخر کے ساتھ کہ ان کی روایت کے برخلاف ایک لڑکی نے تعلیم کے حصول کے لیے قدم باہر نکالے ہیں۔ ان کے اونچے شملے کی سربلندی و تابندگی میرے کردار و اعمال کی زد پر ہے اور میں نہیں چاہتی میری معمولی سی لغزش' انجانی بھول' ذرا سی انجوائے منٹ ان کے اعتماد اور فخر کی عمارت کو زمین بوس کر دے اور میرے بعد باقی نسلیں میری عاقبت نا اندیشی و خود غرضی کی بھینٹ چڑھ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہالت و پسماندگی کے مہیب' سیاہ' تاریک صحراؤں میں بھٹکتی رہیں۔ میرے شانوں پر بہت عظیم و نازک بوجھ ہے۔ میری ذرا سی لڑکھڑاہٹ اس کو چکنا چور کر کے تمام راہیں مسدود کر سکتی ہے اس لیے میں خود اپنی پرچھائیں سے بھی خائف و محتاط رہتی ہوں ڈیئرز۔" اس نے بوتل خالی کر کے ٹیبل پر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے اپنی ذات کے وہ تاریک پہلو پہلی مرتبہ اجاگر کیے جن سے وہ ناواقف تھیں۔

"او' تو؟ تمہارا قبیلہ ابھی تک ان پرانے فرسودہ رسموں رواجوں میں مقید ہے۔ جب کہ دنیا چاند پر پہنچ چکی ہے۔"

"میرے خیال میں چاند اگر زمین پر بھی اتر آئے تو ہمارے رواجوں و دستور کو نہیں بدل سکتا اس لیے میں نے ضد کر کے کچھ تبدیلی لانے کی کوشش کی ہے۔" اس کے سرخ گلاب جیسے چہرے پر سوز تھا۔

"ویری بریو گرل ورشا آفریدی! بہت اچھا کیا تم نے تعلیم کے حصول کے شوق میں کہکشاں راستے کا انتخاب کیا ہے۔ انشاء اللہ تم اس راستے کی ایسی جگمگاتی مشعل ثابت ہو گی کہ آئندہ کوئی جہالت کے اندھیروں میں نہیں بھٹکے گا۔ میرے نزدیک دنیا کی سب سے بڑی محرومی تعلیم و عمل کی محرومی ہے۔ اس سے بڑا دکھ شاید ہی دنیا میں کوئی دوسرا ہو۔ دوسرے درد و دکھ تو مشترک ہوتے ہیں۔"

سفیل کے ساتھ اس کو سب نے حوصلہ بخشا تھا۔ ورشا کے سرخی مائل ہونٹوں پر آسودہ مسکراہٹ ابھری تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"پروفیسر دانیال کا پیریڈ شروع ہونے میں دس منٹ رہتے ہیں چلو کلاس روم تک پہنچتے پہنچتے دس منٹ گزر جائیں گے۔" اس نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بھی سب ساتھ اٹھ گئیں۔

❁ ❁ ❁

گا میلے منوا گاتا جائے جانا ہے ہم کا دول
گا میلے منوا گاتا جا لے جانا ہے ہم کا دول
(ٹھوک) ٹھوک ٹھوک نہیں چلال لے بیلوا اپنی نگریہ ہے دول
اپنی نگریا ہے دو ل.....

"فدا حسین صاحب! خیریت تو ہے نا؟ آج بہت غمگین گانے گائے جا رہے ہیں۔ کہیں بیگم سے تو کھٹ پٹ نہیں ہو گئی؟" بہروز نے ٹیبل پر سے کھانے کے برتن سمیٹتے ہوئے فدا حسین سے استفسار کیا۔ اس کی اداس صورت اور زبان کی تلاہٹ پر اس نے بمشکل مسکراہٹ کو ضبط کر رکھا تھا۔

"اے چھولو صاحب! سالی عورت (عورت) ذات ہوتی ہی بے مروت (بے مروت) اور بے وفا ہے۔ شکر کرنا تو جانتی ہی نہیں ہے سالی! آتمان (آسمان) سے تارے (تارے) بھی تول کر اس کے قدموں میں دھیل (ڈھیر) کر دو تب بھی اس کی خواہشیں پوری نہیں ہوتی ہیں۔"

فدا حسین نے کافی جلے کٹے لہجے میں داستان غم سنائی۔

"صارم! ہوشیار خبردار ہو جاؤ مسٹر فدا حسین کی مسز نے پھر کسی نئی ساڑھی کی یا کسی جیولری سیٹ کی فرمائش کی ہوگی۔ فدا حسین کی آہیں سسکیاں اور نالے تمہارے والٹ کی طرف بڑھنا شروع ہو چکے ہیں۔" بہروز نے باتھ سے برآمد ہوتے ہوئے صارم کو باآواز بلند مطلع کیا۔

"صارم کیوں ہوشیار ہو؟ بیگم فدا حسین کی ہیں صارم کو کیوں مطلع کر رہے ہو؟" مامون جو فدا حسین کی حرکتوں سے کم کم واقف تھا حیرانگی سے دریافت کرنے لگا۔

"کچھ نہیں یار اس کو تو عادت ہے یونہی بک بک کرنے کی۔ فدا حسین کافی بنا کر لاؤ۔" وہ ان دونوں کے درمیان بیٹھتا ہوا مامون کے بعد فدا حسین سے مخاطب ہوا۔ فدا حسین جو کبھی گرم ہونے کے تصور میں گم ہو گیا تھا۔ صاحب کا بے تاثر چہرہ اسے دوبارہ اداسیوں کے ساگر میں غوطہ زن کر گیا۔ برتن سمیٹ کر اس نے ٹرالی میں رکھ دیے تھے۔ ٹیبل صاف کر کے ٹرالی لے جاتے ہوئے مخصوص عادت کے مطابق گنگنانے لگا تھا۔

دل ویران ہے تیری یاد ہے تنہائی ہے
زندگی (دردو) کی بانہوں میں سمٹ آئی ہے.....

"خدا کی قسم صارم! تمہارا یہ ملازم زبردست تفریح ہے۔" بہروز بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

"بہت فراڈیا ہے دونوں ہاتھوں سے اسے لوٹ رہا ہے۔ ایک ماہ سے قبل تنخواہ بٹور لیتا ہے اور مہمانوں سے الگ لمبی لمبی رقمیں گھسیٹتا ہے۔ یہ حاتم طائی کے گدی نشین دل کھول کر پیسہ بہاتے ہیں۔ میں چند ماہ سے ان کے پاس رہ رہا ہوں اور تنگ ہوں اس کی فضول خرچیوں سے۔" باسط نے اندر سے آتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر تمہیں صحت مند رہنا ہے تو یہ جلنا کڑھنا عورتوں کی طرح کی حرکتیں چھوڑ دو۔ صارم دل والا بندہ ہے۔ ویسے بھی دولت کی کمی نہیں ہے میرے یار کو۔" آفتاب عرف ٹکی نے اپنی آگے کو نکلی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے صارم کو فدویانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا ہے یار آج خلاف عادت بہت خاموش خاموش ہو؟" بہروز نے اس کی طرف دیکھا۔

"شاید مس کیوٹ یاد آ رہی ہیں؟" باسط نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"یاد انہیں کیا جاتا ہے جو نگاہوں سے دور ہوں وہ تو میرے "ہارٹ روم" میں ہمہ وقت براجمان رہتی ہے۔ ٹھوس مالکانہ حقوق کے ساتھ۔" وہ ایک دم ہی ترنگ میں آ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر روشنیاں جگمگا اٹھی تھیں۔

"بات دل لگی سے شروع ہوئی تھی پھر دل کی لگی کیسے بن گئی؟" بہروز حیران تھا۔

"ابے یار! کس کی باتوں میں آ رہا ہے؟ اس سے جو بھی لڑکی ملتی ہے پھر وہ فوراً ہی اس کے ہارٹ روم پر قابض ہو جاتی ہے۔ مگر یہ قبضہ عارضی ہوتا ہے۔ یہ ظالم مالک مکان کی طرح فوراً ہی گھر خالی کروا لیتا ہے۔ کسی نئے کرائے دار کے لیے۔" ان چاروں کے قہقہوں میں اس کا قہقہہ زیادہ بلند تھا۔ فدا حسین اس دوران خاموشی سے ان کو کافی کے مگ پکڑا گیا تھا۔

"مس کیوٹ کو یہ ابھی تک زیر محبت نہ کر پائے ہیں اس لیے وہ اتنے عرصے سے اس کی یادداشت میں موجود ہیں۔ جس دن ان کا گریز اور انکار ختم ہوئی سمجھو اسی دن یہ صاحب اپنی سابقہ محبوباؤں کی طرح ان سے بھی کنارا کشی کر بیٹھیں گے ہائے ہائے کہتے ہوئے۔"

"نہیں پیارے! مجھے معاملہ یہاں سنگین محسوس ہو رہا ہے۔" باسط معنی خیزی سے گویا ہوا۔

"فی الحال تو معاملہ سنگین نہیں ہے اگر میرے پیٹ میں اچھل کود کرتی ہوئی "گیس" خارج ہو گئی تو۔"

"او موٹے! خبردار اگر تو نے یہاں کی فضا کو زہر آلود بنانے کی کوشش کی تو۔" اس کا اشارہ سمجھ کر وہ سب ہی اچھل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ جب کہ آفتاب بے ہنگم انداز میں ہنس رہا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"جس دن بھی میرا دماغ گھوما اس موٹے کی ٹنگی لیک کر دوں گا۔ سوٹا! کھا کھا کر بھینسا ہو گیا ہے۔"

"کھا رہا ہوں تو نظر تو آ رہا ہوں۔ تمہاری طرح کھایا پیا تو نہیں ڈبو رہا کہ کھاتے بکری کی طرح ہیں اور سوکھے لکڑی کی طرح ہیں۔" آفتاب جو ان سب میں اپنی بھاری بھرکم جسامت کے باعث نمایاں رہتا تھا انہیں چڑاتے ہوئے بولا اور پھر حسب معمول وہ اسے پکڑنے کے لیے اس کی طرف بڑھے تھے تاکہ اسے اس کے موٹاپے کا مزہ چکھایا جائے۔ لاؤنج میں ایک ہنگامہ سا مچ گیا تھا۔ بہروز اور ماسون ایک طرف سے اسے گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ صارم اور باسط اس کی پشت کی جانب سے قابو کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ مگر آفتاب چاروں پر بھاری تھا۔ اس کے بھاری بھرکم جسم میں بلا کی پھرتی و چستی تھی کسی مست ہاتھی کی طرح وہ دھماچوکڑی مچاتا ان کی گرفت سے نکل جاتا تھا۔ اس منٹ کی اس شدید اچھل کود میں لاؤنج بکھر کر رہ گیا تھا مگر آفتاب کسی کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔ ان کے سانس بری طرح پھول گئے تھے۔ آفتاب ان کی گرفت سے بچنے کے لیے آگے بھاگا تھا اور اسی دم فدا حسین ان کا شور و ہنگامہ سن کر اندر آ رہا تھا وہ دونوں آپس میں شدت سے ٹکرائے تھے۔ آفتاب کے گرنے کے زوردار دھماکے کی آواز کے ساتھ فدا حسین کی خوف ناک چیخ بھی ابھری تھی۔ اس کا آدھا جسم آفتاب کے نیچے تھا۔

"اے توت گیا میرا..... اے توت گیا۔" وہ ٹانگ پکڑے بری طرح چیخ رہا تھا۔

"ارے کیا ٹوٹ گیا؟" وہ سب مستیاں بھول کر اس کے اردگرد بیٹھ کر تشویش سے پوچھنے لگے۔

"میلا گھٹنا توت گیا..... ہائے ہائے ربا!" اس کی آہ زاری بتدریج بڑھ رہی تھی۔

"اے چپ کر کیا لڑکیوں کی طرح ہائے ہائے لگا رکھی ہے۔ کچھ نہیں ہوا تمہارا گھٹنا صحیح سلامت ہے..... چلو اٹھو کم آن فرینڈز! اب آیا ہے ہاتھی پہاڑ کے نیچے۔" صارم نے فدا حسین کو ایکٹنگ کرتے دیکھ کر لتاڑا اور ساتھ ہی گر کر اٹھتے ہوئے آفتاب کو چھاپ لیا۔ اب وہ سب مل کر اسے گدگدیاں کر رہے تھے۔ آفتاب کی اس عمل سے جان جاتی تھی۔ سو اس وقت بھی اس کے مجبور افلک شگاف قہقہے فضاؤں میں بکھرے ہوئے تھے۔ کافی دلچسپ صورت حال تھی۔

❁ ❁ ❁

شام سرمئی آنچل پھیلا چکی تھی۔ دور افق پر غروب ہوتے سورج کی گہری سرخی میں گویا آگ دہک رہی تھی۔ پرندوں کی قطاریں بہت سرعت سے اپنے آشیانوں کی طرف محو سفر تھیں۔ بدلتے موسم کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ ہوا میں خنکی در آئی ہوئی تھی۔ سردیوں کا مخصوص خشک و

سرد سناٹا اور ویرانی دھیرے دھیرے در و دیوار کو لپیٹ میں لینے لگی تھی۔ ہمیشہ کی طرح اب بھی یہ موسم اپنی شدتوں سمیت اس کے اندر آ بسا تھا۔ اس کی نیلگوں آنکھوں میں اداسی اپنے پورے رنگ کے ساتھ موجود تھی۔ دل اداسے جان اور بہنوں سے ملنے کو شدت سے چاہ رہا تھا۔ جن سے ملے ہوئے دو سال ہونے کو آئے تھے۔ وہ شمشیر لالہ کی چنگیز خانی طبیعت کے باعث خود پر جبر کر رہی تھی۔ وہ اس کی تعلیم کے خلاف تھے۔ ان کا خیال تھا زیادہ تعلیم لڑکیوں کو بے حیا اور بے غیرت بنا دیتی ہے۔ وہ جو حساس اور نفاست طبیعت کی مالک تھی پہلی بار ان کے آگے ڈٹ گئی تھی۔ ان کی اس ذہنی اختراع و مفروضے کو وہ ماننے کو تیار نہ تھی۔ اعلیٰ تعلیم اس کی حیات کا واحد خواب تھا۔

"دردشا! تم یہاں ہو؟ میں سب کمرے اور کوری ڈور والا ان گھوم کر تمہیں ڈھونڈ کر تھک گئی ہوں۔ اوہ! آج پھر گھر والوں کو یاد کر رہی ہو؟" سنبل چھوٹی ٹرے میں چائے کے کپ اور برگر لے کر اندر داخل ہوئی تھی۔ کمرے سے باہر بالکونی میں ریلنگ سے چہرہ ٹکائے اس کے چہرے پر ڈھلتی شام کے عکس بہت دل کش و دلفریب رنگ میں ڈھل رہے تھے۔ اس کی گہری نیلی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔ سنبل کو دیکھ کر اس نے اپنی گلابی ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

"کبھی کبھی دل بہت اداس ہو جاتا ہے۔" اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

"ہاں یقیناً ہو رہا ہوگا۔ دراصل اپنوں کی محبت اور قربت میں جو تسکین اور راحت ہوتی ہے وہ دوسروں کی کمپنی میں آپ محسوس نہیں کر سکتے۔ حالانکہ ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ تمہیں بالکل گھر جیسا ماحول دیں تمہیں اپنوں کی کمی کسی حد تک محسوس نہ ہونے دیں۔ مگر پھر بھی میں سمجھتی ہوں۔ سگے پھر سگے ہی ہوتے ہیں۔ اپنوں کے چہرے ہی نگاہوں کو ٹھنڈک و سکون بخش دیتے ہیں۔ لمبے سفر کو نظر آ جائیں تو..... تم تو ڈیڑھ سال سے ان محبت کرنے والوں سے نہیں ملی ہو۔"

سنبل نے سینڈوچ ٹیبل پر ٹرے رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے آزردہ انداز میں کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے سنبل! میں تم لوگوں کی کمپنی بہت انجوائے کرتی ہوں۔ انکل، آنٹی، فارحہ، سفیان اور ارباز کی اتنی محبت و اپنائیت مجھے ملی ہے تو میں اتنا عرصہ یہاں ٹھہر گئی ہوں۔ ورنہ ایک مرتبہ اور شمشیر لالہ سے جنگ کرنی پڑتی ہاسٹل میں رہنے کے لیے۔" اس نے خلوص سے مسکراتے ہوئے صوفے پر بیٹھ کر کہا۔ وہ کمرے میں آ چکی تھیں۔ صوفے پر ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔

"تمہارے شمشیر بھائی ہٹلر ٹائپ نیچر ہیں کیا؟ قسم سے فقط ایک بار میں نے ان کا فون اٹینڈ کیا تھا..... اف! اس قدر رعب و دبدبے والی آواز جیسے پہاڑوں چٹانوں کو گویائی مل گئی ہو۔ میں نے فوراً ہی ریسیور ڈیڈی کو تھما دیا تھا اور کافی دیر بعد جا کے میرے دل کی دھڑکنیں اعتدال پر ہوئی تھیں۔ میں نے زندگی میں کبھی ایسی آواز نہیں سنی تھی۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تم اعتراف کرتی ہو؟ میرے لالہ نے فقط چند لمحوں میں ہی تمہارے دل کی دھڑکنیں منتشر کر دی تھیں۔" ورشا پر گہرا فسوں ڈالتی ہوئی شرارتی انداز میں بولی۔

"ارے نہیں' کیا بات کرتی ہو؟" ورشا ڈارلنگ! کوئی معمولی سے تیز لہجے میں بات کرے تو میں خوف زدہ ہو جاتی ہوں۔ تمہارے لالہ کی بلند آواز کے چند جملے ہی میرے ہارٹ فیل کے لیے کافی ہیں۔" سنبل نے کچھ ایسی مسمسی شکل بنا کر وضاحت کی کہ وہ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"آل رائٹ! جانتی ہوں کیسا چڑیا جیسا دل ہے تمہارا مگر انسان کو اتنا بھی بزدل نہیں ہونا چاہیے۔"

"بہادر تو تم بھی نہیں ہو۔" سنبل کا لہجہ خاصا تلخی خیز تھا۔

"دیکھو مجھے بزدل نہ بولنا ہاں۔" اس کا پٹھانی خون ایک دم ہی جلال میں آیا تھا۔

"بہادر تمہیں جب مانوں گی' جب تم صارم خان سے دو بدو مقابلہ کرو گی۔"

"صارم خان! اس جیسے تھرڈ کلاس شخص کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں ہے میری نگاہ میں اور مقابلہ ان سے کیا جاتا ہے جو برتری یا برابری کے درجے پر ہوں۔" وہ حسب توقع تپ اٹھی تھی۔

"کیا ہوا بھئی! اس کمرے میں ابھی میں نے چنگاریاں سی اڑتی دیکھی ہیں۔" مسکراتی ہوئی پرس جھلاتی فارحہ اندر آ کر ورشا کے تپے تپے چہرے کو بغور دیکھتی ہوئی شوخی سے بولی۔

"کچھ نہیں..... تم نے اتنی دیر کیوں لگا دی؟" وہ موڈ کو نارمل کر کے اس سے استفسار کرنے لگی۔

"دیر تو نہیں ہوئی زیادہ..... ایک پارٹی پنجاب سے اچانک ہی آ گئی تھی۔ مما اس چکر میں بیٹھ گئی تھیں۔"

"چائے پیو گی؟" سنبل اسے آرام سے کشن کے سہارے نیم دراز ہوتے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ!" حسب عادت وہ کندھے اچکا کے گویا ہوئی۔

"آنٹی نہیں آئیں؟" ورشا چائے پی کر مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے سرسری انداز میں بولی۔

"نہیں..... پنجاب سے آنے والی پارٹی سے ان کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ ڈیڈی کے ساتھ آئیں ہیں۔"

"او کے... تم چائے پیو میں ذرا اسائن منٹ مکمل کر لوں۔" وہ اٹھتی ہوئی گویا ہوئی۔

❁ ❁ ❁

"ہائے صارم!" انگلش ڈیپارٹمنٹ کی شازمہ وحید ہاتھ ہلاتی ہوئی اس کی طرف بڑھے

گلی۔ کیفے میں دوستوں کے ساتھ بیٹھے چائے پیتے صارم خان کے وجیہہ پرکشش چہرے پر بھرپور مسکراہٹ ابھری تھی۔ آج کل اس سے اس کی زبردست دوستی چل رہی تھی۔ شازمہ خاصی خوب صورت لڑکی تھی۔ مستزاد اس کے عشوے و انداز' جدید کپڑوں کی جامہ زیبی' میک اپ کی مہارت و بے باک آزادانہ طبیعت' صارم خان سے اس کی دوستی کے چرچے جامعہ میں خاصے شہرت پا رہے تھے جس سے وہ دونوں ہی بے نیاز تھے۔

"آ گئی مس ایلفی! فیشن تو ایسے کر کے آتی ہے جیسے جامعہ نہیں کسی فیشن شو میں آئی ہے۔" باسط نے اسے دیکھتے ہی بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ دوسرے ساتھیوں کے موڈ بھی بگڑ گئے تھے۔

"جلدازجلد اسے فارغ کرنا کہیں کمبل ہو جاؤ۔" مامون نے مگ زور سے ٹیبل پر پٹخا۔

"ہیلو ایوری باڈی! کیا ہو رہا ہے؟" شازمہ نے ان کے قریب آ کر مسکرا کر پوچھا۔

"یہ سب لوگ تمہاری تعریف کر رہے تھے کہ تم کتنی کیوٹ' سندر' دلکش ہو۔" صارم نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"اوہ! رئیلی؟" اس نے باب کٹ بالوں کو ادا سے جھٹک کر آنکھیں گھمائیں۔

"یس..... بلکہ یہ اصرار کر رہے تھے کہ تمہیں آئس کریم کھلانے لے جاؤں۔" صارم انہیں کن انکھیوں سے دیکھتا ہوا اٹھ گیا۔ اس کی روشن آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ سرخ و سپید چہرے پر شرارت و شوخی رقصاں تھی۔ جب کہ ان چاروں کے چہرے رنگ بدلنے لگے تھے۔

"اوہ! ویری ویری تھینکس فرینڈز!" شازمہ مسرت سے جھوم اٹھی تھی۔ اس کی غلط بیانی پر بہروز نے بیٹھے بیٹھے اپنی ٹانگ صارم کی ٹانگ پر ماری تھی وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ شازمہ کے ساتھ لمبے وقت کے لیے نکل جائے گا۔ شام میں انہوں نے شاپنگ کا پروگرام بنایا تھا جو اب مکمل ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ دوسرے لمحے شازمہ کی سریلی چیخ گونجی تھی۔ اس کے جوتے کی زوردار ضرب صارم کے بجائے شازمہ کی ٹانگ پر لگی تھی۔ وہ سیدھی آفتاب کی گود میں جا کر بیٹھنے کے انداز میں گری تھی۔

"مبارک ہو آفتاب! گود بھر گئی تمہاری' مٹھائی کھلاؤ بھائی!" اس وقت کیفے میں چند ہی طلبا تھے اور انگلش ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھتے تھے۔ سب ایک سے بڑھ کر ایک شریر۔ سامنے ٹیبل سے قہقہہ اچھالا گیا تھا۔ زوردار قہقہوں سے کیفے گونج اٹھا تھا۔

"نہیں بھئی! ایسی گود بھرنے سے میں خالی گود ہی بہتر ہوں کہ جلد از جلد بیٹی کے ہاتھ پیلے کرنے کی بھاری ذمے داری ادا کرنی پڑے۔" آفتاب نے بگڑے تیوروں کے ساتھ کھڑی شازمہ کو دیکھتے ہوئے کچھ ایسی بے ساختگی سے کہا کہ دوسرے ابھرنے والے قہقہے پہلے سے بھی زیادہ زور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وار تھے۔

"شٹ اپ ایڈیٹ!" شہار مہ غصے سے کھولتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

❁ ❁ ❁

"مائی گاڈ! میری ٹانگیں آگے بڑھنے سے اب انکاری ہیں۔ نہیں چلا جاتا مجھ سے آگے۔" اور۔" سنبل نے فٹ پاتھ کے کارنر پر بیٹھتے ہوئے دہائی دیتے ہوئے کہا۔

"تمہیں عادت ہوگئی ہے کار میں گھومنے پھرنے کی۔ ذرا چلا بھی کرو پیدل۔ پیدل چلنے سے بہت زیادہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً....."

"بس..... بس! محترمہ فارحہ اورسلان صاحب!" آپ کی بک بک سننے سے بہتر ہے بندہ پیدل چل پڑے۔ خوامخواہ تم نے آرٹس لیکلیٹ کیا ہے ورنہ مزاج تمہارا ڈاکٹروں جیسا ہے۔ میٹھائی نہ کھاؤ" شوگر ہو جائے گی۔ اگر ذرا چکنی چٹ پٹی چیزیں کھاؤ تو تمہیں ہارٹ اٹیک ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہونے لگتا ہے۔ ذرا آرام کرلو تو تم اس فکر میں گھلنے لگتی ہو کہ اس طرح ویٹ بڑھ جائے گا۔ تمہیں کسی طرح سکون نہیں ہے۔" سنبل نے حسب عادت ایک ہی سانس میں فارحہ کو لیکچر دیا اور فٹ پاتھ سے اٹھ کر چلنے لگی۔

جامعہ سے ملحقہ سڑک دور دور تک ویران تھی۔ بسیں تمام روانہ ہو چکی تھیں۔ ٹیسٹ کی تیاری کے سلسلے میں فوٹس بنانے میں انہیں لائبریری میں کافی ٹائم گزر گیا تھا۔ وہ باہر آئیں تو جامعہ تقریباً خالی تھی بہت کم طلبا وہاں تھے۔ شام کے گلابی سائے سبک خرامی سے اتر رہے تھے۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈک ہوا میں سرسرا رہی تھی۔

"پلیز! اب تم دونوں یہیں جنگ شروع نہ کر دینا۔ جلدی جلدی چلو آگے سے کوچ مل جائے گی۔" فارحہ کو آنکھیں نکالتے دیکھ کر اس نے ایک ہاتھ سے اسے آگے دھکیلا تھا۔

"تم ہمیشہ عالشی کا کردار ادا کرتی رہنا۔ جس دن یونیورسٹی میں دیر ہو جاتی ہے اس دن ذرا سا دیر بھی اتفاقیہ غائب ہو جاتا ہے۔" سنبل شانے سے پھسلتے بیگ کا اسٹرپ درست کرتے ہوئے بولی۔

"مجھے تو اکثر ورشا کے سامنے بے حد شرمندگی ہوتی ہے۔ کیا سوچتی ہوگی؟ کیسے چھٹیر لوگ ہیں۔ ایک کے علاوہ دوسری کار بھی افورڈ نہیں کر سکتے۔" فارحہ کے لہجے میں کم مائیگی کا احساس نمایاں تھا۔

"ہاں بھئی اس کے ہاں تو لینڈ کروزر اور مرسڈیز کاریں کھڑی پڑی ہیں۔ ہمارا ورشا کا تو لیدی کے ساتھ ایک وسیع علاقے کے سردار کی بیٹی۔ ہم چھوٹے سے بزنس مین کی

اولاد ہیں۔"

"فارحہ! سنبل..... قسم سے آئندہ تم نے اس طرح سے میرا اور اپنا فیملی تعارف کیا تو میں ہاسٹل جوائن کرلوں گی۔ مجھے کتنی شرمندگی ہوتی ہے اس طرح تم محسوس نہیں کر سکتیں۔ یہ زر زمین' جائیداد سب فضول' مساوات' بے اوٹ محبت و چاہت کے آگے بے وقعت و بے معنی ہیں۔ تمہارے ہاں تو اتنی فراوانی سے بے انتہا یہ دولت ہے کہ میں خود کو فقیر محسوس کرتی ہوں تمہارے آگے۔"

"شکریہ! اب تم سیریس مت ہو جانا پلیز۔" اسے سنجیدہ ہوتے دیکھ کر ان دونوں نے بے ساختہ ہاتھ جوڑے تھے۔ ورشا چادر درست کرتی ہوئی مسکرانے لگی۔

وہ تینوں باتیں کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں۔ معاً بوائز ہاسٹل اسٹریٹ سے نکل کر گرین کلر لشکارے مارتی گاڑی بہت سرعت سے ان کے قریب آ کر رکی تھی۔ تینوں نے بے ساختہ دیکھا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان شخص کو دیکھ کر ورشا کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہو چکی تھیں۔

"ہیلو لیڈیز! یقیناً آپ کو کنوینس پرابلم ہے..... آیئے میں آپ لوگوں کو ڈراپ کر دوں گا۔" مسٹرڈ جینز اور بلیک شرٹ میں ملبوس من گلائیز' سائیڈ پاکٹ میں اٹھائے وہ اپنی تمام تر وجاہت و اسمارٹ نیس سمیت خوب صورت شام کا شاہکار دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ملبوس سے پھوٹتی مسحور کن مہک ان کے اطراف میں پھیلنے لگی۔ وہ کار سے نکل آیا تھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں پر دلکش شوخ و شنگ رنگ تھے۔ روشن روشن' بے حد شفاف آنکھیں' گاہے بگاہے ورشا کے چہرے پر پھسل رہی تھیں۔

"نو تھینکس مسٹر صارم! آگے اسٹاپ سے ہمیں کوچ یا ٹیکسی وغیرہ مل جائے گی۔ آپ تکلیف نہ کریں۔"

"آپ بھی کیسی بیگانوں کی طرح گفتگو کر رہی ہیں مس فارحہ! ہمیں تمام جا چکی ہیں۔ شام گہری ہوتی جا رہی ہے۔ آپ خواہ مخواہ تکلف کر رہی ہیں۔ آیئے پلیز!" اس وقت وہ انہیں بہت مہذب و شائستگی و شرافت کا مرقع لگا۔ اس کے سادہ پروقار بھاری لہجے میں کچھ ایسی ہی تاثیر و کشش تھی کہ فارحہ اور سنبل ڈھلمل ہو گئی تھیں۔ جب کہ ورشا نے اس کی نگاہوں کی تاک جھانک سے بچنے کے لیے بلیک چادر سے اپنا آدھا چہرہ چھپا لیا تھا اس طرح صارم کی طرف اس کے کاندھے پر چادر تھی۔

"نہیں آپ جائیں پلیز ہم چلے جائیں گے۔" ورشا کے چہرے پر ناگواری و غصے اور تنفر کے شدید تر تاثرات دیکھ کر سنبل نے سرسری انداز میں صارم سے کہا۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"دیکھیے ہم میں زیادہ دوستی نہیں ہے تو مکمل اجنبیت و بیگانگی بھی نہیں ہے کہ آپ مجھ پر بھروسا نہ کریں اتنی شناسائی و حوصلہ تو آپ رکھتی ہیں کہ مجھ پر اعتبار کر سکیں۔"

"سنبل! جب ہم نے کہہ دیا کہ ہم لفٹ نہیں لیں گے۔ چلو دیر ہو رہی ہے۔" ورشا کی سخت و بے زار کن آواز اس کے کانوں میں جیسے جلترنگ بجا گئی۔ وہ ان ڈائریکٹ اس سے ہی مخاطب تھی۔ سنبل نے اسے آگے قدم بڑھاتے دیکھ کر صارم کا شکریہ ادا کیا اور اس کے ساتھ آگے قدم بڑھا دیے۔

"آپ مجھ سے خوف زدہ ہیں؟" اس نے ورشا کا راستہ روک کر براہ راست اس کی نیلگوں آنکھوں میں اپنی سحر طراز نگاہیں ڈالتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ ورشا کے گویا انگ انگ میں شعلے بھڑکنے لگے۔ اس کی اس بے باک جسارت و غدار انداز نے اسے سخت طیش دلا دیا تھا۔

"جی..... آپ سے ہر وہ لڑکی خوف زدہ ہو سکتی ہے جو اپنے کردار کے بے داغ لباس کو کسی رسوائی کے چھینٹوں سے بچا کے رکھنا چاہتی ہو۔ اور میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔" طویل عرصے میں وہ پہلی بار مخاطب ہوئی تھی اور اس کے خوب صورت "سرخ" گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں سے نکلنے والے جملے کچھ ایسے نفرت و حقارت بھرے انداز میں تھے کہ صارم خان آفریدی جو اپنی از حد وجاہت و شوخ و شریر طبیعت کے علاوہ پیسہ پانی کے انداز میں خرچ کرنے کے باعث جامعہ میں ہر دل عزیز تھا۔ اپنی پرسنالٹی کی تمام تر سحر انگیزی سے وہ واقف تھا۔ اس کی ڈریسنگ غضب کی ہوتی تھی جو اس کی پرسنالٹی کو مزید نکھار دیا کرتی تھی۔ وہ فطرتاً حسن کا حسین چہروں کا شیدائی تھا۔ ہر خوب صورت و منفرد چیز اسے فوراً متاثر کر دیتی تھی۔ مری کوئینٹ سے جامعہ تک اس کی لڑکیوں سے دوستی رہی تھی۔ اس کی ایک نگاہ التفات کے لیے لڑکیاں اردگرد رہتی تھیں۔ اس معاملے میں اس نے حاتم طائی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ مہ جبینوں' نازنینوں' ماہ رخوں کے لیے اس کا دل کبھی کم نہیں ہوتا تھا۔ ورشا کی بے التفاتی و بیگانی' سرد مہری و بے وقعتی اسے چونکا گئی تھی۔ اس کے تصور میں بھی نہ تھا کہ کوئی لڑکی اسے نظر انداز بھی کر سکتی ہے۔ مگر ورشا کی ثابت قدمی اور انداز عدم التفات روی نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ اعلیٰ و منفرد لڑکی تھی جسے اپنا نسوانی وقار اور عزت کی پاسداری حد درجہ عزیز تھی۔ وہ ان لڑکیوں میں سے ہرگز نہیں تھی جو اس کے ساتھ ہوٹلوں میں جانا' پکنک و ٹرپ پر جانا اور گفٹس وصول کرنے میں مسرت محسوس کرتی ہیں اور اپنی عصمت و عفت کے مقابل گفٹس کو عزیز رکھتی ہیں۔

ورشا آفریدی اپنی خود داری و دوشیزگی کے وقار کے ساتھ اس کے لیے چیلنج بن گئی تھی۔

اس نے اپنی ضد و ہٹ دھرم سرشت کے باعث سوچ لیا کہ وہ ورشا آفریدی کا غرور ضرور توڑے گا اور اس وقت تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا جب تک وہ تمام لڑکیوں کی طرح اس کی محبت کا دم بھرتی نظر نہیں آئے گی۔

اپنے چاروں دوستوں سے شرط لگانے کے بعد اس نے ہر وہ طریقہ اپنایا جو ورشا کو متاثر کر سکتا تھا۔ ہر اس راہ پر پہلے سے موجود ہوتا جس پر محسوس کرتا کہ وہ وہاں سے گزرے گی۔ پہاڑوں کے علاقے میں پلنے والی وہ لڑکی ابھی تک چٹان ثابت ہوئی تھی جس میں وہ ابھی تک نہ ڈال سکا تھا۔ اور ابھی جو فقرے اس نے اس کے لیے استعمال کیے تھے' لہجے سے تیروں کی طرح برستی حقارت و نفرت' آنکھوں کی نیلی جھیل سے نکلتے شراروں نے لمحے بھر میں اسے کچھ اس طرح مجسم کیا تھا کہ وہ پہلی بار دم بخود کھڑا رہ گیا تھا۔ اس کا لہجہ اس کے الفاظ اسے آئینہ دکھا گئے تھے۔ وہ جو اپنی دولت و ثروت' خوبروئی و وجاہت سے لڑکیوں کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیتا تھا' اس کی نگاہوں میں صنف نازک کی حیثیت محض کھلونوں کی سی تھی مگر آج اسے عورت کے باعزت اور بلند مقام ہونے کا ادراک ہوا۔ اس کی رفعت و تابندگی اس نے ابھی محسوس کی تھی۔ ورنہ بہت حقیر و کم تر مخلوق گردانتا تھا۔ "صارم خان! کیا تم ایک لڑکی سے مات کھا بیٹھے؟" وہ بہت دلیری سے تمہاری غیرت کو للکار گئی اور تم کچھ نہ کر سکے۔ جنگجو' دلیر' غیرت مند و بہادر قبیلے کے سردار کے بیٹے ہو تم۔ تمہارے باپ نے کبھی ہار نہیں سیکھا دشمنوں کی گردنیں کاٹ کاٹ کر آسمانی توڑی ہیں اس نے۔ تم ایک معمولی سی لڑکی سے شکست کھاؤ گے؟" اس کے اندر اس کا چٹھانی خون جیسے ایک دم ہی کھولنے لگا۔ "نہیں صارم خان آفریدی ہے اور آفریدی قبیلہ کبھی شکست نہیں کھاتا میں اس لڑکی کا غرور' اس کی انا' اس کا فخر خاک میں اک۔ ایک دن ضرور ملا ڈالوں گا۔ اس نے صارم کے کردار پر انگلی اٹھائی ہے۔" اس نے خون آشام نگاہوں سے کچھ فاصلے پر "ہلکیب" میں سوار ہوتی ورشا کو گھورتے ہوئے خود سے عہد کیا۔ ورشا کی صاف گوئی و بے تحقیر نے اس کی عزت نفس و انا کے پندار پر کاری ضربیں لگائی تھیں۔

❁ ❁ ❁

آ بیال دل میں داگا آ جھکوں میں تھا
تلہ گو کسم میری جاں آ کے نہ پھل دول دانا

آ بیال دل میں داگا ..... "فدا حسین" صارم کے کپڑے پریس کرتے ہوئے حسب عادت گنگنا رہا تھا۔ باسط اور صارم صوفے پر بیٹھے تھے۔ باسط آنکھیں بند کیے فدا حسین کی گنگناہٹ سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ تھی جیسے نشہ محظوظ کر رہا ہو۔ جب کہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صارم بہت سنجیدگی و انہماک سے گاؤں سے آنے والے لیٹر کو پڑھ رہا تھا۔ جیسے جیسے خط کی سطریں آگے بڑھ رہی تھیں ایسے ہی اس کی پیشانی پر تردد کی شکنیں نمودار ہو رہی تھیں۔ فدا حسین کی آواز اسے ڈسٹرب کر رہی تھی جو ایک گیت مکمل کر کے دوسرا شروع کر رہا تھا۔

"تھنو (سنو) تھنو بولو بولو میلا تم پہ دل آدیا
او پھل کینتا؟ میلا تم پہ دل آدیا.....

تو پھل جیسے تا دا آدیا آدیا" وہ لہک لہک کر گانے میں مگن تھا۔

"فدا حسین! جس اسپیڈ سے تمہاری زبان چلتی ہے ہاتھ بھی اسی اسپیڈ سے چلایا کرو۔"

"صاحب! میں تو آپ کا دل بہلانے کے لیے گا لیتا ہوں۔" فدا حسین نے چونک کر صارم کی طرف دیکھا۔

"فکر نہیں کیا کرو یار! اس کا دل بہلانے کے لیے بہت ساری پریاں ہیں۔ ارے کیا ہوا؟ کیا لکھا ہے خط میں؟ خیریت تو ہے نا؟" باسط جو ہنستا ہوا فدا حسین سے مخاطب ہوا تھا۔ صارم کے سنجیدہ اور پریشان کن چہرے پر نگاہ پڑی تو بے اختیار کئی سوال ایک دم پوچھ بیٹھا۔

"ہاں خیریت ہے۔" اس نے لیٹر تہہ کر کے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں ڈالتے ہوئے فدا حسین کو چائے کا آرڈر دیا۔ باسط بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کچھ گڑبڑ ہے صارم! تم شاید مجھ پر اعتماد نہیں کرتے یا پھر مجھے اپنے فیملی افیئر بتانا نہیں چاہتے۔"

"او نو ایسی کوئی بات نہیں تم میرے بہترین دوست ہو اور میں دوستی میں غیریت برتنے کا قائل نہیں ہوں۔"

"پھر کیا بات ہے؟ تمہارے چہرے پر پریشانی کے تاثرات ہیں۔" باسط اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوا۔

"سبریز خان کا لیٹر ہے۔ اس نے لکھا ہے گھر میں سب خیریت ہے۔ زمینوں پر مخالف قبیلے کے خان کے بیٹے شمشیر خان سے کچھ جھگڑا ہو گیا ہے۔ اس میں کچھ بندے ہلاک ہوئے ہیں۔ پتا نہیں کتنے ہلاک ہو گئے کچھ آدمی؟" باسط علی جو فطرتاً صلح جو و بزدلی کی حد تک شریف نوجوان تھا اور ایک چیونٹی تک مارنے سے خوف زدہ ہو جاتا تھا قدرے ہکلا کے کہنے لگا۔

"یہ تو بہت برا ہوا تمہاری برادری میں تو یار! نسل در نسل دشمنیاں چلتی ہیں۔"

"ہاں جب سے بابا کے ہاتھ میں انتظامات آئے تھے بابا جان کی دیانت، تدبر و حکمت عملی نے اس خون

خرابے کو کافی حد تک کم کر دیا تھا۔ اب کچھ عرصے سے دلی قبیلے والے پھر اسی روش پر چلنا شروع ہو چکے ہیں جہاں آگ و خون کے دریا بہتے ہیں۔ ان کا ارادہ سرحدی پہاڑیوں والے علاقے پر قبضہ کرنے کا ہے کیوں کہ اس علاقے پر زمین سونا اگلتی ہے۔ وہاں کی زمین بہت زرخیز و کارآمد ہے۔ پہلے بھی اس زمین کے لیے کئی نسلیں ختم ہوئی تھیں۔ اب پھر لگتا ہے یہ کہانی دوبارہ شروع ہونے والی ہے۔"

"یہ دلی قبیلہ کون ہے؟ کیا بہت بے رحم ظالم لوگ ہیں اس قبیلے میں؟"

"ہاں مگر ایک نام بہت دہشت کی علامت بن کر ابھرا ہے چند سالوں سے۔ خان کا چھوٹا بیٹا ہے شمشیر خان۔ اس کی سفاکی و ظلم و بربریت کا بہت چرچا ہے مخالف قبیلے میں۔ سنا ہے مزرائیل کا دوسرا روپ ہے۔ اس سے ہی سبریز خان کی مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔ اس نے فائر کھول دیا تھا۔ ملازمین نے سامنے آ کر سبریز کے اپنے سینوں پر گولیاں کھا لیں۔" صارم نے خط کے کچھ حصے سنائے۔ سبریز اس کے چچا کا بیٹا تھا۔ بہت گہری دوستی تھی دونوں میں۔ پشاور کالج تک دونوں نے ساتھ پڑھا تھا۔ پھر ایم بی اے کرنے وہ کراچی آ گیا تھا۔ سبریز کو آگے پڑھائی سے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اپنی زمینوں پر کام کرنے لگا تھا۔ دونوں کی دوستی میں سرمو فرق نہیں آیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو ہر بات فون یا خط کے ذریعے بتایا کرتے تھے۔ اکثر سبریز اس سے ملنے کراچی آتا رہتا تھا۔ چھٹیوں میں وہ بھی گاؤں جاتا تھا۔

"یہ تو بہت برا ہوا تمہاری برادری میں تو یار! نسل در نسل دشمنیاں چلتی ہیں۔"

"ہاں ہم دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتے اور لگتا ہے شمشیر خان کے بھی برے دن دور نہیں آں۔"

صارم خان کے چہرے پر جو ہمہ وقت شوخی و شرارت اور کھلنڈرا پن مچلتا رہتا تھا اس کے نایاب تھا۔ اس کی نیلی کانچ جیسی چمک دار آنکھوں میں جھائی سرخی میں روایتی پٹھان نظر آ رہا تھا۔ باسط نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

❁ ❁ ❁

وادی رات کے اندھیرے میں گم تھی۔ ایک سرد سکوت روح کو بے کل و متوحش کر دینے والا سناٹا اور ویرانی ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ کھیتوں کے سبزے اور پھولوں کی خوابیدگی سے گہری پر تاثر مہک فضا میں محو گردش تھی۔ ارد گرد کے بلند و بالا پہاڑوں سے گرتے آبشار و جھرنے جو دن کی روشنی میں نگاہوں کو تراوٹ و سرخوشی بخشتے تھے رات کی اس مہیب تاریکی میں ملفوف از حد ہیبت ناک لگ رہے تھے۔ برف کی سفید ٹھنڈک ہوا میں گھلی ہوئی تھی۔ کہر کی دبیز چادر سے ہر شے کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں بھیگی ہوئی تھی۔ دھند میں لپٹے صاف و شفاف نیلے گگن پر چاندنی سے منور چاند کسی تھکے ہارے مسافر کی طرح آہستگی سے اپنی منزل کی طرف سفر میں تھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ماحول میں برفیلی ٹھنڈک بڑھ رہی تھی۔ ایسے سرد ترین موسم میں جہاں معمولی سی بے احتیاطی رگوں میں دوڑتے لہو کو برف کر دے وہ لمبا چوڑا وجود تمام سرد موسم کے تقاضوں سے یکسر بے نیاز کسی بے چین و بے قرار روح کی مانند کمرے سے نکل کر صحن میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے از حد سرخ چہرے سے درندگی و خشونت مترشح تھی۔ بادامی آنکھیں خون پھلکاتی محسوس ہو رہی تھیں۔ لاشعوری انداز میں وہ اپنی گھنی و سیاہ مونچھوں کو بائیں ہاتھ سے مسلسل بل دے رہا تھا۔ اس کے انداز میں اضطراب و اضطرار بے انتہا تھا۔ وائٹ شلوار سوٹ پر مخصوص انداز میں چادر شانوں پر ڈالے اس کا بلند قامت و چٹانوں جیسا مضبوط جسم تیز تاریکی میں بھی خاصا نمایاں تھا۔ اس کے اٹھتے گرتے قدموں کی دھمک سے زمین لرزاں تھی۔

"شمشیر خان! کیا بات ہے بچے! اتنی رات گئے اتنی سردی میں اس طرح گرم کپڑوں کے بغیر کیوں یہاں گھوم رہے ہو؟" شہباز ولی خان تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر حسب معمول حویلی کا راؤنڈ لگانے نکلے تو شمشیر کو وہاں دیکھ کر اس کے نزدیک آ کے گویا ہوئے اور اپنی گرم چادر اس کے گرد پھیلا کر ڈال دی۔ وہ مکمل گرم کپڑوں میں ملبوس تھے۔ "جو آگ میرے اندر بھڑک رہی ہے بابا جان! اس کے آگے ایسا ہزار ہا سرد برفیلا موسم کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ایک ہفتہ گزر گیا ہے اور میرے دل سے یہ ملال نہیں جاتا کہ آپ محض آپ کی وجہ سے میرا شکار میرے سامنے زندہ واپس لوٹ گیا۔ یہ میری زندگی میں پہلی دفعہ ہوا اور بہت برا ہوا ہے۔" اس نے ایک جھٹکے سے شال اپنے جسم سے الگ کی تھی اور زخمی چیتے کی مانند غرایا تھا۔

"اوہ! شمشیر خان! تم ابھی تک اس بات کا سوگ منا رہے ہو؟ جو گزر گیا' وہ گزر گیا اور جو گزر جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا خاناں! پھر ہم سوگ کیوں منائیں۔" انہوں نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"نہیں بابا جان! شمشیر خان کا راستہ روکنے والا آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔ کسی ماں نے اپنے بیٹے کو ایسا دودھ نہیں پلایا جو شمشیر خان کے مقابل آ سکے۔ مرمتی پہاڑ پر شمشیر اپنی فتح کا جھنڈا لگا کر رہے گا چاہے اس کے لیے مجھے خون کی ندیاں بہانا پڑیں یا لاشوں کے انبار لگ جائیں۔" اس کے لہجے میں تلخی و درندگی تھی۔ طاقت و دولت کے غرور و فخر سے اس کا وجود اکڑا ہوا تھا۔

"جو جنگیں عقل و تدبر کے ساتھ سے لڑی جاتی ہیں ان میں ہمیشہ فتح دکا مرانی قدم چومتی

ہے۔ جلد بازی اور جذبات میں لڑی جانے والی جنگ ہمیشہ شکست و ذلت سے دوچار کرتی ہے اور ہمارے بڑوں پر بھی تمہاری طرح جذبات حکمرانی کرتے تھے۔ جلد بازی و غیر دانش مندی ان کا شیوہ تھی۔ تو دیکھ لے آج وہ کہاں ہیں؟ جس زمین کے حصول کے لیے جس پر قبضے کے لیے انہوں نے اپنی زندگیاں قربان کیں آج اس زمین کے نیچے کفن میں لپٹے پڑے ہیں۔ جس زمین پر وہ قبضہ چاہتے تھے اب ان کے جسم ان کی روحیں اس زمین کے قبضے میں ہیں اور اس زمین پر بھی دشمنوں کی حکمرانی ہے اور تم بھی جذبات و جلد بازی میں وہی حماقت کرنا چاہتے ہو جو ہمارے بزرگ کر کے قبروں میں جا سوئے۔ صبر سے کام لو صبر سے۔ لوہا گرم دیکھ کر چوٹ مارتے ہیں دوست چوٹ کھا بیٹھتے ہیں۔ سرمئی پہاڑ والی زمین ہماری ہوئی ہمارے بڑوں کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔ وقت کا انتظار کرو بچے!" ان کے پرجلال چہرے پر عزم اور لہجے میں پتھریلا پن تھا۔

"میرے بڑے بہادر و جی دار تھے۔ میں بھی ایسا ہی ہوں۔ مجھے جذباتی و جلد باز کہہ کر بزدلی و بے غیرتی کا سبق نہیں پڑھاؤ۔ شمشیر خان صرف دو باتیں جانتا ہے۔ مارو یا مر جاؤ' تیسرا کوئی راستہ میرے پاس نہیں ہے۔ صبر وہ کرتے ہیں جو کمزور اور بزدل ہوتے ہیں اور میرا واسطہ کبھی ان چیزوں سے نہیں پڑا۔ یہ بات تو پتھر پر لکیر ہے بابا جان! شاہ بہرام خان کے بھتیجے سہریز خان کا نام مردوں کی فہرست میں لکھ دیا گیا ہے۔ میں نے کبھی اپنے دشمن کو معاف نہیں کیا ہے۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ دھم دھم کرتا راہداری کی طرف مڑ گیا جہاں اس کا کمرا تھا۔ ولی شہباز خان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ انہیں اپنے بیٹے کی یہی سرکشی و دلیری از حد پسند تھی۔

"بڑے خان!" انہوں نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا۔ ستون کی اوٹ سے خانم گل نکل کر ان کے سامنے آئی تھیں۔ سفید کشمیری چادر میں لپٹا ان کا پرنور و پروقار چہرہ اس عمر میں بھی خاصا دلکش و شاداب تھا۔ ایک لمحے کو ان کی نگاہیں شوہرانہ استحقاق کے ساتھ ان کے چہرے پر جمی رہیں مگر ان کے کپکپاتے ہونٹ اور پریشان کیفیت سے انہیں نگاہوں کے زاویے بدلنے پڑے اور ایک دم ہی انہیں گل جاناں کا خیال آ گیا تھا کہ اگر وہ اتفاقاً چلی آئی تو اس وقت بھی شور مچا کر سب کو اکٹھا کر لے گی اور وہ اس عمر میں اپنا یا خانم گل کا تماشا بنوانا نہیں چاہتے تھے۔ حالانکہ وہ ولی شہباز خان کی بیوی تھی۔ ان کی چار بیٹیوں کی ماں تھی۔ مگر گل جاناں نے تو شادی کے بعد ان پر ایسے پہرے لگائے تھے' اتنی کڑی نگرانی رکھتی تھی کہ وہ کبھی ان سے دو گھڑی تنہائی میں بات کر سکے تھے۔ پھر گل جاناں کی قسمت اچھی تھی وہ یکے بعد دیگرے چار بیٹوں کی ماں بن گئی اور ان کی حکمرانی ہر جگہ چھا گئی..... اور خانم گل کو انہوں نے ملازموں سے بھی بدتر مقام دیا تھا۔ وہ گل جاناں کی ماں بن کر شہباز خان جیسے رعب و دبدبے والے آدمی پر راج کر رہی تھیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شہباز خان کے مزاج و غصے سے پورا علاقہ خوف زدہ تھا۔ کسی میں جرات نہ تھی ان کے آگے نگاہ اٹھا کر بات کر سکے۔ لوگوں کے آگے شیر نظر آنے والے شہباز خان دوسری بیوی کے آگے کبھی زبان نہ ہلا سکے۔ خانم گل کی حیثیت پہلے ہی تین بیٹیاں پیدا کرنے کے جرم میں بے وقعت تھی پھر شمشیر خان کی پیدائش کے سات سال بعد چوتھی مرتبہ بھی بیٹی ہی پیدا ہوئی تو ان کی حیثیت ان کی ذات شہباز خان کی نگاہوں سے بالکل ہی اوجھل ہو گئی۔ وہ اور چاروں بیٹیاں گھر میں پڑے کاٹھ کباڑ کی طرح حویلی کے ایک کمرے میں مقید ہو گئیں۔ یہ ساری بھالا کی وسیاست گل جاناں کی تھی۔ شہباز خان کے کان بھر بھر کر ان ماں بیٹیوں کے خلاف انہیں کر دیا تھا اور انہوں نے بدظن ہو کر ان کی خبر گیری ہی چھوڑ دی۔ گل جاناں یہی چاہتی تھیں۔ انہوں نے پھر انہیں گھر کے کاموں میں لگا دیا۔

"کیا بات ہے خانم گل! اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہی ہو؟" انہوں نے دبے دبے انداز میں کہا۔

"میں تہجد کی نماز روزانہ یہیں پڑھتی ہوں خان! میں نے سب باتیں سن لی ہیں۔ شمشیر خان کے بڑھتے ہوئے قدم روک لو خان! ورنہ پھر راکھ میں دبی ہوئی چنگاریاں شعلے بن کر انھیں گی اور سب خاک ہو جائے گا۔ ایک صدی بعد آگ اور خون کے تماشے تھے۔ شمشیر خان پھر شعلوں کو ہوا دینا چاہتا ہے۔ اسے سمجھاؤ روک لو اسے۔ ورنہ پھر ایک بار پھر گھر برباد اور قبرستان آباد ہونے لگیں گے۔ بچے یتیم اور سہاگنیں بیوائیں ہو جائیں گی۔ زرد زمین کی ہوس نے کتنے جسموں کو نگل لیا ہے۔ لاتعداد جوانیاں بے تار بچپن وقت سے پہلے ہی قبروں کی تاریکیوں میں اتار دیے ہیں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔ آنے والے وقت کی دہشت و خوف سے وہ زرد ہو رہی تھیں۔

"خاموش ہو بدبخت عورت! شمشیر خان شیر خان ہے۔ اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اب دشمنوں کے گھر برباد اور قبرستان آباد ہوں گے۔ میرا بیٹا اپنی فتح کا جھنڈا لگائے گا۔ سرحدی پہاڑ پر جو کام اس کے بڑے نہیں کر سکے وہ کر دکھائے گا۔" شہباز خان پر یکلخت بیٹے کی زور آوری و کشور کشائی حملہ آور ہوئی تھی۔ انہوں نے تیزی سے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔

❁ ❁ ❁

"آنٹی! طبیعت کیسی ہے اب؟" ورشا خجستہ بیگم سے پوچھنے لگی جو رات سے بخار اور ٹمپریچر کے باعث بستر پر دراز تھیں۔ فارحہ اور سفیل ساتھ ہی اس کے اندر داخل ہوئی تھیں۔

"موسم نے پوری قوت سے حملہ کیا ہے بیٹا! پورے بدن میں درد ہے۔ آج تو مارکیٹ جانے کی بھی ہمت نہیں ہے۔ بہت ہمت کرنا چاہ رہی ہوں کہ بوتیک جا سکوں کیوں کہ کچھ کسٹومرز کو پرامیز ڈلیس ڈریس دینے ہیں آج ضروری مگر....." انہوں نے رومال سے اپنی نزلے سے سرخ ہوتی ناک رگڑتے ہوئے پریشان کن لہجے میں کہا۔ نقاہت و بخار کی کمزوری سے وہ نڈھال نظر آ رہی تھیں۔

"ممی! آج ہم تینوں چلے جاتے ہیں بوتیک۔ آپ گھر پر آرام کریں۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ کیوں کہ فارحہ ڈیلنگ بہتر طور پر کر لیتی ہے۔ آپ کو بھی گائیڈ کرے گی۔ اگر کوئی پرابلم ہو تو مجھے کال کر کے ڈسکس کر سکتی ہو۔" انہوں نے تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"اوکے مما! آپ پریشان مت ہوئیے گا ہم اچھی طرح سب کچھ سنبھال لیں گے۔" تینوں نے باری باری ان کے رخسار چومے تھے۔ ان کے چہرے پر آسودہ مسکراہٹ تھی۔

"ورشا بیٹے! مجھے آپ کو بھیجنا مناسب نہیں لگ رہا۔" انہوں نے کسی خیال کے تحت جھجک کر کہا۔

"کیوں آنٹی! میں فارحہ سفیل کی طرح ہی لڑکی ہوں۔" اس نے رک کر سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میں جانتی ہوں ورشا! مگر میری جان! ہمارا اسٹینڈرڈ آپ کے اسٹینڈرڈ سے کہاں نہیں ہے۔ آپ کے بابا اور بھائیوں کو خبر مل گئی تو سمجھتی ہیں آپ کیا ہوگا؟"

"انہیں خبر کون دے گا؟ ایسی معمولی باتوں کی آپ پروا نہ کیا کریں آنٹی! جب تک تو میں آپ کے پاس ہوں تو آپ ہی میں سے ہوں۔ فضول سوچوں کو دل میں جگہ نہ دیا کریں۔"

"خوش رہو! اللہ نے آپ کو چہرہ ہی نہیں دل بھی بہت خوب صورت دیا ہے۔ اوکے... اب آپ لوگ جائیے۔"

انہوں نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے انہیں خدا حافظ کہا۔ وہ تینوں کمرے سے نکل آئیں۔ ملازمہ کو مما کا خیال رکھنے اور پرہیزی کھانا پکا کر وقت پر کھلانے کی تاکید کرتی ہوئیں وہ گیراج میں کھڑی کار کی طرف بڑھ گئیں۔ ڈرائیور آج چھٹی پر تھا۔ کار ڈرائیو کرنے کی ذمے داری ورشا پر عائد ہوئی کیوں کہ اس نے پچھلے ماہ ہی موٹر ٹریننگ اکیڈمی سے ٹریننگ حاصل کی تھی۔ اسے بہت شوق تھا کار ڈرائیو کرنے کا۔ بہت ڈرتے ڈرتے اس نے ٹریننگ لی تھی۔

"ورشا! یاد رکھنا ہمیں طارق روڈ چلنا ہے کہیں "اوپر" مت پہنچا دینا۔" فارحہ نے اس کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ر میں بیٹھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"یہ تمہاری لک ہے اگر اوپر کا ٹکٹ کٹ چکا ہوگا تو میں کیا کر سکتی ہوں۔" ورشا نے ہنستے ہوئے کہہ کر کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

"اوہ! شٹ اپ۔ ایسے وقت ایسی منحوس باتیں کرنے کے بجائے اچھی باتیں کرو۔" سنبل دم کر بولی۔

"کلمہ پڑھنے سے اچھا اور بہتر کام بھلا کیا ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہہ رہی ہوں کلمہ پڑھ لو۔"

"فارحہ..... فارحہ! میں چھلانگ لگا دوں گی کار سے اگر ایسی باتیں کرتی رہو گی تو۔"

"پھر تو کلمہ پڑھنا اور بھی لازمی ہے۔" فارحہ کی شرارت پر سنبل غصے سے سرخ ہو رہی تھی جب کہ ورشا ہنس دی تھی۔ ان دونوں کی نوک جھوک کے درمیان راستہ طے ہو رہا تھا۔ ورشا کافی تناؤ سے کار ڈرائیو کر رہی تھی کیوں کہ وہ بوتیک اکثر ان کے ساتھ آتی رہی تھی۔ راستے اس کو از تھے۔

"کراچی میں اکثر لڑکیاں' عورتیں کار ڈرائیو کرتی ہیں۔ مگر لوگ اتنی حیرانگی سے دیکھتے ہیں سے کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو۔ اور خصوصاً مرد حضرات کی نگاہوں و چہروں پر حیرانگی و دلچسپی از حد ہوتی ہے۔" فارحہ نے اردگرد سے گزرتی گاڑیوں میں بیٹھے لوگوں کی نگاہوں کا تجزیہ کرتے ہوئے منہ کر کہا۔ ورشا نے کارڈرائیو کرتے ہوئے اس کی بات کی تائید کی۔ بوتیک میں کپڑوں کی ورائٹی اور موسم کے مطابق تھی۔ شادیوں کا سیزن بھی چل رہا تھا اس وجہ سے بھی کسٹومرز کی تعداد زیادہ تھی۔ آنے کے بعد انہیں ذرا بھی فرصت نہیں ملی تھی۔ فارحہ اور سنبل ڈریس سیکشن میں روف تھیں ساتھ ہی ان کے چار ہیلپر گرلز بھی تھیں۔ وہ آنٹی کی سیٹ پر بیٹھی تھی یعنی کسٹمرز سے ڑوں کی ادائیگیاں وصول کر رہی تھی۔ دوپہر سے شام ہونے کو آئی تھی اور شام کے ساتھ کسٹمرز آمد و رفت مزید بڑھ گئی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھی چائے کے سپ لیتی ہوئی فارحہ' سنبل اور ان دوں لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی جو بڑی خوش دلی و خوش گفتاری سے ڈیلنگ کر رہی تھیں۔ معاً گلاس کھول کر اندر آنے والے ایک کپل کو دیکھ کر وہ چونک گئی۔ لائٹ گرے سے کوٹ سوٹ پر ک نائی لگائے ہنستے مسکراتے وہ کیوٹ سے بچوں کا ہاتھ پکڑے ساتھی خاتون سے باتیں کرتے ں کو دیکھ کر اسے اپنی بصارت پر دھوکے کا گمان گزرا اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ ی کا ہاتھ پکڑ کر بچا گلڈ پوشن کی طرف بڑھ گئے تھے۔ خاتون جو سرخ و سبز پرنٹ کے جدید ٹ میں ملبوس تھیں خاصی ماڈرن و فیشن ایبل دکھائی دے رہی تھیں۔ تراشیدہ ڈائی کیے گئے بال ں سے بھی اوپر تھے۔ سفید پیچھے پر از حد آسودگی و اطمینان موجزن تھا۔ ہونٹ اس کے

سرخ لپ اسٹک سے خوب صورت لگ رہے تھے۔ گولڈ جیولری اس کی صاف رنگت پر خوب جچ رہی تھی۔ وہ لیڈیز پورشن میں ملبوسات کو جانچ رہی تھی۔ فارحہ اسے نئی ورائٹی سے متعارف کروا رہی تھی۔

"ہیلو میڈم! آپ ان کو جانتی ہیں شاید! یا پہچاننے کی کوشش کر رہی ہیں؟ سیلز گرل جو مسلسل اس کی کمپنی اس طرف محسوس کر رہی تھی ایک دم اس سے مخاطب ہوئی۔

"آں..... ہاں جی مجھے ایسا لگ رہا جیسے میں نے انہیں کہیں دیکھا ہے مگر یاد نہیں آ رہا۔" سیلز گرل کی پر اشتیاق آواز پر اسے اپنی حماقت و محویت کا احساس ہوا اس نے فوراً ہی نگاہوں کا ا یہ بدل کر بات بناتے ہوئے کہا۔

"یہ مسز مغیث خان ہیں۔ بہت کنجوس' نک چڑھی و بد مزاج عورت' اور اپنے شوہر پر حد درجہ شک کرتی ہیں کیوں کہ وہ ان کے مقابل بہت حسین اور خوبرو ہیں۔" سیلز گرل اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی مگر اس کے اردگرد تو جیسے سناٹے پھیل گئے تھے۔ وہ کسی تودے کی طرح کرسی پر ڈھے گئی۔ کسی خاتون کی آمد پر وہ لڑکی چلی گئی تھی۔ اس کی سماعتوں میں ایک ہی آواز گردش کر رہی تھی۔ مسز مغیث خان..... مسز مغیث خان! کتنا اندوہناک انکشاف تھا یہ۔

"ویلکم ویری مچ!" کچھ دیر بعد وہ کپڑوں کے ہینگرز اٹھائے اسی طرح بچوں کا ہاتھ پکڑے کاؤنٹر کے پاس کھڑے ہو کے اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

"یس!" اس نے چہرہ اٹھا کے سلگتی ہوئی نگاہیں ان کی طرف معنی خیزی سے ڈالی تھیں۔

"اوہ ورشا آفریدی تم!" وہ قدرے بوکھلا کے "گڑبڑا" سے گئے تھے۔

"جی..... شکر ہے آپ نے پہچان لیا ورنہ میں تو سمجھ رہی تھی پہچاننے سے ہی انکار کر دیں گے۔" وہ سیلز گرل کو وہ سوٹس پیک کرنے کا کہہ کر ان سے طنزیہ و شاکی لہجے میں مخاطب ہوئی۔

"ارے نہیں بھئی! میری یادداشت بہت پاور فل ہے اور تم تو میری سالی یعنی آدھے گھر والی ہو تمہیں تو بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" انہوں نے لمحے کے ہزارویں حصے میں اپنی حواس ا گی و حالت پر قابو پایا تھا اور بہت اعتماد و شائستگی سے مخاطب ہوئے تھے۔

"بیوی اور ان دو بچوں کی موجودگی میں آپ کو ایسے الفاظ زیب نہیں دیتے مغیث لالا!"

"اوہ! تم بغیر تعارف کے ہی سمجھ گئیں چلو اچھا ہوا تمہاری ذہانت و زیرک نگاہ کی داد دیتا ں مگر تم نے کیا کہا ابھی؟ مجھے کیا زیب نہیں دیتا؟" وہ کم فہم نہ تھے بھنا پوز کر رہے تھے۔

"آپ نے شادی کر لی' آپ ایک پیاری سی بیوی اور دو عدد خوب صورت بچوں کے باپ ں مگر اب کس بنا پر آپ مجھے پرانے رشتے کے حوالے سے یاد کر رہے ہیں؟" اس نے پرآس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سلپ بناتے ہوئے دبے دبے لہجے میں کہا۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں تھا۔ نیلگوں آنکھوں میں نمی کی چمک تھی۔

"یہ شادی میری ضرورت تھی۔ مجبوری تھی میری۔ یہاں میرا اور کون ہے۔ گھر ہے۔ وسیع حلقہ احباب ہے جو میں تنہا نہیں سنبھال سکتا تھا۔ سو مجبوراً مجھے بازغہ سے شادی کرنی پڑی۔ میری اصل شریک حیات تو سفاویہ ہی بنے گی۔ بس ذرا....."

"شٹ اپ مغیث لالہ! کوئی اختیار نہیں ہے اب آپ کو میری بہن کا نام اپنی زبان پر لانے کا۔ میری بہن اتنی خود غرض و بے ضمیر نہیں ہے کہ اپنی مسرتوں کا تاج محل کسی کے مقبرے پر بنائے۔"

"مجھ پر پہلا حق سفاویہ کا ہی ہے ورشے! وہ میری بچپن کی منگیتر ہے....."

"ہونہہ..... کتنا مضحکہ خیز تصور ہے۔ ایک شادی شدہ دو بچوں کے باپ کا منگنی شدہ ہونا۔" اس نے نفرت سے ہونٹ بھینچ کر کہا۔ پر پل دوپٹے کے ہالے میں اس کے چہرے پر شدید طیش و کبیدگی تھی۔

"یہ بڑوں کے فیصلے ہیں جو تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ سفاویہ کو موت مجھ سے جدا کر سکتی ہے اور کسی میں دم نہیں جو اسے مجھ سے جدا کر دے۔ بہرحال یہ باتیں ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی یہ بتاؤ یہ گھٹیا جاب تم کیوں کر رہی ہو؟ مجھے یہ تو معلوم تھا تم یہاں پڑھنے آئی ہو مگر یہ جاب....."

"میں جاب نہیں کر رہی ہوں۔" اس نے ان کی غلط فہمی رفع کرنے کے لیے بتایا کہ وہ کس وجہ سے آئی ہے۔

"شہروز خان کی پوتی' شہباز خان کی بیٹی' شمشیر خان کی بھتیجی شاہان شان یہ دو ٹکے کی جگہ سراسر توہین ہے۔ تم حاکموں کی اولاد ہو ورشا! یہ محکوموں جیسا شوق کیوں اٹھا تمہیں؟"

"مغیث لالہ! آپ میرے محسنوں کی بے عزتی کر رہے ہیں۔ یہ جگہ آپ جیسے دو ٹکے کی کہہ رہے ہیں اس مارکیٹ کی سب سے مہنگی و اعلیٰ بوتیک ہے۔ اس کی ویلیو لاکھوں میں ہے۔"

"لیکن تمہارے شایان شان ہرگز نہیں ہے۔ تمہارے بابا اس جیسی دس مارکیٹیں خرید سکتے ہیں۔"

"یہی بدقسمتی ہے ہماری لالہ! حویلی والوں کے دل محبتوں سے خالی ہیں۔ ان کے لاکرز بھرے ہوئے ہیں اور آپ کو تو میں حویلی کے خود ساختہ خداؤں سے مختلف سمجھتی تھی مگر آپ تو اعلیٰ انسان بھی نہیں نکلے لالہ! اپنے نفس' خواہشات و خود غرضی و خود پسندی کے بت کی پوجا

کرنے والے ارزاں ترین انسان ہیں آپ!" اس کی نگاہوں کی کاٹ اور آنکھوں سے نکلتی تحقیر نے لمحے بھر کو ان کی خود اعتمادی و چرب زبانی ہوا کر دی تھی۔

"ورشا! حد میں رہو اپنی۔ جانتی ہو کس سے مخاطب ہو؟"

"میں جوتے کی ٹھوکر مارتی ہوں ایسے رشتے پر۔ کبھی معاف نہیں کروں گی آپ کو۔ شادی کر کے باپ بن کر عیش و عشرت میں زندگی گزارنے کے باوجود خود کو مجبور و مظلوم سمجھ رہے ہیں آپ! وہاں میری بہن کو برسوں سے انتظار کی سولی پر لٹکا رکھا ہے آپ نے۔ آپ معاف کرنے کے قابل نہیں ہیں۔" اس نے بمشکل اپنی آواز پر قابو رکھا ہوا تھا۔ سفاویہ کا گلابی چہرہ اس کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا۔ وہ تین سال سے مغیث کا انتظار کر رہی تھی اور وہ یہاں لائف انجوائے کر رہا تھا۔

مغیث گھبرائی ہوئی نگاہوں سے اس طرف آتی اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا جس نے کئی سوٹ اٹھائے ہوئے تھے اور اسے ورشا سے باتیں کرتے دیکھ کر حسب عادت اس کی تیوریاں چڑھ گئی تھیں۔ ورشا نے بھی مجبوراً اپنا موڈ خوش گوار کیا تھا۔ بہرکیف خاندانی رنجشیں وہ سر عام لانا نہیں چاہتی تھی۔

"کیا بات ہے؟ اتنی دیر سے میں نوٹ کر رہی ہوں تم سیلیں سنے ہوئے ہو۔ یہ تمہاری چیپ عادت کب ختم ہو گی؟ جہاں کوئی خوب صورت چہرہ دیکھا وہیں پھسل گئے۔ لعنت ہے تمہاری اس عادت پر۔" انہوں نے ایک جھٹکے سے سارے سوٹ کاؤنٹر پر رکھے تھے اور خاصے جارحانہ تیوروں سے مغیث سے مخاطب ہوئی تھیں۔ واقعی وہ خاصی تیز و طرار' منہ پھٹ و بد دماغ' شکی عورت تھی۔ سیلز گرل نے فٹافٹ سوٹوں کی پیکنگ شروع کر دی تھی۔ سلپ بناتی ورشا نے تمسخرانہ نگاہ مغیث پر ڈالی تھی۔ اس کے اندر کہیں لمحے بھر کو ٹھنڈک سی پڑی تھی۔

"بیگم! یہ میری بہنوں جیسی ہے۔" وہ دم دبا کر منمنائے تھے۔

"ہونہہ..... پہلے سب بہنوں جیسی ہوتی ہیں۔ بیویوں جیسی تو بعد میں بنتی ہیں۔" وہ غرا کر بولی۔ "چلو بچوں کو لے کر جاؤ میں پے منٹ کر کے آتی ہوں۔" حکم سنتے ہی مغیث بچوں کو لے کر آگے بڑھ گئے۔ ان محترمہ نے کافی تحقیر بھرے انداز میں پے منٹ کی پھر ایک سرد نگاہ ورشا کے چہرے پر ڈال کر گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ ورشا نے گہری سانس لے کر سر کرسی سے ٹکا دیا۔ اس کا ذہن ابھی تک نارمل نہیں ہوا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر بازغہ کا موازنہ سفاویہ سے کر رہی تھی غیر جانب داری سے مگر ہر بار پلڑا سفاویہ کا بھاری تھا۔ خوب صورتی و خوب سیرتی میں' عادات و اطوار میں' گفتار و اخلاق میں۔ بازغہ سب میں کوری تھی پھر کیوں مغیث لالہ نے ہیرے کو چھوڑ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کر پتھر کا انتخاب کیا ہے؟ اور کیسے بے دام ہو کر غلام بنے ہوئے ہیں۔ مروا نگی وحشت جیسے بالکل ہی فروخت کر ڈالی ہو۔ اس کی سوچوں کا زاویہ ان کے گردنی گردش کر رہا تھا۔

رات نو بجے کے بعد وہ گھر کے لیے روانہ ہوئی تھیں۔ فارحہ اور سنبل پوری طرح تھک گئی تھیں مگر خوش بھی بہت تھیں کہ آج سیل بہت اچھی ہوئی تھی۔ واپسی میں بھی وہی کار ڈرائیو کر رہی تھی مگر اب اس کے ذہن پر الجھنوں کے جال بچھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کی بھی باتوں کا جواب وہ غائب دماغی سے دے رہی تھی۔ آج سردی میں اضافہ ہوا تھا۔ باہر سے سرد ہوا کے جھونکے اندر آ رہے تھے۔ ماحول پر خاموشی کا راج تھا۔ سخت سردی کے باعث ٹریفک بھی برائے نام تھی۔ گلشن اقبال کی طرف جانے والی سڑک پر اکا دکا کاریں تھیں۔ فارحہ کے کہنے پر اس نے شارٹ کٹ لے پر کار موڑ دی تھی۔ یہاں سے گھر جلدی آ جاتا تھا کیوں کہ اس طرف پارک اور کھیل کا میدان تھا جس کے درمیان سے جاتی پتلی سی سڑک اکثر خالی رہتی تھی۔ شام کے وقت یہاں خوب رونق ہوتی تھی۔ اس وقت یہاں صرف واک کے شوقین لوگ ٹہلتے نظر آتے تھے ورنہ راستہ کلیئر رہتا تھا۔ سو اس وقت وہاں بالکل خاموشی تھی۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں سیاہ سڑک چمک رہی تھی۔

درشا کی خاموشی محسوس کر کے وہ دونوں بھی خاموش ہو گئی تھیں۔ درشا راستہ کلیئر دیکھ کر فل اسپیڈ میں کار دوڑا رہی تھی۔ اس کے دماغ پر سیاہ آندھی کے جھکڑ ابھی بھی پوری رفتار سے قیامت مچا رہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی۔ بالفرض محال حشاویہ کو اگر سفیٹ خان شادی کر کے لے آتا ہے تو اس کے گھر میں پہلی خون خوار و بلا دنما بیوی کی موجودگی میں اس کا کیا مقام ہوگا؟ کیا اسے گھر کی مالکن اور بیوی کے حقوق باعزت طریقے سے مل سکیں گے؟ یا زندہ اسے سوکن کے روپ میں برداشت کرے گی؟ سفیٹ لالا حشاویہ کو خوش حال و پر اعتماد زندگی دے سکیں گے؟ وہ شخص جو بیوی کے آگے زر خرید غلام کی مانند حکم کا منتظر رہتا ہو بچوں کو باپ کی طرح نہیں ملازم کی طرح سنبھالتا ہو وہ بھلا اتنی جرات کہاں کر سکتا ہے کہ دوسری بیوی کو اعتماد و تحفظ و باعزت مقام دے سکے۔ مگر یہ بھی حقیقت تھی ان کی اٹل روایت تھی کہ جو لڑکی ایک بار کسی مرد کے نام سے منسوب ہو جائے پھر وہ آخری سانس تک اسی کی ملکیت رہتی ہے۔ دوسری صورت میں بات خون خرابے تک پہنچتی ہے اور خاندان میں ایک سے زائد شادیاں کرنا باعث فخر سمجھا جاتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ سفیٹ لالا اگر مزید شادیاں اور بھی کر ڈالیں تو کوئی برا نہیں سمجھے گا۔ حشاویہ ان کے نام پر بیٹھی رہے گی۔

"اوہ! درشا بریک لگاؤ سامنے بائیک پر تین اشخاص ہیں۔" فارحہ کی متوحش چیخ اسے

حواسوں میں لائی۔ ان سے کچھ ہی فاصلے پر بائیک تھی جو شاید ابھی سائیڈ سے نکل کر سامنے آئی تھی۔ اس نے گھبرا کر بہت تیزی سے بریک لگائے تھے۔ کار خوف ناک چرچراہٹ کی آوازیں نکالتی رکتے رکتے بھی بائیک سے ٹکرا گئی تھی۔ ان کی لاشعوری انداز میں نکلنے والی چیخوں کی آواز میں بائیک سے گرتے ان لوگوں کی آواز دب گئی تھی۔ کار بہت آہستگی سے بائیک سے ٹکرائی تھی پھر بھی زوردار طریقے سے ٹکرائی تھی۔ ان تینوں نے برق رفتاری سے دروازے کھولے تھے اور بھاگ کر ان تینوں کی طرف بڑھی تھیں جو لڑکھڑاتے انداز میں سڑک پر پڑے تھے۔ بائیک ان سے کچھ فاصلے پر گری ہوئی تھی۔

"درشا! مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہیں یہ مر نہ گئے ہوں۔" فارحہ نے کانپتے ہوئے خوف زدہ نگاہ ان تینوں پر ڈالتے ہوئے کپکپاتے لہجے میں کہا۔

"فا... فا... ر... حہ ایسی باتیں نہیں کرو اگر یہ تینوں مر گئے تو مجھے پھانسی ہو جائے گی درشا کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو گیا تھا اس کی نیلی آنکھوں میں دہشت و وحشت چمک رہی تھی ہاں اور پھانسی کے بعد معلوم ہے چہرہ کیسا ہو جاتا ہے؟ ایسا۔" سنبل نے پوری زبان باہر لٹکا کر آنکھیں بری طرح پھاڑتے ہوئے بے جان ہو کر بتایا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو اس کی شکل دیکھ کر وہ لوٹ پوٹ ہو جاتیں مگر اس وقت خوف سے تھر تھر کانپنے لگیں۔

"ایسا کرتے ہیں بھاگ چلتے ہیں۔ ہمیں کسی نے نہیں دیکھا۔" فارحہ نے تجویز دی۔

"نہیں... یہ انسانیت و اخلاقیات کے خلاف ہے اور ہمارا ضمیر بھی اس جرم کو معاف نہیں کرے گا۔ انہیں دیکھتے ہیں شاید زندہ ہوں۔" درشا جو اپنے خوف پر قابو پا چکی تھی پر امید لہجے میں بولی۔

"ہاں یہ درست ہے۔" وہ دونوں بھی آگے بڑھ کر ان کی طرف جھکی تھیں۔ ان میں دو خاصے اسمارٹ نوجوان تھے جو ایک دوسرے سے فاصلے پر تھے اور ایک بھاری جسامت کا شخص سڑک کے سائیڈ میں پڑا تھا۔ درشا اس کی طرف بڑھی اور خاصی جدوجہد کے بعد اس شخص کو سیدھا کر پائی۔ اس کی شکل دیکھ کر وہ چونک پڑی۔ وہ آفتاب تھا جو بے ہوش پڑا تھا حالانکہ چوٹ اس کے کہیں بھی نہیں آئی تھی۔

"فارحہ! یہ آفتاب ہے۔" اس نے حیرانگی سے چیخ کر کہا۔

"یہ باسط ہے۔" فارحہ کی آواز میں بھی حیرانگی تھی۔ "اس کے بھی چوٹ نہیں لگی مگر یہ بے ہوش ہے۔"

"اور یہ صارم ہے۔" سنبل کے لہجے میں ایسی سرخوشی تھی جیسے اس نے کوئی نیا سیارہ دریافت کر لیا ہو۔

"یہ تینوں یہاں کیا کر رہے تھے؟" درشا نے کھڑے ہوتے ہوئے جھنجلاہٹ سے کہا۔

"یہ بھی ہماری طرح گھر جا رہے ہوں گے۔ اوہ! صارم کو ہوش آ رہا ہے۔" فارحہ نے تیز لہجے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں کہا۔ ورشا بھی بے اختیار آگے بڑھی تھی اور جھک کر اس کے چہرے کو دیکھنے لگی جو کچھ بے چین سا ہو رہا تھا پھر تیزی سے اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ عین نگاہوں کے سامنے ورشا کا چہرہ تھا۔

لازم نہیں کہ اس کو بھی میرا خیال ہو
جو میرا حال ہے وہی اس کا بھی حال ہو
کوئی خبر کہیں سے خوشی کی ملے منیر
ان روز و شب میں ایک دن ایسا کمال ہو

اس نے اپنے مخصوص انداز میں بیٹھتے ہوئے شعر پڑھا۔ ورشا کو جہاں اسے زندہ و سلامت دیکھ کے اطمینان ہوا تھا' وہیں اس کی بے ہودہ گوئی سے سخت چڑ ہوئی تھی۔ وہ ناگواری سے منہ بناتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔

"صارم بھائی! کیسے ہیں آپ؟ چوٹ تو نہیں آئی آپ کے کہیں؟" فارحہ اور سنبل نے جھٹ "بھائی" کا اضافہ کیا۔ اس اثنا میں وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور اپنے ساتھیوں کو دیکھ رہا تھا۔

"نہیں خاص چوٹ نہیں آئی اچانک بریک لگنے کے باعث سر پر چوٹ لگی تھی جس سے دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ میری لاپرواہی کو مگر آپ نے ہوا دی ہے؟" اس نے باسط کو جھنجھوڑتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی... وہ آپ اچانک ہی سامنے آ گئے تھے۔ ورشا نے بریک تو لگایا تھا مگر پھر بھی....."

"کار وہ محترمہ ڈرائیو کر رہی تھیں؟ جس طرح نیم حکیم جان کے لیے خطرہ ہوتا ہے اس طرح نیم ڈرائیور بھی زندگی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔" اس نے کن انکھیوں سے ورشا کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"آہ... آہ! میں کہاں ہوں؟" اسی ساعت باسط کو ہوش آ گیا تھا۔

"بیٹا! بھیجی ہیں آپ! جنت میں جاتے جاتے واپس دنیا میں لوٹ آئے ہو۔" صارم نے اسے سہارا دے کر بٹھاتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔ باسط ان تینوں کو دیکھ کر حیران ہو گیا تھا۔ اس کو مختصراً صارم نے تفصیل بتائی تھی اور اسے کچھ اشارے کر کے آفتاب کی طرف بھیجا۔

"باقی داستان آپ کو ڈرائیونگ لائسنس الاؤنس نے کیا ہے؟" وہ کار کے پاس کھڑی ورشا سے مخاطب ہوا تھا۔ اس کی نگاہوں میں وہی روشنی و شوخی تھی جس سے وہ چڑتی تھی۔

"دیکھیے سفر اغلطی میری نہیں تھی۔ آپ کو ہارن دے کر سڑک پر آنا چاہیے تھا۔ جس طرح آپ آئے ایسی ڈرائیونگ سے ہی ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں۔" اس کے لہجے میں برہمی در آئی تھی۔ صارم کی نگاہیں اس کے کاسنی دوپٹا و سوٹ میں ملبوس دل کش سراپا میں الجھ رہی تھیں۔ جب کہ باسط آفتاب کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا اور آفتاب اسی طرح بے حس و حرکت پڑا تھا۔ فارحہ

اور سنبل کے ساتھ ساتھ ورشا کے چہرے کا رنگ بھی متغیر ہوتا جا رہا تھا۔

"صارم بھائی! آفتاب صاحب کو ہوش کیوں نہیں آ رہا؟ ٹائم گزرتا جا رہا ہے۔ گھر پر سبھی ہماری لیے پریشان ہو رہے ہوں گے پلیز کچھ کیجیے۔" سنبل نے رندھے ہوئے لہجے میں اس سے کہا۔

"پریشانی کی تو بات ہے۔ آفتاب کو ہوش کیوں نہیں آ رہا؟" وہ بھی متفکر سا آگے بڑھ کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر آفتاب اسی طرح بے حس و حرکت تھا۔

"آفتاب! اوہ آفتاب آنکھیں کھول یار۔ ابے ٹنکی ہوش کر۔" وہ دونوں ہی پریشانی سے اسے آوازیں دے رہے تھے۔ آفتاب کی بے ہوشی ہنوز برقرار تھی۔

"صارم! کیا ہو گیا میرے یار کو؟" باسط گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیا ہوا آفتاب کو؟ اسے ہوش کیوں نہیں آ رہا؟" وہ تینوں ہی از حد پریشان تھیں۔

"لگتا ہے یار آفتاب اپنا ساتھ چھوڑ گیا۔" باسط اس کے سینے کے دائیں سائیڈ ہاتھ رکھ کر گھبرا کر گویا ہوا۔ ان تینوں کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا

"بکواس مت کر یار! ٹنکی ہمیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" صارم سخت متوحش ہوا۔

"اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھ یار! دل بالکل خاموش ہے۔" باسط کراہا۔

"اوہ! ہاں... یہ کیا کیا تو نے آفتاب؟ ہمیں اتنی جلدی چھوڑ کر چلا گیا۔ ارے ریس میں تو ہمیشہ ہم سے ہارتا تھا پیچھے رہ جاتا تھا آج اتنی بڑی جیت لگائی تو نے سیدھا اوپر پہنچ گیا۔"

"ارے میری جان! اس بیوی کا کیا ہو گا تیری جو بیوی بنے سے قبل ہی بیوہ بن گئی۔"

"ان بچوں کا کیا ہو گا؟ جو دنیا میں آنے سے قبل ہی یتیم ہو گئے۔" صارم اور باسط عورتوں کی طرح دہائیاں دے کر فشک آنکھوں سے رو رہے تھے۔

"کیا..... کیا؟ ان کا انتقال ہو گیا؟" ورشا حواس باختگی سے دونوں سے مخاطب ہوئی۔

"ہاں قسمت دیکھیے اس کی بیوی کو پیارا ہونے سے قبل ہی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ آپ نے ہماری جان ہی لے لی غریب کی۔" باسط کی آواز اسے دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ ہوش کا پھندا اسے اپنے گلے میں پڑا ہوا محسوس ہونے لگا۔ نگاہوں کے سامنے اندھیرا سا اندھیرا تھا۔ اس کا دم بہت زور سے گھٹا تھا۔ دوسرے لمحے اس کے حواس ساتھ چھوڑ گئے اور وہ بے جان گڑیا کی طرح گرنے لگی تھی۔

❀❀❀

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ورشا... ورشا! پلیز ہوش میں آؤ۔" فارحہ اور سنبل پریشانی و فکرمندی سے اس پر جھکی ہوئی تھیں۔ عبارم کی مدد سے وہ گھر پہنچی تھیں۔ وہ انہیں یہاں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اسے آفتاب کو بھی اسپتال پہنچانا تھا۔ ان دونوں نے روتے ہوئے اس کی منت سماجت کی تھی کہ وہ پولیس میں رپورٹ نہ کردیں اور انہوں نے تسلی دی تھی وہ ایسا نہیں کریں گے۔ مگر وہ دونوں از حد خوف زدہ و پریشان تھیں۔ ایک آدمی کا قتل ہونا یا حادثے میں ہلاک ہو جانا دو واقعات کا انجام ایک ہی تھا۔ یعنی موت تو واقع ہو چکی تھی اور موت بھی حادثاتی ہو کسی جرم سے عبارت تھی۔ ان خیالات نے ہی انہیں متوحش و حواس باختہ کر رکھا تھا۔ ورشا کو ڈاکٹر سجاد جو کہ ان کے فیملی ڈاکٹر تھے سکون کا انجکشن لگا کر جا چکے تھے۔ ان کے کہنے کے مطابق وہ بے حد ذہنی دباؤ کے باعث بے ہوش ہوئی تھی۔

ساری رات ان کی اسی پریشانی میں گزری تھی۔ اب صبح ہو جانے کے باوجود اس کی حالت جوں کی توں تھی۔ وہ دونوں از حد پریشان ہو رہی تھیں۔

"فارحہ! ہم یہیں اٹھ رہی کیا کریں؟" سنبل بھرائے لہجے میں گویا ہوئی۔

"میرے خیال میں ایک گھنٹہ اور انتظار کرتے ہیں۔ مما چلی جائیں پھر ڈاکٹر صاحب کو دوبارہ کال کر کے بلاتے ہیں۔ تم مما کے پاس چلی جاؤ ہم تینوں کو کمرے میں دیکھ کر وہ پریشان ہوں گی۔"

"اوکے۔ مما تو صورت حال سے بے خبر ہی ہیں۔ رات کو آئے تھے تو وہ سو رہی تھیں۔ اب بھی اگر مما کو بتا دیں تو سمجھو قیامت ہی آ جائے گی۔ میں سر ہاتھوں پر لوں پھر جاتی ہوں لیکن ورشا کو کوئی بہانہ کرنا پڑے گا۔"

فارحہ ورشا کے قریب ہی لیٹ گئی۔ وہ بھی سنبل کی طرح گم صم و منتظر تھی۔ ایک ہی رات میں آنکھوں کے گرد حلقے ذہنی الجھنوں اور خوف و ہراس نے ان کے چہروں کی شادابی و شگفتگی نچوڑ لی تھی۔ ان حادثوں و سانحوں نے ان کے چہروں کی رنگت میں زردیاں بھر دی تھیں وہ دونوں ہی احساسات سے دوچار تھیں۔

"مما کو تو کافی پاکستانی ڈشز پسند آ رہی ہیں۔ آپ لوگ ابھی تک اپنے کمروں میں ہیں۔"

لائٹ پرپل جارجٹ کی دھانت بارڈر والی ساڑھی میں ملبوس سادہ سا جوڑا بنائے سادے فریش چہرے پر مخصوص دھیمی و پرشفقت مسکراہٹ سجائے وہ کمرے میں از خود چلی آئی تھیں۔

"گڈ مارننگ مما! ہم ابھی آ رہے تھے۔" دونوں نے بیک وقت کہا تھا کیوں کہ سنبل باتھ روم سے نکل آئی تھی۔

"ارے ورشا ابھی تک نہیں اٹھی ہیں؟ خیریت ہے طبیعت ٹھیک ہے نا؟" وہ پریشان سی آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چھو کر اطمینان کرنے لگیں۔

"یس مما! ورشا ٹھیک ہے۔ بس تھکن بہت زیادہ محسوس کر رہی تھی۔ میں نے اٹھایا نہیں کہ اچھا ہے سو کے اٹھے گی تو تھکن بھی اتر جائے گی اور طبیعت بھی فریش ہو گی۔"

"اچھا کیا۔ بلکہ مجھے تو آپ دونوں بھی بہت تھکی تھکی نڈھال لگ رہی ہیں۔ ایک ہی دن میں چہرے مرجھائے ہوئے پھولوں کی طرح بے رنگ ہو رہے ہیں۔ اور آنکھوں میں لگتا ہے لو شیڈنگ کا پروگرام طویل ہے۔" انہوں نے ممتا بھرے انداز میں ان کے چہروں اور آنکھوں کی ویرانی و بے خوابی کا تجزیہ کیا۔

"نو مما! ایسی بات نہیں۔ دراصل ہمیں عادت نہیں ہے ہوٹیک ڈیل کرنے کی۔ فرسٹ ٹائم تو ایسی کنڈیشن ہوتی ہے۔ اب ہم نے فیصلہ کیا ہے ہفتے میں دو دن ہم ہوٹیک جایا کریں گے تاکہ آپ کو سپورٹ بھی ملے اور ہمیں تجربہ بھی حاصل ہو گا پھر ہم رفتہ رفتہ ایکسپرٹ ہو جائیں گے۔"

"اوہ نو.... کینکس مائی ڈیئر! پہلے آپ اپنی اپیئرنس کمپلیٹ کریں پھر دیکھا جائے گا۔ سنبل آپ میرے ساتھ کچن میں آ جاؤ۔ آج زہرا نہیں آئی ہے۔ آپ کے ڈیڈی پراٹھے کھانا چاہ رہے ہیں۔ فارحہ آپ ورشا کے پاس ہی ٹھہرو میں آپ دونوں کا ناشتہ یہیں بھیج دوں گی۔" وہ اپنی سادہ مزاجی کے باعث ان کی پریشانی رفع کر گئی تھیں۔ سنبل اور فارحہ نے اطمینان بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"مما! آپ آج اور ریسٹ کر لیتیں ابھی آپ کی طبیعت مکمل طور پر سیٹ نہیں ہوئی۔"

"اب کل کے مقابلے میں تو کافی بہتر ہوں۔ زکام تو مجھے سرد موسم میں ہمیشہ سے رہتا ہے اب یہ دو تین ماہ ہی ہم گارمنٹس والوں کے سیل کے دن ہوتے ہیں۔ میں چھٹی کر کے نقصان نہیں کرنا چاہتی۔" وہ سنبل کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی کمرے سے چلی گئیں۔ فارحہ نے جو ان کو دیکھ کر چہرے پر بمشکل بشاشت پیدا کی تھی ان کے جاتے ہی وہ سے واندیشے پوری طاقت سے وارد ہوئے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہو کر مما ڈیڈی چلے گئے تھے۔ سنبل ملازماؤں سے صفائی اپنی نگرانی میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کروا کر واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔ فارحہ کی حالت ورشا کو دو گھنٹے گزرنے کے باوجود یونہی بے سدھ پڑے دیکھ کر اپ سیٹ ہونے لگی تھی۔ سنبل بھی متفکر سی اس کے نزدیک بیٹھ گئی اور آہستگی سے اسے جھنجھوڑتے ہوئے پکارنے لگی۔

"ورشا... ورشا... ورشا! آنکھیں کھولو نا۔" فارحہ نے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اس کے چہرے پر ڈالے' گرم بستر میں ٹھنڈے پانی کی تاثیر نے اس کے سوئے ہوئے اعصاب بے دار کر ڈالے تھے۔ پہلے تو وہ آنکھیں کھولے چند لمحے... ان کے سوگوار و پر خواس چہرے دیکھتی رہی جنہوں نے اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا تھا۔ پھر جیسے ذہن بے دار ہوتے ہی تمام احساس بے دار ہو گئے تھے۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"مجھے یہاں کون لایا؟ اور آفتاب کا کیا ہوا؟" اس نے اٹھتے ہی کئی سوال متوحش ہو کے ان دونوں سے پوچھے۔

"ریلیکس گاڈ! تم لیٹی رہو ورنہ تم نے تو ہماری جان نکال رکھی تھی۔" سنبل نے دہائی انداز میں ہاتھ اوپر کی طرف پھیلا کر تشکر بھرے انداز میں چہرے پر پھیرے۔

"اب اٹھ جاؤ دوپہر ڈھلنے کو ہے۔ کچھ کھا پی لو۔ ہم نے بھی کچھ نہیں کھایا پیا۔" فارحہ نے اسے تمام تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ جب کہ وہ کچھ لمحے قدرے گم صم سی ہو کر رہ گئی تھی۔

"کیوں نہ کال کر کے پوچھیں کہ وہاں کیا صورت حال ہے؟ شاید آفتاب کو اب تک سہرہ خاک..."

"پلیز فارحہ! اس طرح مت کہو بلکہ... بلکہ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے ہم سوچی سمجھی اسکیم کے تحت بے وقوف بنائے گئے ہیں۔" ورشا کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوئی۔

"کیا مقصد؟" وہ دونوں اس کے انداز پر سراسیمہ ہو کے چیخیں۔

"اوہ... نہیں مجھے یاد آ رہا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہوا جیسا ہمیں بتایا گیا ہے بلکہ پھنسایا گیا ہے۔"

"بھئی ہمیں بھی تو کچھ بتاؤ خود ہی قیاس کے گھوڑے دوڑا رہی ہو۔" سنبل تجسس سے بولی۔

"بتاتی ہوں پہلے کال کرو۔" اس نے قریب اسٹینڈ پر رکھے فون کی طرف بڑھ کر نمبر ڈائل کیے تیسری بیل پر ریسیور دوسری جانب سے اٹھایا گیا اتفاقاً سفیرہ نے فون ریسیو کیا تھا۔

"تم تینوں کل سے کہاں غائب ہو؟ آج بھی یونیورسٹی نہیں آئی ہو۔" دوسری طرف سے اس کی دھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔ فارحہ اور سنبل بھی پرتجسس سی اس کے سر سے سر جوڑے

کھڑی تھیں۔

"یہ بعد میں بتاؤں گی پہلے یہ بتاؤ آفتاب آج جامعہ آیا تھا؟"

"اوہ! خیریت؟ یہ آج آفتاب کے متعلق کیوں پوچھا جا رہا ہے؟ تم اس گروپ سے خائف کھاتی ہو بلکہ صف اول کی دشمن ہو۔" سفیرہ کی معنی خیز شرارت اسے تپا گئی۔

"ہر وقت احمقوں کی طرح بلا سوچے سمجھے مت بولا کرو۔ بتاؤ وہ آج آیا تھا یا نہیں؟"

"ہاں بھئی! وہ آیا تھا بلکہ آج ان کا پورا گروپ بہت خوش تھا۔ سارا وقت کینٹین اور لان میں ان لوگوں کے قہقہے گونجتے رہے ہیں۔ کسی کو فول بنایا ہے ان لوگوں نے اور خصوصاً صارم خان تو بہت چہک رہا تھا۔ اتنے بلند و بے ساختہ قہقہے لگاتے ہوئے اسے میں نے پہلی دفعہ..."

اس کے شک کی تصدیق ہو گئی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے ریسیور کریڈل پر پٹخا تھا اور سفیرہ کی گفتگو قطع کر دی تھی۔ فارحہ اور سنبل مارے تعجب و خجالت کے ایک دوسرے سے نگاہیں چرا رہی تھیں۔

ورشا آفریدی مارے غصے و شرمندگی کے گویا جلتے توے پر جا کھڑی ہوئی تھی۔ رگوں میں خون کے بجائے کھولتا ہوا لاوا دوڑ رہا تھا۔ تن بدن میں جیسے انگارے دہک اٹھے تھے۔ آخر کار وہ اس کے فریب کے جال میں پھنس کر حماقت کر بیٹھی تھی۔ اف' ورشا آفریدی! تف ہے تمہاری ذہانت و لیاقت پر' ایک دھوکے باز' فریبی' مکار شخص کی چالبازی میں کس طرح' بے وقوف و بے عقل اور ناسمجھ بچے کی طرح آ گئیں؟" وہ خود کو بری طرح لعن طعن کر رہی تھی۔ اسے خود پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ درحقیقت اس کا قصور اتنا بھی نہ تھا۔ اس وقت وہ مفیث لالہ اور سفاد یہ ایپاکے متعلق پریشان کن خیالات میں اس حد تک مستغرق تھی۔ سوچتے سمجھنے' حقیقت اور دھوکے کا ادراک کرنے کی پوزیشن میں ہرگز نہ تھی ورنہ اس طرح بے وقوف ہرگز نہ بنتی۔

"کس طرح بے وقوف بنایا ہے ہمیں؟ قسم سے زبردست ایکٹرز ہیں۔ ہمیں ذرا سا بھی شبہ نہیں ہوا۔ بوکھلاہٹ میں ہم اس قدر ہونق ہو گئے تھے کہ یہ بھی محسوس نہیں کیا کہ کس قدر سنسنی خیز ڈرامے کر رہے تھے۔ آفتاب کے پاس بیٹھ کر۔" سنبل نے ڈھیلے انداز میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں واقعی اس وقت میں بھی یہی سمجھی تھی۔ اچانک اندوہناک حادثے کے باعث وہ حواس باختہ ہو گئے ہیں جبوالٹی سیدھی بکواس کر رہے ہیں۔" فارحہ نے غصے میں ٹہلتی ہوئی ورشا کی طرف دیکھ کر دھیمے سے کہا۔

قبل اس کے کہ ان کے درمیان کوئی اور بات ہوتی فون کی بیل بج اٹھی۔ فون سنبل نے ریسیو کیا تھا۔ دوسری طرف صارم خان تھا جو ورشا کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ورشا نے اسے اشارہ کیا کہ وہ خوش اخلاقی سے بات کرے اسے شبہ نہ ہو کہ وہ اس کی شرارت سمجھ چکی ہیں۔

"ورشا ابھی تک بے ہوش ہے صارم بھائی! دو دفعہ ہوش میں آ کر خوف سے دوبارہ بے ہوش ہو گئی ہے۔"

"سنگل صاحب! اپنی دوست کی ہمت بندھاؤ۔ اسے یقین دلاؤ کہ اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔" دوسری طرف سے صارم کی آواز میں درد بھری سنجیدگی دلچسپ بھیگا بھیگا تھا۔

"کس طرح یقین دلائیں؟ اس کی یہی ضد ہے۔ وہ ایک مرتبہ آفتاب کو دیکھنا چاہتی ہے۔"

"آہ... آفتاب اب ہم میں کہاں۔ وہ آرزومند شخص کئی ارمان لے کر چلا گیا۔ اپنی دوست سے کہیے اب تو خوابوں میں ملاقات ہو سکتی ہے صرف۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ....."

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

اس نے لہک لہک کر پرسوز طرز پر شعر پڑھا۔ ورشا نے اسی دم آگے بڑھ کر پلگ کھینچ لیا۔

"ٹان سنس! بہت احمق بنا لیا۔ اب اس کی باری ہے۔" ورشا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

❁ ❁ ❁

ایک مدت سے مری سوچ کا محور تو ہے
ایک مدت سے مری ذات کے اندر تو ہے
میں ترے پیار کے ساحل پر کھڑا ہوں تنہا
میری الفت میری چاہت کا سمندر تو ہے

"ہا... ہا... ہا۔ بہت اسمارٹ نکلی تھیں میڈم! ایسا داؤ کھیلا کہ چودہ طبق روشن ہو کر فیوز ہو گئے۔ لمحوں میں تمام بے اعتنائی و بے رخی کا بدلہ لے لیا ہے میرے یار نے۔" باسط ناشتے کے دوران ہنستا ہوا بولا۔ اس وقت سب صارم کے ہاں ناشتے میں مصروف تھے۔ پرسوں رات سے ان کی شوخیاں و قہقہے عروج پر تھے۔ ان تینوں کو ان تینوں نے بے وقوف بنایا تھا۔ پرسوں رات کو دو دوست کرنے کے لیے گھر سے نکلے تھے۔ اس نے ہوٹل پہنچنے کے لیے شارٹ کٹ والے استعمال کیا تھا۔ کیوں کہ آفتاب کو شدید ترین بھوک نے نڈھال کر رکھا تھا۔ وہ مسلسل واویلا کر رہا تھا کہ اسپیڈ بڑھا کر جلد از جلد ہوٹل پہنچا جائے۔ اس نے بھی بائیک فل اسپیڈ میں دوڑانی شروع کر دی تھی۔ فوراً اسپیڈ بریکر سے بائیک لڑکھڑائی تھی اس نے بائیک سنبھالنے کی کوشش کی مگر ان تینوں

[illegible] آفتاب کے بھاری بھرکم وجود کی وجہ سے بیلنس ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ [illegible] لگاتا سامنے سے آنے والی فل اسپیڈ میں دوڑتی ہوئی کار ان کی بائیک سے ٹکرائی تھی اور زور دار ٹکر کے نتیجے میں وہ بے اختیاری انداز میں بائیک سے اچھل کر فضا میں اڑتے طائر کی طرح [illegible] کر میں زمین پر ڈھیر ہو گئے تھے۔ سر میں لگنے والی ضرب کے باعث وہ چند لمحے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا تھا۔ پھر اسے ہوش آیا تو اپنی بصارت پر دھوکے کا گمان ہوا۔ وہ آفتاب کے پاس [illegible] حیران و پریشان وہی تھی' بالکل وہی سرخ گلابوں کا گلس..... حسن و دلکشی' دل ربائی و رعنائی کا [illegible] گلیوں کا تبسم..... شوخ پھولوں کی شگفتگی..... جھلملاتے ستاروں کی کہکشاں جس کی نگاہوں میں [illegible] اٹھلاتی رہتی تھی۔ جس کے رخساروں پر سرخ گلابوں کے رنگ ٹھہر گئے تھے۔ جس کے یاقوتی [illegible] ہونٹوں پر گلابوں نے اپنا آپ نچھاور کو ڈالا تھا۔ ہاں وہ وہی تھی۔ جیسے کوئی مصور عاصل زیست شاہکار بنا کر قلم توڑ ڈالے۔ وہ حسن و رعنائی کا نادر شاہکار تھی۔ وہ حسن و دلکشی کا دیوانہ' پروانہ بن کے اس پر سر مٹنے کو تیار تھا۔ اس لمحے اس ساعت اس کا بوکھلایا' گھبرایا خوف زدہ حسن اسے شرارت پر اکسا گیا اور اس نے محض شرارت میں باسط کو اشارے میں سمجھایا اور باسط نے آگے بڑھ کر پھر پورا ایکٹنگ کرنی شروع کر دی اور ساتھ میں وہ خود بھی شامل ہو گیا کیوں کہ آفتاب خوف کی وجہ سے واقعی بے ہوش تھا۔ مگر اس نے پوزیشن ہی ایسی بنا دی تھی کہ وہ بوکھلاہٹ و خوف کے باعث ان کی شرارت کو نہیں سمجھی۔ اور اس نے پہلی مرتبہ اس سرد مزاج' لاتعلق و بے گانگی کا مرقع اس دشمن جاں کو عام لڑکی کی طرح کمزور و جذباتی دیکھا۔ اور اس کو اس انداز میں دیکھ کر اس کے اندر کے انا پرست و خود پسند شخص کو نہ معلوم تسکین محسوس ہوئی تھی۔ اکڑے ہوئے لوگ اسے قطعی پسند نہیں تھے اور ایک "لڑکی" تو ہرگز ناقابل برداشت تھی۔

"جلدی جلدی ہاتھ چلاؤ دو پیریڈ تو مس ہو گئے ہوں گے تیسرا مس نہیں ہونا چاہیے۔" صارم نے بھاپ اڑاتی چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے عجلت بھرے انداز میں کہا۔ وہ اب اس ناشتے سے بور ہو گیا تھا یا ضمیر کی آواز نے اس کا احاطہ کر لیا تھا۔ درحقیقت اسے اب اپنی شرارت زیادتی لگ رہی تھی۔ کل رات تک وہ بہت خوش تھا بے حد مسرور و شاد مان۔ اس کی بے [illegible] اور خوف زدگی نے اسے سرور بخشا تھا۔ مگر اب وہ جیسے جیسے اپنے آپ کا محاسبہ کر رہا تھا' پشیمان و [illegible] ہو رہا تھا۔

"کیوں ڈیئر! اتنے خاموش و اداس کیوں ہو؟ افسوس ہو رہا ہے اب کیا؟"

"وہ زندگی کی بہت گھٹیا شرارت تھی۔ مجھے بے حد افسوس ہو رہا ہے۔ نہ معلوم کس طرح میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ اپنے دوست کو بھی خود غرضی کے باعث فراموش کر دیا اور ان تینوں کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جذباتیت سے بھی یکسر کھیلا خدانخواستہ ورشا کو کچھ ہو جاتا تو..... تو میں خود کو کبھی معاف نہ کر پاتا۔ شرارتیں بے ضرر اور دلچسپ ہوں تو لطف دیتی ہیں۔ تکلیف و پریشانی شرارت میں نہیں خباثت میں شمار کی جاتی ہے۔" خلاف عادت' خلاف مزاج وہ بے حد متفکر و شرمسار نظر آ رہا تھا۔

"ورشا کو کچھ ہو جاتا' اوہو... ہو... ہو..." ان چاروں نے متحد تیز آوازیں بیک وقت نکالیں۔

"وہی ہوتا جو ہوتا چلا آتا ہے۔ مجنوں عرب کے صحراؤں میں لیلیٰ... لیلیٰ! پکارتا پھرا کرتا تھا۔ تم "تھر" کے صحراؤں میں ورشا... ورشا! پکارتے پھرتے۔" ان چاروں کا قہقہہ فلک شگاف تھا۔

"شٹ اپ میں سیریس ہوں۔" وہ بری طرح جھنا کے چیخا تھا۔

"کسی بات نہیں ہے تم شروع میں یوں ہی سیریس ہوتے ہو۔" آفتاب نے سلائس پر جیم لگاتے ہوئے کہا۔

"تم پریشان مت ہو۔ میں نے صبح یعنی تمہارے اٹھنے سے قبل وہاں فون کر کے معلوم کیا تھا کال ریسیو سنبل کی مدد نے کی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ یونی ورسٹی جا چکی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ٹھیک ہیں۔ بلکہ تندرست ہیں۔ تبھی تو یونی ورسٹی گئی ہیں۔" اسے از حد سنجیدہ و متفکر دیکھ کر وہ بھی اپنی شوخیاں بھول گئے تھے۔ باسط نے سنجیدگی سے اسے مطلع کیا تھا۔

"تم فکر مت کرو۔ ہم خود ان سے معذرت کر لیں گے۔" وہ اسے بچوں کی طرح بہلانے لگے تھے۔ وہ ان کے اس انداز پر مسکرا کر رہ گیا۔ یہ بے لوث دوستی بے غرض چاہت ہی ان کی دوستی کو معتبر کرتے تھے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو پریشان نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ یونی ورسٹی جانے کی تیاری کرنے لگے۔

"فدا حسین کب تک آئے گا گاؤں سے؟ کافی پریشانی ہو گئی ہے اس کے جانے سے۔"

"ایک ہفتے کا کہہ کر گیا ہے۔ شاید چند دن مزید لگ جائیں وہاں۔" صارم خان نے جیکٹ پہنتے ہوئے اطلاع بہم پہنچائی۔ وہ سب ریڈی تھے آفتاب کا انتظار تھا جو ابھی تک ٹوائلٹ سے برآمد نہیں ہوا تھا۔

"مجھے اس کی اسی حرکت پر غصہ آتا ہے۔ کھاتا بھی جنوں کی طرح ہے اور....."

"بس... بس آگے مت کہنا' تمہیں عادت ہے فضول بولنے کی۔" بہروز نے باسط کو آنکھیں دکھائیں تو اس کا اور صارم کا مشترکہ قہقہہ لاؤنج میں گونج اٹھا۔ اسی دم اطلاعی گھنٹی بجی تھی۔ بہروز نے آگے بڑھ کر گیٹ کھولا تو گھبرا کر پیچھے ہٹا تھا مگر اسی پل کا شف اور ریحان اس

سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگے تھے اور باسط کے باسط اور صارم کی طرف بڑھے تھے۔ پل بھر میں ان کا پورا ڈپارٹمنٹ وہاں سنگریزوں کی طرح بکھرا ہوا نظر آ رہا تھا۔ آہ و فغاں کا ایک طوفان تھا جو وہاں برپا ہو رہا تھا۔ وہ تینوں ہونقوں کی طرح ان کی طرف دیکھ رہے تھے جو بڑے جوش سے ان سے لپٹ لپٹ کر رو رہے تھے۔

"ارے بھیا! یہ عمر تو نہیں تھی آفتاب کے جانے کی' کیسے چلا گیا چھوڑ کر ہمیں۔"

"ارے بھائی! موت کوئی عمر تھوڑی دیکھتی ہے۔ بہانہ بن جاتا ہے۔"

"کتنی مرتبہ سمجھایا تھا آفتاب' وزن کم کر لو' دل کہاں برداشت کر پاتا ہے اتنا لوڈ مگر....."

"ڈیئر برادرز اینڈ ڈیئر فرینڈز! میری بات سنو۔ آفتاب الحمد اللہ خیریت سے ہے۔" صارم نے سینٹر ٹیبل پر کھڑے ہو کے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا۔ اس نے اس ناگہانی آفت پر بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔ اندرونی طور پر وہ بے حد ڈسٹرب ہو گیا تھا کہ یک دم یہ ہوا کیا تھا۔

"کیا مطلب؟ کیا اوپر جا کے اطلاع بھیجی ہے اس نے؟" ایک ساتھی نے کہا۔

"آفتاب زندہ ہے۔" صارم نے پہلے سے زیادہ چیخ کر کہا۔ لمحے بھر کو وہاں سناٹا چھایا تھا پھر پہلے سے بھی زیادہ جوش و اضطراب پھیل گیا تھا۔ وہ سب جاننے کو بے چین ہو گئے اور اشتعال انگیز بھی کہ ایسی غیر اخلاقی و غیر سنجیدہ حرکت کس نے کی ہے؟ کیوں کہ جامعہ میں نوٹس بورڈ پر کسی نے یہ خبر تحریر کی تھی کہ آفتاب گزشتہ دن حرکت قلب بند ہو جانے کی باعث دنیا کو چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ جنگل میں لگی آگ کی مانند لمحوں میں یہ خبر پوری جامعہ میں پھیل چکی تھی اور تمام اسٹوڈنٹس ہی یہاں آنا شروع ہو گئے تھے۔ باسط' بہروز' صارم از حد پریشان ہو گئے تھے۔ پہلے تو ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسی سنگین شرارت کس کی جانب سے ہو سکتی ہے۔ لوگ تھے کہ تعزیت کے لیے بڑھتے جا رہے تھے۔ ان کے ڈپارٹمنٹ کے علاوہ دوسرے ڈپارٹمنٹ سے تعلق رکھنے والے طلبا کی تعداد خاصی بڑھتی جا رہی تھی۔ بنگلے سے باہر بھی لوگوں کی تعداد ایسی ہی تھی جیسے کوئی عظیم الشان جلسے کا انعقاد ہوا ہو۔ آفتاب سب سے ہاتھ ملاتا پھر رہا تھا۔ ایک ایک کو یقین دلاتا کہ وہ مرا نہیں زندہ ہے۔ یہ "ہوائی" کسی دشمن کی اڑائی ہوئی ہے۔ ایک دم ہی اس کے ذہن میں دھماکا ہوا تھا وہ جو بوکھلاہٹوں و بدحواسیوں کا شکار تھا کوئی خیال برق کی طرح کوندا تھا۔

❁ ❁ ❁

"ایکسکیوزمی مس ورشا!" کلاس روم سے باہر نکلتی ہوئی ورشا کے اس آواز نے گویا شعلے دھکا دیے۔

"شٹ اپ... شٹ اپ مسٹر! دوبارہ کبھی آپ کی زبان پر میرا نام نہیں آنا چاہیے ورنہ۔"

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ آتش فشاں کی طرح پھٹی تھی۔ اس کی نیلی آنکھوں سے نکلتے شعلے چہرے پر چھائے غیظ و غضب نے لمحے بھر کو اس کی دوستوں کے علاوہ صارم کو بھی متحیر کر ڈالا تھا۔ اس کی زندگی میں حسین سے حسین تر چہروں کی بھرمار تھی۔ اس کی صبح و شام نئے دل نواز و سحر انگیز چہروں کے ساتھ گزرتی تھی۔ مگر یہ چہرہ' یہ انداز' یہ خون خوار لہجہ پہلی بار اس کے مقابل تھا۔ اس کی چرب زبانی' خود اعتمادی' لمحے بھر کو ہوا ہو گئی تھی۔ گرین چادر کے ہالے میں اس کا پر جلال چہرہ نگاہوں سے نکلتے نفرت و تحقیر کے شرارے۔

"میں... میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں معذرت..."

"کچھ نہیں سننا ہمیں! اور آئندہ اگر آپ راستے میں آئے تو اپنے بھائی سے آپ کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دوں گی۔ آپ اتنے گھٹیا اور بے حس ہیں کہ انسان کہلوانے کے مستحق نہیں ہیں۔"

"اوہ... کیا آپ کے بھائی قصائی ہیں؟ ہائی واوے! کتنے ٹکڑے کروائیں گی آپ میرے؟" لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ اپنی جون میں آ چکا تھا۔ خاصے پر اشتیاق انداز میں ورشا سے مخاطب ہوا۔ ورشا کا قبائلی خون رگوں میں لاوا بن کر دوڑ رہا تھا۔ اسے اپنی عزت کا خیال نہ ہوتا یا شمشیر خان کے یہاں چھوڑے ہوئے جاسوس کا خوف نہ ہوتا تو بلا لحاظ اس کے چہرے پر نفرت سے تھوک دیتی۔ اس وقت وہ ضبط و تحمل کے کٹھن راہ سے نہ گزر رہی ہوتی۔

"اتنا غصہ ہونے کی کیا بات ہے؟ میں نے تو مذاق کیا تھا جس کا آپ نے بھی خوف ناک بتنگڑ بنا لیا ہے۔ پوری جامعہ آپ نے کل میرے گھر بھیج دی۔ آفتاب کی تعزیت کے لیے۔ جانتی ہیں آج رات تین بجے تک لوگ تعزیت کے لیے آتے رہے۔ لوگوں کی آمد اور خاطر و مدارات نے بے حال کر دیا تھا۔ ہماری چھوٹی سی شرارت کا آپ نے بہت بڑا انتقام لیا ہے۔ پھر بھی آپ میری فراخدلی و خوش مزاجی دیکھئے کہ آپ سے معذرت کا طالب ہوں۔ پلیز...!

اتنے اچھے موسم میں روٹھنا نہیں اچھا
یہ ہار جیت کی باتیں ہم کل پر اٹھا رکھیں

آؤ! آج دوستی کر لیں۔

اس نے حسب عادت لمحہ لمحہ لہک لہک کر ترنم سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گنگنایا۔ غیر ارادی طور پر مشتعل شعلے ہونٹوں پر بے ساختہ تبسم چھلکا تھا جو ورشا کے بدستور بگڑے تیور اور چہرہ دیکھ کر بمشکل ضبط کیا گیا تھا۔

"دوستی چاہتے ہیں آپ ان لوگوں کا اس ذہنیت رکھنے والی لڑکیوں سے جو آپ سے دوستی کی تمنی

ہوں۔ میں پرنسپل سے آپ کی شکایت کر دوں گی" بیٹھے راستے سے۔" وہ اس کی راہ میں پر شکوہ عمارت کی طرح ایستادہ تھا۔ دائیں بائیں چوڑے پلر تھے جن سے بیلیں لپٹی تھیں۔

"بھول جائیے! کیوں کہ ان کے علاوہ تمام اسٹوڈنٹس بہت اشتعال انگیزی سے اس کلام وجود کی تلاش میں ہیں جس نے نوٹس بورڈ پر اس تحریر کے ذریعے ان کے جذبوں' محبتوں اور وقت کے ساتھ ناقابل معافی زیادتی کی ہے اور پھر بات دو بدو ہو گی تو سوچ لیجئے؟"

"ہونہہ۔" وہ لمحے بھر کو ایک سانحے پر ہوتے ہوئے بولا تھا۔ اور اسی لمحے وہ بے نیازی سے اونہہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"مسٹر سنبل! آپ بھی میرے خلاف ووٹ دیں گی۔؟" اس نے پیچھے جاتی سنبل سے کہا۔

"صارم بھائی! آپ نے حرکت ہی ایسی ناقابل برداشت کی تھی۔" سنبل نے صاف گوئی سے کہا۔

"آپ لوگوں نے بھی سوچا اس کا بدلہ لے تو لیا پھر ناراضگی کیسی؟"

"کیا چاہتے ہیں آپ؟" سنبل فائلیں اور بیگ دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتی ہوئی قدرے خفگی سے بولی۔

"آپ کی فرینڈ سے فرینڈ شپ کرنا۔" صارم خان صاف بات کرنے کا عادی تھا۔

"سوری صارم بھائی! یہ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ ورشا قبائلی فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کے قبیلے میں عورت کا کسی غیر شرعی رشتے کے حامل مرد سے بات کرنے پر قتل کر دینا معمولی بات ہے۔ کہا کہ دوستی؟ بھول جائیں آپ اس خیال کو..... ورشا نے جس تگ و دو کے بعد یہاں ایڈمیشن لیا ہے وہ صرف ہم جانتے ہیں۔ اور ہائی نیچر وہ خود بھی بہت مضبوط کردار اور اپنے قبیلے کی روایات کو عزیز از جان رکھنے والی لڑکی ہے۔ پلیز میری آپ سے یہی استدعا ہے اسے عام لڑکی مت سمجھیں۔" وہ کہتی ہوئی تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ کیوں کہ ورشا' فارحہ' شعوانہ وغیرہ وہاں نہیں تھیں۔ اسے یقین تھا وہ کینٹے کی طرف ہی گئی ہوں گی۔"

"عام لڑکی نہ سمجھیں... اونہہ! پہلے سب یوں ہی "خاص" ہوتی ہیں پھر عام ہی عام۔ ورشا آفریدی! تم نہیں تو میں ایک مرتبہ اپنی چاہت کا جام پلا کر ہی رہوں گا۔ اگر تمہاری رگوں میں قبائلی خون گردش کر رہا ہے تو میرا خمیر بھی قبائلی مٹی سے اٹھا ہے۔ دیکھتے ہیں؟ سرکشی' ضد' خود سری و خود پسندی میں کون کسے شکست دیتا ہے؟" اس نے عزم سے سوچا۔

❁ ❁ ❁

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دسمبر کا مہینہ تھا۔ وادی نے گویا سفید لباس زیب تن کر لیا تھا۔ برگ، ثمر، پھول و سبزہ، چھوٹی بڑی پہاڑیاں اور بلند و بالا آسمان کی حدوں کو چھوتی چوٹیوں تک برف ہی برف بکھری ہوئی تھی۔ برف کے ننھے ننھے ذرے ابھی بھی آکاش سے سفید پریوں کی طرح اتر رہے تھے۔ سردی اپنے عروج پر تھی۔ دو دن سے جاری برف باری نے جس کو مزید تقویت بخشی تھی اور یہاں کے لوگوں کو اپنے گھروں تک ہی محدود کر کے رکھ دیا تھا۔ سڑکیں برف میں دب گئی تھیں۔

"ادے جان! کیا بات ہے؟ کیوں اتنی رنجیدہ ہو؟" سخاویہ سبز قہوہ لیے اندر داخل ہوئی تو ماں کو گم صم اور رنجیدہ خلاؤں میں گھورتے دیکھ کر قریب آ کر اپنائیت سے استفسار کرنے لگی۔

"کوئی بات نہیں بچے! کبھی کبھی ایسے ہی دل اداس ہو جاتا ہے۔" انہوں نے گرم چادر پوری طرح اپنے گرد لپیٹتے ہوئے آہستگی سے بلکہ اس سے چھپ کر آنکھوں میں آئی نمی صاف کی۔

"ادے! ماں ایک جسم ہوتی ہے اور اولاد اس جسم کے حصے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ جسم کے کسی حصے میں درد ہو بے چینی ہو اور اس کو محسوس ہی نہ ہو؟ اور ادے! آپ کو معلوم ہے؟ بیٹیاں جسم کا کون سا حصہ ہوتی ہے؟ وہ حصہ دل کہلاتا ہے۔ دل ہی تو جسم کی ہر حرکات و سکنات کو سمجھتا ہے..... پھر میں کس طرح اپنی ادے کی بے چینی و بے قراری نہ جان پاؤں گی؟ ورشا کی یاد نے آپ کو بے کل و بے قرار کر رکھا ہے نا۔" اس نے نزدیک بیٹھتے ہوئے پیار سے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ جو آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھیں آنسوؤں پر اختیار کھو بیٹھیں۔

"یہ درست ہے ادے! اس کی جدائی، اس کی دوری، اس کی غیر موجودگی ہمارے لیے کڑی سزا ہے مگر یہ بھی تو سوچیے حویلی کی فضا کتنی خاموش ہے۔ چھوٹی ادے کی بدزبانی و بدکلامی سے ہم بچے ہوئے ہیں اور وہ بھی۔ ورنہ چھوٹی ادے کی جابرانہ حکمرانی، شمشیر لالا کے بے جا ظالمانہ رویے اور روک ٹوک کے آگے وہ ہمیشہ مقابل آ جاتی تھی۔ پھر گھر میں ختم نہ ہونے والی محاذ آرائی جاری رہتی تھی۔" سخاویہ نے ماں کے آنسو نایاب موتیوں کی مانند اپنی چادر کے پلو میں سمیٹتے ہوئے انہیں دلاسا دینا چاہا۔

"ہاں میں جانتی ہوں۔ کل جاناں کی حکمرانی میں کوئی اب دخل دینے والا نہیں ہے۔ اسے روکنے و ٹوکنے کی پہچان کرانے والی جابز و ناجابز کی پہچان کرانے والی چلی گئی ہے۔ آہ... یہ سوتیلی بھی کیسی ظالم ہوتی ہیں۔ کس طرح اپنے ترکش میں تیر چھپا کر رکھتی ہیں۔ جب میری بچی میری جان یہاں تھی تو میں سوچتی تھی وہ اس حویلی کے پتھر دل بے حس لوگوں کی دنیا سے کہیں دور چلی جائے۔ جہاں اس کی طرح شیشہ دل، شیشہ دیدہ لوگ رہتے ہوں۔ ان پتھروں میں رہ کر تو وہ

روز چکنا چور ہوتی تھی۔ روز ٹوٹتی، روز بکھرتی تھی۔ اب اس حویلی سے، اس شہر سے ان آنکھوں سے دور ہو گئی ہے تو دل پر ہر وقت اس کی کمی کا احساس ہے۔ میرے دل کی دھڑکن وہی تھی۔ وہ نہیں ہے تو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ ڈیڑھ سال بیت گیا اسے آنکھیں دیکھنے کو ترس گئی ہیں۔ کان اس کی آواز سننے کو بے قرار ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟ کس طرح اپنی جان کو ایک نظر دیکھ لوں۔" کل خانم بہت با حوصلہ و باہمت عورت تھیں۔ انہوں نے وقت کے بہت سیاہ و بھیانک روپ دیکھے تھے۔ شوہر کی بے رخی و بے نیازی، سوکن کی زیادتیاں، بے انصافیاں، اپنے علاوہ اپنی بیٹیوں کے حقوق بھی انہوں نے خاموشی سے سلب ہوتے دیکھے۔ اس کے باوجود کبھی صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

آج سب سے چھوٹی و لاڈلی بیٹی کی یاد نے اس چٹانی حوصلے والی عورت میں شگاف ڈال دیے تھے۔

"ادے جان! یہ کیا ہو رہا ہے آپ کو آج؟ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اب چند ماہ کی تو بات ہے۔ پھر ورشا یہاں آ جائے گی آپ کے پاس۔ سخاویہ انہیں روتے دیکھ کر خود بھی رو پڑی تھی۔ مگر جلد ہی اس نے اپنے آنسوؤں پر قابو پا لیا۔ جانتی تھی وہ ماں بیٹی کتنا ہی روئیں کوئی انہیں خاموش کروانے نہیں آئے گا۔ انہیں وہ میٹھے انداز میں تسلیاں دے رہی تھی۔

"سخاویہ بچے! مجھے محسوس ہو رہا ہے ورشا وہاں پریشان ہے۔ ایک ہفتے سے مجھے بہت خاموش و اداس خواب میں نظر آ رہی ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے وہ پریشان ہے۔"

"ادے! (ماں) خواب کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ تو بس یوں ہی نظر آتے ہیں۔"

"نہیں بچے جو دل میں بستے ہیں جن سے خون کا رشتہ ہوتا ہے ان سے نازک احساسات کی ایک مضبوط غیر مرئی زنجیر بندھی ہوتی ہے جو ہمیں ان کے سکھ و دکھ، مسرت و رنج کے احساس سے فوری آگاہ کرتی ہے۔ میں اسی خیال سے پریشان ہوں کہ نہ معلوم میری ورشا کس حال میں ہے؟"

"ادے کیا ہو گیا؟ کون مر گیا میرا سگا؟ کس کو رو رہی ہے؟" ہر وقت نحوست پھیلاتی ہے۔ یہ منحوس عورت!" دھڑ سے دروازہ کھول کر چیختی چنگھاڑتی کل جاناں (چھوٹی ماں) اندر داخل ہوئی تھیں۔

"اللہ نہ کرے چھوٹی ادے! ورشا کی یاد میں رو رہی تھیں ادے۔" سخاویہ نے آہستگی سے کہا۔

"کیوں؟ کیا اس چنڈال کے مرنے کی خبر آئی ہے؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اللہ نہ کرے۔ اللہ میری بچی کو میری عمر بھی لگا دے۔" گل خانم نے دکھی کر کہا۔

"ہاں.... ہاں وہ کہاں مرے گی۔ قیامت کے پورے تو وہی سمیٹے گی۔"

"کیا کام تھا گل جاناں؟ مجھے بلوا لیا ہوتا۔" گل خانم نے مصالحتی انداز اپناتے ہوئے ممتاز پر جبر کر کے قدرے خوشامدی انداز میں اس سے کہا۔ کیوں کہ وہ ایسی ہی فطرت کی مالک تھیں۔ خوشامد اور چاپلوسی کرنے والے لوگ پسند کرتی تھیں۔ جو ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہیں۔ سو مجبوراً ان ماں بیٹی نے بھی انہیں خوش رکھنے کا یہی وتیرہ اپنا رکھا تھا۔ جس کے باعث وہ اس چھت کے نیچے نظر آ رہی تھیں۔

"بڑے خان کی انڈوں کا حلوا کھانے کو طبیعت چاہ رہی ہے۔ مہرو جا رہی ہے اس کی ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم حلوا بنا دو۔" انہوں نے اپنے مخصوص نخوت بھرے انداز میں ملازمہ کی واپسی کی خبر کے ساتھ انہیں حلوا بنانے کا حکم دیا۔

"حلوا میں بنا دیتی ہوں چھوٹی ادے! ادے کی آج ٹانگوں میں درد ہے۔" سخاویہ نے ماں کی دل گیر و افسردہ حالت کے پیش نظر اپنی خدمات پیش کیں۔

"او ہو بس بیٹھی رہو ادے کی بچی! اس عمر میں عورت کو بستر نہیں سنبھال لینا چاہئے۔ چلتے پھرتے کام کرتے رہنا چاہئے۔ ورنہ ہڈیاں جڑ کر رہ جاتی ہیں۔ محتاج ہو جاتا ہے بندہ۔"

"تم جاؤ میں بنا کر بھیج رہی ہوں۔" گل خانم جانتی تھیں وہ اب خاموش نہیں ہوں گی۔ وہ چادر سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ گل جاناں اس وقت تک کمرے سے نہیں گئیں جب تک ان کو گرم بستر سے گرم کمرے سے باہر نکلتے نہ دیکھ لیا۔ ان کے نکلتے ہی خود بھی وہ منگنی ہوئی باہیں ہاتھ سے شیشے و ریشم کا بنا پراندہ جھلاتی نکل گئیں۔ ان کے ہونٹوں پر آسودہ مسکراہٹ تھی۔

"اے رب العالمین! تو ایسے جہالت کے اندھیروں میں گم لوگوں کے ہاں بیٹیوں کا نور کیوں اتارتا ہے۔ جو بیٹی کی پیدائش کو ذلت و پستی سمجھتے ہیں۔ میری ماں بیٹیاں پیدا کر کے جرم میں عمر قید با مشقت کاٹ رہی ہے اور شاید آخری سانس تک کاٹتی رہے گی۔" سخاویہ گھٹنوں میں چہرہ چھپا کے رو پڑی۔ قریب رکھی سبز چائے کب کی یخ ہو چکی تھی۔

"سخاویہ! کیا ہوا بیٹا کیوں رو رہی ہو؟" کمرے کے قریب سے گزرتے شہروز لالہ اس کی سسکیوں کی آواز سن کر کمرے میں چلے آئے۔ بہت اپنائیت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئے۔

"وہ... وہ کچھ نہیں لالہ ایسے ہی۔" اس نے گھبرا کر آنسو پونچھے تھے۔

"اوہ... اچھے بچے جھوٹ نہیں بولتے۔ بتاؤ کیا ہوا ہے؟ چھوٹی ادے نے ڈانٹا ہے؟ بھابی

نے کچھ کہا ہے؟ یا شمشیر خان کے زیر عتاب آ گئی ہو؟" وہ اس کے قریب بیٹھ کر ملائمت سے پوچھ رہے تھے۔ وہ شمشیر خان سے دو سال بڑے تھے مگر فطرتاً اس کی ضد تھے اور ان میں سب سے بہترین خوبی یہ تھی کہ حویلی کے مردوں کی طرح عورتوں کو حقیر و بے وقعت نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ گھر کی خواتین کی طرح ملازماؤں تک کو قابل احترام نگاہ سے دیکھتے تھے۔ خصوصاً ان بہنوں میں ان کی جان تھی۔

"لالا! ورشا بہت یاد آ رہی ہے۔ کیا وہ یہاں چند دنوں کے لیے نہیں آ سکتی؟"

"نہیں! ہرگز نہیں۔ اس نے اپنی روایات سے اپنے قبیلے سے اس ماحول سے بغاوت کی ہے۔ وہ انقلابی بن کر ابھری ہے۔ ہماری روایات بدلے گی وہ عورتوں کو ان کے حقوق دلوائے گی؟ انقلاب.... انقلاب برپا کرے گی وہ یہاں۔ وہ اب اس حویلی میں قدم نہیں رکھ سکتی۔" شمشیر خان اسی دم چیختا دہاڑتا اندر داخل ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر سخاویہ خوف زدہ ہو کر شہروز کے بازو سے لپٹ گئی تھی۔ خوف سے اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"شمشیر خان! آواز دھیمی کرو اپنی۔ ملازموں سے اور گھر کے افراد سے بات کرنے کا انداز ایک نہیں ہوتا اور بہنوں سے تو بہت نرمی و ملائمت سے بات کی جاتی ہے۔" اس نے خفگی بھرے انداز میں بھائی کو ڈانٹا۔

"بہنیں! ہونہہ..... نہیں پسند مجھے یہ رشتے جو ہمارے قبیلے کو زمین بوس کر دیں۔ ہمیں اپنے مردوں کے آگے نگاہیں جھکانے پر مجبور کر دیں۔ چھوٹی ادے درست کہتی ہیں۔ بیٹیوں کو تو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دینا چاہئے بس۔" اس نے سرخ انگارہ آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"نعوذ باللہ شمشیر خان! ایسے کفر کے جملے بولتے وقت ذرا تمہارا دل خوف الٰہی سے نہ کانپا؟ مسلمان ہونے کے باوجود تمہارے دل میں اتنا کفر بھرا ہوا ہے۔ اس دور میں تمہارے دل میں صدیوں پرانی جاہلانہ غیر اخلاقی سوچ زندہ ہے۔ بیٹیاں اللہ کا نور ہوتی ہیں۔"

"وقت نہیں ہے میرے پاس۔ سب جانتا ہوں میں۔ صرف مجھے اس وقت کا انتظار ہے اور ابھی مجھے اس "انقلابی" کی ایسی خبر مل گئی جو ہمارے قبیلے و روایات سے متصادم ہوئی تو پھر وہ دن اس کا آخری دن ہوگا۔ میرے آدمی اس کی کڑی نگرانی کرتے ہیں اور تمہاری بھی کوئی خبر مل گئی تو سمجھو زندہ جلا ڈالوں گا۔" اس نے قہر آلود لہجے میں سخاویہ سے کہا اور دھپ دھپ کرتا وہاں سے نکل گیا۔ شہروز خان نے تاسف بھری نگاہ سخاویہ پر ڈالی۔ جس کے آنسو خوف و سہم کے مارے آنکھوں میں ٹھہر گئے تھے۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ شمشیر خان کے آگے کسی کی نہیں چلتی تھی۔

❁ ❁ ❁

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اے کہنا!
کوئی آنچ بھی تم میں
بجھر کی جھلستی دوپہروں میں سلگتا ہے
جیسے تڑوہ راتوں میں
پلکوں سے ستارے گنتا ہے
شام کے اداس لمحوں میں
دریا کنارے بیٹھ کر تمہیں یاد کرتا ہے
اکثر وہ ریتوں پر تمہارا نام لکھتا اور مٹاتا رہتا ہے
ہواؤں سے تمہاری بات کرتا ہے
تمہیں لوٹ آنے کو کہتا ہے
کوئی تم سے بچھڑ کر بہت اداس رہتا ہے
کوئی تم سے بچھڑ کر بہت اداس رہتا ہے

فارحہ بہت ہی دل سوزی سے ہاتھ میں پکڑے "I Miss You" کے خوب صورت کارڈ پر درج تحریر پڑھ رہی تھی۔ یہ کارڈ کچھ لمبے پہلے پونکی دار نے گیٹ کے پاس نصب "لیٹر بکس" سے نکال کر اسے تھمایا تھا۔ اور فارحہ نے حسب عادت جھٹ دیر کیے بغیر پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ تینوں اس وقت لان میں بیٹھیں چائے و دیگر لوازمات سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ حسب معمول آنٹی اپنے بوتیک اور انکل اپنے دفتر گئے ہوئے تھے۔ جبکہ ان کے دو بیٹے کچھ عرصے کے لیے ملک سے باہر تھے بزنس کے سلسلے میں۔

"آہ! کوئی تم سے بچھڑ کر بہت اداس رہتا ہے۔ آہ... ہا" بے چارہ اداس؟" فارحہ نے کارڈ سنبل کے چہرے کے آگے لہراتے ہوئے بڑی بے چارگی و اداسی کا اظہار کیا۔ مگر اس کے چہرے پر شوخ مسکراہٹ تھی جب کہ سنبل یک دم گم صم سی ہو گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا چائے کا مگ دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔

"ارے بھئی! کیا سسپنس ہے؟ کچھ معلوم بھی ہو۔ یہ اداس ہیں کون صاحب؟" ورشا کو فارحہ کی شوخیاں اور سنبل کی خاموشی و اضطراب کچھ کچھ آگہی دینے لگا تھا۔

محبتوں کا مجھ سے نصاب مانگتا ہے
چاہتوں کا اپنی حساب مانگتا ہے
عجیب شخص ہے سب جانتے کے باوجود

وہ اپنی اکثر باتوں کا جواب مانگتا ہے

"فار گاڈ سیک فارحہ! مجھے بے سکون مت کرو۔" فارحہ کی مسلسل چھیڑ چھاڑ نے سنبل کو واقعی بے سکون کر ڈالا تھا۔ اس کی ڈارک براؤن آنکھوں میں موتیوں کی سی جھلملاہٹ تیرنے لگی تھی۔ چہرہ سے پر ضبط کے رنگ تھے۔

"میں نے بے سکون کیا ہے؟ ایڈیٹ!" وہ اطمینان سے بیٹھ کر ٹرے سے پاپڑ اٹھا اٹھا کر کرر کرر کی کراری آواز کے ساتھ کھانے لگی۔ سنبل ایک جھٹکے سے وہاں سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔

"انا کی اسیری میں خود کو روگ لگانے والی احمق جذباتی لڑکی ہے یہ سنبل!"

"میرے خیال میں یہ زیادتی ہے۔ اگر ہم کسی کو مسرت نہیں پہنچا سکتے تو افسردہ کرنے کا بھی حق نہیں رکھتے۔"

"پلیز... پلیز مائی ڈیئر! ابھی دیکھنا کئی دن اس کے وجود پر خزاں چھائی رہے گی۔ خوامخواہ۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ غلطی یا غلط فہمی فرد واحد کی اور بھگتے سب کو۔"

"سوری ڈیئر! مجھے کبھی کبھی الجھی ہوئی یا مبہم سی میں بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اور اس وقت بھی مجھے یہی پریشانی درپیش ہے۔ عزیز سر درد سے نپٹنے کے لیے میں یہاں سے جا رہی ہوں۔ سنبل کا موڈ نارمل ہوگا تو وہ خود ہی بتا دے گی۔ تمہاری طرح اسے بات گھما پھرا کر کرنے کی عادت نہیں ہے۔"

"یعنی اب تم بھی ناراض ہو کر جا رہی ہو؟ پھر میں اکیلی کیا کروں گی؟"

"ان پھولوں سے، پودوں سے، درختوں، پھلوں سے باتیں کرنا۔ کیوں کہ یہ تمہارے لیے بہت اچھے سامع ہوں گے۔" ورشا دوپٹا سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا؟ اچھا... تمہارا مقصد ہے۔ صرف میں بولنا جانتی ہوں؟"

"یس ڈیئر۔" ورشا نے اسے چڑانے والے انداز میں کہا اور پھرتی سے اندر کی طرف دوڑ گئی۔

سردیوں کی خنک راتیں اور خشک دن اپنے مخصوص ڈھب سے گزر رہے تھے۔ اس کے اندر بپا اضطراب و بے چینی کسی آسیب کی طرح نیچے گاڑ کر بیٹھ گیا تھا۔ بظاہر وہ سمندر کی اوپری سطح کی طرح تھی پرسکون پراعتماد و بے فکر۔ مگر اس کی تہ میں ہمہ وقت ایک ہی جستجو ایک ہی خواہش مچلتی رہتی کہ ایک مرتبہ... صرف ایک بار حویلی جانا ہو سکے تو فون کے ذریعے ہی ادنے سے بات کرنا۔ انہیں مطلع کرے کہ وہ جس مغیث خان کا انتظار کر رہی ہیں جس کی آس پر سنگدیہ کی ساری زندگی کے دن تاریکی میں بدلتے جا رہے ہیں وہ شخص جو کوسوں دور کسی گوشے نام و آس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی زنجیر میں جکڑ آیا ہے۔ یہاں بھرپور ازدواجی زندگی گزار رہا ہے۔ اور قبیلے کے بڑوں کی جہاندیدہ و زیرک نگاہوں سے کس طرح اس کی یہ خودغرضی و بے وفائی مخفی ہے؟ اسے یقین تھا کوئی اس حقیقت سے واقف ہو یا نہ ہو' مگر بابا جان بے خبر نہیں ہو سکتے۔

ایک ماہ سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود وہ حویلی سے رابطہ نہ کر سکی تھی۔ شمشیر خان نے اس کی خواہش کو اپنی انا' آن و غیرت کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ اپنے قول کے مطابق وہ ڈیڑھ سال سے اپنوں کو دیکھنے کو' ان سے ملنے کو تڑپ رہی تھی۔ اور اب جیسے اس کے اندر صبر و انتظار کا پیمانہ لبریز ہوا چاہتا تھا۔ جس پر وہ قابو پانے کی جدوجہد میں سرگرداں تھی۔ سنبل پر آج کل مکمل خاموشی و تنہائی کا دورہ پڑا تھا۔ وہ تقریباً سب گھر والوں سے کٹ کر رہ گئی تھی۔ خلاف عادت گھر میں کسی نے بھی اسے ڈسٹرب نہیں کیا تھا۔ جو اس کے لیے یقیناً حیرت انگیز بات تھی۔ (کیوں کہ حویلی میں تنہائی مستزاد لڑکی کے ایسے ردعمل کا تصور محال تھا) لیکن بلند ہی اس نے محسوس کیا کہ یہاں وقت کی کمی تھی۔ لوگ وقت سے بھی آگے دوڑنے کی تگ و دو میں حواس باختہ تھے۔ ایسی افراتفری' تیز رفتاری میں کسی کے پاس اتنی فرصت کہاں کہ کسی کی مزاج پرسی و دل جوئی کی جائے۔ حویلی میں عورتوں پر تمام گھر کی' مردوں کی اور بچوں کی ذمہ داری تھی جو وہ جھٹ پٹ نبٹا کر ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہو جاتی تھیں مگر جیسے یہاں وقت کی گاڑی کے بریک فیل ہو گئے تھے اور وہ سرپٹ دوڑتا جا رہا تھا۔ اور ساتھ ہمنوا لوگوں کو بھی بوکھلائے ہوئے تھا۔ اسے کبھی کبھی یہاں کی بھاگتی دوڑتی زندگی سے وحشت ہونے لگتی تھی۔ کبھی وہ اس ماحول کو بے حد پسند کرتی کہ "جیو اور جینے دو" کے فارمولے پر سب عمل پیرا تھے۔

درشا نے جان بوجھ کر سنبل کو نہیں چھیڑا تھا بلکہ وہ خود اس کوشش میں رہتی کہ سنبل کی تنہائی میں مخل نہ ہو کیوں کہ سنبل سے وقتی طور پر بے نیاز ہونے کے باوجود اسے بھرپور کمپنی دینے کی کوشش کرتی تھی۔ شاید میزبانی کا خیال کر کے کہ بہرحال وہ یہاں چند ماہ کی مہمان تھی۔ اس کی حساس طبیعت کبھی یہ گوارہ نہیں کرتی کہ کوئی اس کی خاطر خود پر جبر کرے۔ حالانکہ فارحہ آج کل سوا میں تھی اور اکثر رسالوں میں سے الیہ شعر چن چن کر پڑھتی جس پر سنبل بھڑک اٹھتی اور اسے چڑانے میں اسے خوب لطف آتا۔

"جاؤ گی میں چلنا ہے آج؟" وہ تیار ہو کر آئی تو سنبل کو رات والے سوٹ میں بیٹھے دیکھ کر بولی۔

"آج ہمت نہیں ہو رہی کل جاؤں گی۔" اس نے بکھری زلفیں بائیں ہاتھ سے سمیٹتے ہوئے کہا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" درشا نے آگے بڑھ کر اس کی نبض چیک کی۔

"ہاں... بس..... ایسے ہی سستی سوار ہے۔" وہ دھیمے سے مسکرائی۔

"میرے خیال میں حمزہ بھائی کو کال کر دوں وہ خود آ جائیں تو....."

"فارحہ! خبردار جو تم نے ایک لفظ بھی آگے کہا۔" وہ غصے سے کھڑی ہو گئی۔

"کیا بات ہے؟ سنبل! کیوں بہن پر بگڑ رہی ہو؟" اسی دم آنٹی اندر آ کر گویا ہوئیں۔

"مما! اسے کہیں ہر وقت حمزہ کا نام نہ لیا کرے۔"

"میں نے صرف نام تو نہیں لیا بھائی بھی ساتھ لگایا ہے۔ کیوں درشا! سچ کہہ رہی ہوں نا؟"

"فارحہ! بڑی ہو گئی ہو بیٹا! یہ طفلانہ حرکتیں چھوڑ دیں آپ اب۔" انہوں نے نرمی سے سمجھایا۔ "درشا! کیا بات ہے جان! کچھ دنوں سے آپ کو بہت خاموش اور الجھا ہوا دیکھ رہی ہوں۔" فارحہ کے بعد وہ درشا کی طرف بڑھ کر پیار سے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے ملائم لہجے میں گویا ہوئیں۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں آنٹی! آپ فکرمند مت ہوا کریں میرے لیے۔" جواباً اس نے مسکرا کر کہا۔

"یہ کس طرح ممکن ہے؟ آپ یہاں ہماری ذمے داری ہیں۔ بلکہ میری اور ارسلان کی خوش بختی اور عزت افزائی ہے کہ شہباز بھائی نے ہم پر اعتماد کر کے بہت معتبر احساس بخشا ہے۔ ورنہ ہم اور ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بھلا چنان اور نور سے کبھی مقابل آ سکتے ہیں؟ آپ کو کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتائیں۔ میں نہیں چاہتی شہباز بھائی یا ان کی فیملی کو معمولی سی بھی شکایت ہو ہم سے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے آنٹی! گھر کے افراد سے تو نہیں' در و دیوار سے بھی مجھے اتنی اپنائیت' محبت و انسیت ملی ہے کہ میں محسوس ہی نہیں کرتی کہ کسی دوسرے گھر میں ہوں۔"

"سدا خوش رہو۔" انہوں نے فرط مسرت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

❁ ❁ ❁

"فدا حسین..... فدا حسین! کہاں ہو بھئی؟" صارم جیکٹ قریبی صوفے پر ڈالتے ہوئے آوازیں لگا رہا تھا۔ وہ ابھی باہر سے آیا تھا۔

"جی صاب!" فدا حسین کا وجود گویا خزاں رسیدہ شجر لگ رہا تھا۔

"خیریت! کیا ہوا؟ یہ چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" اس نے بغور اس کی طرف

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تم نے ہاں کہہ دیا ناں؟" صارم نے شوخی سے اس کی بات قطع کی۔

"کیا مطلب' میں چوڑیاں پہنوں گا؟" حسب توقع باسط نے بھنا کر کہا۔

"ہاں .... ہاں۔ قسم سے تمہاری ان نازک نازک گوری کلائیوں میں سرخ' سبز کانچ کی چوڑیاں کیا زبردست لگیں گی۔" صارم خان نے اس کے ازحد کمزور جسم کو نشانہ بنایا۔ جواباً باسط منہ پھلا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس کے منانے پر دونوں بڑے زور و شور سے باتیں کر رہے تھے۔ جیسے کوئی بات ہوئی نہ ہو۔ فدا حسین چائے دے کر چلا گیا تھا۔

"تمہارے جانے کے بعد سبریز خان کی کال آئی تھی۔" باسط کو گویا یک دم یاد آیا۔

"اچھا... کوئی میسج ہے؟" صارم کے چہرے پر اشتیاق در اشتیاق رقم تھا۔

"ہوں... وہ کچھ روز میں کراچی آئے گا۔ اپنی شادی کی شاپنگ یہیں سے کرنے کا ارادہ ہے۔"

"سبریز خان کی شادی میں چلو گے نا' بہت لطف آئے گا۔" صارم نے اپنی ذہانت سے چمکتی نگاہیں اس پر مرکوز کر کے کہا۔ سبریز خان میں گویا اس کی جان تھی۔ اس کے ذکر سے ہی چہرہ کھلا پڑ رہا تھا۔

"نہیں یار' مجھے پہلے شوق تھا شمالی علاقہ جات کی سیاحت کا۔ مگر اب ہرگز نہیں۔" باسط نے کانوں کو چھوا۔

"تم کیا سمجھتے ہو؟ وہاں ہر وقت آگ و خون کے دریا بہتے رہتے ہیں' ایسا نہیں ہے پیارے! ہم لوگ دشمن کو جتنا یاد رکھتے ہیں۔ دوست و مہمان پر جان بھی نچھاور کرنے سے نہیں چوکتے۔ ہماری روایات میں بڑی روایت مہمان نوازی بھی ہے۔ دیکھنا جا کر خود بھی محسوس کرو گے۔"

"اچھا' وعدہ نہیں کرتا۔ ماموں کی طرف چلیں کافی عرصے سے اس نے یہاں آنا چھوڑ رکھا ہے صرف جامعہ میں ملاقات ہوتی ہے۔" باسط نے بوریت سے بچنے کے لیے تجویز دی۔

"تم چلے جاؤ۔ مجھے کچھ کام سے کہیں جانا ہے۔" وہ رسٹ واچ دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہیں.... ؟ صاف کیوں نہیں کہتے شازیہ کو ٹائم دے رکھا ہے۔"

"تم میری جاسوسی کرتے ہو؟" اس کے ہونٹوں پر دلفریب تبسم ابھرا تھا۔

"سدھر جاؤ۔ شازیہ' پنکی' بلی' راکھی' یہ لڑکیاں نہیں ہیں محض شوپیس ہیں۔"

"ایک بات ہے قسم سے' میرے یار' تم مجھے بابا جانی کی طرح نصیحتیں کرتے کبھی برے نہیں لگے۔"

دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ مہربان و نرم لہجہ سن کر فدا حسین گویا آندھی کے تھم سے کسی بھی لمحے زمین بوس ہونے والے درخت کی حالت میں آ گیا۔

"کیا ہوا؟ کچھ معلوم بھی تو ہو۔" صارم جھلایا۔

"جیا (کیا) بتاؤں صاب! اتھالی دولت نے دندگی خلاب کر دی ہے۔ میں تو...."

"مسئلہ کیا ہے؟" صارم نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپا کر اس کی تمہید قطع کی۔

"وہی ایک معملہ۔ جو ہر غلیب (غریب) کے ساتھ لوزا دل (روز اول) سے لدا ہوا ہے۔"

"ابھی تم پندرہ دن گاؤں میں گزار کر آئے ہو۔ جاتے وقت ابھی خاصی رقم لے کر گئے تھے۔ ایک ہفتے بعد پھر تمہاری مسز نے مسئلے پیدا کرنا شروع کر دیے؟" باسط اندر کے کمرے سے نکل کر وہیں آ گیا۔ اسے دیکھ کر فدا حسین نے منہ بنایا تھا۔

"یہ لو اور اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔" صارم نے والٹ سے نکال کر ایک بڑا نوٹ اس کی طرف بڑھایا۔ نوٹ گرفت میں آتے ہی فدا حسین کی تمام حسیات بیدار ہو گئی تھیں۔ چہرے کی رونق بحال ہو گئی۔ وہ خاصا مسرور سا کچن کی طرف بڑھا تھا۔

"تم اچھا نہیں کر رہے صارم! آج کل سخاوت و دریا دلی لے ڈوبتی ہے بندے کو۔"

"کیا حرج ہے یار! اگر ہم کسی کے کچھ کام آ جائیں تو۔ میں زندگی میں کسی شے کے لیے نہیں ترسا۔ جو چاہا وہ پایا' پھر میں کس طرح کسی کو ضروریات زندگی کے لیے ترستے ہوئے دیکھوں؟ زندگی سب کے لیے ہے۔ پھر زندگی پر کچھ لوگوں کی حکمرانی کیوں رہے؟"

"کیا تم ہر اس شخص کو سپورٹ کر سکتے ہو جو فدا حسین کی طرح غربت کا شکار ہے؟"

"ہاں... اگر میرے دائرہ اختیار میں جتنے بھی لوگ آئیں گے بلا تفریق وہ میرے لیے قابل احترام ہوں گے۔ انسان کی معراج انسانیت ہے۔ دولت' ثروت' عیش و طرب وقتی حد بندیاں ہوتی ہیں۔"

"بھائی! پیسہ تمہارا اڑاؤ۔ میں خوامخواہ کیوں برا بنوں۔"

"اغا' ناراض ہو گئے؟" صارم اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"نہیں یار یہ پورا لیڈیز ڈپارٹمنٹ ہے۔ مردوں پر نہیں جچتا۔ تم آفتاب کے پاس گئے تھے ملا

"نہیں... چند روز کے لیے حیدر آباد گیا ہے۔ اس کی ماسی نے بلایا ہے۔"

"اچھا' یہ بتاؤ' بھابی سے پوچھ رہا تھا۔ حیدر آباد جاؤں گا' تمہارے لیے کیا لاؤں؟ میں نے کہہ دیا جو بھی مشہور چیز ہو وہاں کی لے آنا۔ تو بولا۔ وہاں کی چوڑیاں مشہور ہیں وہ لے آؤں۔"

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تمہیں تو میں جب باتوں کا جب تم ورشا بی بی کو تسخیر کر کے دکھاؤ۔ ویسے شاذیہ جیسی لڑکیاں تو معمولی سی زور کی چمک دیکھ کر پیچھے چلی آتی ہیں۔" باسط نے خلاف توقع طعنہ مارا تھا جو کسی زہریلے تیر کی طرح سنسناتا ہوا اس کے دل میں پیوست ہوا تھا۔

"باسط! مجھے کسی غلط حرکت کرنے پر مت اکساؤ۔ وہ لڑکی ہے اور یہ صنف موم سا وجود رکھتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ کوئی موم پگھلا ہوا ہوتا ہے اور کسی کو وقت لگتا ہے پگھلانے میں۔ وہ لڑکی کوئی پتھر کی نہیں بنی۔ آئندہ مجھے چیلنج نہیں کرنا۔" وہ دھپ دھپ کرتا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ باسط کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی۔ وہ ان کے جذبات سے کچھ کچھ واقفیت محسوس کرنے لگا تھا۔ صارم خان جس جذبات سے خود بھی پہلو تہی برت رہا تھا یا جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ اتنے ہی آشکارا ہو رہے تھے۔ اس کی نگاہوں کا غیر محسوس سا تعاقب..... اس نے بارہا ورشا خان آفریدی کی ذات کو محسوس کیا تھا۔ ایکسیڈنٹ والی تھرتھراہٹ کے بعد سے تو اس نے دانستہ اس کی راہ میں آنا چھوڑ دیا تھا۔ مگر وہ ہوتا وہیں آس پاس تھا۔

❁ ❁ ❁

"سبریز خان! تنگ مت کرو۔ ایک بار بول دیا کل ساگر سے نہیں مل سکتے۔" شیریں گل نے چولہے پر چائے پکانے کے لیے کیتلی میں پانی بھر کر رکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"بھابھو! یہ کیا بات ہوئی؟ شادی میں ابھی مہینہ باقی ہے میں اتنا عرصہ اسے دیکھے بغیر کیسے گزاروں گا؟ میں شہر جا رہا ہوں۔ اس سے معلوم کروں گا وہ کیا منگوانا چاہتی ہے۔"

"وہ یہی کہے گی تم واپس آ جاؤ میرے لیے تمہاری واپسی ہی سب سے بڑا تحفہ ہے۔" شیریں گل ٹیبل پر رکھے کپ اٹھاتے ہوئے خاصی شوخ ہو رہی تھی۔ وسیع و عریض نفاست سے سنوارے گئے باورچی خانے میں تازہ چائے کی خوش ذائقہ مہک پھیل گئی تھی۔

"لیکن..... یہ بات میں اس کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔" سبریز یکدم بوجھ کر گویا ہوا۔

"چند دن..... صرف چند دن اور صبر کر لو میرے لالا پھر ساری زندگی تمہیں ہی سننا ہے۔"

"بھابھو! مجھے دیر ہو رہی ہے۔ برف باری کبھی بھی ہو سکتی ہے۔ کئی دن بعد تو آج سڑکیں صاف ہوئی ہیں۔ اگر برف گرنے لگی تو مسئلہ ہو جائے گا۔" اس کے انداز میں عاجزی تھی۔

"ارے تو میں نے کب روکا ہے جاؤ تم۔ ورنہ تمہارے لالا کو ابھی آواز لگاتی ہوں وہ تمہاری ملاقات بہت اچھی طرح کل ساگر سے کروا دیں گے۔"

"وہ لالا جب آئے گا تب آئے گا ابھی میں سوچ رہا ہوں جس عورت کے بال بھی ملازمائیں سنوارتی ہوں وہ آج خود چائے بنا رہی ہیں بھئی تو اب کھلا۔"

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" گلریز خان وہیں چلے آئے۔ ان کی بارعب و سنجیدہ طبیعت سے وہ خاصا مرعوب رہتا تھا۔ انہیں سامنے دیکھ کر اس نے سلام کیا۔ انہوں نے بھی بڑی گرم جوشی سے جواب دیتے ہوئے اسے سینے سے لگایا تھا۔

"میں نے کہا تھا چائے جلد لے کر آؤ۔"

"سبریز خان کی فرمائش کی وجہ سے دیر ہو گئی۔" اس نے چائے کو فی پاٹ میں پلٹ کرتی لڑکی سے ڈھانپا۔ کپ و سامر ٹرالی میں سیٹ کرتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"سبریز خان! کیا فرمائش ہے بتاؤ۔" وہ بیوی کی شوخ سنجیدگی کو نہ سمجھ سکے۔

"وہ..... وہ؟ کچھ نہیں لالا!" وہ اچانک ہی گڑبڑا گیا تھا۔

"اب شرماؤ نہیں۔ بتا دو۔" شیریں گل نے ٹرالی آگے گھسکاتے ہوئے معصومیت سے کہا۔

"بتاؤ نا یار! شرمانے کی کیا بات ہے؟" خلاف عادت وہ آج خوب مہربان تھے۔

"میں بتا دیتی ہوں۔ یہ شہر جا رہا ہے اور چاہتا ہے کہ....."

"نہیں..... کچھ نہیں میں چلا جاؤں گا۔" اس نے جلدی سے کہا۔ جانتا تھا ابھی انہیں حقیقت معلوم ہو گی اور پھر ان کی ڈانٹ کا وہ متحمل نہیں ہو سکتا۔

"چھوٹی سی تو خواہش ہے اسے "ورے" تک خدا حافظ کہہ کر آ جائیں۔"

"ارے بس؟ یہ کیا بات ہوئی۔ ابھی چائے پی کر چلتے ہیں۔ میں تو سمجھا تھا ایسی کیا انوکھی فرمائش ہے۔" گلریز خان نے مدھم مسکراہٹ سے کہا۔ اس نے پیچھے ٹرالی لاتی شیریں گل کو دیکھتے ہوئے لالا سے آنکھ بچا کر منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اشارتاً کہا کہ وہ اس سے بدلہ لیے بغیر نہیں رہے گا۔ وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

آج سردی قدرے کم تھی۔ گذشتہ پورا ہفتہ سخت سردی کی لپیٹ میں گزرا تھا۔ نرم چمکیلی دھوپ کی سنہری کرنیں دھیرے دھیرے چلتی سرد ہوا میں فرحت بخش لمس دے رہی تھیں۔ آسمان پر بادلوں کے سفید سفید ٹکڑے ٹولیوں کی صورت میں بکھرے تھے۔ خوش گوار و پرکیف موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے طلبا کی زیادہ تعداد لان میں گروپس کی شکلوں میں ادھر ادھر براجمان خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ ورشا، فارحہ، سنبل وغیرہ بھی بیٹھی ہوئی باتوں میں مشغول تھیں۔ موضوع گفتگو سنبل کی ذات تھی۔

"فارحہ درست کہتی ہے۔ تم خوامخواہ بات بڑھا رہی ہو۔ جب وہ سب کچھ جان چکا ہے تو پھر اپنی غلطی پر پھر کیوں تم انا کی قیدی بنی ہوئی ہو؟" شعوانہ نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"وہ محترمہ ثمرین صاحبہ، مزے سے اپنے بچوں اور ہسبینڈ کے ساتھ لائف انجوائے کر رہی ہیں اور یہاں تم دونوں کو بھگتا رہا۔ اور تم اتنی احمق ہو ابھی تک خود کو سزا دے رہی ہو۔" سفیرہ نے کہا۔

"محبت کی پہلی بنیاد ہی ایک دوسرے پر اعتماد و یقین کی گہرائی ہے۔ جس عمارت کی بنیاد ہی کمزور ہوگی اس عمارت کو زمین بوس ہونے میں ٹائم ہی کہاں لگتا ہے۔ اعتماد و یقین ایک بار ٹوٹ جائیں تو پھر جوڑنے کے باوجود نشانات ہمیشہ کے لیے اسے بدنما و بدہیئت کر ڈالتے ہیں۔ اسے یہ معلوم تھا ثمرین اسے پسند کرتی ہے اور نہیں چاہتی کہ وہ مجھ سے ملے۔ اس کے باوجود وہ بہت اطمینان سے اس کی سکھائی ہوئی باتوں پر یقین کر بیٹھا۔ ایک مرتبہ بھی اس نے زحمت نہیں کی مجھ سے پوچھنے کی کہ آیا جو اس نے کہا اس کی ہے وہ کہاں تک درست ہے۔ میں اتنی ہی لوز کریکٹر تھی تو اب کیوں میری جستجو ہے اسے؟" سنبل از حد دل گرفتہ و رنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

"بھول جاؤ جو کچھ ہوا۔ معاف کر دو بے چارے کو۔ محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ پل بھر میں اعتماد مضبوط چٹان بن جاتا ہے تو کبھی لمحے بھر میں موتیوں کی طرح بکھر جاتا ہے۔ عورت برداشت و صبر کا وسیع مادہ رکھتی ہے۔ جب کہ مرد عورت کے معاملے میں ہمیشہ "پوزیسیو" رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے اس کی ملکیت صرف اس کی ہو۔ کسی دوسرے نام کی پرچھائیں بھی وہ اپنے سے وابستہ عورت پر پڑنا پسند نہیں کرتا۔ اسے اپنی کزن کی سازش کا علم ہوا تو اس نے پورے خلوص سے معافی مانگ لی تم سے اور باوجود تمہاری بے گانگی و سرد مہری کے پچھلے دو سال سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ کیا یہ ثبوت نہیں ہیں حمزہ کی تم سے سچی و کھری محبت کے۔" سفیرہ نے اسے قائل کرنے کی خاطر کہا تھا۔

"تم لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو؟ حمزہ واحد انسان نہیں ہے روئے زمین پر اور بھی ہیں۔" سنبل کچھ چڑ کر خاموشی سے ان کی بحث و تکرار سنتی ورشا کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"وقت جتنی تیزی سے گزر رہا ہے اس کا احساس ہم سے زیادہ ہمارے ماں باپ کو ہو رہا ہے۔ آج کل سب سے بڑی آفت اور سنگین مسئلہ بے روزگاری و مہنگائی کی ناجائز حدود کو عبور کرتی شرح کا ہے۔ جو بہت سرعت سے ہمارے اخلاق، تہذیب و تقدس کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے اور میرے نزدیک دوسرا بڑا مسئلہ ہے۔ گھر گھر بیٹھی بڑی تعداد میں ان لڑکیوں کے مناسب رشتے نہ ملنا۔ بے شمار گھروں میں ان مسئلوں نے دائمی انتشار پھیلائے ہوئے ہیں۔ ماؤں کو رشتے مناسب نہ آنے اور بیٹیوں کی تیزی سے بڑھتی ہوئی عمروں نے بے سکون کر ڈالا ہے۔ ایک وقت تھا جب بھائی پہلے بہنوں کو رخصت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ مگر اب نفسا نفسی، خود غرضی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی بہنوں کو دوستوں سے نگاہیں بچا لیتے ہیں۔ بہنوں کے بر آنے کے انتظار میں اپنے ارمانوں

کا سودا کوئی منظور نہیں کرتا اب۔ میری مانو بے وقوفی ختم کرو۔ حمزہ ہر لحاظ سے بہتر انسان ہے۔ یعنی لاجواب پروپوزل ہے اس دور کے حساب سے۔"

"ورشا! تم بھی تو کوئی رائے دو؟" اس کی خاموشی سب نے محسوس کی تھی۔

"میں؟ میں کیا کہوں؟ میرے خیال میں سفیرہ درست کہہ رہی ہے۔" اس کی نیلگوں آنکھوں میں لمحے بھر کو روشنی چمک کر معدوم ہوئی تھی۔ جب ان کے درمیان اس طرح کی باتیں ہوتیں تو وہ خود کو ان کے درمیان تنہا و لاتعلق سا محسوس کرتی تھی۔ وہ سب آپس میں الگ الگ خاندانی بیک گراؤنڈ رکھتی تھیں۔ مگر ان سب کے خاندان میں ایک دستور "روشن خیالی" کا مشترکہ تھا کہ لڑکیوں کو آزادی رائے و پسند کا مکمل اختیار تھا۔ وہ اپنی پسند سے جیون ساتھی چن سکتی تھیں۔ خود مختارانہ زندگی گزارنے کا حق انہیں دیا جاتا تھا جس کا تصور بھی ان کی برادری میں نہ تھا۔

"لائبریری چلتے ہیں، کچھ نوٹس بنانے ہیں۔ کل سنڈے ہے، پرابلم ہو جائے گی۔" ورشا نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے قریب رکھی فائل اور نوٹ بک اٹھا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"ہا! اتنے حسین و دلکش موسم میں لائبریری کی یخ و خاموش فضا میں جانا غیر رومانٹک ہے۔"

"تم! ہر بات میں "رومانس" کو کیوں گھسیٹتی ہو؟" ورشا نے شعوانہ کو گھور کر کہا۔

"اس لیے، بائی ڈیفالٹ کہ رومانس کے بغیر زندگی مکمل ہی نہیں ہے۔"

"اگر تمہیں چلنا ہے تو بتاؤ؟ ورنہ میں جا رہی ہوں۔"

"میں چل رہی ہوں۔ یہ آج موسم پر عاشق ہو گئی ہیں اور عاشقی میں محض دیوانگیاں سرزد ہوتی ہیں اور کچھ نہیں۔" سنبل بھی فائلیں اٹھا کر ان کی طرف بڑھ گئی۔

"ہاں... ہاں بھئی تجربہ بول رہا ہے۔" ان تینوں نے زیر لب انداز میں ہونک کی تھی۔

"بعد میں پوچھوں گی تم لوگوں سے۔" سنبل خفت سے سرخ پڑ گئی۔ ورشا بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

"اف کراچی میں اتنی سردی لگ رہی ہے۔ تمہارے علاقے میں تو شدید برف ہو گی تو وہاں کیا حال ہو رہا ہو گا؟" سنبل نے سوئیٹر کے بٹن بند کرتے ہوئے اشتیاق سے استفسار کیا۔

"ہمارا علاقہ سارا سال ہی سرد رہتا ہے۔ لوگوں کو ٹھنڈ برداشت کرنے کی عادت ہے۔ ہاں ان دنوں میں وہاں بہت پریشانی ہو جاتی ہے اور بہت سے لوگ موسم گرما یعنی برف پگھلنے تک دوسرے علاقوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ جہاں ان کے مویشیوں کے لیے چارہ اور خود ان کے لیے خوراک کا بندوبست با آسانی ہو جاتا ہے۔ بعد میں واپس وہ لوگ اپنے گھروں کو آ جاتے ہیں۔" اپنے علاقے اپنے لوگوں کی باتیں کرتے وقت اس کے دلکش چہرے پر ملکوتی روپ بکھرا ہوا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا۔ نیلگوں آنکھوں میں ستاروں کی چمک تھی۔ گداز لبوں پر کرنوں سی نرم مسکراہٹ تھی۔ وجاہت اینڈ اسکائی بلو اینڈ وائٹ سوٹ میں وہ نوخیز شگفتہ پھول کی مانند پاکیزہ پرکشش لگ رہی تھی۔

لائبریری کی سیڑھیوں سے اترتے صارم کی نگاہیں اس کے سراپا میں الجھ کر رہ گئی تھیں۔

"بھائی میاں! کیا ہوا؟ کیوں جم کر رہ گئے؟ سیل ختم ہو گئے کیا؟"

پیچھے آتے باسط اور آفتاب جھک کر سرگوشیانہ انداز میں استفسار کرنے لگے۔

"ایک غزل یاد آئی ہے بڑی شدت سے اگر اجازت ہو تو سناؤں؟" وہ سیڑھیوں کے درمیان حسب عادت بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے ان سے پوچھنے لگا۔ ورشا اور سنبل کا رخ ادھر ہی تھا۔

"ارشاد.... ارشاد میری جان! ضرور سناؤ کہ موقع بھی دستور بھی ہے۔" ان دونوں نے بھی ورشا اور سنبل کو ادھر آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ سو بڑے شوق سے سننے کو بے قرار تھے۔

اس کو منانا چاہیے
یا روٹھ جانا چاہیے

"واہ... واہ! کیا بات کہی ہے۔ یار روٹھ جانا چاہیے۔" آفتاب نے تڑپ کر داد دی تھی۔

پلکیں بہت بھگو چکے
اب مسکرانا چاہیے
دل میں بہت چھپا لیا
کچھ تو بتانا چاہیے

"ہیلو بوائز! ماشاء اللہ بہت لائق ہونہار اسٹوڈنٹس ہیں۔ آفس روم میں آیئے وہاں داد دیں گے ہم آپ کو۔" اچانک سامنے پرنسپل صاحب کو دیکھ کر وہ تینوں بوکھلا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ وضاحتیں پیش کرتے پرنسپل صاحب آفس روم کی سمت جا چکے تھے۔

"مروا دیا! اب لمبا لیکچر سننا پڑے گا۔" صارم نے آفتاب کے ایک مکا جماتے ہوئے کہا۔

"اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔" باسط نے مسکراتے ہوئے اسے انگوٹھا دکھایا۔ کیوں کہ ورشا اسے بیٹھتے دیکھ کر واپس پلٹ گئی تھی۔ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا تھا۔

"اوہ! مجھے سبریز خان کو پک کرنا ہے فلائیٹ آ گئی ہو گی۔" سب بھول کر وہ صوفا اچھل کر کھڑا ہوا تھا اور ایک ساتھ کئی سیڑھیاں پھلانگتا آگے بڑھ گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

سبریز بہت گرم جوشی و محبت سے اس سے گلے ملا تھا۔ ایسی ہی شدت و اپنائیت صارم کے

اور اس تھی۔ کئی لمحے وہ ایک دوسرے سے گلے لگے شاید محسوس کر رہے تھے۔

"پلیز... پلیز یقین آ گیا کہ آپ دونوں طویل مدت بعد ملے ہیں۔ ذرا جذبات پر قابو پا لیجیے اور دوسروں کو بھی موقع دیجیے۔" آفتاب آگے بڑھ کر سبریز خان سے گلے ملتے ہوئے شوخ لہجے میں بولا۔ وہ بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔ پھر مامون اور باسط سے ملنے کے بعد وہ کار کی طرف بڑھ گئے تھے۔ راستہ باتوں میں جلد اختتام پذیر ہوا تھا۔ گھر آ کر کھانے کے بعد چائے کے دوران حال احوال و باتوں کا سلسلہ چلا تھا۔ کیوں کہ سبریز اکثر یہاں آتا رہتا تھا۔ صارم کے تمام دوستوں سے اس کی بھی اچھی دوستی تھی۔ آفتاب اور مامون کچھ دیر قبل رات گہری ہونے کے بعد اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ باسط سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

لہٰذا حسین صارم کی خواہش پر کافی بنا کر انہیں دے گیا تھا۔ وہ دونوں کافی کے مگ لیے لاؤنج میں چلے آئے اور کارپٹ پر کشنز کے سہارے بیٹھ گئے۔ ہیٹر آن ہونے کی وجہ سے ماحول خاصا گرم و خوش گوار تھا۔

"گاؤں میں سب کیسے ہیں؟ بی بی جان! بابا جانی کیسے ہیں؟ باقی کے لوگ بھی خیریت سے ہیں نا۔" تنہائی ملتے ہی صارم نے بے تابی سے دریافت کیا۔

"سب اللہ کے فضل سے خیریت سے ہیں ماسوائے ایک کے بی بی جان تمہیں بہت یاد کرتی ہیں۔ وہ تمہاری واپسی کی گھڑیاں گن رہی ہیں۔ بابا جانی بھی تم سے ملنے کے لیے آنا چاہ رہے ہیں مگر ٹائم کہاں مل رہا ہے۔ شمروز لالا اور بھابو بھی تمہیں یاد کر رہی ہیں۔ بی بی جان نے تمہارے لیے پسندیدہ چیزیں بنا کر بھیجی ہیں جن میں بادام کا حلوا خصوصیت کا حامل ہے اور...."

"اسٹاپ اٹ یار!" صارم مگ نیچے رکھ کر تیزی سے گویا ہوا۔ کیوں کہ سبریز شرارتاً اسے بولنے کا موقع نہ دے رہا تھا۔ "ماسوائے ایک" کہہ کر اسے پریشانی میں مبتلا کر رہا تھا۔

"تم نے کس کی بات کی ہے؟ کون خیریت سے نہیں ہے؟" اپنوں سے جو قلبی تعلق اور ذہنی رابطہ تھا ان جذبات و احساسات کی اساس اس کو فوراً ہی بے چین و متفکر کر گئی۔

"زرگون خانم تمہاری یاد میں راتوں کو تارے گنتی ہے۔ دن میں سورج کی کرنوں کو شمار کرنے میں وقت گزارتی ہے۔ اور تم ظالم پردیسی...."

"میں نے کتنی مرتبہ کہا ہے تمہیں! میرا زرگون سے ایسا کوئی تعلق نہیں ہے جو وہ یہ سب ثابت کرے۔" اس نے برا منہ بناتے ہوئے اس کی بات قطع کی تھی۔

"یہ تمہارا کہنا ہے۔ ہمارے بڑوں کا فیصلہ بس فیصلہ ہوتا ہے جس سے تم بخوبی واقف ہو۔"

"میں ایسے کسی فیصلے کا پابند نہیں ہوں جو میری منشا کے خلاف ہو۔ جبراً یا زبردستی کے فیصلے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ماضی میں بھی کیے گئے ان سے کیا حاصل ہوا۔ یہ ہمارے بزرگ بھی بخوبی جانتے ہیں۔" اس نے گل لبوں سے لگاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"چھوٹے اکا کی مرضی مکمل طور پر تمہیں داماد بنانے کی ہے۔ بہرحال جو بھی قدم اٹھاؤ سوچ سمجھ کر اٹھانا۔ کیوں کہ چھوٹے اکا کا استحقاق مسترد نہ ہو۔"

"میں نے چھوٹے اکا کو ہمیشہ بابا جانی کے بعد اپنا سب کچھ سمجھا ہے۔ اور مجھے یقین ہے وہ مجھے پرورش کرنے کا خراج اس طرح وصول نہیں کریں گے۔ مرد خاندان کی نسل کا علمبردار ہوتا ہے۔ اپنے باپ کی وراثت کا واحد وارث میں ہوں مجھے اپنے بابا کی نسل کو زندہ رکھنا ہے اور میں نہیں چاہوں گا اپنے قبیلے کے افراد میں معذور و ذہنی مریض افراد کا اضافہ کروں۔ ہمارے خاندان کو اب ایسے مفلوج اذہان کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیا ارادے ہیں؟ خاصی بلندی پر پرواز کر رہے ہو؟" سبریز خان خیزی سے بولا۔

"شاہین ہمیشہ آسمانوں پر پرواز کرتے ہیں۔ چٹانوں پر بسیرا ہوتا ہے ہمارا۔ تم سناؤ گل سانگ کے لیے "پربت گل" کہاں بخوار ہے ہو؟" اس نے کشنز کے ڈھیر پر نیم دراز ہو کر اسے دیکھتے ہوئے شوخی سے کہا۔ سبریز خان کے چہرے پر روشنی سی روشنی پھیل گئی تھی۔

"آکاش پر میرے خیال میں وہ پیارا سا دل زمین پر من پسند طریقے سے نہیں رہ سکتے۔"

"تم سے بھی امید کی جا سکتی ہے۔" صارم نے مسکراتے ہوئے کہا تو سبریز ہنس پڑا۔

"شادی میں کتنے دن پہلے آ رہے ہو؟"

"ایک تو تم شادی کے لیے اس قدر بے قرار و بے چین ہو کہ میرے سمسٹر تک نہیں رک سکتے سارا مزہ کرکرا کر کے رکھ دیا ہے تم نے۔"

"ابھی تم اس جذبے سے ناآشنا ہو میری جان! محض رنگین آنچل کی چھاؤں میں وقت گزاری کر رہے ہو۔ جب یہ دل لگی دل کی لگی بنے گی تب پھر معلوم ہوگا کہ....."

"او کے دیکھیں گے۔ شمشیر خان سے کبھی پھر تو ٹکراؤ نہیں ہوا۔"

"نہیں ... پھر تو نہیں ہوا۔ لیکن سنا ہے وہ زخمی شیر کی طرح اپنی ناکامی کا زخم چاٹتا پھر رہا ہے۔ اپنے قبیلے کی ناک میں جنونی ہو رہا ہے۔"

"ہاں ... یاد آیا اس کی ایک بہن یہاں یونی ورسٹی میں پڑھنے آئی ہوئی ہے۔" یک دم اسے یاد آیا تو وہ چونک کر بولا۔

❀❀❀

"اچھا ..... اگر جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ ولی قبیلے میں جہالت و ذہنی پسماندگی تک نظری کی حامل شخصیات کا دور دورہ ہے۔ عورت کی عزت و تکریم وہ کرنا نہیں جانتے۔ ان کی اکاؤں میں گھر میں موجود عورت اور باہر کھونٹے سے بندھی گائے میں سرمو فرق نہیں ہے۔ پھر بھلا اتنی عظیم تبدیلی کیونکر آئی ..... ؟ یہ شاید اس دور کا حیرت انگیز معجزہ ہے! اس قبیلے کی کوئی لڑکی اتنی طویل نصیب اتنی بخت آور اتنی معتبر ثابت ہوئی کہ نہ صرف اس نے روایت مسمار کی بلکہ اس ولی قبیلے کی اونچی سنگلاخ دیواروں کو پھلانگ کر اس مخلوط تعلیمی ادارے کی چار دیواری میں آ گئی جہاں کے ماحول کا تصور بھی اس قبیلے کی عورتیں نہیں کر سکتیں۔ ہاؤ ویری اسٹرینج!" صارم خان حیرانگی در حیرانگی کے بھنور میں بری طرح چکرا رہا تھا۔

"شہباز خان کی سب سے چھوٹی بیٹی ہے۔ سنا ہے بہت غصے والی، ضدی اور حق کی خاطر جان سے گزر جانے پر بھی تیار رہتی ہے۔ اس کی کسی بات نے شہباز خان جیسے چٹان انسان کو موم بنا ڈالا اور یوں پہلی مرتبہ انہونی ہو گئی۔ کیا تم واقف ہو اس لڑکی سے؟" سبریز خان کے لبوں پر اس کی حیرانگی محسوس کر کے مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ وہ اس کے قریب ہی لیٹ گیا تھا۔

"نہیں۔ نام کیا ہے اس کا؟ کس ڈپارٹمنٹ میں زیر تعلیم ہے؟" وہ از حد پر اشتیاق لہجے میں بولا۔

"یہ سب تو مجھے معلوم نہیں ہے یہ معلومات بھی اتفاقاً معلوم ہو گئی تھیں۔ ویسے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ تمہیں ابھی کسی لڑکی کے بارے میں معلومات نہیں ہیں جو ایک انفرادی قبیلے سے تعلق رکھتی ہو۔" سبریز خان کا شوخ انداز اسے چڑانے والا تھا۔

"انفرادی ..... میری جان! جامعہ اپنے اندر ایک بڑے شہر کی سی وسعت رکھتی ہے۔ یہ کوئی چھوٹا سا اسکول تو ہے نہیں جو کسی کے متعلق جاننے کے لیے معمولی سا تجزیہ بھی نہ کرنا پڑے اور انفارمیشن کی بھی خوب کی تم نے۔"

"آفریدی" یہ نام تو لگتا ہے آج کل فیشن کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے۔ میرے جان پہچان والوں میں کم از کم سو سے زائد ایسے لوگ ہیں جو اپنے اسم کے ساتھ آفریدی لگاتے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حالانکہ ان کی عادات و شخصیت میں کہیں بھی اس نام سے ملتا جلتا تاثر نہیں ملتا۔ ان میں سہل اور فی سہیل دونوں شامل ہیں پھر جامعہ میں تو کوئی شناسا ہی نہیں ہے۔" صارم نے جواباً اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"یہ تم مجھے اس طرح کیوں سمجھا رہے ہو جیسے کوئی استاد کسی کند ذہن بچے کو سبق ذہن نشین کروا رہا ہو۔"

"تم کند ذہن بچے سے زیادہ نالائق ہو۔ جبھی پڑھائی چھوڑ کر زمینوں میں لگ گئے ہو۔"

"صبر سے کام لو میرے یار! اتنی مغز ماری کے باوجود بھی جب تم "زمینوں" کو سنبھالو گے تو پھر پوچھوں گا۔"

"یہ وقت بتائے گا ماسٹر آف بزنس کی ڈگری میں گلے میں لٹکانے کے لیے نہیں لوں گا۔"

"ڈیئر حضرات اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو میرے ہاتھ کی کافی پی کر دیکھیے۔" ہاسپٹل کے بیڈ کے ساتھ لگے ٹیبل پر کافی کے بھاپ اڑاتے مگ رکھے اندر داخل ہو کر خوشگوار لہجے میں گویا ہوا۔

"تھینکس باسط میں تو سمجھا تم سونے جا چکے ہو۔" صارم نے مگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"گیا تو میں سونے ہی کو تھا مگر نیند نہیں آئی۔ سوچا کافی پی جائے اور یہاں آ کر گپ شپ بھی کی جائے کیونکہ تم دونوں تو ایک دوسرے سے اس طرح محو گفتگو ہو کہ میرا خیال ہی نہیں آ رہا۔"

صہریز اپنے مزدیک اس کی جگہ بناتا ہوا گویا ہوا۔ "ایسی بات نہیں ہے تم بھولنے والی شے نہیں ہو۔ میں بھی یہی سمجھا تھا کہ تم سو گئے ہو۔"

"شکریہ دوستو! پہلے کافی پی لیں پھر دل کھیلتے ہیں۔" وہ ان کے قریب بیٹھ کر گویا ہوا۔

❁ ❁ ❁

"او..... ہو! آج کچن پر ستم ڈھانے کا ارادہ ہے؟ آج اس بے چارے کی شامت آئی ہے۔" فارحہ، سنبل اور ورشا کو کچن میں مصروف دیکھ کر خاصی شوخی سے گویا ہوئی۔

"چائے پیو گی؟" ورشا نے کیتلی میں ابلتے پانی میں پتی ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"اونہہ چائے! مجھے نفرت ہے چائے سے۔ کافی یا کولڈ ڈرنک پلا دو تو کوئی مضائقہ نہیں۔" فارحہ کا انداز بتا رہا تھا اس طرح ایک نعمت کے متعلق کہنا۔ اگر تمہیں چائے پسند نہیں ہے تو یوں بھی کہہ سکتی ہو کہ مجھے چائے پسند نہیں ہے یا میں چائے نہیں پیتی۔ نعمتوں کا تو شکر ادا کیا جاتا ہے۔" سنبل نے فراخی کرتی ہوئی سنجیدگی سے ناصحانہ انداز میں اسے سمجھانے لگی۔

"اوہ..... سوری اللہ میاں جی!" اس نے دونوں کان پکڑ کر اوپر دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ

سے دعا مانگی۔ "سوری ڈیئر سنبل اینڈ ڈیئر ورشا!" وہ چپس کیچ اپ میں لگا کر کھاتے ہوئے بولی۔

"ہاتھ قابو میں رکھو اپنے۔" سنبل اس کے دوسرے کباب کی طرف بڑھتے ہاتھ کو دور کر کے بولی۔

"نمک چکھ رہی ہوں۔"

"تمہاری طرح پھوہڑ نہیں ہوں۔"

"جلدی کرو۔ میں چائے ٹیبل پر لگا رہی ہوں۔ فٹافٹ آؤ۔" ورشا نے فضا میں ہنگامے کی بو سونگھ کر تیزی سے چائے کا سامان سمیٹا اور کچن سے نکل آئی۔

شام کا سرمئی آنچل ہر سو لہرانے لگا تھا۔ غروب ہوتے سورج کی دم توڑتی شعاعیں خنک چلتی ہوا میں خوشگوار محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے چائے والی ٹی کوزی سے ڈھانپ کر سینٹر ٹیبل پر رکھی اور ساتھ ہی دوسرے برتن سیٹ کرنے لگی۔ گلاس وال پر بھاری پردہ اس نے ہٹا کر ایک طرف کیا تو سرسبز خوبصورت پھولوں پودوں سے مہکتا لان کا نظارہ شام کی اس سکوت زدہ بے کل کر دینے والی خاموشی میں ایک خوش کن تازگی بھرا احساس دینے لگا۔ وہ غیر ارادی طور پر شفاف شیشے سے چہرہ ٹکا کر سامنے مہکتے سرخ گلابوں اور گیندے کے جھومتے شگوفوں کو یک ٹک دیکھنے لگی اور اس کے اندر جیسے وادی اپنے سرسبز شاداب وجود کی کسک جگانے لگی۔ سرخ پتھروں سے بنی اس کی حویلی بھی پوری سبزے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ جس کے گوشے گوشے میں پھولوں اور پھلوں کی بہتات تھی۔ ارد گرد پہاڑوں کی کوکھ سے گرتے جھرنے اور آبشار کتنا حسن بکھرا ہوا تھا وہاں۔ ہر شے میں حسن و خوبصورت خالق کے نور کو اجاگر کرتی ہوئی۔ جل بوٹے، پھول و پھل، آبشار، جھرنے، سبزہ و آسمان کی بلندیوں سے ٹکراتے پہاڑوں میں ہر جگہ اس کی ذات کی خوبصورتی کا لازوال بے مثال حسن بکھرا ہوا تھا۔ اس "رب" کی بادشاہی تو ہر جگہ قائم و دائم ہے۔ اللہ کا قانون سب کے لیے ہے۔ وہ سب کو ایک نگاہ سے نوازتا ہے۔ اس کی نظر میں نہ مرد اپنی ذاتی برتری کے باعث معتبر ہے اور نہ عورت کسی پستی کی تہ میں گری نامعتبر ہے۔ اس کے نزدیک وہی معتبر اور فضیلت والا ہے جو متقی اور عبادت گزار و پرہیز گار ہو۔ یہ اونچ اور نیچ اعلیٰ و ادنیٰ، بہتر و بدتر، غلام و کنیز کے مرتبے تو خود انسان کی خود غرضی و خود پسندی کے احساسات نے مرتب کیے ہیں۔ مرد کی پہلی اولین خواہش، پہلی تمنا، پہلی آرزو عورت کے قرب، اسے پانے، اسے چھونے کی اس کے اندر جاگی تھی۔ مرد کی خواہش پر ہی عورت کو تخلیق کیا گیا پھر کیوں عورت مرد کے لیے ہی حقیر و سستی، بے وقعت، سستی بن کر رہ گئی؟ مٹی کے کھلونے سے بھی زیادہ ارزاں اور کمزور۔ وہ جب چاہتا ہے اسے توڑ کر رکھ دیتا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ٹرن..... ٹرن..... ٹرن۔" فون کی تیز بیل نے اسے وادی کے ظالم رسم و رواج کے خیالات سے بیدار کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر قریب ہی اسٹینڈ پر رکھے فون کا ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔

"ہیلو! میں حمزہ بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے بے تکلف سی آواز آئی۔

"جی۔ کس سے بات کریں گے؟" اس نے خاصا سنبھل کر سوال کیا۔

"فی الحال آپ سے ہی کریں گے۔ آپ ورشا بول رہی ہیں نا؟"

"جی آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہے؟" وہ شدید حیران تھی۔

"نام؟ اگر آپ کہیں تو آپ کا مکمل بائیو ڈیٹا بتا دوں؟"

"آپ علم نجوم جانتے ہیں یا کوئی جنات وغیرہ آپ کے قبضے میں ہیں۔"

"ہا..... ہا..... ہا۔ جنات تو کیا قابو میں کریں گے۔ ایک عرصے سے انسان کو قبضے میں کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ انسان یعنی سنبل کو قابو کرنے کے لیے آپ کی مدد درکار ہے۔ فارحہ نے آپ کا فائنانشل تعارف کرایا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ سنبل آپ سے بے حد قریب ہے اور آپ با آسانی میرا معتمد مل سکتی ہیں۔ کیونکہ بقول فارحہ کے آپ میں جرات مندی اور حق کو منوانے کی خداداد صلاحیت موجود ہے۔"

"حمزہ بھائی! آپ کے اور سنبل کے درمیان جو کچھ ہوا اس سے میں سرسری طور پر واقف ہوں مکمل طور پر آگاہی پانے کے لیے میں نے خود کوشش نہیں کی کہ مجھے ایسے لوگوں سے شدید چڑ ہے جو خواہ مخواہ دوسروں کے ذاتی معاملات میں لطف اندوزی کے لیے ناک جھانک کرتے ہیں۔ من گن رکھتے ہیں۔"

"وہ احمق لڑکی ایسی ہی ہے۔ خود گھٹ گھٹ کر ختم ہو جائے گی مگر اپنی پریشانی کسی سے بھی شیئر نہیں کرے گی۔ آپ ایسا کریں مجھ سے ملاقات کر لیں میں آپ کو مکمل تفصیل بتا دوں گا اور مجھے امید ہے کہ کوئی لائحہ عمل بھی ڈھونڈ نکالیں گے پھر آپ آ رہی ہیں نا؟ اپنی دوست کی خاطر آپ کو مجھ پر اعتماد کرنا ہوگا۔" دوسری طرف سے سنجیدگی اور کچھ بے تابی سے استفسار کیا گیا تھا۔

"میرے خیال میں اعتماد کی پہلی سیڑھی انسان کی اپنی ذات ہوتی ہے اور میں اس سیڑھی پر مضبوطی سے قدم جمائے ہوئے ہوں اور سنبل کی خاطر میں یہ خلاف سرشت کام کرنے کو تیار ہوں کیونکہ میں اپنے خاندان (قبیلے) سے تعلق رکھتی ہوں جہاں دشمنی میں جان لینا حق سمجھا جاتا ہے تو دوستی میں جان بچھا دینا معمولی سی باتیں ہیں۔"

دوسری طرف سے ہوٹل اور ملاقات کا وقت بتا کر یہ تاکید کی گئی تھی کہ سنبل کو کچھ معلوم نہ

ہو۔ البتہ فارحہ کو پہلے سے علم تھا۔

دوسرے دن سنڈے تھا آنٹی انکل بوتیک چلے گئے۔ چھٹی والے دن انکل ان کے ساتھ کاروبار میں ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ فارحہ سنبل کو بہانے سے سفیرہ کے ہاں لے گئی تھی اور وہ سر درد کا بہانہ کر کے رک گئی تھی۔ ان کے جانے کے بعد وہ بھی تیار ہو کر وقت مقررہ پر گھر سے نکل آئی۔ ٹیکسی نے اسے مطلوبہ ہوٹل کے سامنے اتار دیا تھا۔ اس نے کرایہ ادا کیا اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔ حمزہ کو تلاش کرنے میں اسے ذرا بھی تردد نہیں کرنا پڑا وہ اسے پارکنگ ایریا میں گیٹ سے گھستے ہی نظر آ گیا تھا۔ کار کی بیک سے ٹیک لگائے ریسٹ واچ دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں گیٹ پر ہی تھیں۔ وہ "تنہا" آنے والی لڑکیوں کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا کیونکہ ورشا کو بھی تنہا آنا تھا۔ وہ اسے پہچانتا نہیں تھا اس لیے زیادہ کنفیوژ نظر آ رہا تھا۔ ورشا کو فارحہ نے اس کی کئی تصاویر البم میں دکھائی تھیں وہ اسے ایک نظر میں ہی پہچان گئی تھی۔

"السلام علیکم حمزہ بھائی!" اس نے ان کے عقب سے آ کر سلام کیا تو وہ بری طرف چونک اٹھا۔

"آپ عقبی گیٹ سے آئی ہیں۔ میں آدھے گھنٹے سے یہاں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔" اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے خاصے خجالت آمیز انداز میں کہا اور کارڈ ورلاک کرنے لگا۔

"آپ نے جو ٹائم دیا تھا میں اسی ٹائم پر آئی ہوں۔" ورشا کو لائٹ گرین کوٹ سوٹ میں ملبوس گندمی رنگت و خوبصورت چہرے والا حمزہ سنبل کے جوڑ کا محسوس ہوا تھا۔

"دراصل میں اس لیے جلدی آ گیا تھا کہ مجھے بعد میں احساس ہوا میں نے آپ کو دیکھا نہیں ہے نہ آپ مجھے پہچانتی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو ہماری ملاقات اسی پہچان کے چکر میں ضائع ہو جائے تو کچھ دیر پہلے یہاں چلا آیا تھا کہ ہو سکتا ہے آپ بھی اسی سلسلے میں ٹائم سے پہلے نہ آ جائیں۔"

"آپ نے خواہ مخواہ اتنی زحمت کی حمزہ بھائی! میں نے آپ کی تصویر دیکھی تھی اور پہچان لی تھی۔"

"اوہ..... ہو..... محبت واقعی انسان کو عقل و خرد سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ مجھے یہ پہلے احساس ہی نہ ہوا کہ آپ سے میں واقف نہ سہی مگر آپ مجھ سے واقف بہرحال ہوں گی۔ تصویر کروا رکھی ہے۔" اس کی بے ساختگی میں ایسی ندامت تھی کہ ورشا بے اختیار مسکرا اٹھی تھی۔

"ثمرین میری کزن ہے۔ ممی کی خواہش اسے میری شریک سفر بنانے کی تھی مگر میں نے کبھی اسے اس انداز میں نہیں دیکھا تھا۔ سنبل ڈیڈی کے دوست کی بیٹی ہے۔ اس سے ملاقات

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک پارٹی میں ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے احساس ہوا وہ وہی ہے جسے ایک عرصے سے میرا دل میری نگاہیں ڈھونڈ رہی تھیں۔ پھر اتفاقاً ہی ہماری ملاقاتیں ہوتی رہی تھیں اور وہ جو کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ شاید سچے جذبے بے لوث محبت بہت سرعت سے اپنی راہ ہموار کرتی ہے۔ سنبل نے میرے جذبے کی پذیرائی بہت وارفتگی و والہانہ انداز میں کی تھی۔ ہم بہت جلد ایک دوسرے کے جذبوں سے آشنا ہو چکے تھے۔ ہم دونوں کے والدین نے ہماری راہ میں روایتی کوئی خلیج حائل نہیں کی۔"

"پھر ثمرین نے کہاں سے اٹیک کیا.....؟" ورشا نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے اس کی بات قطع کی۔ وہ اس وقت ہال میں کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ان کی ٹیبل عقبی دیوار سے لگی تھی جہاں ویسٹرن ٹائپ کھڑکی سے سامنے اور اردگرد کی بلند و بالا جگمگاتی عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ نیچے کشادہ سڑک پر رواں دواں ٹریفک کی سرخ پیلی روشنیاں فٹ پاتھ پر سبز گھاس میں کچھ کچھ فاصلے پر لگے خوش رنگ پھولوں کے پودے اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں خوبصورت لگ رہے تھے۔ اس کی نگاہیں اندر ہال میں موجود سرگوشیوں میں باتیں کرتے لوگوں پر ٹکیں پڑ رہی تھیں۔ وہ کھڑکی سے باہر کا منظر دلچسپی سے گاہے بگاہے دیکھ رہی تھی۔ گرم بھاپ اڑاتی کافی کے مگ دونوں کے ہاتھ میں تھے۔

"شاید آپ بور ہو رہی ہیں.....؟" حمزہ نے مسکراتے ہوئے مگ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

"نہیں..... دراصل میرے پاس وقت بہت محدود ہے۔ رات اپنے سیاہ گیسو پھیلا چکی ہے۔" اس نے نرم لہجے میں وضاحت کی۔

"اوکے۔ پھر ہوا یوں کہ ہم دونوں کی منگنی کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ خبر صرف خاص خاص رشتے داروں کو دی گئی تھی۔ اس دوران ہی نہ معلوم کس طرح ثمرین نے غیر محسوس طریقے سے میرے گرد جال پھیلانا شروع کر دیا۔ شروع میں میں نے اس کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی مگر مجھے اعتراف ہے محبت جہاں جذبوں کو فروغ دیتی ہے۔ اعتماد کو مستحکم کرتی ہے وہیں کچھ خرابیاں بھی پیدا کر دیتی ہے۔ سنبل پر مجھے از حد یقین و اعتماد تھا۔ مگر مجھے بعد میں محسوس ہوا سنبل کے معاملے میں میں بہت خود غرض و خود پسند ہو گیا تھا۔ اس کے ہر عمل پر میں اپنے پیار کی مہر دیکھنا چاہتا تھا۔ ثمرین نے مجھ سے کہا۔ وہ اپنے کزن میں انٹرسٹڈ ہے۔ مجھے محض الو بنا رہی ہے۔ مجھے اس کی بات کا یقین نہیں تھا پھر میں نے خود سنبل و اپنے کزن کے ساتھ کالج آتے جاتے دیکھا۔ مجھ میں بری طرح جیلس ہو گیا۔ مرد گناہوں کی دلدل میں اتر جائے تو خود کو فرشتہ سمجھتا ہے اور اپنے

سے وابستہ عورت کو بالکل پاکیزہ دیکھنا چاہتا ہے۔ پھر میری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی محض وہی ہے پھر میں کس طرح برداشت کر سکتا تھا کہ وہ میرے علاوہ کسی اور کو اپنا نائم دے۔ ایک دن وہ مجھے مل گئی میں نے اس سے بازپرس کی تو وہ پہلے تو میری طرف حیرانگی سے اس طرح دیکھنے لگی جیسے پہلی مرتبہ دیکھ رہی ہو۔ پھر بولی۔ "میں ایسے مرد کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی جس کی نگاہوں میں شکوک کا اندھیرا ہو۔" اس وقت میں بھی غصے میں تھا۔ میں نے بھی پروا نہیں کی اور خاموشی سے کینیڈا چلا گیا۔ گھر والوں نے بہت چاہا میں واپس آ جاؤں مگر مجھے سنبل کی طرف سے جو بے وفائی کا زخم لگا تھا اس سے فرار میں نے چاہا تھا اور یہ حقیقت مجھے دو سال بعد معلوم ہوئی خود ثمرین نے وہاں اپنے شوہر کے ساتھ آ کر مجھ سے معذرت کی اور بتایا کہ اس نے اپنے ٹھکرائے جانے کا انتقام مجھ سے لیا تھا۔ ورنہ سنبل بہت معصوم اور باکردار لڑکی ہے۔ ثمرین کے اسپیڈ نے بھی مجھ سے اس کے رویے کی معذرت کی۔ وہ آزاد معاشرے میں پرورش پانے والا روشن دل و دماغ کا مالک ہے شاید اس کے کہنے پر ثمرین معذرت کرنے آئی تھی۔ وہ اپنے ضمیر کا بوجھ اتار کر چلی گئی اور میں ندامتوں اور جلد باز فطرت کے باعث خود سے ہی نگاہ نہ ملا پایا۔ حالانکہ دل میرا ہمیشہ سرزنش کرتا رہا بار بار سمجھاتا رہا۔ سنبل ایسی نہیں ہو سکتی۔ مگر جب دماغ گھوم جاتا ہے تو دل کی کسی صدا پر توجہ نہیں دیتا میں اس وقت انا کے سمندر میں ڈوب گیا تھا۔ ضد کے صحرا میں بھٹک گیا تھا۔ یہ احساس میرے تمام تر جنون خیز و زور آور جذبوں پر حاوی ہو چکا تھا کہ میری غلط فہمی کو سنبل حقیقت بتا کر واضح کر سکتی تھی کہ وہ اس کا کزن تھا کوئی ایسا جذباتی یا دلی تعلق اس سے وابستہ نہیں تھا میرے پوچھنے پر اس نے میرے احساسات کو مجروح کیا۔ میرے جذبوں کی توہین کی۔ میرے اعتماد، خلوص، محبت کو قابل اعتنا نہ سمجھا اور تمام تعلق توڑ لیے تھے۔ اس وقت مجھ پر بھی انا اور ضد سوار ہو گئی لیکن ثمرین کے جانے کے بعد میں خود پر قابو نہ پا سکا اور پاکستان آ گیا۔ سنبل سے ملنے کی بات کرنے، اسے منانے، معذرت کرنے کی بہت کوشش کی مگر..... وہ مجھ سے اس حد تک بدظن و برافروختہ ہے کہ میری آواز تک سننے سے گریزاں ہے۔ پچھلے ایک سال سے میں پریشان ہوں۔ ہم دونوں کے گھر والے راضی ہیں مگر سنبل ہی نہیں مان رہی اور اس کی والدہ کہتی ہیں۔ وہ بیٹی کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتیں۔ اگر سنبل راضی ہے تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وہ رضامند نہ ہوئی تو وہ زبردستی نہیں کریں گی۔"

کافی کے سپ لیتی ہوئی وہ خاموشی سے اس کی داستان عشق سن رہی تھی۔ حمزہ دھیمے لہجے میں اس سے اس بے تکلفی سے محو گفتگو تھا جیسے برسوں سے شناسائی ہو۔ جیسے دوستی کے گہرے مراحل وہ طے کر چکے ہوں۔ اس کے سنجیدہ چہرے پر اپنی جلد بازی و جذباتیت کی خجالت کے سائے

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

موجود تھے۔ اس کے ایک ایک لفظ سے بے پایاں و پر خلوص سچے و بے کھوٹ محبت کے عکس واضح تھے۔ وہ اپنی کہہ رہا تھا اور شاکو بت کے باوجود کسی کی نگاہوں کا حصار اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ اس نے سرسری طور پر کئی بار اپنے اردگرد دیکھا بھی مگر کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ اپنی توجہ حمزہ کی طرف مبذول کر دی مگر کسی کی پر حدت نگاہوں کی گرمی وہ اپنے چہرے پر مسلسل محسوس کر رہی تھی مگر اردگرد کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"میں نے آپ کو تمام صورتحال گذشتہ سے پیوستہ بلا مبالغہ آرائی سنا ڈالی ہے۔ مجھے امید ہے بلکہ میری استدعا ہے آپ سے آپ کو مشعل کو میرے حق میں قائل کرنا ہے۔" اس نے سماجت بھرے انداز میں اپنا مدعا بیان کیا۔

"انشاء اللہ حمزہ بھائی! میں بھرپور کوشش کروں گی۔ اس بات سے تو آپ بھی واقف ہوں گے اگر جذبے سچے و بے لوث ہوں تو اپنا آپ منوا لیتے ہیں۔ بہرحال میں جدوجہد میں کسر اٹھا نہ رکھوں گی۔" اس نے ٹیبل سے بیگ اٹھاتے ہوئے باعزم و نرم لہجے میں کہا۔ ساتھ ہی ویٹر کو بل پے کر کے حمزہ بھی اٹھ گیا تھا۔ اس کے ساتھ وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ اسی لمحے گیٹ سے باہر راہداری میں کرسی پر بیٹھے صارم خان پر اس کی نگاہیں بے ساختہ اٹھی تھیں۔ وہ کسی شخص کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اس کی نیلاہٹوں حیران کن نگاہیں بہت بے یقینی و از حد حیرانگی سے اس کے اوپر مرکوز تھیں۔ اس کی نگاہوں سے کچھ ایسے مفہوم مترشح تھے کہ لمحے بھر کو اسے اپنی ذات نامعتبر لگی۔ دور تک اس کی نگاہوں کی حدت اس نے محسوس کی تھی۔ سیڑھیوں سے نیچے اترتے ہی اس کا چہرہ سرخ سا ہو گیا تھا۔ سامنے ہی سوئمنگ پول تھا جہاں اس وقت بھی ملکی و غیر ملکی دو شیزائیں بڑی تعداد میں ناکافی ملبوسات میں اٹھکیلیاں کر رہی تھیں۔ حیا و شرمندگی سے اس کی جھکی نگاہیں نہ اٹھ سکیں۔ وہ تیز تیز قدموں سے وہاں سے گزرنے لگی۔ صارم خان کا راہداری میں بیٹھنا اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کیونکہ اس کی ٹیبل کے سامنے ہی سوئمنگ پول تھا اور اوپر سے "رنگین" نظارے وہ با آسانی کر رہا تھا۔ نفرت کی شدید لہر اس کے اندر اٹھی تھی۔ کچھ لمحے قبل اپنے اندر اٹھتے نامعتبری کے احساس سے وہ چھٹکارا پا چکی تھی۔

❁❁❁

سیاہ جیپ تیز رفتاری سے پل پر دوڑ رہی تھی۔ اطراف میں سبزہ سے ڈھکے سرسبز میدان تھے جن میں جگہ جگہ جنگلی پھولوں سے لدی جھاڑیاں اور صنوبر اور چنار کے درختوں کی بہتات تھی۔ بلند پہاڑ سے گرتا ہوا جھرنا جس کے پانی نے زمین پر راستہ بنا لیا تھا اور وہ بہتا ہوا نہر کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس وادی کا ہر گوشہ قدرتی حسن کی دولت سے مالا مال تھا۔ شمشیر خان

اپنے خاص ملازم، محرم راز سکندر خان کے ہمراہ پچھلی سیٹ پر براجمان تھا۔ سیاہ کلف شدہ کرتے شلوار میں ملبوس وائٹ چادر شانوں پر مخصوص انداز میں لپیٹے وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا۔ سکندر خان اسلحہ سنبھالے مستعدی سے اردگرد پر نظر رکھے ہوئے بیٹھا تھا۔ ڈرائیور جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔ جیپ پل سے اتر کر سڑک پر دوڑنے لگی۔

معاً گھنی قد آور جھاڑیوں سے مویشیوں کا چھوٹا ریوڑ ان کی راہ میں حائل ہو گیا۔ ڈرائیور نے جیپ روک کر ہارن بجانا شروع کیا۔ چند لمحے گزر جانے کے باوجود ان جانوروں پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ یونہی بے فکری و بے نیازی سے گھاس اور چھوٹے چھوٹے پودے کھانے میں مصروف تھے۔ سکندر خان اور ڈرائیور صمد خان جیپ سے اتر کر انہیں راستے سے ہٹانے کے لیے آگے بڑھ گئے جانوروں کی ہٹ دھرمی عروج پر تھی۔ ان کے آگے دھکیلنے کے باوجود وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہے تھے۔ شمشیر خان کے ہر لحہ بگڑتے تیور اور شعلے اگلتی آنکھیں ان دونوں کو بد حواس کر رہی تھیں۔ سکندر خان نے نیچے پڑی موٹی سی لکڑی اٹھا لی۔ ابھی اس نے مارنے کے لیے ہاتھ بلند ہی کیا تھا کہ چنگھاڑتی ہوئی ایک لڑکی سر پر چھوٹی چھوٹی جمع کی گئی لکڑیوں کا ڈھیر اٹھائے نمودار ہوئی۔

"اے لالہ! اس بے زبان کو کیوں مارتا ہے؟ کیا بگاڑا ہے اس نے تمہارا؟" وہ لکڑیوں کا گٹھر گھاس پر پٹختی ہوئی شیرنی کی طرح غراتی اور بھیڑ کے چھوٹے سے بچے کو بوسہ کر گود میں اٹھا لیا۔

"اس بے زبان نے راستہ روک رکھا ہے ہمارا، راستے سے نہیں ہٹتا ہے۔" سکندر خان جھلا کر کویا ہوا۔

"یہ راستے سے نہیں ہٹتا تو تم راستہ بدل لو، کیوں اس بے زبان کے ساتھ بحث کرتا ہے۔"

"لڑکی! ہمارے خان کا راستہ یہی ہے۔ تم راستہ چھوڑو، ہٹاؤ اپنا سوئٹی یہاں سے کیوں ناحق خراب کرتا ہے؟ خان کو جانتا نہیں ہے تم شاید ابھی؟" صمد خان نے لڑکی کے بگڑے تیور دیکھ کر اسے مطلع کیا۔

"خان؟ گل فشاں بی بی نام ہے ہمارا۔ ہم کسی سے نہیں ڈرتا سوائے اللہ کے، خان انسان ہے کوئی خدا نہیں ہے جو تم ہم کو ڈراتا ہے۔ نہیں ڈرتا ہم کسی خان وان سے۔"

اس کی بے نیازی بے خوفی عروج پر تھی۔ شمشیر خان نے کچھ چونک کر تعجب سے اس الھڑ لونڈیا دلربا حسن رکھنے والی پر شباب لڑکی کو دیکھا اور لمحے بھر میں اس کی آنکھوں سے شوخت اور دلکشی کے رنگ تحلیل ہو گئے۔ شکاری کو من پسند شکار دیکھ کر جو سرخوشی اور سرشاری محسوس ہوتی ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس ساعت کے تمام رنگ اس کے چہرے' آنکھوں' ہونٹوں سے مترشح تھے۔

"کس علاقے سے آئی ہے؟" وہ جیپ سے اتر آیا تھا۔ چادر جھٹکے سے شانے پر ڈالتا ہوا اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اس کے چہرے کا رنگ' آنکھوں کی وحشیانہ چمک' ہونٹوں پر کھیلتی آوارہ سی دھیمی مسکراہٹ نے سمندر خان اور صمد خان کے چہرے پر بھی جوش و سنسنی خیز تبسم آویزاں کر دیئے تھے۔

"تو کون ہوتا ہے پوچھنے والا؟" اس نے بھیڑوں اور بکرے' بکریوں کو ہنکاتے ہوئے تیزی و طراری سے کہا۔

"اے لڑکی! خان سے بدتمیزی کرتا ہے؟" سمندر خان نے شانے پر لگی گن بلیش میں سیدھی کی۔

"رہنے دو سمندر خان! لگتا ہے کسی گرم علاقے سے آئی ہے' تبھی گرم دماغ کی لگتی ہے۔" شمشیر خان کے سرخ و سپید چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ قدرے تاسف و اجنبی لگ رہی تھی۔

"تیرے گھر میں ماں بہنیں نہیں ہیں؟ جو پرائیوں کو گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔" نیلی پھولدار لمبی فراک' سرخ سادہ شلوار اور بڑے سادے دوپٹے کو سر پر ڈالے چاندی کے زیورات میں اس کا چہرہ دلکش و حسین لگ رہا تھا۔ رخصت ہوتی شام کے حصے کی وہ ایک کڑی لگ رہی تھی۔ گل فشاں نظر چار اندر اور دلیر لڑکی تھی اور خاصی پر اعتماد اور حسین' شمشیر خان جیسے لوگوں کو کسی خاطر میں نہیں لاتی تھی۔

"ماں' بہنیں سب ہیں گھر میں صرف تیری کمی ہے۔ چلتی ہے؟" شمشیر خان نے خباثت سے کہا۔ دوسرا لمحہ اس کے لیے بھاری ثابت ہوا۔ جنگلی گلاب کی مانند نازک اور دلربا نظر آنے والی لڑکی کا دایاں ہاتھ کسی چٹان سے گرتے تودے کی طرح لگ کر اس کے رخسار کو مزید سرخ کر گیا تھا۔

"خنزیر کا بچہ! گل فشاں عزت کی حفاظت کرنا جانتی ہے۔ تمہارے باپ کا مال نہیں ہے۔" وہ زہریلی ناگن کی مانند پھنکاری تھی۔ اسی دم شمشیر خان کی فرعونیت اور درندگی انگڈم عود کر آئی تھی۔ اس نے وحشی درندے کی مانند اس کی کلائی پکڑی تھی اور چیختی چلاتی گل فشاں کو بڑی بے دردی سے جیپ میں ڈالا تھا۔ سمندر خان اور صمد خان ہوا کی مانند جیپ میں بیٹھے تھے۔ سمندر خان نے پھرتی سے اپنے مضبوط ہاتھ خود کو چھڑانے کی جدوجہد کرتی گل فشاں کے ہونٹوں پر جما دیئے تھے۔ اس کی گرفت بہت سخت تھی۔ صمد خان نے جیپ شمشیر خان کے خاص ٹھکانے کی طرف موڑ دی تھی۔ شمشیر خان کا چہرہ شدید غصے اور توہین کے احساس سے لہو رنگ

ہو رہا تھا۔ گل فشاں کی تمام تر مزاحمت سمندر خان کی فولادی گرفت میں دم توڑ گئی تھی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں خوف' بے بسی' سہم ٹھہر گیا تھا۔ بلند و بالا پہاڑ' پھولوں و پھلوں سے لدے درخت' بہتا' گل فشاں کی بے بسی پر افسردہ نظر آ رہے تھے۔ ایک کمزور اور غیرت مند لڑکی کی وہ کوئی مدد نہ کر سکتے تھے' سو یہ شوں نے اپنی آواز میں احتجاج کرتے ہوئے کافی دور تک جیپ کا پیچھا کیا مگر تیز ہواؤں سے باتیں کرتی آگے بڑھ رہی تھی لمحوں میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی اور وہ ادھر ادھر گھر گئے تھے۔

❁❁❁

"یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ یہ بے چینی' بے قراری' اضطراب کیوں سوار ہے مجھ پر؟ کل شام سے اب تک میں سکون و اطمینان کا نہیں گزار پایا ہوں۔ کیوں ہو رہا ہے ایسا.....؟ صارم خان! حقیقت کا ادراک ہو گیا تم اپنے دل کی سرکشی و بغاوت سے شکست کھا چکے پھر ہتھیار ڈال کیوں نہیں دیتے۔ جو بات محض دل لگی سے شروع ہوئی تھی وہ دل کی لگی بن کر دل کو اسیر کر بیٹھی ہے۔ اعتراف کر لو ورشا تمہارے دل کے ایوان میں اپنی حکومت قائم کر چکی ہے..... تم غیر محسوس انداز میں اس کی چاہت میں ڈوب گئے ہو۔"

"نہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے بھلا؟ کوئی لڑکی ایسی پیدا نہیں ہو سکتی جو صارم خان آفریدی کو مسخر کر سکے۔" وہ خود سے بری طرح الجھ رہا تھا۔ رات خاصی تاریک ہو چلی تھی۔ ہوا میں خنکی اور نمی تھی جس سے موسم سرد ہو گیا تھا۔ سیاہ آسمان پر آخری دنوں کا چاند روشنی بکھیرتا ہوا ٹھہرتا لگ رہا تھا۔ وہ مضطرب سا اپنے بیڈ روم سے ملحقہ بالکونی میں کرسی پر بیٹھا' چاند کو تکتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ کل شام اس کی نگاہ بلا ارادہ ہال میں بیٹھی ورشا پر پڑ گئی تھی۔ پہلے تو اسے اپنی بصارت پر شبہ ہونے کا امکان ہوا کہ وہ ورشا نہیں ہو سکتی۔ بلیک اینڈ گرے ڈبل شرٹ خوبصورت کڑھائی والے کرتے میں اس کی نکھری نکھری سرخ و سپید رنگت بغیر کسی آرائش سے پرکشش لگ رہی تھی۔ کانوں میں ایک اسٹون کے ٹاپس کی چمک اس کے چہرے کو سحر انگیز بنا رہی تھی۔ جامعہ میں نظر آنے والی ورشا سے بہت محتاط اور لیے دیئے انداز میں رہتی تھی اس وقت وہ بالکل بدلی ہوئی ورشا تھی غدر پر وقار اور اردگرد کی پروا نہ کرنے والی اور سب سے زیادہ شاک اسے ایک نوجوان کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر ہوا تھا۔ اسی پل اسے اپنے اندر بکھرتے نئے جذبوں' نئے احساسات سے آشنائی ہوئی تھی جس سے فرار وہ کل سے اب تک نہ پا سکا تھا اور مسلسل اب تک نفی کرتا آیا تھا مگر اپنے اندر کی بدلتی دنیا کے لیے احساسات مضطرب کیے ہوئے تھے۔

"خیریت تو ہے میرے یار! رات کے اس پہر اتنے سرد موسم میں گرم بستر کے بجائے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہاں سردی میں کیا کر رہے ہو؟" سبریز خان کے لہجے میں پرخلوص محبت کی چاشنی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ اس کے شانے پر رکھتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں استفسار کیا۔

"تم سوئے نہیں؟" سبریز کی اچانک آمد سے نورا حواسوں میں گھبراہٹ لائی۔

"نہیں۔ میں لیٹ گیا تھا پھر خیال آیا کہ گاؤں خط لکھ کر بھیج دوں خط لکھنے میں خاصا وقت لگ گیا تھا۔ پھر مجھے دوبارہ خیال آیا کہ تم سے اس کے متعلق معلوم کیا جائے جس کی وجہ سے مجھے یقین تھا تم جاگ رہے ہو گے۔" اس نے "اس" پر زیادہ زور دیتے ہوئے معنی خیزی سے کہا۔

"یہ "اس" کون ہے بھئی؟" صارم اس کی معنی خیزی پر خاصا مضطرب گویا ہوا۔

"وہی..... جس کو تم دیکھتے ہوئے بے یقین انداز میں گم صم ہو گئے تھے اور تمہاری نگاہیں وہ تراوٹ محسوس کر رہی تھیں جو محبت کی سرزمین پر گایا جاتا ہے مگر تمہارے چہرے پر بے یقینی و اضطراب کے رنگ کیوں تھے؟ وہ لڑکی ہے کون؟ یہ راز تم نے مجھ سے بھی راز رکھا؟"

"کون سا راز؟ کس لڑکی کی بات کر رہے ہو.....؟" وہ حقیقتاً حیران ہوا تھا۔

"بیٹا! استاد سے! ہم وہ ہیں جو لفافہ دیکھ کر خط کا مضمون بھانپ جاتے ہیں اور عشق و محبت کے کھیل کے تو ہم ماسٹر ہیں۔ محبت کے رنگ چہرے پر دیکھ کر ہی عشق کی داستان پڑھ لیا کرتا ہوں۔" سبریز خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر بول رہا تھا۔

"مجھے معلوم ہے۔ پی ایچ ڈی تم نے عشق پر ہی مکمل کیا ہے مگر مائی لور برادر! مجھ پر تم اپنی "ماسٹری" کیوں آزما رہے ہو؟" صارم خان بے ساختہ ہنستے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"وہ لڑکی کون ہے؟ جس کو کل شام تم بہت غور سے دیکھ رہے تھے بلکہ تمہارے انداز میں کچھ حسد اور غصے کی آمیزش بھی شامل تھی اس لڑکی کو اس نوجوان کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر اور جس کا تعاقب نیچے کار تک تمہاری نگاہوں نے کیا تھا۔ دیکھو! بالکل سچ سچ بتانا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں یار! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" صارم نے پھیکے لہجے میں کہا۔

"اوہ..... یعنی اب مجھ سے بھی تم جھوٹ بولو گے؟" سبریز خان کے لہجے میں ناراضگی در آئی تھی۔

"بخدا نہیں..... یہ تم نے کیسے سمجھ لیا.....؟" صارم نے فوراً ہی اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "دراصل میں خود اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہا ہوں تم تو جانتے ہو حسن میری کمزوری ہے۔ خوبصورتی کا میں دیوانہ ہوں۔ ہر پرکشش اور حسین شے مجھے اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ اسیر ہو جاتا ہوں میں۔ وہ لڑکی دولتا ہے۔ جامعہ میں پڑھتی ہے۔ بہت مغرور، سرد مزاج اور اپنے آگے کسی کو خاطر میں نہ لانے والی لڑکی اس کے انداز و اطوار تمام ان لڑکیوں سے منفرد ہیں جو میری نظروں سے

گزری ہیں۔ اس کی نگاہوں میں میرے لیے ہمیشہ ہی شدید نفرت و حقارت ہی چھلکتی رہتی ہے۔ شاید میری گریز فرینڈ شپ اسے ناگوار گزرتی ہے جس سے وہ مجھے کوئی بہت ہی گرا ہوا لوفر کریکٹر انسان سمجھتی ہے۔ اس کا یہی گریز نفرت و حقارت مجھے اس کی طرف شدت سے متوجہ کر گئی۔ دوستوں نے شرط لگائی جامعہ کی لڑکیوں کو تم نے دیوانہ بنا رکھا ہے اس لڑکی کے غرور کو توڑ دو تو جانیں۔ بس شرط لگ گئی۔ میں نے ہر کوشش کر ڈالی ورشا کو اپنی طرف راغب کرنے کی اسے اس کے سرد خول سے باہر نکالنے کی مگر میری ہر کوشش ہر تدبیر الٹ ہو گئی۔ سب کوششیں ناکام ہو گئیں اور کل رات معلوم ہوا مجھے میں تسخیر کرنے کا عزم لے کر اٹھا تھا۔ وہ تو ایسی ہی تھی چٹخنا ناقابل تسخیر مگر اس کے گریز نے نفرت نے یا حسن و شباب نے مجھے ہی تسخیر کر ڈالا اور وہ میں تسخیر ہونا نہیں چاہتا تھا۔"

"محبت میں وارداتیں اسی طرح ہوتی ہیں۔ دوسروں کو اسیر کرنے والے اسی طرح تسخیر ہو جاتے ہیں۔" سبریز نے ہنستے ہوئے اسے پورا گھما کر سینے سے بڑی گرم جوشی سے لگایا تھا۔

"جو تسخیر ہونا چاہتے ہیں وہ تسخیر کرنا بھی جب تک میں اس کو اپنا نہیں بنا لوں گا۔ جب تک ہتھیار نہیں ڈال دوں گا۔ محبت کی اس جنگ میں فتح میری ہو گی۔" صارم خان کے سرخ و سپید چہرے پر نیا عزم اس سرد رات کے ولولہ خیز لمحے میں چاند کی روشن ترین کرن بن کر چمکا تھا۔ اس کی نیلگوں سمندر صفت آنکھوں میں روشنیوں کا نیا جہان آباد ہو گیا تھا۔

"نہیں یار! محبت میں جنگ شکست و فتح کی نہیں ہوتی۔ دل کوئی مقبوضہ علاقہ تھوڑی ہے کہ جس پر فتح کے جھنڈے لہرائے جائیں یا شکست کا سوگ منایا جائے۔ محبت ایک آفاقی جذبہ ہے ایک ایسا چشمہ جو صحراؤں میں پھوٹ نکلتا ہے اور شادابی و زندگی ہر سمت دوڑا دیتا ہے۔ پہلے تم اس لڑکی کے دل میں اپنے لیے جگہ پیدا کرو۔ ورنہ یکطرفہ محبت نہیں جہت ہوتی ہے فضول بے معنی اور وقت کا ضیاع اور تم جیسے شخص کی سراسر توہین۔ جو شخص لڑکیوں کو پرفیوم کی طرح بدلتا رہتا ہو ایسے شخص کے لیے کسی لڑکی کا حصول ناممکن نہیں مگر یہ میری باتیں تم ہمیشہ یاد رکھنا کہ۔

محبت سچی ہو۔

جذبے بے لوث ہوں۔

لگن میں تڑپ ہو۔

حوصلے پر عزم ہوں۔

انتظار بے کھوٹ ہو تو انسان کبھی نامراد نہیں رہتا۔ منزل اسے مل جاتی ہے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" سبریز نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے پرخلوص انداز میں کہا۔

● ● ●

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دعا کا ٹوٹا ہوا حرف سرد آہ میں ہے
تیری جدائی کا منظر ابھی نگاہ میں ہے
تیرے بدلنے کے باوصف تجھ کو چاہا ہے
یہ اعتراف بھی شامل میرے گناہ میں ہے
عذاب دے گا تو مجھ کو خواب بھی دے گا
میں مطمئن ہوں میرا دل تیری پناہ میں ہے

"فارحہ! دیکھو یہ بدتمیزی نہیں کیا کرو یہ انسانیت نہیں ہے۔ دو میری ڈائری۔" سنبل بہت محویت سے رسالے سے اشعار اپنی ڈائری میں نوٹ کر رہی تھی۔ معاً فارحہ چیل کی طرح پیچھے سے جھپٹا مار کر ڈائری اٹھا کر جھوم جھوم کر وہ اشعار پڑھنے لگی جو سنبل لکھ رہی تھی۔

"کیا کیا ہے میں نے جو تم مجھے انسانیت، اخلاقیات کے سبق ازبر کرانے لگی ہو۔" فارحہ ڈائری مسلسل پڑھ رہی تھی۔ کافی انتظار کے بعد وہ اس کی ڈائری دیکھنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

"مجھ سے فضول بکواس نہیں کرو ڈائری دو۔ کتنی مرتبہ کہا فضول مذاق مت کیا کرو۔" سنبل غصے و جھنجلاہٹ سے سرخ ہو رہی تھی۔ فارحہ ان باتوں کو خاطر میں لانے والی نہ تھی۔

ان سے دل بدگماں ہو گیا
درد پھر حرز جاں ہو گیا
جانے کیا کچھ بیاں ہو گیا
اب یہ دکھ داستان ہو گیا

فارحہ ڈائری کے اوراق پلٹ پلٹ کر شعر پڑھ رہی تھی اور ساتھ بھاگتی بھی جا رہی تھی۔ ادھر سے ادھر سنبل غصے سے بڑبڑاتی اسے پکڑنے کی ہر ممکن سعی کر رہی تھی۔

آج کیوں دل میں یاد جاگی ہے
شاید تیرے شہر دل میں
کہیں میرے نام کے موسم اترے ہیں

"واہ ..... واہ! اس کو کہتے ہیں دل میں کچھ ہونٹوں پر کچھ ہمارے سامنے مسلسل انکار و چڑ ادی کا اظہار کیا جاتا ہے اور شعروں میں دل کی بے قراریوں و بے چینیوں کا ذکر ہے۔ یہ منافقانہ طرز حیات تم نے کس سے گزارنا سیکھی ہے؟" فارحہ اس سے کچھ فاصلے پر رک کر گویا ہوئی۔

یہ میرے ذاتی اشعار نہیں ہیں۔ اپنے پسندیدہ شعراء کے کلام تحریر کیے ہیں میں نے۔ تم

اول غلط رنگ دینے کی کوشش نہ کرو تو بہتر ہے۔" سنبل بری طرح زچ ہو کر چیخی۔

"شاعر اپنی آسودہ اور ناآسودہ خواہشات و آرزوؤں کو اشعار کے پیراہن میں ملفوف کر کے اپنی تشنہ تمناؤں کو لفظوں کی صورت میں زندگی دیتے ہیں جو ان کے جذبات سے منسوب ہو جاتے ہیں۔ ان کی شناخت بن جاتے ہیں۔ کہیں ہجر کے نوحے پڑھ رہے ہوتے ہیں تو کہیں وصال یار کی سرخوشی و کیف و سرمستی کے جام چھلکتے نظر آتے ہیں۔ شاعر کی ذات اس کی شاعری بے نقاب کر ڈالتی ہے۔ یعنی دلوں کے بھید کھولتی ہے۔

شاعری سچ بولتی ہے تو اس طرح اشعار کا انتخاب بھی آپ کے اندر کے محسوسات کو تعلقات کے زاویوں اور بدگمانیوں پر پڑے پردے یکسر اٹھا دیتا ہے۔ آپ کے خیالات آئینہ کی طرف صاف نظر آنے لگتے ہیں۔ جس طرح تمہاری ڈائری میں پرسوز شاعری کی بھرمار یہ ظاہر کرتی ہے کہ تم حمزہ بھائی سے محض بدگمان ہو ورنہ تمہارے دل پر ان کی ہی حکمرانی ہے۔" فارحہ نے بہت سکون سے تجزیہ پیش کیا۔

"ہونہہ ..... میں نے کہہ دیا آپ کو آئندہ مجھ سے بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ادا کی طرح اس نے اس کی ہٹ دھرمی کے آگے مزاحمت ختم کرتے ہوئے خفگی سے کہا۔

"قسم سے ..... مجھے تمہاری یہ ناراضگی والی ادا بڑی پسند ہے۔ خاصی تمیز دار ہو جاتی ہے۔" فارحہ اس کے سرخ ناراض چہرے کو دیکھتے ہوئے ہنس کر کہنے لگی۔

"تم دونوں پھر لڑنے لگی ہو؟" گرین اینڈ پرپل کڑھائی والے اوپن شرٹ سوٹ میں بالوں میں برش کرتی ہوئی ورشا اندر داخل ہو کر ان سے مخاطب ہوئی۔

"میں کل سے عما کے ساتھ بوتیک جایا کروں گی وہیں پیپرز کی تیاری کروں گی ورنہ یہاں آرام ضائع کرنے کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔" سنبل جھٹکے سے اٹھتی ہوئی بولی۔

ہم تم ہوں گے بادل ہوگا
رقص میں سارا جنگل ہوگا

"فارحہ! پلیز کبھی سنجیدگی اختیار کر لیا کرو۔ دو ڈائری مجھے۔" ورشا جو دوسرے کمرے میں ان کی گفتگو سن رہی تھی سنبل کو روہانسا ہوتے محسوس کر کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ فارحہ کو ابھی بھی شرارت کے موڈ میں دیکھ کر ڈائری لینے کے لیے آگے بڑھی۔

"مارکیٹ چلتے ہیں۔ مجھے کچھ سامان لینا ہے۔" ورشا نے بالوں میں کلپ لگاتے ہوئے کہا۔ ڈائری وہ فارحہ سے چھین کر سنبل کو دے چکی تھی۔

❁ ❁ ❁

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رات برف باری شدت سے ہوئی تھی۔ سردی بام عروج کو چھو رہی تھی۔ پہاڑ، سبزہ زار، مکانات اور زمین سب برف سے ڈھکے سفیدی میں چھپے تھے۔ ماحول میں ان خطوں کی مخصوص تنہائی خاموشی و اداسی کو رقصاں تھی۔ سکاویہ نے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد جائے نماز تہہ کر کے دراز میں رکھی اور گرم کشمیری سیاہ رنگین کڑھائی والی چادر لپیٹتی ہوئی پاؤں میں بند جوتے پہن کر کمرے سے ملحق راہداری عبور کر کے باورچی خانے میں چلی آئی۔ جہاں بڑی ادے پہلے ہی نماز ادا کرنے کے بعد ملازمہ فضلاں کے ساتھ ناشتا بنانے میں مصروف تھیں۔

"صبح بخیر۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے مسکرا کر صبح کا سلام کیا۔

"جیتی رہو۔" بڑی ادے کے بعد ملازمہ نے بڑے تپاک سے جواب دیا تھا۔

"بادام کا حلوا بنا پھر تو مزہ آئے گا سب سے پہلے ادے مجھے گرم گرم قہوہ دیں ورنہ میری رگوں میں برف جم جائے گی۔" اس نے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑتے ہوئے کانپتے لہجے میں کہا۔

"شکر کرو بیٹی! انھیں سردی سے بچاؤ کے لیے آگ میسر ہے۔ ورنہ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو اس موسم میں سردی سے ٹھٹھر کر مر جاتے ہیں کچھ بھوک سے دم توڑ دیتے ہیں۔ ہمارے علاقوں میں حسن ہی حسن بکھرا ہوا ہے، جو نگاہوں کو خیرہ تو کرتا ہے مگر پیٹ کی آگ نہیں بجھا سکتا۔" بڑی ادے حسب عادت نرم و شفیق لہجے میں حلوا میں پھلکے اترے بادام ڈالتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"آپ سچ بولتی ہیں بڑی بی بی! ہمارے علاقوں میں دیکھنے کو بہت ہے مگر کھانے کو بہت کم۔ ہماری زمین سبزہ بہت اگاتی ہے۔ کھیتوں میں اناج کم پھول زیادہ اگتے ہیں۔ بھلا پھولوں سے پیٹ بھر سکتا ہے۔ کتنے خاندان تو سرد موسم کے آغاز سے قبل ہی علاقے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ موسم بدلنے کے بعد واپس آتے ہیں۔" فضلاں نے قہوہ پیالی میں نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

"تم! اپنے بابا اور چھوٹی ادے کو ناشتا دے آؤ۔ پھر ہم دونوں بھی ناشتا کر لیں گے۔"

بڑی ادے ناشتے کے تمام لوازمات بادام کے حلوے سمیت ٹرالی میں لگا کر سکاویہ سے کہا ہوئیں۔

"صبح بخیر بابا جان!" سکاویہ ٹرالی لے کر آئی تو بابا جان گرم بستر میں دراز تھے جبکہ چھوٹی ادے سنگھار میز کے سامنے بیٹھیں آنکھوں میں کاجل ڈال رہی تھیں۔ بابا کو بہت محبت سے سکاویہ کے سلام کا جواب دیتے دیکھ کر حسب عادت ان کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے تھے تبھی پیشانی پر ناگواری کی سلوٹیں سرعت سے نمودار ہوئی تھیں۔

"بادام کا حلوا بہت خوب تمہاری ادے میں یہ عادت کمال کی ہے۔ بغیر کہے دل کی بات سمجھ لیتی ہے۔ آج بادام کے حلوے کو طبیعت بہت چاہ رہی تھی۔" بابا جان نے خوش ہو کر حلوے کی پلیٹ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"آخ تھو! سارے کڑوے بادام چن چن کر ڈالے ہیں تیری ماں نے؟ اس سے کہو ایک مرتبہ ہی زہر کھلا کر مار ڈالے ہمیں لمحے لمحے کی موت کیوں مارتی ہے۔" بے دھیانی میں شہباز خان گل خانم کی تعریف کر بیٹھے تھے۔ گل جاناں کو آگ بگولا ہوتے دیکھ کر انہیں اپنی غلطی کا فوری احساس ہوا۔ مگر اب سوائے اپنی غیر محتاط روی پر افسوس کے علاوہ کیا کر سکتے تھے۔ تیر کمان سے نکل کر نشانے پر لگ چکا تھا۔ وہ بڑی نفرت سے حلوا تھوک چکی تھیں۔ سکاویہ ان سے بہت خوف زدہ رہتی تھی۔ کیونکہ ان کی زبان ہی نہیں ہاتھ بھی بے دھڑک چلتے تھے۔ شہباز کے اشارے پر وہ ادے کے جھونکے کی طرح کمرے سے نکلی تھی۔

"نیک بخت! کیوں صبح ہی صبح غصہ کر کے سارا دن خراب کرتی ہو چلو آؤ ناشتا کرو ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اتفاقاً کوئی کڑوا بادام تمہارے منہ میں آ گیا ہے۔" شہباز خان بستر سے نکل کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے محبت سے گویا ہوئے۔ انہوں نے انداز میں خاصی گرمجوشی اور وارفتگی پیدا کی تھی کہ ان کی فسادی و حاسدانہ طبیعت سے بخوبی واقف تھے۔ وہ ان سے جو لڑتیں وہ الگ اور ساتھ شامت گل خانم و سکاویہ کی بھی آتی۔ وہ اٹھتے بیٹھتے لڑ لڑ کر زندگی اجیرن کر ڈالتیں۔

"مجھے بہکاؤ نہیں خان! میں خوب جانتی ہوں تمہارے دل میں آج بھی اس چڑیل کی محبت کی لہریں مار رہی ہے۔ میں بیٹے پیدا کر کے بھی دوسرے نمبر پر رہی اور وہ....."

"لاحول ولا قوۃ جاناں! اس عمر میں ایسی باتیں کہاں زیب دیتی ہیں۔ بہر کیف تم بدگمانیوں کو دل میں جگہ نہ دیا کرو تم کل بھی مجھے عزیز تھیں آج بھی ہو اور جب تک سانس ہے تب تک سب سے عزیز رہو گی۔ چلو آؤ ناشتا کرو۔" وہ بڑے لاڈ سے انہیں بازو کے سہارے سے میز تک لائے تھے۔ وہ خوشی و فخر سے جھوم اٹھی تھی۔

"کھاؤ اپنے سر کی قسم کہ مجھ سے زیادہ "وہ" عزیز نہیں ہے۔" انہوں نے اٹھلا کر فرمائش کی۔

"قسم تو وہ کھاتے ہیں جو جھوٹ بولتے ہیں ہم بھلا قسم کیوں کھائیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اثبات سے جواب دیا تھا۔ چند لمحے قبل مکدر ہونے والا ماحول اب خوشگوار تھا۔ وہ موڈ میں ناشتے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہی تھیں۔ شہباز خان کے دل میں ان کی طرف سے محبت مزید بڑھ گئی تھی کیونکہ گل جاناں نے ناشتے کے دوسرے لوازمات کو برائے نام چکھا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بادام کا حلوا جو انہیں زہر لگا تھا اب اس کی ڈش انہوں نے ہی صاف کی تھی۔ ان کی یہی منافقانہ حرکتیں انہیں ان سے بدظن و متنفر کر دیا کرتی تھیں کہ ان کی جائز تعریف وہ لمحے بھر برداشت نہ کر پاتیں۔ وہ ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ملازمہ فضلاں گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"کیا بات ہے بدحواسی' مردارنی صورت بنا کر کیوں آئی ہے؟"

"چھوٹی بی بی! غضب ہو گیا جی! چوکیدار کی بیٹی کل شام کو گھر سے نکلی تھی ابھی تک گھر نہیں پہنچی۔ اس کی بیوی آئی ہے۔" فضلاں خود بہت بدحواس و پریشان لگ رہی تھی۔

"کون سا چوکیدار مردارنی! ہمارے ہاں ڈھیروں چوکیدار ہیں۔" وہ تحقیر آمیز لہجے میں چیخی کر گویا ہوئیں۔

"بی بی صاحب! روزی خان جو رات کو حویلی کے پچھواڑے کی چوکیداری کرتا ہے۔"

"اسے بڑے کمرے میں لے کر آؤ ہم وہیں جا رہے ہیں۔" شہباز خان پر رعب آواز میں اس سے مخاطب ہوئے۔ چند لمحے بعد وہ اپنی مخصوص نشست پر براجمان تھے۔ چہرے پر ایک جہان کا رعب و دبدبہ' جاہ و جلال کے رنگ لیے۔ مغلیہ دور کے شہنشاہوں جیسی رعونت و درشتی ان کے ہر انداز سے عیاں تھی۔

"بڑے خان! ام لٹ گیا برباد ہو گیا۔ امارا بیٹی کل شام سے گھر نہیں پہنچا ہے۔ ام ہر جگہ اسے تلاش کیا مگر وہ کہیں نہیں ہے۔ کچھ کرو خان ہمارا عزت کا معاملہ ہے۔" سرمئی قمیص شلوار میں سر پر پگڑی باندھے روزی خان کے بھریوں بھرے چہرے پر جوان بیٹی کی گمشدگی اور اپنی عزت کے خوف نے آنسوؤں کی برسات کر رکھی تھی۔ وہ ہاتھ جوڑ کر شہباز خان سے رقت آمیز لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔

"آپ ہمارے سردار ہو خان! ہماری مدد کرو ورنہ ہم مر جائیں گے۔" چوکیدار کی بیوی کے لہجے میں تڑپ تھی۔ درد تھا۔ کل سے اب تک کئی قیامتیں اس پر گزر گئی تھیں۔ رو رو کر آنکھیں اس کی سوج گئی تھیں۔ دکھ انديشے وسوسے' فکروں نے اس کے جسم سے گویا خون نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔

"خان سردار ہے' کوئی چوکیدار نہیں ہے اس وادی کا۔ ساری رات کیا ملہار گا رہی تھی جو اب آئی ہے واویلا خراب کرنے۔ یہ بچت کا تم لوگوں نے اچھا دستور بنا لیا ہے۔ پہلے خود ہی بیٹیوں کو ان کے چاہنوں کے ساتھ بھگا دیں گی۔ پھر ڈراما کرتی ہوئی آ جاتی ہیں۔ خوب جانتی ہوں میں تم لوگوں کی چالبازیاں۔ اس طرح شادی کا خرچہ بھی بچتا ہے اور جہیز کا بھی۔ چند دن اس طرح مگرمچھ کے آنسو بہا کر چپ ہو جاتی ہیں۔ پھر وہی بیٹیاں ماں باپ کی دہلیز پر چڑھنے لگتی ہیں۔" گل جاناں نے حسب عادت اپنے مخصوص طرز میں گفتگو شروع کی تھی۔ ان کے لہجے اور

آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

"خدا کا قسم چھوٹی بی بی ہمارا بیٹی بہت باحیا اور اچھا کردار کا تھا۔ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ پچھلے سال سے اپنے چاچا کے پاس میر پور خاص میں رہتا تھا۔ چند دنوں قبل ہی اسے بلوایا تھا کل رات کو جلانے کے واسطے لکڑیاں لینے جنگل کی طرف گیا تھا۔ ساتھ مویشی بھی لے گیا تھا۔ رات کو مویشی واپس آ گیا مگر..... ہمارا بیٹی نہیں آیا۔" گل جاناں کی بیہودہ گفتگو اور تحقیرانہ انداز نے ان کے غیور خون میں آگ سی لگا دی تھی۔ مگر وہ اس وقت جس کرب و اذیت سے گزر رہے تھے یا اپنی غیرت' کم مائیگی و احساس کمتری کے بوجھ سے برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ البتہ چوکیدار کی بیوی کی سسکیاں در و دیوار کو لرزانے لگیں وہاں موجود گل خانم کا گداز دل اس کے دکھ پر پانی ہونے لگا۔

"اس طرح مت کہو گل جاناں! ہمارے قبیلے میں اس طرح کی بے غیرتی کی کوئی مثال نہیں ہے۔ اللہ سے دعا کرو صابرہ' وہ تمہاری مشکل حل کرے گا۔ انشاء اللہ تمہاری بیٹی خیریت سے گھر پہنچ جائے گی۔" گل خانم نے چوکیدار کی بیوی کو تسلی دی۔ گل جاناں کی تیوریوں پر ان گنت بل پڑ چکے تھے۔

"بڑی بی بی! ہم اندھیرا پھیلنے تک اسے ہر جگہ تلاش کرتا رہا۔ وہ کہیں نہیں تھا۔ اوپر سے برف بھی بہت تیزی سے گر رہا تھا۔ ساری رات دعائیں مانگی ہیں۔ صبح سے روزی خان اور ہم ہر طرف ڈھونڈ چکا ہے ہر طرف برف ہی برف ہے اور کچھ نہیں۔"

"ہو سکتا ہے اس کا پاؤں وغیرہ کہیں پھسل گیا ہو۔ کسی کھائی وائی میں نہ گر گئی ہو برف بھی اتنی شدت سے رات سے گر رہی ہے کہ ہر شے کو اس نے ڈھانپ لیا ہے....."

"دعا کرو بی بی صاحب! ایسا ہی ہوا ہو۔ ہمارا گل فشاں کسی کھائی میں گر گیا ہو۔ اس کا موت ام برداشت کرے گا مگر کوئی ذلت برداشت نہیں ہوگا۔" روزی خان نے غمگین لہجے میں کہا۔

"کیا ہنگامہ ہے؟ کیسا شور ہے؟ کون رو رہا ہے؟" باہر صحن سے اندر آتے شمشیر خان کی اندر پاٹ دار آواز اور مضبوط چپل میں مقید قدموں کی دھمک اندر بھی صاف محسوس ہو رہی تھی اور چند لمحے بعد سلام کرتا ہوا وہ کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔ اندر ان لوگوں کو دیکھ کر وہ چونک اٹھا۔

"کیا معاملہ ہے؟" اس نے چادر جھٹکے سے بائیں شانے پر ڈالتے ہوئے خشک و سرد لہجے میں دریافت کیا۔

"چھوٹے خان! ہمارا بیٹی' ہمارا کل فشاں کل شام کو جنگل سے لکڑیاں لینے گیا تھا پھر واپس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں آیا۔ ہم بڑے خان سے درخواست کرنے آیا ہے کہ وہ ہمارا بیٹی کو ڈھونڈنے کے واسطے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے۔" صابرہ نے خوفزدہ انداز میں ان سے اپنا مدعا بیان کیا کیونکہ شمشیر کی جلالی صفت فطرت اور تند مزاجی سے پورا قبیلہ ڈرتا تھا۔ اس سے بات کرتے وقت اس نے بمشکل اپنی سسکیوں پر قابو پایا تھا۔

"ہم کل تمہاری بیٹی کو ڈھونڈ لیں گے اب تم لوگ جاؤ۔" شہباز خان نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر کہا تو وہ دعائیں دیتے واپس چلے گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے گل خانم اور گل جاناں کو بھی واپس جانے کا اشارہ کیا تھا۔ اب دونوں باپ بیٹے کمرے میں تھے۔ شہباز خان اٹھ کر بیٹے کے مقابل آئے۔

"کیا بات ہے بابا جان! اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

"لڑکی! زندہ ہے یا مر چکی ہے؟" وہ بیٹے کی لہو رنگ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پر اعتماد لہجے میں گویا ہوئے۔

"لڑکی؟..... کون سی لڑکی؟ کس کی بات کر رہے ہیں بابا جان آپ؟" وہ ان سے زیادہ اعتماد اور اطمینان سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"وہ لڑکی جس کا نام سن کر تمہاری آنکھوں میں جو اعتراف و استعجاب کے رنگ چمکے تھے۔ وہ ہمیں لمحے بھر میں صورتحال کا پتا دے گئے تھے اور ہم نے بھی جان لیا تھا کہ لڑکی تمہارے پاس ہے۔" ان کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔ براؤن آنکھوں میں کچھ ایسی چمک تھی جو بدن میں سنسنی دوڑا دے۔ شمشیر خان احساس جرم محسوس کرنے کے بجائے باپ کے رویئے سے تفاخر میں مبتلا ہو گیا۔

"اس بے مول لڑکی نے شمشیر کو انکار کیا..... شمشیر خان کو گالی دی پھر میں اسے چھوڑ سکتا تھا۔"

"یعنی ابھی لڑکی زندہ ہے؟" شہباز خان سخت لہجے میں بولے۔

"ہاں..... وہ سمندر خان اور صمد خان کے پاس ہے۔"

"اسے مار دو اور لاش اس کی کسی کھائی میں پھینک دو..... ہمارے ہاں اکثر لڑکیاں عورتیں ایسی موت کا شکار ہوتی رہتی ہیں اور ہاں یاد رکھنا..... ایسا ویسا کوئی نشان اس کے چہرے پر نہیں ہونا چاہیے جس سے معلوم ہو کہ....."

"میں اسے اتنی آسان موت مارنا نہیں چاہتا بابا جان! اس نے مجھے گالی دی ہے میری غیرت کو تازیانہ لگایا ہے۔ اسے لمحے لمحے کی موت ماروں گا۔ وہ موت مانگے گی اور موت اس کے

قریب نہیں آئے گی۔ اتنی آسانی سے نہیں ماروں گا میں اسے۔" وہ اکھڑ و صدی لہجے میں بولا۔

"احمق مت بنو خاناں! ضد ہمیشہ کام بگاڑتی ہے۔ غصہ عقل کا دشمن ہے اور تم ہمیشہ ان کے سہارے چلتے ہو۔ کبھی ٹھنڈے دماغ سے بھی سوچا کرو لڑکی نہ ملی تو لوگوں میں کھلبلی مچ جائے گی اور لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ قبل اس کے کہ ہماری سرداری پر حرف آئے لڑکی کو مار کر کسی کھائی میں پھینک دو پھر ہم سنبھال لیں گے۔" ان کے پروقار پرنور پر رعب چہرے پر مادہ پرستی کے مہیب سیاہ رنگ چھا گئے تھے۔ شمشیر خان نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا کہ اس کے لیے وہ لڑکی ویسے بھی اب ایک رات گزارنے کے بعد بے کشش و بے مصرف ہو گئی تھی۔ وہ عیاش فطرت و بھونرا صفت شخص تھا۔ کھلتے پھولوں اور نوخیز کلیوں کا رسیا تھا۔ گھر میں بے جا لاڈ و پیار اور از حد اہمیت و چاہت ملنے پر وہ شروع سے ہی حاکمیت پسند اور خود سر ہو چکا تھا..... اسے بچپن سے یہ باور کروایا گیا تھا کہ وہ مرد ہے۔ ہر شے کا مالک۔ بہت اعلیٰ و برتر۔ طاقت و زر آوری اس کی سرشت تھی۔ اپنی ذات کی اکائی اپنے خاندانی اقتدار دولت و ثروت کے فخر و غرور نے اسے ذہنی پستی کی جانب دھکیل دیا تھا۔ عورت اس کی نگاہ میں دنیا کی حقیر ترین بے وقعت مخلوق تھی۔ اپنی ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کی عزت کرنے کا قائل نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے مظالم کا زیادہ دشکار عورتیں ہوتی تھیں جن سے وہ دل بہلانا بھی جانتا تھا اور مشق ستم بنانا بھی۔

❁ ❁ ❁

جب چاندنی بن کر راتوں کو چھاتی ہے
تیری یاد ایسے میں دل کو تڑپاتی ہے
تیری یاد.....

"یہ اپنی بے وقت کی سنگت بند کرو۔ نہ جگہ دیکھتی ہو اور نہ ماحول اور شروع ہو جاتی ہو۔" سہیل نے فارحہ کو گھور کر دیکھتے ہوئے سرزنش کی۔ آج انہوں نے پکنک کا پروگرام بنایا تھا۔ انکل آنٹی کے ساتھ وہ نکل آئی تھیں سامنے جھاگ اڑاتا سمندر تھا۔ موسم بھی دلکش تھا کیونکہ اتوار کا دن تھا۔ اس وجہ سے پبلک بھی بڑے نام تھی اسی وجہ سے انہوں نے یہ دن پسند کیا تھا۔ انکل آنٹی ریت پر بچھی چادر پر براجمان چائے کے ساتھ سمندر کے نظاروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور وہ تینوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر لہروں کی سمت چلی آئی تھیں کیونکہ وہ لوگ جلد گھر سے نکل آئی تھیں کہ ایسے موقع کم سے کم ملتے ہیں جس سے وہ زیادہ سے زیادہ لطف اٹھانا چاہ رہی تھیں۔ کھانے کا ٹائم ابھی نہیں ہوا تھا۔ وہ تینوں بیگ وہیں کے لیے کنارے پر چھوڑ رہی تھیں۔ سامنے سے انکل آنٹی مسلسل ہدایت دے رہے تھے کہ وہ آگے نہ جائیں۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ہم یہاں انجوائے کرنے آئے ہیں سنبل! ذہن فریش ہو، دل و دماغ پر بوجھ اور کشمکش سے آزاد ہو تو انجوائے کرنے کے ہزار ہا طریقے ہیں مجھے جو دل چاہے وہ کرنے دو۔ میں زندگی صرف اپنی میراث نہیں سمجھتی کہ اگر خود خوش ہو تو سوچوں سب بلاوجہ میرے ساتھ قہقہے لگائیں۔ اگر رنجیدہ ہوں تو کسی کا تیز بولنا بھی مجھے ناگوار گزرے۔ میں لوگوں کو اپنے تابع نہیں بلکہ سب کے ساتھ چلنا.... اپنا سمجھنا چاہتی ہوں بلکہ اپنا سمجھتی ہوں۔ اس لیے میرے دکھ صرف میری ذات تک محدود ہوتے ہیں میری شوخیاں، میری شرارتیں میری مسرتیں سب کے لیے ہوتی ہیں۔"

"کیا مقصد ہے تمہارا؟ میں کسی کو اپنا نہیں سمجھتی؟" سنبل گویا کند چھری سے ذبح ہوئی۔

"تم.....؟ خود کو نہیں سمجھتیں، کسی اور کو بھلا کیا سمجھو گی؟ پچھلے ماہ سے اپنے ساتھ ہم سب کو بھی تم نے ذہنی اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے نہ خود سمجھتی ہو اور نہ کسی دوسرے کو سمجھانے کا موقع دیتی ہو۔ تمہیں ہم سے پیار نہیں ہے۔ انا، ضد، ہٹ دھرمی تمہیں ہم سے زیادہ پیاری ہے۔"

"بکواس مت کرو فارحہ! خاموش ہو جاؤ۔" وہ چیخ کر بولی۔

"بہت عرصہ سے خاموش ہوں میں مگر اب خاموش نہیں رہوں گی تمہیں فخر ہے نا کہ تم سچ بولتی ہو تو سچ بولنے والوں کو سچ سننے کا حوصلہ بھی رکھنا چاہیے۔" فارحہ از حد سنجیدہ تھی۔

"ابھی خود کہہ رہی تھیں ہم یہاں انجوائے منٹ کے لیے آئے ہیں پھر یہ کیوں؟ خواہ مخواہ موڈ خراب کر رہی ہو۔" ورشا نے خالی پیکٹ ردبن کی طرف اچھالتے ہوئے اسے رسانیت سے سمجھایا۔

"ورشا! تم خود دیکھ رہی ہو کس درجہ خود غرض و خود پسند ہو رہی ہے یہ۔ آج کل مما، ڈیڈی اس کی طرف سے کس قدر فکر مند اور پریشان ہیں یہ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن رہی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کیا؟ پیار کرنے والوں کو کرب میں مبتلا کیا جائے؟"

ضد سنوارے کام بگاڑ دیتی ہے۔

انا قربتوں کو ابدی جدائی دیتی ہے۔

ہٹ دھرمی نفس کی تسکین کا ذریعہ ہے۔

خود پرستی آپ کو بالکل تنہا کر دیتی ہے۔

تنہائی بدترین عذاب ہے۔

جو تنہا ہوتے ہیں۔ وہ راستوں میں گم ہو جاتے ہیں۔

جو راستوں میں گم ہو جاتے ہیں وہ کبھی منزل نہیں پاتے۔

پھر بے وقعت و بے مایہ راہ گزر کے وہ ارزاں پتھر بن جاتے ہیں جن کا نصیب محض

قدموں تلے روندا جانا ہوتا ہے اور قبل اس کے کہ تم اس قدر ارزاں و بے وقعت ہو جاؤ حماقت کے گھوڑے سے دانشمندی کی زمین پر اتر جاؤ تاکہ تمہیں منزل کی طرف جانے والی راہ نظر آ جائے ورنہ..... یاد رکھنا پیچھے رہ جانے والے ہمیشہ کھو جاتے ہیں۔" فارحہ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی۔ بات مکمل کرتے ہی تیز تیز قدموں سے انکل آنٹی کی طرف بڑھ گئی۔

"دیکھا تم نے؟ مجھ سے ایک سال چھوٹی ہے اور دادی اماں کی طرح نصیحت کرتی ہے۔" سنبل یکدم ہو جانے والی بوجھل فضا کا سکوت توڑتے ہوئے دھیمی سی مسکراہٹ سے گویا ہوئی۔ فارحہ کی سچی کھری باتوں نے اسے اس قنوطیت سے نکال لیا تھا۔ جو حمزہ کی آمد اور پیش قدمی نے اس پر طاری کر دی تھی۔

"بعض اوقات چھوٹے بھی بڑوں کی سی فہم و فراست دکھاتے ہیں۔ وہ باتیں جو آپ کو شعور کی آگہی دیں۔ آپ کی کھوئی ہوئی تاریک راہ میں شعور کی طرح جگمگانے لگیں۔ آپ کو منزل دکھانے لگیں۔ تو پھر ذہن کے دریچے وا کر دینے چاہئیں سنبل! اکثر چھوٹے بڑوں سے رہنمائی پاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے چھوٹے بھی بڑوں کے لیے مشعل راہ بن جاتے ہیں اور ایسے لمحے نایاب ہوتے ہیں۔ انہیں بڑھ کر فوراً "سخت زیست" میں مقید کر لینا چاہیے۔ جگنوؤں کی طرح جو کبھی آپ کی گرفت سے آزاد نہ ہونے پائیں۔" وہ قریب ہی پتھروں پر بیٹھ گئی تھیں۔ لہریں ان کے قدموں سے لپٹ کر گزر جاتی تھیں۔

"تم جذباتی ہو، جذباتی لوگ ہمیشہ اپنی خیالی دنیا میں مست رہتے ہیں اور وقت کے ساتھ نہیں چلتے صرف جذبات اور احساسات کے محور پر گردش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ خبطی، پاگل یا خود غرض کہلاتے ہیں۔ اپنی بنائی گئی خیالوں کی دنیا بے شک بہت حسین و ماورائی ہوتی ہے۔ جہاں ہر سو محبت و خلوص کے رنگ بکھرے ہوتے ہیں۔ چاہت و اپنائیت کی پھوار دلوں اور ذہنوں کو نفسا نفسی، مطلب پرستی و بیگانگی کی تمام تر کثافتوں سے پاک کر کے حقیقی رشتوں اور احساسات سے روشناس کرواتی ہے جہاں صرف اور صرف محبت، چاہت، انسیت کی چاندنی جگمگاتی ہے۔ اس کی کشش، اس کی مٹھاس، اس کی فرحت انگیز ٹھنڈک آپ کو کبھی اس حقیقی دنیا میں آنے نہیں دیتی جہاں ہر طرف خود غرضی، خود پرستی، نفسا نفسی و منافقت کی گرم دھوپ آپ کو نہ جینے دیتی ہے اور نہ مرنے۔ مگر سنبل! انسان کبھی بھی وہ نہیں کر سکتا جو وہ کرنا چاہتا ہے کیونکہ خواہشات ہمیشہ لاحاصل رہتی ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم سب کچھ بھول جاؤ۔ جذباتیت چھوڑو، خیالات کی دنیا سے نکل کر اس دنیا کا مقابلہ کرنا سیکھو۔ جس میں تم رہتے ہوئے بھی فرار حاصل کرنا چاہ رہی ہو اور فرار ہمیشہ معاملات کو الجھا دیا کرتا ہے۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تمہیں معلوم ہے کہ حمزہ نے مجھ پر اپنی کزن کے بہکانے پر الزام لگایا تھا۔ جب وہ مجھ سے والہانہ محبت کرتا ہے تو اعتماد کے چند ورقے بھی اس کے پاس میرے لیے نہیں تھے؟" سنبل کا دل گداز ہوا تو اس نے ورشا کے شانے سے چہرہ ٹکا کر روتے ہوئے پہلی بار حمزہ کے بارے میں لب کشائی کی۔

"میں حمزہ سے ملی تھی اور وہ....."

"تم حمزہ سے ملی تھیں؟ مگر کب.....؟" وہ از حد حیرانگی سے تحیر زدہ تھی۔

"کل ..... جب تمہیں فارحہ اپنے ساتھ لے کر گئی تھی۔" ورشا شرارتی انداز میں مسکرائی تھی۔

"اور ..... تم نے مجھے بتایا بھی نہیں؟" سنبل نے شکایتی انداز میں کہا۔ ورشا نے حمزہ سے ملاقات کا تمام احوال اسے کہہ سنایا۔

"بس اب تم اپنی احتقانہ ضد ختم کرو۔ بندے کے خلوص کو خوش آمدید کہو۔ اتنی کم ظرف اور تنگ دل مت بنو کہ واپسی کے تمام راستے مسدود کر بیٹھو۔"

"آج خالی ہوا ہے پیٹ بھرنے کا ارادہ ہے؟ کھانا نہیں کھانا کیا.....؟" فارحہ وہاں آ کر خوشگوار موڈ میں بولی۔ اس نے بہت سرعت سے اپنا موڈ خوشگوار کیا تھا۔

"کیوں نہیں کھائیں گے۔ ضرور کھائیں گے۔ آنٹی کے ہاتھ کے مزے دار کھانے کبھی کبھی ہی ملتے ہیں۔" ورشا اٹھتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگی سنبل بھی ہوا سے بے قابو ہوتے دوپٹے کو سنبھال کر چل رہی تھی۔

"مما، پپا کہاں ہیں؟ سامان بھی نظر نہیں آ رہا.....؟" سنبل نے سامنے ریت پر دیکھتے ہوئے حیرانگی و بدحواسی سے کہا کیونکہ جہاں وہ سامان کے ہمراہ بیٹھے تھے وہ جگہ خالی تھی۔

"اتفاقاً پپا کا کوئی جاننے والا مل گیا۔ اس نے اپنے ہٹ کی چابی دے دی ہے۔ مما پپا سامان سمیت وہیں ہیں۔ وہ کسی کام سے آیا تھا۔ مما پپا نے روک لیا ہے اسے بھی کھانے پر۔"

"چلو اچھا ہے۔ اس طرح اس کے احسان کا بدلہ بھی اتر جائے گا۔ جو اس نے چابی دے کر کیا ہے۔ ورنہ ہٹ کہاں مل رہا تھا۔ چوکیدار نے بتایا تھا صرف سنڈے کو چھٹی والے دن ہٹ کرائے پر دیئے جاتے ہیں۔ باقی دن بک نہیں ہوتے۔" وہ باتوں کے دوران ہٹ تک پہنچ گئی تھیں۔ سرخ و سپید امتزاج سے پینٹ کیا گیا ہٹ بہت خوبصورت اور کشادہ تھا۔ فرخندہ بیگم نے ہمراہ لوازمات سے بھرا تھیلا دیا تھا۔ کھانے سے اشتہا انگیز خوشبوئیں وہاں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ تینوں اندر داخل ہوئیں تو فرخندہ بیگم اور صاحب کے برابر میں بیٹھے حمزہ کو دیکھ کر چونک اٹھی تھیں جبکہ سنبل

یک وقت استعجاب، بے یقینی تحیر سے گومگو حالت میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ حمزہ انہیں دیکھ کر فوراً ہی سلام کرتا ہوا کھڑا ہوا تو وہ چونک کر بیٹھی تھی۔ فارحہ نے شرارتاً آہستگی سے ہنکارا بھرا تھا۔ اس نے گھور کر دیکھا تو مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"کھانے سے فارغ ہو جائیں پھر آگے چلیں گے۔" حمزہ کی آواز پر انکل آنٹی نے اثبات میں سر ہلائے تھے۔

❁ ❁ ❁

"آج پہلی بار..... آج پہلی بار
ایک لڑکی میرا ہاتھ پکڑ کر بولی
ہاں رے آں..... آں.....
آج پہلی بار..... ایک لڑکی میرا ہاتھ پکڑ کر بولی۔"

"کیسے ہو..... بھائی جان؟" باسط شرارت سے بے ساختہ بولا تو وہ تینوں بلند قہقہے لگانے لگے تھے جبکہ آفتاب نے غصے سے اسے گھورا تھا کہ وہ بہت ترنگ میں گنگنا رہا تھا۔

"کیوں مجھے کوئی آئی۔ لو۔ یو۔ نہیں بول سکتی؟" وہ بہت تپے ہوئے لہجے میں بولا۔

"تم جیسے ہاتھی سے کوئی ہتھنی ہی آئی..... لو..... یو کہہ سکتی ہے۔"

"بہت ناز ہے تجھے اپنے اس ہڈیوں کے پنجر جیسے جسم پر ہونہہ..... سوٹ پہن کر باہر نکلتا ہے تو ایسا لگتا ہے۔ جیسے بانس پر کپڑے سوکھ رہے ہوں۔" آفتاب کی بات ٹھاہ سے اس کے دل پر لگی تھی۔ اسے منہ بناتے دیکھ کر وہ ہنس پڑے تھے۔ آفتاب کا قہقہہ فلک شگاف تھا۔

"باسط! میں آفتاب کی بات کی تائید کرتا ہوں۔ مرد کی ہڈیوں پر کچھ گوشت ہونا چاہیے۔"

"سر جیز آپ بھی دشمن سے مل گئے؟" سر جیز کو مسکراتے دیکھ کر باسط نے احتجاج کیا۔

"مرد کی شان یہی ہے کہ وہ حق بات منہ پر بولتا ہے۔" آفتاب نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"باسط درست کہہ رہا ہے۔ کوئی لڑکی شادی نہیں کرے گی اس جینئر سے۔ لڑکیاں اسمارٹ ہینڈسم اٹریکٹو پرسنالٹی والے لڑکوں کو لائف پارٹنر بنانا چاہتی ہیں۔" صارم ریت پر گھروندہ بناتے ہوئے اسے چڑانے والے انداز میں گویا ہوا۔ حسب توقع آفتاب بری طرح تپ اٹھا تھا۔

"مجھے معلوم ہے۔ تم مجھ کو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہو۔ نہیں کرتے مجھ سے محبت تب ہی اتنی آسانی سے اپنی شرارت کی خاطر مجھے مردہ بتا دیا تھا۔ ہر جگہ تم لوگ میرا استعمال فرخدلی سے کرتے ہو۔ میں بیوقوف پھر بھی تمہارے سنگ چلا آتا ہوں۔ ہر بات بھلا کر ہر مذاق.....

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بس..... بس میری جان! مذاق..... مذاق ہوتا ہے۔ اور مذاق بھی اس سے کیا جاتا ہے جس سے محبت کی جاتی ہے۔ تم اتنے خشک دل کیوں ہو گئے؟ مذاق کو بھی سیریس لینے لگے۔" صارم نے آگے بڑھ کر بڑے خلوص سے اسے گلے لگایا تھا۔ وہ تینوں بھی اس سے بری طرح لپٹ گئے۔

"تمہیں شاید یہ فکر ہو گئی ہے کہ تمہیں کوئی لڑکی نہیں ملے گی؟ ایسا نہیں ہے یار! تم کسی کی طرف اشارہ تو کرو پھر دیکھنا اپنے یار کی محبت' قدموں میں لا کر پھینک دوں گا۔" باسط کی محبت نے یکدم جوش مارا تو وہ سینہ تان کر کہنے لگا۔

"اچھا؟ تم میری محبت میں لڑکیاں اغوا کرو گے؟" آفتاب ان تینوں کی طرف دیکھتے آنکھ دبا کر باسط سے گویا ہوا کیونکہ اکثر دونوں ایک دوسرے سے بحث بھی کرتے تھے اور محبت بھی اظہار کرتے تھے ایک دوسرے سے۔ اسے رنجیدہ دیکھ کر ہی باسط جذباتی ہو کر اٹھ گیا تھا۔

"تو اشارہ تو کر۔ آج تو نے محبت کو آزمایا ہے۔ تو پتن کی ہے محبت کی۔"

"رانی! مجھے رانی چاہئے..... لا دو گے نا.....؟"

"رانی؟..... یعنی میری والی رانی؟" باسط نے کچھ حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا کیونکہ وہ اس وقت بے حد سنجیدہ تھا ان کی شرارت محسوس نہ کر سکا تھا۔

"دلیل' کہیئے" بے حیا اپنی ہونے والی بھابی کے اوپر نظر رکھتا ہے۔ میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔" اسے اثبات میں گردن ہلاتے دیکھ کر وہ تیزی سے چیختا ہوا اس کے طرف بڑھا تھا۔ فضا ان کے قہقہوں سے گونج رہی تھی اور آفتاب کے پیچھے باسط دوڑ رہا تھا۔

"خوب اپنی والی کا نام سن کر کیسا غصہ آیا۔ دوسری لڑکیاں بھی کسی نہ کسی کی کچھ لگتی ہوں گی۔"

"دل چھوٹا مت کرو یار! ایسا کرو صارم سے رجوع کرو۔ اس کے پاس لڑکیاں تھوک کے بھاؤ سے رہتی ہیں۔ یہاں تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔" مامون نے شوخی سے صارم کی طرف اشارہ کیا۔

"شوق سے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اگر کوئی تمہیں پسند کرے تو۔"

"اپنی وہ ڈنگ برگی تتلیاں اپنے پاس ہی رکھو۔ مجھے شوق نہیں ہے۔ تتلیوں کو چھو کر اپنے ہاتھ خراب کرنے کا۔ مجھے بیوی چاہئے جو میرا گھر بنائے' سنوارے۔ میری ماں کا خیال رکھے میرے باپ کو عزت دے اور....."

"اور تمہارا گھر بچوں سے بھر دے۔ کہیے لگو گے تم؟ ایک بچے کو فیڈر دیتے ہوئے' دوسرے

کی پپی چیچ کرتے ہوئے' تیسرے کی ناک پونچھتے ہوئے چوتھے کو....."

"او بھائی بس کر' کیا میرے گھر میں بچوں کا جمعہ بازار لگوائے گا۔" آفتاب نے گھبرا کر کان پکڑے تو وہ قہقہے لگانے لگے تھے۔

"فدا حسین سے کچھ سبق لو۔ تم خواہ مخواہ گھبرا رہے ہو۔" سبریز کی فرمائش پر وہ آج سمندر پر پکنک منانے آئے تھے۔ پانی میں انہوں نے خوب سوئمنگ کی تھی پھر دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرنے وہیں اونچی نیچی چٹانوں پر لیٹ گئے تھے پھر حسب معمول ان میں ٹوک جھوک شروع ہو گئی تھی۔

"فدا حسین! کتنے بچے ہیں تمہارے؟" چائے سرو کرتے فدا حسین سے آفتاب مخاطب ہوا تھا۔

"گیارہ بچے ہیں صاب' بالوے (بارویں) تی آمد آمد ہے۔" وہ انہیں چائے سرو کرنے کے بعد اپنا مگ لے کر ان کے قریب بیٹھ کر اطمینان سے گویا ہوا تھا۔

"کیوں بھائی؟ غاندانی منصوبہ بندی والوں سے تمہاری کوئی دشمنی چل رہی ہے۔" سبروز نے تعجب سے پوچھا۔

"نہیں صاب! نیا دریب (غریب) تا کسی پر اتیا رہیں ہے؟" کافی رنجیدگی سے دریافت کیا گیا۔

"اختیار ہے لیکن تم سوچو یہ تم غربت سے انتقام لے رہے ہو یا اپنے دشمن خود بن رہے ہو۔ آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ نہ زمین پر گھاس رہے گی اور نہ درخت رہیں گے۔" مامون از حد فکر مند ہو گیا تھا اس کے بچوں کی تعداد سن کر۔

"تو کیا درختوں پر پتوں کی جگہ انسان اگا کریں گے؟ اور زمین پر گھاس کی جگہ....." سبروز نے اس کی بات قطع کر کے کہا۔

"ہر وقت ایک ہی موڈ میں نہ رہا کرو۔ بات سمجھا کرو۔" وہ جھنجلا کر بولا۔ وہ یوں ہی بحث میں الجھ گئے تھے۔ صارم' سبریز کے ساتھ ساحل پر آ گیا تھا۔

دوپہر ڈھلنے کو تھی ہوا میں خنکی بیدار ہونے لگی تھی کیونکہ موسم میں ابھی سردی کا عنصر باقی تھا۔ ماحول بھی اس کے زیر اثر تھا۔ عموماً سمندر پر موسم گرما میں بہت گہما گہمی نظر آتی ہے۔ لاتعداد لوگ دن گرمی کی تمازت سے اکتا کر ساحلوں کا رخ کرتے ہیں۔ جہاں کئی گھنٹے وہ خوش و خرم سمندر کی موجوں سے کھیلتے گزار دیتے ہیں۔ موسم سرما کے اس سرد موسم میں بھی کراچی کے منچلے اور سرپھرے زندہ دل لوگ کافی تعداد میں موجود تھے۔ آتی جاتی لہروں سے خرمستیاں کرنے میں اسی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طرح مگن تھے۔ جیسے سرد پانی وہ محسوس نہ کر رہے ہوں۔"

"تو پرسوں تم چلے جاؤ گے؟"

"ہاں ..... گاؤں میں سب پریشان ہو جائیں گے۔ اگر اب بھی نہ گیا۔" سبریز نے جواب دیا۔

"سب کی نہیں تمہیں صرف "ایک" کی فکر ہے۔" صارم نے جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر شرارت سے کہا۔

"تم! جو بھی سمجھو میں مائنڈ نہیں کروں گا۔" سبریز نے ایک پتھر اٹھا کر دور پانی میں اچھال دیا۔

"میں ایگزیم کے فوراً بعد آؤں گا۔ اتنا انتظار تو کر سکتے ہو؟"

"تمہاری وجہ سے میں نے شادی کی ڈیٹ بڑھوائی ہے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ تمہارے بغیر کچھ کر سکوں پھر شادی تو بہت بڑی بات ہے بہت گمبھیر معاملہ ہے۔" سبریز اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے لبریز لہجے میں کہنے لگا۔

"دیکھتے ہیں بیٹا! شادی کے بعد تم مجھے کس طرح دستیاب ہوتے ہو۔" صارم نے مصنوعی آہ بھری تھی۔

"تم مجھے جب بھی ایسا ہی پاؤ گے۔ جیسا اب ہوں۔ تم اپنا بتاؤ تمہارے معاملے کا کیا ہوگا؟ میں نے تم سے بات کرنے کے بعد ساری رات تمہارے بارے میں ہی سوچا ہے اور میں حقیقتاً پریشان ہو گیا ہوں۔"

"کیوں؟ پریشانی کی کیا وجہ ہے؟" صارم نے شانے اچکاتے ہوئے استفسار کیا۔ "بابا جان نے تمہیں ہمیشہ ہر معاملے میں چھوٹ دی ہے۔ تمہارے مزاج تمہاری پسند' تمہاری خواہشات کو اولیت دی ہے۔ محض اس لئے نہیں کہ تمہیں وہ محرومیوں سے دور رکھنا چاہتے تھے تاکہ تمہیں اپنے والدین کی ابدی جدائی اور تنہائی کا احساس نہ ہو بلکہ وہ تمہیں بے حد چاہتے ہیں۔ تمہیں تمہاری خواہشات کے پیش نظر انہوں نے تعلیم کے حصول کے لئے کبھی نہیں روکا لیکن تم بزنس نہیں سنبھال سکتے تمہیں بہر کیف سرداری کرنی ہے۔ بڑے آکا کا منصب سنبھالنا ہے اور دوسری اہم بات یہ کہ تم برادری سے باہر شادی نہیں کر سکتے ایک کرو یا چار لڑکیاں تمہیں برادری ہی سے منتخب کرنا ہوں گی۔ یہ اپنا اصول رہا ہے۔ لڑکیاں کبھی غیر برادری سے نہیں آتیں۔"

"سبریز! میں نے پہلے بھی کہا تھا۔ میں فرسودہ رسم و رواج کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے اپنے باپ کی نسل چلانے کے لئے صحت مند خون کی ضرورت ہے اور میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ صورتی

بیماریوں سے معذور و لاغر وجود میرے ہاں جنم لیں۔" وہ از حد سنجیدہ تھا۔

"ضروری تو نہیں ..... ہر لڑکی معذور یا خبط الحواس بچوں کو جنم دے۔؟"

"نہیں ..... ضروری تو نہیں یہ بھی ہو سکتا ہے وہ بچوں کو جنم ہی نہ دے۔"

"خدا کی قسم! واقعی بابا جان درست ہی کہتے ہیں تم حد درجہ بے باک و منہ پھٹ ہو گئے ہو۔" سبریز اسے ڈھٹائی سے ہنستا دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"بابا جان مردوں میں بھی عورتوں والی صفات دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کی بات ہے اب یہ "صفات" عورتوں میں بھی مفقود ہو گئی ہیں۔ اس دور کی لڑکیاں اتنی بے باک و جذباتی طور پر اس قدر بے لگام ہو چکی ہیں کہ بعض اوقات مردوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتی ہیں۔" وہ اپنے مخصوص شوخ و شنگ و کھلنڈرے انداز میں بول رہا تھا۔ وہ باتیں کرتے ہوئے دور تک نکل آئے تھے۔ رخصت ہونے کی تیاری کرتے سورج کی زرد روشنی شعاعوں کی صورت میں جھلملا رہی تھی۔ سامنے سمندر کی وسعت میں آسمان کا کنارہ مدغم ہوتا ہوا لگ رہا تھا۔ پیراڈائیز کا یہ گوشہ بہت پرسکون تھا۔ لوگوں کی آمد و رفت یہاں بالکل نہ تھی۔ صرف ان دونوں کے علاوہ۔

"صارم خان!" سبریز نے کسی اچانک وارد ہونے والے خیال کے تحت اسے پکارا۔

"ہوں۔" اس نے اپنی نیلگوں آنکھیں حیرانگی سے اس کی سمت کیں۔

"اس لڑکی کے متعلق کیا سوچا ہے تم نے .....؟"

"کل کی رات میں نے بھی سوچ کر گزاری ہے اور فیصلہ کیا ہے ....."

"کہ اس لڑکی کا پیچھا چھوڑ دو گے؟" وہ اس کی بات قطع کر کے چیختے ہوئے بولا۔

"ہو سکتا مگر شاید ممکن نہیں۔ میرے اندر کی دنیا جو بدلی ہے اس تبدیلی کو میں ابھی برداشت نہیں کر پا رہا ہوں۔ میں نے ہمیشہ سے جو چاہا وہ مجھے مل گیا۔ بچپن کی اس عادت نے مجھے بہت ضدی و ہٹیلا بنا دیا ہے لیکن یار! میں محسوس کر رہا ہوں ایک لڑکی میں اور کھلونے' پرفیوم' کتاب وغیرہ میں نمایاں فرق ہے۔ اس لڑکی کو میں اپنی محبت کی شدتوں سے آگاہ کر دوں گا۔ اسے میرے جذبوں کا احترام کرنا ہوگا۔ عورت کسی رشتے کسی جھانسے کے جال میں نہیں پھنستی۔ اسے اسیر کرنے والا اپنے سے مانوس کرنے والا اپنے کو منوانے والا صرف ایک لفظ ہوتا ہے اور وہ "محبت" ہے اس لفظ کی خاطر عورت اپنا آپ نچھاور کر ڈالتی ہے۔ اسی چاہ آرزو میں زندگی گزارتی ہے۔"

"تم فراڈ کرو گے اس سے .....؟"

"نہیں۔ اگر مجھے یہ کرنا ہوتا تو بہت آسانی سے میں اس کا غرور توڑ سکتا تھا۔ باہر سے نظر آنے والی کٹھور و سخت گیر لڑکیاں دل بہت نرم و ملائم رکھتی ہیں۔ کالج سے یونیورسٹی تک اتنی لڑکیوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے دوستی رہی ہے کہ ان کی رگ رگ سے واقف ہو گیا ہوں۔" اس نے دھیمے سے ہنستے جواب دیا تھا۔

"دیکھیں گے تم کہاں تک کامیاب ہوتے ہو۔ فی الحال تو چلنے کی کرو۔ سورج غروب ہونے والا ہے۔" سبریز نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

قیامت تک محبت کا یہ افسانہ نہ بدلے گا
جو دیوانہ تمہارا ہے وہ دیوانہ نہ بدلے گا
جلا کر خود کو دم لے گا یہ اس کا مشغلہ ٹھہرا
تمہارے شمع گل کرنے سے پروانہ نہ بدلے گا

"بے شک میرے یار! پروانہ نہ بدلے گا مگر شمع بدلتی رہے گی۔" سبریز نے اس کے شعر پڑھنے کے جواب میں قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر بدگمان رہنا چاہتے ہو تو رہو۔" اس نے سبریز کے شانے پر مکا مارتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے ان کی نگاہیں اوپر چٹان کی طرف اٹھی تھیں۔ جہاں سے ایک لڑکی گرین سوٹ میں ملبوس تیزی سے لڑھکتی ہوئی آ رہی تھی اس کے منہ سے نکلنے والی چیخوں سے زیادہ اوپر کھڑی لڑکی کی چیخوں سے خاموش فضا یکلخت گونج اٹھی تھی۔ وہ دونوں سرپٹ اس طرف دوڑے تھے اور صارم نے آگے بڑھ کر گرتے وجود کو اپنے دونوں بازوؤں کے سہارے سے روکا تھا۔ وہ لڑکی بے ہوش ہو چکی تھی۔ چہرہ اس کا لہولہان ہو رہا تھا ان دونوں نے اسے خشک ریت پر لٹا دیا تھا۔ اس دوران اوپر سے سنبھل کر اترتے ہوئے کچھ لوگ گھبراتے ہوئے پریشان سے نیچے اترے۔ ان میں فارحہ سنبل کو دیکھ کر وہ چونک اٹھا تھا۔

"درشا..... درشا!" وہ بدحواس سی بیہوش وجود کی طرف بڑھی تھیں۔ سبریز نے چونک کر صارم کو دیکھا تھا۔

❀❀❀

"یار..... ! کیا میرے سینگ نکل آئے ہیں؟ جو یار بار مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہے ہو؟" صارم سبریز خان کی نگاہوں کے اشارے کو تھوڑی بخوبی سمجھ رہا تھا۔ مگر شرارتاً انجان بن کر بولا۔ شاید وہ اس طرح اپنے احساسات پر چھائی اس بدحواسی و بے چینی سے فرار چاہتا تھا جو درشا کو تکلیف میں دیکھ کر اس پر قابض ہوئی تھیں۔ سنبل اور فارحہ کو دیکھ کر ان کے منہ سے درشا کا نام سن کر اس کا دل جس انداز میں لمحے بھر کو دھڑکا تھا۔ اس ایک لمحے نے صدیوں کے فاصلوں کو ایک جست میں ہی عبور کر لیا تھا۔ اپنے اندر کی بغاوت کا ادراک اسے مزید بوکھلا گیا تھا۔ پھر اسے کچھ یاد نہ رہا۔ نہ اپنے اردگرد کا ہوش نہ سبریز کی حیران و پریشان نگاہوں کی زبان نہ آفتاب و اسما وغیرہ کا خیال اور نہ ہی سنبل کی فیملی کا دھیان۔

بہت پھرتی و تیز رفتاری سے وہ ان لوگوں کے ساتھ درشا کو راستے میں پڑنے والے پرائیویٹ اسپتال لے کر آیا تھا۔ جہاں ڈاکٹرز نے فوراً اس کا چیک اپ کیا۔ کیوں کہ اس کو گہری چوٹیں نہیں آئی تھیں۔ اس لیے اس کے سر میں لگے زخموں کی ڈریسنگ کرنے اور طاقت و سکون کا انجکشن لگانے کے بعد ڈاکٹر نے اسے فارغ کر دیا تھا۔ اس دوران وہ مسلسل بے ہوش رہی تھی اور ڈاکٹر نے کوشش بھی نہیں کی اسے ہوش میں لانے کی۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا۔ وہ نقاہت سے بے ہوش ہوئی تھی۔ پتھروں پر لڑھکنے کی وجہ سے اس کے جسم پر خاصی خراشیں آئی تھیں۔ جن میں شدید تکلیف تھی۔ درد کے باعث اسے سکون و نیند کا انجکشن لگایا گیا تھا۔ کل وہ خود ہی ہوش میں آ جائے گی۔ ڈاکٹرز کی تسلیوں و اطمینان دلانے کے بعد سنبل اور فارحہ کے آنسو تھمے تھے۔ رخشندہ بیگم اور رحمان صاحب کے متفکر چہروں پر بھی اطمینان سا چھایا تھا۔ وہ ان دونوں کا بے حد شکریہ ادا کر کے انہیں گھر ملنے آنے کی تاکید کر کے بلکہ وعدہ لے کر روانہ ہوئے تھے۔ صارم اور سبریز کی وجہ سے ہی درشا بروقت اسپتال پہنچ سکی تھی ورنہ ان کے لیے بہت مشکل ہو جاتی۔ وہ سبریز کے ساتھ گھر آ گیا تھا۔ مگر اس کی کیفیت الجھی الجھی سی تھی۔ کوشش کے باوجود وہ درشا کا خون آلود چہرہ بھلا نہ پا رہا تھا۔ اس کے ہر زخم ہر خراش کا درد وہ اپنے جسم میں محسوس کر رہا تھا۔ سبریز خان جو اسے کچھ جان لینا چاہتا تھا۔ اسے یوں سوچوں میں گم ہوتے دیکھ کر بری طرح گھورنے لگا تھا۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"مجھے معلوم ہے تم عیسوں کے سر پر سینگ نہیں ہوتے۔" سبریز نے خاصے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اوہ... یعنی مجھے گدھا بنا رہے ہو...؟"

"میری یہ مجال کہاں۔ یہ تو "اوپر" والے کا کام ہے۔ وہ الو بناتے یا گدھا۔"

"سوچ لو۔ تمہاری ذات ایک ہی ہے۔" صارم جیکٹ صوفے پر پھینکتا ہوا مسکرا کر گویا ہوا۔

"اچھا' زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ورشا وہی لڑکی ہے نا؟ جس کے لیے تم خاصے پریشان سے رہتے ہو۔ آج کل....." سبریز خان اس کی نگاہوں میں جھانکتے ہوئے استفسار کرنے لگا۔

"آج... کل مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے صدیوں سے مجھے اس کی جستجو ہے۔"

"خدا کی قسم' تمہارے منہ سے ایسے ڈائیلاگ سن کر لگتا ہے۔ گویا کسی مزاحیہ ڈرامے میں ایکٹ کر رہے ہو۔" سبریز خان نے استہزائیہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"تم' میری سمجھ نہیں آتا کیوں یقین نہیں کر رہے...؟"

"جو تمہارے تمام معاشقوں و محبوباؤں سے واقف رہا ہو وہ بھلا کس طرح یقین کر سکتا ہے؟"

"اس وقت وہ بات نہیں ہے۔ میں سیریس ہوں۔" صارم نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ بالکل آخری معاملہ ہے۔" سبریز خان کو صارم نے نفی میں گردن ہلاتے دیکھ کر پھر دہرایا۔

سمٹ سکا نہ کبھی زندگی کا پھیلاؤ
کہیں بھی ختم غم عاشقی نہیں ہوتا
نکل ہی آتی ہے کوئی نہ کوئی گنجائش
کسی کا پیار کبھی آخری نہیں ہوتا

سبریز نے حسب توقع شعر پڑھا تھا۔ جواباً صارم نے کشمیر کی اس پر برسات کر دی تھی۔

❁ ❁ ❁

وادیٔ کشمیر موسم سفید برف کے لباس میں ملبوس کسی نوخیز بیوہ کی طرح ویران و خاموش لگ رہی تھی۔ پہاڑ' درخت' بھیڑ نے سب گم صم و ساکت تھے۔ ہوا کی سرسراہٹ تک منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔ جاوید نے آتش دان میں سلگتی سرخ لکڑیوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے افسردگی سے سر ٹیکے پر رکھ دیا تھا۔ آج صبح چوکی دار کی بیٹی گل نشاں کی لاش شہباز خان کے ملازموں نے ایک کھائی سے

دریافت کر لی تھی۔ روزی خان کے گھر میں جوان بیٹی کی اندوہناک موت پر کہرام مچ گیا تھا۔ گل نشاں اس کی اکلوتی اولاد تھی جو بہت منتوں' مرادوں کے بعد پیدا ہوئی تھی' شادی کے کئی سال بعد۔ روزی خان کی بیوی صابرہ بی بی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ مردہ بیٹی کی بے نور کھلی آنکھوں میں اسے ایسی کوئی تحریر نظر آئی تھی جس کی تڑپ نے اس کے حواس چھین لیے تھے۔ گل خانم اور بڑے لالا کی بیوی صبح سے وہاں گئی ہوئی تھیں۔ ان کی واپسی جنازہ اٹھ جانے کے بعد ہوئی تھی۔ گل جاناں حسب عادت نہیں گئی تھیں۔ وہ ایسے گھروں میں جانے سے ہمیشہ کتراتی رہتی تھیں۔ ان کا خیال تھا' میت کے گھروں میں جانے سے ان کی طبیعت بگڑ جاتی ہے۔ ایسی جگہوں پر گل خانم جاتی تھیں۔ کیوں کہ انہوں نے دل بہت گداز و خدا ترس پایا تھا۔ دوسرے شہباز خان کی سرداری کے باعث' ان کی بیوی ہونے کی حیثیت سے لوگوں کے دکھوں' سکھوں میں شریک ہونا ان پر عائد تھا۔ اس سے قطع نظر وہ اپنی طبیعت کے باعث لوگوں سے ملتی تھیں اور اکثر اوقات میت کو غسل بھی دے دیا کرتی تھیں۔ کیوں کہ شہباز خان کو یہ کام گراں گزرتا تھا۔ اس لیے انہوں نے کبھی اپنی اس عادت یا کام کا پرچار نہیں کیا تھا۔ اپنی نیکی و ثواب... نمائش نہیں گوارا تھا۔

نماز ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر لیٹی تھی۔ آتش دان میں سلگتی لکڑیوں کے باعث کمرا گرم تھا۔ گل نشاں کی جوان و حادثاتی موت کا اسے بھی بے حد دکھ تھا۔ حالانکہ وہ اس سے کبھی ملی نہیں تھی' کبھی اسے دیکھا نہیں مگر پھر بھی انسانیت کے رشتے سے جو تعلق' جو احساس ہوتا ہے۔ اسی احساس نے اسے مضطرب و افسردہ کر دیا تھا۔ اپنے گھر کے در و دیوار اسے اس دکھ میں توجہ کناں لگ رہے تھے۔

"لیٹی رہو۔" دروازہ کھول کر اندر آنے والی بڑے لالا کی بیوی کو دیکھ کر وہ احتراماً اٹھی تو وہ قریب آ کر اپنے ملائم و سادے لہجے میں اس سے مخاطب ہوئیں۔

"اوے نہیں آئیں بھابی!"

"نہیں۔" وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھیں۔

"کیوں...؟ کیا جنازہ ابھی گھر میں ہی ہے؟" اس نے کمبل اوپر ڈالتے ہوئے استفسار کیا۔

"نہیں۔ ظہر میں ہی میت اٹھ گئی تھی' بلکہ آدمی قبرستان سے واپس بھی آ چکے ہیں۔ صابرہ کی حالت بہت خراب ہے۔ اسے سکتہ ہو گیا ہے۔ یک ٹک وہ آسمان کی طرف دیکھ رہی ہے۔ نہ کچھ کہہ رہی ہے اور نہ ہی رو رہی ہے۔ صدمے اور غم نے اسے پتھر بنا دیا ہے۔ ایسی حالت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خطرناک ہوتی ہے۔ ادے اس کے پاس ہیں۔ جب تک اس کی حالت درست نہیں ہوگی۔" وہ آہستگی سے بتا رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر بھی سوز و افسردگی کے رنگ تھے۔

"آہ... کیسی بے بسی و بے چارگی ہوتی ہے۔ ایسی بیٹیوں کے والدین کے نصیب میں... کل تک بیٹی کا معلوم کرنے کے لیے اس نے کس قدر چکر لگائے تھے بابا جان کے پاس۔ ہر بار ان کی زبان پر یہی لفظ تھے کہ کل فسّاں کی لاش کسی کھائی' کسی کنویں سے دریافت ہو جائے' انہیں قرار مل جائے گا۔ اور آج لاش ملی تو بھی وہ از حد بے سکون و بے قرار ہو گئے۔ پہلے اپنی ناموس کی فکر انہیں خنجر بکف رکھتی تھی۔ اب بیٹی کی میت' اس کی جدائی پتھر بنا گئی ہے۔"

"ہاں سخاویہ! ہمارے ہاں بیٹیاں خسارے میں ہی رہتی ہیں۔" انہوں نے سرد سی آہ بھری تھی۔

"ہمارے یہ علاقے جنت نظیر کہلاتے ہیں۔ یہاں کا قدرتی حسن و خوب صورتی دوسرے علاقوں کے لوگوں کے لیے سحر انگیز و ماورائی دلکش خوابوں کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر بہت کم لوگ جانتے ہیں یہاں بسنے والے لوگ' کس کس طرح کی پریشانیاں و مصیبتیں جھیل کر یہاں رہنے کا حق ادا کرتے ہیں۔ کس طرح چھوٹے چھوٹے بچوں کو روزی کمانے کے لیے' غربت و افلاس مٹانے کے لیے' اپنے گوشۂ عافیت سے دور جانا پڑتا ہے۔ ماں باپ کی نرم گرم چھاؤں سے دور ہونا پڑتا ہے۔ بہن بھائیوں کی سندر سندر مٹھاس بھری قربت اس عمر میں جدا ہو جاتی ہے۔ جب ذہن جدائی کے معنی سے بھی واقف نہیں ہوتا۔ ایک بار کی جدائی پھر بار بار غالب آنے لگتی ہے۔ اور عمر بھر یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ ان علاقوں میں ہمارے بابا جیسے لوگ رہنے کی استطاعت رکھ سکتے ہیں۔ جن کے بزرگ ان کے لیے جدی' پشتی جائیدادیں و دولت چھوڑ کر ابدی سفر پر روانہ ہو گئے ہوں۔"

"کیا بات ہے بھابی...؟ بہت خاموش ہیں۔ کوئی پریشانی ہے؟" سخاویہ نے بھابی کو گہری سوچ میں گم دیکھا تو فکر مندی سے گویا ہوئی۔

"نہ... نہیں تو... بس' میں سوچ رہی ہوں۔ ادے کو نہ معلوم کتنا وقت لگے' تم جانتی ہو چھوٹی ادے بہت جلد برداشت کا دامن چھوڑ بیٹھتی ہیں۔ خوامخواہ گھر میں فضا مکدر ہوگی۔"

"ادے بھی اپنے دکھوں سے مجبور ہیں۔ کسی کو دکھ میں دیکھ کر اپنا زخم بھی تازہ ہو جاتا ہے۔ اور بیٹیوں کا دکھ تو مشترک ہوتا ہے نا بھابی۔"

"ہاں۔ اتنے سال گزر جانے کے باوجود وہ ان دکھوں سے آزاد نہ ہو پائی ہیں۔ شاید اولاد کا دکھ جونک کی طرح چمٹ جانے والا ہوتا ہے۔ اولاد ہو کر جدا ہو جائے تو شاید زندگی' زندگی نہیں

گزاری ہوتی۔ اور جو اس نعمت سے محروم ہو۔ خواہش و علاج کے باوجود تو زندگی دھوپ میں جلتے صحرا کی تپتی ریت کی مانند ہو جاتی ہے۔ جہاں نہ صرف پاؤں بلکہ پورا وجود ہی آبلہ پائی کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور زندگی سسک سسک کر گزرتی ہے۔"

سات سال کا عرصہ ان کی شادی کو گزر چکا تھا۔ وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھیں۔ اس عرصے میں ان کا ہر ممکن علاج کروایا گیا تھا۔ درگاہوں پر منتیں مانی گئی تھیں۔ پیروں' فقیروں سے دعائیں منگوائی گئی تھیں۔ مگر اب تک وہ اولاد کی محرومی کا شکار تھیں۔ اس دکھ نے انہیں اندر ہی اندر تباہ کر ڈالا تھا۔ چھوٹی ادے ظالمانہ و جاہلانہ طرز سوچ کے باعث اس محرومی کا ذمہ دار انہیں ٹھہراتی تھیں۔ ان کی زبان کی چیرہ زنی نے انہیں زخم زخم کر رکھا تھا۔ وہ ان سے کبھی سیدھے منہ بات کرنے کی روادار نہ تھیں۔ ہمیشہ ان کی زبان سے ان کے لیے زخم لگاتا "لقب" وارد ہوتا تھا فطرتاً وہ سادہ طبیعت' سعادت مند اور بڑوں کا احترام کرنے والی تھیں' کبھی پلٹ کر انہوں نے ان کے کسی طعنے و بدکلامی پر جواب نہ دیا تھا۔ نہ کبھی شوہر سے ساس کے سخت ظالمانہ رویے کی شکایت کی تھی۔ وہ خود کو مجرم سمجھتی تھیں کہ اس گھر کو کوئی وارث نہ دے سکی تھیں۔ اس لیے ساس کی ہر زیادتی اس حق بجانب لگتی تھی۔ شوہر کی تمام محبتوں و چاہتوں کی واحد مالک تھیں۔ اس وجہ سے معاملہ فہم ہونے کے باوجود اتنے عرصے سے گھر میں لگی ہوئی تھیں۔ ورنہ چھوٹی ادے کا تو ایک دن بھی انہیں گھر میں رکھنے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ بیٹے کی ضد سے مجبور تھیں۔ جس نے ان کے دوسری شادی کر لینے کے پرزور اصرار پر خبردار کر دیا تھا کہ اولاد اگر ان کے نصیب میں ہے تو وہ نزل کے بطن سے جنم لے گی ورنہ وہ اولاد سے محرومی کی زندگی گزار سکتے ہیں' مگر نزل سے جدائی انہیں گوارا نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہ نہیں مانی تو انہوں نے گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس طرح بیٹے کے الٹی میٹم کے سامنے انہیں اس خیال و خواہش سے دستبردار ہونا پڑا تھا۔ مگر اس طرح نزل کے لیے زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا تھا پھر وہ غیر محسوس انداز میں بڑی ادے "سوتیلی ساس" کی نرم و مشفقانہ طبیعت کی گرویدہ ہوتی چلی گئیں۔ ان سے چھپ کر اپنا زیادہ وقت ان کے قریب گزارنے لگیں۔

"آپ ایسے نہ سوچا کریں بھابی! اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ ہماری اور آپ کی دعاؤں کے لیے کبھی تو آسمان اپنے در وا کرے گا۔ دیکھئے گا' انشاء اللہ شمشیر لالا جیسا بیٹا اللہ آپ کو دے گا۔" سخاویہ نے ان کے ہاتھ محبت سے پکڑتے ہوئے کہا۔

"اللہ نہ کرے سخاویہ! مجھے ایسی بددعا نہ دو۔ میں بے اولاد بہتر ہوں۔" انہوں نے ہذیانی انداز میں بے ساختہ اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

"بھا... بی! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ...؟ شمشیر لالا میں کیا برائی ہے؟ صرف غصے کے تیز'

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور سخت مزاج ہیں' ہمارے ہاں سردار عموماً اسی مزاج کے ہوتے ہیں۔ یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ وہ اتنے وجیہہ و خوبرو ہیں۔ ان کے مزاج سے قطع نظر میں نے سراپا کی بات کی تھی۔" نرمل کا لہجہ سخاویہ کو سخت ناگوار گزرا تھا۔ شمشیر کے مزاج و عادات کے برعکس وہ اسے چاہتی تھی۔ سگی و حقیقی جاں نثار بہن کی طرح اس سے محبت کرتی تھی' اس کا غصہ' اس کی ڈانٹ پھٹکار اسے کبھی بری نہیں لگتی تھی۔

"تم پرامت مانو سخاویہ! تم بہن ہو۔ اس لیے اس کی سرگرمیاں تمہاری نگاہوں سے اوجھل رہتی ہیں۔ تمہاری ہی نہیں بلکہ سب کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ یا جانے بوجھتے کوئی اسے سرزنش نہیں کرتا' لیکن چشم پوشی و طرف داری کا غیر متوازن ہونا سب کچھ غرق کر ڈالتا ہے۔"

❁ ❁ ❁

"ورشا! کیسا محسوس کر رہی ہو؟" سنگل اس کے قریب بیٹھتے ہوئے خوش گوار لہجے میں دریافت کرنے لگی۔

"بالکل درست۔" اس نے تکیوں کے سہارے نیم دراز مسکرا کر جواب دیا۔

"تھینکس گاڈ! ورنہ میں تو ڈر رہی تھی کہ کہیں تمہاری یادداشت ہی نہ ڈراپ ہو جائے۔"

"ایسے معمولی سے حادثات میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ اور مجھے تو کم از کم بڑے سے بڑے حادثے میں بھی ایسا کچھ نہیں ہو سکتا۔ خاصی سخت جان ہوں جسے تم ڈھیٹ پن سے بھی تشبیہہ دے سکتی ہو۔"

"ہونہہ! سخت جان ہوں..... تبھی بے ہوش ہو گئی تھیں۔" فارحہ اندر داخل ہوتی ہوئی اس کی نقل اتار کر گویا ہوئی۔

"اگر صارم بھائی اور ان کے دوست اتفاقاً وہاں نہ مل جاتے تو نہ معلوم کیا ہوتا؟ ممی پپا تو اس قدر پریشان ہو گئے تھے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔" فارحہ اس کے دوسری طرف آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"وہ..... وہاں کس طرح پہنچ گئے؟" اس کی فراخ پیشانی پر ناگواری و ناپسندیدگی کے کئی رنگ شکنوں کے انداز میں ابھر آئے تھے۔ ان دونوں کی زبانی تمام سرگزشت سن کر پیشانی کی شکنوں میں نمایاں اضافہ ہوا تھا۔ غصے سے اس نے آنکھیں سختی سے بند کر لی تھیں۔

"کیا ہوا؟ تمہیں غصہ آ رہا ہے؟" وہ دونوں از حد حیرانگی سے چیخ اٹھی تھیں۔

"اس سے مدد لینے سے بہتر تھا مجھے وہیں مر جانے دیتے تم لوگ۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے؟ انہوں نے مدد کی ہے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔"

"وہ فراڈیا' مکار' دھوکے باز شخص جس کے نام سے بھی نفرت کرتی ہوں میں۔ تم نے کیوں

اسے مجھے ہاتھ لگانے دیا۔ کراہت آ رہی ہے مجھے اپنے وجود سے۔" ان کی زبانی سن کر وہ آگ بگولہ ہو گئی کہ صارم نے اسے بازوؤں میں اٹھا کر کار میں ڈالا تھا۔ پھر کلینک اور کلینک سے گھر تک وہ اس کے بازوؤں کے ذریعے منتقل ہوئی تھی۔ اس احساس نے گویا اس کے انگ انگ میں شرارے دوڑا دیے تھے۔ وہ نقاہت اور زخموں کی پروا کیے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"یہ..... یہ کیا کر رہی ہو؟ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تمہارے سر میں زخموں پر ٹانکے لگے ہوئے ہیں۔ وہ کھل جائیں گے۔" اسے جنونی انداز میں ادھر ادھر سر مارتے دیکھ کر دونوں کی طرف سے چیخیں نکل گئی تھیں۔ وہ دونوں کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

"تم نے اس کی حسرت پوری کروا دی' وہ یہی چاہتا تھا۔ اس آوارہ' عیاش شخص کے منصوبے یہی ہیں۔ وہ ویسے اپنے منصوبے میں ناکام رہا تھا' تم نے اس طرح اس کی مراد پوری کروا دی۔"

"ہوش کرو ورشا! تم نہ معلوم کیا سمجھ رہی ہو۔ تم غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہو۔ خون تیزی سے تمہارے سر سے بہہ رہا تھا۔ ہمیں تمہاری زندگی کی فکر تھی۔ اگر اس وقت ہمیں اپنی زندگیاں بھی تم پر نچھاور کرنی پڑتیں تو ہم دریغ نہ کرتے۔ کیوں کہ تم ہماری مہمان ہو۔ امانت ہو ہمارے پاس' تمہاری زندگی' ہماری زندگیوں سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے ہمارے لیے۔" سنگل روہانسی ہو گئی تھی۔

"صارم بھائی' بظاہر اچھی شہرت کے مالک نہیں ہیں۔ مگر کسی انسان کی اصل فطرت' اس کی اچھی بری نیک و بد طبیعت سے ہم اسی وقت واقف ہو سکتے ہیں جب اسے کسی جذباتی و پریشان کن مرحلے پر پرکھ نہ لیں۔ اور کل جس قیامت کے منظر سے ہم گزرے تھے۔ اس منظر میں ہمیں صارم بھائی کی خوش اخلاق' نیک فطرت و ہمدرد و غم خوار طبیعت کی پہچان ہو گئی ہے۔ بظاہر وہ ایسے بھی ہیں۔ مگر ان کا باطن بہت روشن' مضبوط' با ایمان ہے۔ اور کل جس قدر پریشان و فکر مند وہ تھے۔ ہم نے کبھی انہیں پہلے اس طرح نہیں دیکھا۔ اور ساتھ ساتھ ہمیں بھی تسلیاں دے رہے تھے۔" فارحہ نے اس کے دل پر بھائی بدگمانی و نفرت کی گرد جھاڑنے کی بھرپور کوشش کی۔

"ہونہہ..... ایکٹنگ کرنے میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ جانتی نہیں ہو۔ وہ کس طرح ایکٹنگ کرتا ہے۔ کاش..... اس کے چھونے سے قبل میں مر جاتی۔" وہ زار و قطار رونے لگی۔

"ہاں۔ تم مر جاتیں..... اور تمہارا وہ جلاد صفت بھائی آ کر ہمیں بھی ٹھائیں..... ٹھائیں گولیاں مار کر موت کی نیند سلا دیتا۔ یہی چاہتی تھیں تم؟" فارحہ رنج سے گویا ہوئی۔

"زندہ دفن تو وہ ابھی بھی کر سکتے ہیں۔ انہیں معلوم ہو جائے تو....."

"پلیز ورشا! جو کچھ بھی ہوا۔ نادانستگی میں ہوا۔ تمہاری زندگی بچانے کی تگ و دو میں ہوا۔ تمہاری انا کو ٹھیس پہنچی' یا تمہارا وقار مجروح ہوا ہے۔ اس کے لیے میں سب کی طرف سے تم سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

معافی مانگتی ہوں۔ پلیز معاف کردو۔ اور بیڈ پر لیٹ جاؤ۔ ممی پپا آتے ہوں گے۔ انہیں کچھ معلوم نہ ہو۔ ورنہ انہیں بہت افسوس ہوگا۔" فارحہ آہستگی سے رنجیدہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"اب تم مجھے یہ باور کروانے کی کوشش کر رہی ہو کہ میں خود غرض و انا پرست ہوں۔ ایسا نہیں ہے۔ اپنوں کی بے لوث چاہتوں و محبتوں کے آگے انا و غرض کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ افسوس مجھے اس بات کا ہے کہ ایک مرتبہ اس نے لائبریری روم میں اپنے دوستوں سے شرط لگائی تھی کہ وہ مجھے کسی نہ کسی طریقے سے پھنسائے گا۔ شرط لگاتے وقت وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ سیکنڈ روم میں میں بھی بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی۔ اپنی بصورا صفت طبیعت کے باعث وہ مجھے کبھی نہیں بھایا تھا۔ اور پھر میں نے اس راہ سے گزرنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا جس پر وہ موجود ہوتا تھا۔ لیکن میری تمام احتیاطیں خاک آلود ہو گئیں۔"

❁ ❁ ❁

"شکر کرو میری جان! سبریز نے ہمیں حقائق سے آگاہ کر دیا ہے۔ ورنہ ہم نے تو پلان بنا لیا تھا تمہیں بغیر انفارم کیے وہاں سے آنے کا۔" آفتاب، صارم خان سے مخاطب ہوا تھا۔

"سوری یار! اس دن موبائل سیٹ بھول گیا تھا۔ ورنہ تم لوگوں کو اتنا پریشان نہ ہونا پڑتا۔"

پرسوں ورشا کو اسپتال لے جانے کی تگ و دو میں وہ ان لوگوں کو اطلاع دینا بھول گیا تھا۔ وہ لوگ اسے اور سبریز کو ڈھونڈ کر نہ ملنے پر پریشان گھر پہنچے تھے۔ جہاں سبریز کی زبانی انہیں سب کچھ معلوم ہوا۔ صارم خان گھر میں نہ تھا۔ دو دن بعد آج ملا تھا۔

"ویسے بائی دا وے ڈیئر فرینڈ صارم خان! تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"کیا.....؟" صارم نے سینڈوچ پلیٹ سے اٹھاتے ہوئے مامون کو حیرانگی سے دیکھا۔

"کہ محترمہ ورشا خان! آفریدی پہاڑ سے سلپ ہونے والی ہیں جو تم وہاں پہنچ گئے۔"

"سمجھا کرو موٹی عقل کے بندے! دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔" سبریز دانش مند لہجے میں بولا۔ عرصے بعد وہ ان کے ہاتھ لگا تھا۔ سب اسے گھیرے بیٹھے تھے۔ فدا حسین گرم سینڈوچ پکن سے لا کر انہیں سرو کر رہا تھا۔ چائے اور سینڈوچ کے ساتھ وہ باتوں سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ، آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی ان کی۔ سبریز خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

"دیکھو فضول بکواس مت کرو سب اتفاقاً ہوا تھا۔ ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی۔"

"ہاں ہے ساتھ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ تمہارے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

"او اپنی چونچ بند کرو یار! کوئی بات وات ہوئی کہ نہیں؟ اب تو لائن کلیئر ہو گئی۔ وہ تو تیری

احسان مند ہو گئی ہوگی۔ کوئی موقع دیکھ کر حال دل کہہ دینا۔" باسط نے مامون کو چھیڑتے ہوئے صارم سے کہا۔

"وہ تو خفا لگتی ہیں کل مزاج پرسی کو گئے تھے موصوف۔ مگر وہ تو پردے میں تھی۔ ملی ہی نہیں۔" سبریز خان مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔ صارم خاموش بیٹھا چائے کے سپ لے رہا تھا۔

"تو تمہیں یوں کہنا تھا کہ.....

یہ پردہ ہٹا دو ذرا مکھڑا دکھا دو
ہم پیار کرنے والے ہیں کوئی غیر نہیں

آفتاب نے میز بجا کر خوب لہک لہک کر گایا۔ کمرا بلند قہقہوں سے گونج اٹھا۔

"وہ لو پردہ گرل ہیں..... نہ پردہ ہٹائیں گی نہ احسان مانیں گی۔" باسط گویا ہوا۔

"اب دوبارہ جاؤ تو کچھ اس طرح سے حال دل سنانا کہ.....

مان میرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار
میں نے تجھ سے کیا ہے پیار

مامون کی گنگناہٹ پر قہقہے بکھر گئے تھے۔ صارم بھی زیادہ دیر سنجیدہ نہ رہ سکا تھا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے "یہاں" صارم کی دال گلنے والی نہیں ہے۔ اسے صبر سے بیٹھ جانا چاہئے۔" سبریز نے خاصی سنجیدگی سے رائے دی تھی۔

"ہم نے پہلے بھی اسے وارننگ دی تھی، چلو میری جان! اپنے دل کو کچھ اس طرح تسلی دے لو۔

اے دل میرے سنبھل جا
اے دل میرے سنبھل جا
نہ ہو بے قرار ہمت نہ ہار
کیا تو نے پیار ہمت نہ ہار
اے دل میرے سنبھل جا"

باسط ہاتھ لہرا لہرا کر گا رہا تھا۔ سب خوب ہنس رہے تھے۔ صارم کے ہونٹوں پر بھی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ وہ دوستوں کی دل آزاری کے خیال سے مجبوراً آ بیٹھا تھا۔ مگر خدا سے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ خصوصاً ورشا کا یوں موضوع گفتگو بننا اسے ناگوار لگ رہا تھا۔ ایسا پہلی بار ہو رہا تھا۔ اس سے قبل اس کی زندگی میں جتنی لڑکیاں آئی تھیں۔ ان سے ملاقات میں گزرنے والے وقت کے لمحے لمحے کی بات وہ ان کو بتاتا تھا۔ ان کے ساتھ مل کر انہیں بیوقوف بنانے پر قہقہے لگاتا

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا۔ ان لڑکیوں کے خلاف ان کے کوئی ریمارکس اسے کبھی برے نہیں لگے۔ مگر آج ورشا کا نام بھی ان کی زبان سے نکلتا ہوا اسے اشتعال دلا رہا تھا۔ حالاں کہ وہ اس کا ذکر بہت احترام سے کر رہے تھے۔ مگر وہ خود پر قابو پانے میں مشکل محسوس کر رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

صمد خان مودبانہ انداز میں ہاتھ باندھے' سر کو قدرے خم کیے شہباز خان کے سامنے کھڑا تھا۔ ان کے بلانے پر وہ وہاں حاضر ہوا تھا کیوں کہ وہ شمشیر خان کا ڈرائیور تھا۔ شمشیر خان کے ذاتی ملازم اس کے مخصوص ڈیرے "اوطاق" پر رہتے تھے۔ انہیں بلا اجازت حویلی آنے کی اجازت نہ تھی۔ گزشتہ دو دن سے شمشیر خان گھر نہیں آیا تھا۔ گھر والوں کو مطلع کر کے جانا اس کی سرشت میں شامل ہرگز نہ تھا۔ وہ اپنی مرضی پر صرف اپنی اجارہ داری رکھتا تھا۔

"صمد خان!" انہوں نے مسہری پر نیم دراز ہو کر اسے پکارا۔

"حکم خان!" وہ کچھ آگے بڑھ کر مودب انداز میں گویا ہوا۔

"شمشیر خان کہاں ہے؟"

"خان! یہ نہ معلوم کریں۔" اس کا انداز سودب' لہجہ سپاٹ تھا۔

"میرے سامنے نہیں کا مطلب جانتا ہے؟ کھال میں بھس بھروا کر چوک پر لٹکوا دوں گا۔"

"غلام حاضر ہے خان! کھال میں بھس بھروائیں یا ہڈیوں کی مالا بنا کر گلے میں لٹکوائیں۔ غلام اف نہیں کرے گا مگر خان کے متعلق زبان نہیں کھول سکتا۔" صمد خان کا لہجہ مضبوط تھا۔

"صمد خان! کہنے اور سہنے میں آسمان و زمین کا فرق ہوتا ہے۔"

"ہم چھوٹے خان کا وفادار ہے بڑے خان! اس کی خاطر سب کچھ سہے گا' مگر زبان نہیں کھولے گا۔ یہ ہمارا خان سے قول ہے۔ اور صمد خان جان دے سکتا ہے مگر قول نہیں توڑ سکتا خان۔"

"جاؤ۔" انہوں نے رسمیت سے اسے جانے کی اجازت دی تھی' وہ سلام کر کے چلا گیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں آسودگی کے رنگ جھلملانے لگے۔ چہرے پر طمانیت و تقویت کی روشنی سی پھیل گئی تھی۔ بیٹے کے ملازم وفادار و بہادر تھے۔ انہیں اطمینان ہو گیا تھا کہ شمشیر خان کا راز کبھی افشا نہیں ہو سکتا۔ صمد خان کو انہوں نے محض آزمایا تھا۔ وگرنہ شمشیر خان کہاں ہے اس کے ٹھکانے سے وہ واقف تھے۔ شہر میں کسی ہوٹل میں رقاصاؤں کی پارٹی آئی ہوئی تھی۔ وہ دو دن سے وہیں تھا۔

"خان! میں آرام میں مخل تو نہیں ہوئی؟" بھاری پردہ ہٹا کر گل خانم اندر داخل ہوئیں۔

"نہیں۔ آؤ بیٹھو گل۔" وہ بہت خوش دلی سے مخاطب ہوئے تھے۔

"میں بیٹھنے نہیں آئی خان۔" وہ سپاٹ و خشک انداز میں گویا ہوئیں۔

"گھبراؤ نہیں گل' جاناں کل تک کے لیے اپنے گاؤں گئی ہوئی ہے۔ تم اطمینان سے بیٹھ سکتی ہو۔" اپنی دانست میں انہوں نے ان کے تکلف و اجتناب کا حل پیش کیا تھا۔ مگر ان کی اس پیش کش نے انہیں اذیت سے دوچار کر دیا تھا۔ اپنی کم مائیگی اور اس کی برتری محسوس کر کے' اس کی غیر موجودگی نے شہباز خان کو ان کی ذات کا احساس ہوا تھا۔ اس کی موجودگی میں وہ اوجھل رہتی تھیں۔

"اس کی موجودگی و غیر موجودگی میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی..... میں یہ پوچھنے آئی ہوں۔ شمشیر خان کہاں ہیں؟" کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوئیں۔

"کیوں؟ کوئی کام ہے کیا؟" ان کے لہجے میں کچھ تاثر ایسا تھا جو انہیں چونکا گیا تھا۔ مگر اپنی تہہ در تہہ طبیعت و سخت مزاجی کے باعث لہجے کو مطمئن و عام رکھا تھا۔

"ہاں..... یہ بچیا میں کہ کس کا تعویذ ہے۔" انہوں نے مٹھی میں بند کالی ڈوری میں آویزاں پرکور سونے کا چھوٹا سا تعویذ ان کی پھیلی ہوئی کشادہ شفاف ہتھیلی پر رکھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"یہ..... یہ تعویذ تو شمشیر خان کا ہے جو پیر سائیں سے بنوا کر اس کے گلے میں ڈالا تھا۔ بچپن میں اکثر اس کے سرخ و سپید رنگ کے باعث نظر لگ جاتی تھی۔ جس سے وہ بے حد روتا تھا' بے نشان کرتا تھا۔ تم خود ہی پیر سائیں سے تعویذ بنوا کر لائی تھیں۔ اور اپنے ہاتھ سے اس کے گلے میں ڈالا تھا۔ پیر سائیں نے تاکید کی تھی' تعویذ کبھی اس کے گلے سے نہیں اتارنا۔ بچپن سے آج تک وہی تعویذ اس کے گلے میں موجود رہتا ہے۔ پھر کس طرح یہ تعویذ اس کے گلے سے گر گیا؟ تمہیں کہاں سے ملا.....؟" انہوں نے ہاتھ میں رکھے تعویذ کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ تعویذ درست تھا صرف اس کی ڈوری کا ذرا سا حصہ اس میں موجود تھا۔ "گل! کہاں سے ملا یہ.....؟" وہ انہیں خاموش' گم صم کھڑا دیکھ کر دوبارہ بولے۔

"کیا آپ کو یقین ہے خان! جہاں یہ تعویذ ہوگا' وہاں شمشیر خان کی موجودگی لازمی ہوگی؟" وہ انہیں کا رنگ بدلتا چہرہ دیکھتے ہوئے استفسار کرنے لگیں۔

"یہ کیسے بچگانہ سوال ہیں؟ ظاہر ہے جہاں یہ ہوگا وہاں شمشیر خان کی موجودگی لازمی ہے۔ کیوں کہ یہ اس کے گلے میں موجود ہوتا ہے۔"

"آپ کو معلوم ہے نا خان' وہ دن پہلے روزی خان کی بیٹی مری تھی؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ہاں.... ہاں ہمیں معلوم ہے۔ بلکہ ہمارے ملازموں نے ہی اس لڑکی کی لاش کھائی سے نکالی تھی۔ وہ اس میں گر کر ہلاک ہو گئی تھی۔ یہ اس لڑکی کی خوش قسمتی تھی یا اس کے ماں باپ کی جو وہ گہری کھائی میں گری تھی ورنہ یہاں تو ایسی ایسی کھائیاں ہیں جو بیک وقت کئی انسانوں کو گاڑیوں سمیت نگل لیتی ہیں اور نام و نشان نہیں چھوڑتیں۔ اس لڑکی کو تو قبر تو نصیب ہو گئی ورنہ تا حیات وہ دونوں بیٹی کو تلاش کرتے رہتے۔"

"میں آپ کو یہی بتانے آئی ہوں۔ روزی خان کی بیٹی مری نہیں بلکہ اسے مار کر کھائی میں پھینکا گیا تھا۔" گل خانم کا لہجہ دھیما تھا۔ جبکہ شہباز خان اس طرح چونکے تھے گویا بم بلاسٹ ہوا ہو۔

"یہ کس طرح ممکن ہے؟ دماغ درست ہے تمہارا....؟"

"اسے جسمانی اذیتیں دینے کے بعد گلا دبا کر مارا گیا ہے۔"

"بکواس.... جھوٹ ہے یہ.... وہ کھائی میں گر کر مری ہے۔ اسے کون قتل کر سکتا ہے؟ عورت سے کسی مرد کی دشمنی نہیں ہوتی اس طرح۔ تم پاگل ہو گئی ہو۔"

خلاف عادت وہ بری طرح اشتعال میں آ گئے تھے۔ ان کی نگاہیں گل خانم کو بری طرح گھور رہی تھیں۔

"نہ میں جھوٹ بول رہی ہوں نہ ہی بکواس کر رہی ہوں۔ سچ بول رہی ہوں۔"

"کس بنیاد پر بول رہی ہو؟ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

"اسے قتل میں نے دیا تھا۔" وہ آہستگی سے بولیں۔ "اور....."

"تمہیں میں نے کتنی بار منع کیا ہے کہ ایسے کیسوں والے کام نہیں کیا کرو۔ لیکن تمہاری سمجھ میں نہیں آتا۔ اپنے ساتھ میری عزت بھی خاک میں ملاتی ہو۔ بند کر دوں گا میں تمہارا گھر سے نکلنا۔"

جس راز کو چھپانے کے لیے انہوں نے پروگرام بنایا تھا وہ اسی طرح کھل رہا تھا۔ غصے و صدمے سے وہ بھول گئے تھے اپنا منصب' اپنا وقار' جاہل عام مردوں کی طرح چیخنے چلانے لگے تھے۔

"میری اس عادت نے آپ کی سرداری کی' آپ کے خاندان کی' آپ کے بیٹے کی لاج رکھ لی ہے۔ یہ تعویذ گل فشاں کی بند مٹھی سے نکلا ہے۔"

"جھوٹ ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟ نہیں جھوٹ بول رہی ہو تم۔" وہ گویا انگاروں پر دوڑنے لگے۔

"خان! ہمیں یہاں بحث کرنے نہیں آئی۔ شمشیر خان کو بلائیں۔ اس سے معلوم کریں۔ اصل حقیقت کیا ہے۔ وہ لڑکی صرف روزی خان کی ہی نہیں پوری وادی کی بیٹی تھی۔"

"شمشیر خان زمینوں کے کام سے دوسرے شہر گیا ہوا ہے۔ وہ آئے گا جب بات ہو گی۔ تب تک تم اپنی زبان بند رکھو گی۔ یہ بات صرف ہم دونوں تک محدود ہے۔ اگر.... کسی تیسرے کو معلوم ہوئی تو... سوچ لینا گل! وہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہو گا۔"

❀ ❀ ❀

"بیگم صاحبہ! مہمان آئے ہیں۔ انہیں میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔" رخشندہ بیگم ورشا کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ملازمہ نے آ کر اطلاع دی۔

"اچھا۔ تم جا کر چائے کی تیاری کرو۔ ساتھ کچھ اسنیکس بھی بنا لینا۔ سنبل آپ جا کر اس کی کچن میں ہیلپ کریں۔ میں مہمانوں کے پاس بیٹھتی ہوں۔ ورشا! آپ بھی آ جاؤ کمرے میں رہتے رہتے بور ہو گئی ہوں گی۔" انہوں نے ہاتھ پکڑ کر اس سے محبت سے کہا۔

"چلیں آنٹی!" وہ سفید و سیاہ شیشوں کی کڑھائی والے ٹائی اینڈ ڈائی سوٹ میں نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ سر کے زخم ٹھیک ہو گئے تھے۔ حالت اس کی اب بہتر تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟ جانتی ہو ممی کے مہمان کون ہیں؟" فارحہ سنجیدگی سے بولی۔

"کوئی غیر نہیں ہیں۔ ورشا بیٹا! آپ جانتی تو ہوں گی صارم خان کو...؟ وہ تو آپ کے محسن ہیں۔ میں تو بار بار اللہ کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی کہ اس نے انہیں رحمت کا فرشتہ بنا کر بھیجا تھا۔ ورنہ..... اس سے آگے کا تصور بھی محال ہے۔" رخشندہ بیگم اس کا ہاتھ پکڑ کر بڑی محبت و اپنائیت سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ شش و پنج میں مبتلا تھی۔ کس طرح آنٹی سے ہاتھ چھڑا کر وہاں نہ جانے کا بہانہ کرے۔ کیوں کہ یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آنٹی کا مہمان وہ شخص ہو گا جس کی پرچھائیں سے بھی وہ متنفر تھی۔ پچھلے ہفتے وہ ان کی غیر موجودگی میں آیا تھا۔ فارحہ نے کتنا اصرار کیا کہ وہ اس سے ملاقات کرے۔ وہ اس کی عیادت کی خاطر آیا ہے مگر اس نے نہ کی ان سنی کر دی تھی۔ فارحہ نے غصے میں جا کر اسے سچ سچ بتا دیا تھا کہ وہ اس سے ملنا نہیں چاہتی۔ آج پھر وہ وارد ہوا تھا۔ کتنا بے حمیت و ڈھیٹ شخص تھا۔ آنٹی کی محبت کے آگے وہ کوئی مزاحمت نہ کر سکی۔ ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

"السلام علیکم۔" انہیں دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا' تہذیب و شائستگی سے سلام کیا تھا۔ رخشندہ بیگم نے سلام کا جواب بہت تپاک سے دیا۔

"کیسے ہیں بیٹا آپ؟" وہ صوفے پر براجمان ہوتی ہوئی اس سے مخاطب ہوئیں۔

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"دعائیں ہیں آنٹی آپ کی۔ یہاں سے گزر رہا تھا سوچا آپ سے ملتا ہوا جاؤں۔"

"کیوں نہیں آپ کا اپنا گھر ہے۔ ہر وقت اس گھر کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہیں۔"

"شکریہ آنٹی! آپ کیسی ہیں مس ورشا؟" اس کی پرشوق نگاہوں نے فوراً ہی مگر احتیاط سے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

"اللہ کے بعد آپ کی مہربانی سے بیٹا ورشا کی اللہ نے جان بچائی ہے۔ آپ کے انکل بھی آپ کو یاد کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اس دن آپ مدد نہ کرتے تو نہ معلوم کیا ہوتا؟" ورشا کے بجائے رخشندہ بیگم بولنے لگی تھیں۔ ان کی یہ حرکت بے اختیاری تھی۔ مگر ورشا کو اس دم ان کا بولنا بہت بھایا۔ اس کی نگاہوں کی تپش وہ نگاہیں جھکانے کے باوجود محسوس کر رہی تھی۔ اور اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ آنٹی اس کی کیفیت سے بے خبر باتوں میں مشغول تھیں۔

"فارغہ چائے لے کر نہیں آئی ابھی تک؟ میں دیکھ کر آتی ہوں۔" رخشندہ بیگم رسٹ واچ دیکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں دیکھتی ہوں آنٹی!" وہ سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ہوا کی طرح کمرے سے نکلی تھی۔

"بہت پیاری بچی ہے۔" وہ مسکرا کر بیٹھ گئی تھیں۔ صارم خان کی نگاہوں سے شوخ و چلبلاتے رنگ یکلخت غائب ہو گئے تھے۔ اس نے پہلی بار ورشا کے توہین آمیز رویے سے اپنی ہتک محسوس کی تھی۔ اس کی خاطر وہ اپنا وقار دو مرتبہ بھول بیٹھا تھا۔ خلاف سرشت اس کی خوب صورتی کے سحر میں گم ہو کر انا و خودداری بھول چکا تھا۔ اس ساعت اس کی مردانگی دھمیت پر زبردست تازیانہ لگا تھا۔ اس کا دل چاہا اس مغرور و بے احساس لڑکی کے وجود پر چھائی تفاخر و تنفر کی گرد کو لمحے بھر میں جھاڑ کر رکھ دے۔ اس کے اندر لاوا سا کھولنے لگا تھا۔

❁ ❁ ❁

بابو جی دھیرے چلنا پیار (پیار) میں ذرا سنبھلنا
بڑے دھوکے ہیں بڑے دھوکے ہیں اس راہ میں

صارم! نے خشمگیں نگاہوں سے عین عادت گنگناتے ہوئے فدا حسین کو دیکھا جو فرنیچر کی ڈسٹنگ کرتے ہوئے مگن تھا۔

یہ محبت ہے او بولے بالے کرنا دل کو گموں (غموں) کے حوالے
نام الفت کا نازک بہت ہے آ کر ہونٹوں پر تو تیں گے پیالے
بڑے دھوکے ہیں اس راہ میں...

"شٹ اپ فدا حسین! کبھی خاموشی سے بھی کام کر لیا کرو۔" پہلی بار صارم کو اس پر غصہ آیا تھا۔ اس نے تختی سے اسے سرزنش کی تھی۔

"تیا ہوا صاب! تیا گانا پسند نہیں آیا؟" فدا حسین نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

"کبھی حمد یا نعت بھی پڑھ لیا کرو۔ ہر وقت شیطان بنے رہتے ہو۔" خلاف معمول آج صارم کے مزاج کی گرمی عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ فدا حسین نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ اس کے بگڑے ہوئے تیور کھنچے ہوئے ابرو دیکھ کر وہ خاموشی سے وہاں سے کھسک گیا۔

"کسی کا غصہ بے چارے فدا حسین پر کیوں نکال رہے تھے؟" تولیے سے بال رگڑتا ہوا سبریز باتھ روم سے برآمد ہوا تھا اور خاصی معنی خیزی سے اس سے مخاطب ہوا۔

"یہ "کسی" سے کیا مراد ہے تمہاری....؟ کتنی مرتبہ کہا ہے مجھ سے واضح بات کیا کرو۔"

"وہی جس کی بے رخی و بے اعتنائی نے تم جیسے خوش مزاج بندے کو سخت مزاج بنا دیا ہے۔"

"سبریز! میں کسی کا نام سننا پسند نہیں کروں گا۔ بہتر ہے خاموش رہو۔"

جو چپ رہے گی زبان خنجر
لہو پکارے گا آستیں کا

سبریز نے شرارتاً شعر پڑھا۔

"میں نے کسی کا خون نہیں کیا۔ تم بھی پہلے اپنی آستین تلاش کرو۔" جواباً صارم نے اس پر لطیف سا طنز کیا تھا۔

"ویری نائس! اچھا جوک ہے۔" سبریز بے ساختہ قہقہہ لگا بیٹھا تھا۔

"کل بھی دیدار یار میں ناکام لوٹے ہو؟ جو چہرے پر حزن و ملال کے رنگ جم کر رہ گئے ہیں۔"

"پلیز سبریز! میں بہت ڈسٹرب ہوں۔" وہ اس کی بات قطع کر کے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"کیوں....؟ میں بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم شاپنگ کرنے نہیں چلو گے....؟" صارم نے موضوع تبدیل کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"ابھی نہیں۔ کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔" سبریز نے اسے موضوع بدلتے دیکھ کر بے زارگی بھرے انداز میں کہا۔

"یار.... ناراض ہو گئے؟" صارم نے مسکراتے ہوئے جھک کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

"ناراضگی....؟ ہونہہ.... تمہیں کیا پروا....؟"

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"مجھے بھی تو پروا ہے ساری۔" اس نے سبریز کے گلے میں بازو حمائل کر کے محبت سے کہا۔

"ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا کہ... تم نے مجھ سے اپنی کوئی پرابلم شیئر نہ کی ہو۔ پھر اب کیا ہوا ...؟ کل شام سے الجھے الجھے سے پریشان لگ رہے ہو۔ پوچھنے کے باوجود نہیں بتا رہے کہ ...مسئلہ کیا ہے آخر...؟" سبریز اس کے قریب بیٹھ کر گویا ہوا۔

"کیا بتاؤں برادر! میں خود ابھی تک سمجھ نہیں سکا ہوں۔ بلکہ لگ رہا ہے پہلے میں اپنے آپ سے بھی ناواقف تھا۔"

"اب واقف ہو گئے ہو...؟"

"نہیں۔ پرابلم تو یہی ہے۔"

"سنو! میری جان' تم جس راہ پر گامزن ہو ایسے مسافروں کو کبھی منزل نہیں ملتی۔ محبت کوئی بازار میں بکنے والی چیز نہیں ہے۔ اور نہ کوئی ایسی شے ہے جو زبردستی چھین لی جائے۔ یہ تو وہ چشمہ ہے جو دل کی زمین سے پھوٹتا ہے۔ فجر جذبوں و خشک احساسات کو سیراب کر ڈالتا ہے۔ یکطرفہ محبت ہمیشہ لاحاصل ہوتی ہے۔ کیوں خود کو روگ لگانا چاہتے ہو۔ میری مانو' جتنا بھی سفر طے کر چکے ہو۔ لاحاصل منزل کی سمت جانے کا' واپس لوٹ آؤ۔ تمہارے آگے پوری کائنات پڑی ہے۔ اسے تسخیر کرو' ابھی سے کہاں تھک کر بیٹھ رہے ہو۔ راستے میں ایسے "پتھر" نہ معلوم ابھی کتنے آئیں گے' تمہیں مسلسل سفر کرنا ہے۔" سبریز خان کل سے اس کی پژمردگی و مرجھائی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ اور سمجھ گیا تھا درشا کو دیکھنے گیا ہوگا۔ اس نے حسب عادت ملنے سے انکار کر دیا ہوگا۔ واپسی میں اس کی یہی کیفیت ہوتی تھی۔

"حسن کہیں بھی' کسی بھی روپ میں ہو۔ میں اس کا شیدائی ہوں۔ خوب صورتی مجھے اس طرح اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جیسے لوہے کو مقناطیس۔ اس کے سحر طراز حسن اور اچھے حسن بے مثال سے بے پروائی و بے اعتنائی کی ادائیں مجھے بے قرار کر گئی تھیں۔ مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ سچائی اس دور میں کسی کو راس نہیں آتی۔ جن سے میں جھوٹ بولتا تھا' جھوٹی محبت' مصنوعی عشق کے پیمان باندھا کرتا تھا۔ وہ حقیقت سمجھتے تھے۔ اور اب سچ بول رہا ہوں تو پذیرائی کی بجائے بے عزتی' تذلیل مل رہی ہے۔"

"یہ دستور دنیا ہے۔ جسے ہم چاہتے ہیں وہ ہمیں نہیں ملتا۔ جسے ہم کھونا چاہتے ہیں وہ قدم قدم پر ہماری راہ میں حائل ہوتے ہیں۔"

"نہیں سبریز! اگر مجھ جیسا بندہ کچھ حاصل کرنا چاہے۔ کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔ مگر یہاں بات جذبوں کی صداقت اور دل کی بغاوت کی ہے۔ جو مجھے کمزور بنا گئی ہے۔ جس کے باعث میں

اپنی فطرت کے برعکس چل رہا ہوں۔ لیکن یار...! کل درشا کی ایک نظر نے مجھے میری نگاہوں میں گرا دیا ہے۔ اس نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ مگر اس کی ایک نظر میں کیا کچھ نہ تھا۔ حقارت' نفرت' تذلیل و تحقیر کے چیختے چلاتے ایسے رنگ تھے کہ میں لمحے بھر میں زخم زخم ہو گیا۔"

"صارم خان! اپنے وقار' مردانگی و انا کو کیوں مجروح کرتے ہو؟ اس لڑکی پر دنیا ختم نہیں ہو گی۔ حسن جگہ جگہ بکھرا پڑا ہے۔ سمیٹ سمیٹ کر تھک جاؤ گے۔ مت برباد کرو خود کو..." سبریز خان مشفقانہ انداز میں اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ صارم کی رگ رگ سے واقف تھا۔ وہ ضدی و جنونی شخص تھا۔ اس کی فطرت کے یہ نمایاں پہلو اس کے ہر عمل میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ اس نے اس کی درشا کو چاہنے کی جذباتیت میں صداقت دیکھی تھی۔ اگر وہ اسے نہ ملی تو وہ اس کی چاہ میں ہوگ بھی لے سکتا تھا۔ کیوں کہ اس کی طبیعت میں ہی انتہا پسندی و خود کو منوانے کی زبردست آوری شامل تھی۔

"ہا... ہا... ہا... تم! کیا سمجھتے ہو؟ وہ مجھے نہ ملی' میں کوئی بنجارہ بن جاؤں گا یا صحراؤں میں لیلیٰ... اور سوہنی' درشا... درشا پکارتا پھروں گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔ وہ اگر بے اعتنائی' بے گانگی و بے رخی میں حد سے گزر سکتی ہے تو میں بھی ہٹ دھرمی' ضد و انا پرستی کے جذبے کو بلند ہی رکھوں گا۔" وہ اپنے سابقہ شناسا بشاش موڈ میں آ گیا تھا۔

"پیچھا پھر بھی نہیں چھوڑو گے...؟" سبریز منہ بنا کر بولا۔

"مجھے اس کو حاصل کرنا ہے۔ یہ میری ضد ہے اب... چاہے مجھے اس کے لیے کچھ بھی قربان کرنا پڑے۔" وہ پرعزم لہجے میں بولا۔ اس کی نیلی آنکھوں میں کچھ سرخی چھا گئی تھی۔ سبریز نے طویل سانس لیا تھا۔ اس کی طبیعت سے اسے ہمیشہ اختلاف رہتا تھا۔

❁ ❁ ❁

شہباز خان بے قراری سے اپنے خاص کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ ان کے چہرے پر گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ بے اختیاری انداز میں ان کی نگاہیں دروازے کی سمت اٹھ رہی تھیں۔ باہر سے مضبوط لکڑی کا منقش و بھاری دروازہ ہنوز بند تھا۔ اور ان کی برہمی میں مسلسل اضافہ کر رہا تھا۔

جب سے گل تاج انہیں شمشیر خان کا تعویذ دے کر گئی تھیں۔ اور ساتھ ہی بتا کر گئی تھیں کہ انہیں یقین ہے' روزی خان کی بیٹی گل فشاں ہلاک نہیں ہوئی۔ اسے گاڑ دیا کر مارنے کے بعد کھائی میں پھینکا گیا ہے۔ اور اس کی مٹھی سے ملنے والا شمشیر خان کا تعویذ ثبوت پیش کرتا ہے۔ شمشیر اس قوم میں شامل ہے۔ ان کی بات حقیقت تھی۔ شمشیر کی فطرت سے واقف ہونے کی وجہ سے انہوں نے بے جانے ہوئے بھی بالکل درست سچائی بیان کی تھی۔ جو وہ کس طرح مان سکتے تھے۔ اپنے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بیٹے پر انگشت نمائی وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ گل خانم کو ڈرا دھمکا کر انہوں نے وقتی طور پر خاموش کر دیا تھا۔ اب وہ جلد از جلد شمشیر خان سے ملنا چاہتے تھے۔ تاکہ اس کی بے وقوفی کا اسے احساس دلا کر تعویذ کے بارے میں کوئی بہانہ بنا کر گل خانم کے سامنے پیش کر سکیں۔ تاکہ یہ معاملہ ہمیشہ کے لیے دب جائے۔ صمد خان کو انہوں نے فوراً شمشیر کو بلانے کا حکم دیا تھا۔ اور کچھ اس انداز میں دیا تھا کہ صمد خان فوراً اسے بلانے روانہ ہو گیا تھا۔ کئی گھنٹے گزر جانے کے باوجود شمشیر کی واپسی نہ ہوئی تھی۔ قبل اس کے کہ وہ برداشت کی حدیں عبور کر کے اس کے پاس جانے کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔ دروازہ کھلا۔ اور وہ سلام کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"کہاں اتنے مصروف رہنے لگے ہو خاناں! باپ کو بھی انتظار کی سولی پر لٹکنا پڑتا ہے۔ باپ میں اور بازاری عورت میں کچھ تو فرق رکھ۔"

"آپ کو ایسا کیا کام پڑ گیا بابا جان! جو آپ نے میرے لیے کنوئیں میں بانس ڈلوا دیے۔" دبیز قالین پر بھی اس کے قدموں کی دھمک گونج اٹھی تھی۔ لہجہ اس کا خاصا ناخوش گوار تھا۔

"کہاں گئے تھے؟" انہوں نے اس کی لمبوترنگ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

بلیک کاٹن کے کلف شدہ سوٹ پر وائٹ وائٹ گرم چادر اپنے مخصوص انداز میں لپیٹے پاؤں میں بلیک لیدر کی مضبوط و بھاری چپل پہنے وہ کسی مضبوط و بلند چٹان کی طرح ان کے سامنے ایستادہ تھا۔ اس کے چہرے کے ہر نقش سے بے زاری و جھنجلاہٹ عیاں تھی۔

"کسی کام سے گیا تھا گاؤں سے باہر۔" وہ اعتماد سے گویا ہوا۔

"بچے! جوانی ہماری بھی اسی "کام" میں گزری ہے۔ مگر ہم نے کبھی اپنی ذات پر اس کا ٹھپہ نہیں لگنے دیا۔ اتنی فراست سے اپنے کام لوگوں سے چھپائے ہیں۔"

"میں نے کیا کر دیا...؟" اس نے بائیں شانے پر جھٹکے سے چادر ڈالتے ہوئے استفسار کیا۔

"تمہارے گلے کا تعویذ کہاں ہے؟" شہباز خان طنزاً گویا ہوئے۔

"وہ... گر گیا ہوگا کہیں۔" اس نے پہلے گلے میں تعویذ دیکھا۔ پھر اس کی غیر موجودگی محسوس کر کے بے پروائی سے کہنے لگا۔

"شمشیر خان... بار بار تمہیں سمجھا چکا ہوں۔ غافل مت رہا کرو اس قدر غفلت بسا اوقات ہلاکت کا موجب بھی بن جایا کرتی ہے۔" وہ پرتشویش انداز میں گرجے تھے۔

"بابا جان! آپ سے میں بھی بار بار کہہ چکا ہوں میری سمجھ میں "باریک" باتیں نہیں

آتیں۔ مجھ سے سیدھی بات کیا کریں۔" جواباً وہ بھی کڑوے انداز میں گویا ہوا۔

"عقل کو استعمال کرو تو سمجھ میں آئیں۔ یہ رہا تمہارا تعویذ۔" وہ غصے سے بولتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا تعویذ اسے دکھاتے ہوئے بولے۔

"ارے... یہ تو میرا ہی تعویذ ہے۔ آپ کو کہاں سے ملا؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے قدرے حیرانگی سے استفسار کرنے لگا۔

"شکر ہے۔ کوئی تو سوال تم نے عقل مندی کا کیا۔ جاننا چاہتے ہو تمہارا تعویذ کہاں سے ملا؟" شہباز خان اس کی نگاہوں میں دیکھتے ہوئے سرد طنزیہ لہجے میں گویا ہوئے۔

"کہاں سے ملا؟ بابا جان!" وہ ذی فہم و دانش مند تھا۔ بھلا کس طرح باپ کے نگڑے ہوئے تیور اور لبوں سے نکلتے انگارے نما لفظوں کی تپش نہ محسوس کرتا۔

"روزی خان کی بیٹی... گل نشاں کی مردہ مٹھی سے..."

"کس کو...؟ بابا جان!" شمشیر خان چونک کر بولا یہ تو اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ تعویذ گل نشاں کی مٹھی سے برآمد ہو سکتا ہے۔

"گل خانم کو... وہ اس راز سے واقف ہو گئی ہے۔ اور ایسی باتیں عورتوں کو معلوم نہیں ہونی چاہئیں۔ تم اس کو کوئی بھی بہانہ کر دینا۔ ورنہ..."

"کیا کر سکتی ہیں اوے؟ مجھے بزدلی کا سبق نہیں پڑھایا کریں بابا جان!"

"پھر تم نے ضد کی بات کو سمجھا کرو خاناں!"

"کہہ دیجیے گا میرے گلے سے گر گیا۔ مجھے کیا معلوم؟ اس کے پاس کس طرح پہنچا۔"

وہ مسئلہ حل کر کے جا چکا تھا۔ شہباز خان کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات چھا گئے۔ گل خانم کے سامنے بات وہ بھی بنا سکتے تھے۔ مگر شمشیر خان کی غیر موجودگی میں انہیں خطرہ تھا کہ کہیں انجانے میں وہ کچھ کہیں اور شمشیر خان کچھ اور بتائے۔ اب بات ایک ہو گئی تھی' دولت' عزت و طاقت کی ہوس نے ان کے تمام نیک و اچھے احساسات کو مردہ کر ڈالا تھا۔ وہ دو چہرے رکھنے والے منافقانہ ذہنیت کے مالک تھے۔ لوگوں کے لیے بظاہر بہت نیک' ہمدرد و سخی' لیکن دل ان کا برائیوں سے آلودہ تھا۔

❁ ❁ ❁

"سنبل! حمزہ بھائی سے اس دن کیا بات ہوئی تھی؟ ورثا کے چکر میں پڑ کر میں تو بھول ہی گئی۔ بتاؤ نا۔" فارحہ کتاب ایک طرف رکھ کر سنبل سے مخاطب ہوئی۔ جو ورثا کے ساتھ بیٹھی اس کا ہوم ورک مکمل کر رہی تھی۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"کچھ نہیں۔" سنبل کے چہرے پر شفق کے رد پہلے رنگ یکدم ہی اتر آئے تھے۔

"کچھ تو... بات ہوئی ہے۔ تبھی آج کل بڑی..."

"کھلی کھلی نظر آ رہی ہو۔" فارحہ ورشا کی بات قطع کر کے ایک ادا سے بولی۔ تینوں کا مشترکہ قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا تھا۔

"پلیز سنبل بتاؤ نا؟ کس طرح حمزہ بھائی نے معافی مانگی۔ کیا کیا کہا اور کس انداز میں کہا کہ تم نے انہیں معاف کر دیا۔" فارحہ ایکسائٹڈ تھی۔

"ٹوئسٹ بنانے دو۔ بکواس مت کرو۔" سنبل نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔

"چھوڑو... فاری! کیوں اس کے سیکرٹ معلوم کرنا چاہتی ہو۔"

"ارے واہ! ایسے ہی چھوڑ دوں؟ وہ جو حمزہ بھائی نے کال کر کر کے ہمارا دماغ خراب کر دیا تھا۔ اور ان محترمہ نے جو فضول کی ٹینشن گھر میں پھیلا رکھی تھی۔ وہ بھی تو سیکرٹ رکھنا چاہئے تھا۔" فارحہ چمک کر بولی۔

"دکھ اگر اپنوں سے نہیں کہے جائیں گے تو غیروں سے بیان کیے جائیں گے۔" سنبل

ورشا کو آنکھ سے اشارہ کر کے فارحہ سے بولی۔

"اوہو... اپنے کیا فالتو ہوتے ہیں؟ صرف دکھ و تکلیف محسوس کرنے کے لیے؟"

"فالتو تو نہیں۔ اپنے ہوتے ہیں۔" سنبل شوخی سے گویا ہوئی۔

"سنبل! اب تم زیادتی کر رہی ہو۔ فارحہ نے تمہاری جتنی ہیلپ کی ہے اس سے میں متاثر ہوئی ہوں۔ تمہیں اب اسے بھی بتا دینا چاہئے۔"

"مجھے فخر ہے ورشا' فارحہ مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے۔ دراصل فاری' میرے اور حمزہ کے درمیان جو مس انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی اس کے باعث ہی ہم دونوں میں دوری آئی تھی۔ حمزہ نے اصل وجوہات بتا دی ہیں۔ ہم دونوں ہی خواہ مخواہ بے وقوف بن گئے تھے۔ اتنا وقت برباد کر ڈالا۔"

"اگر تمہیں اتنی آسانی سے راضی ہو جانا تھا تو کیوں ہمیں بے وقوف بنایا؟"

"تمہیں خوشی نہیں ہو رہی؟ یہ معاملہ تو سلجھا۔" ورشا نے حیرانگی سے کہا۔

"ہم تو بے وقوف بنائے گئے ہیں۔ اور بے وقوف بن کر کون خوش ہو سکتا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟ تم دونوں کی ہی تو خواہش تھی میں انا پرست نہ بنوں۔ اب میں نے ان کی انا کو ٹھیس پہنچائی تو تم تب بھی ناراض ہوئے۔"

"آئے دو ذرا حمزہ بھائی کو۔ ان سے پوچھوں گی۔ پہلے تو ہم یاد آ رہے تھے اور دوستی کرتے

وقت پوچھا بھی نہیں۔ بلکہ ہم سے پہلے ہی وہاں سے چلے آئے تھے۔"

"انہیں دفتر میں کوئی ضروری کام تھا۔" سنبل مسکرا کر بولی۔

"بس خاموش رہو۔ زیادہ صفائی نہ دو۔ وہ جب تک ہمیں زبردست قسم کی ٹریٹ نہ دیں گی تب تک ہم انہیں معاف نہیں کریں گے۔ کیوں ورشا؟"

"یس... یو آر رائٹ۔" ورشا ہنستی ہوئی اثبات میں گردن ہلانے لگی۔

"او کے' یہ تمہارا معاملہ ہے۔ میں اس میں دخل نہیں دوں گی۔ فی الوقت پارٹی میں چلنے کی تیاری کرو۔ ممی پاپا کے ساتھ بوتیک سے پہنچ جائیں گی۔" سنبل پین ہولڈر میں رکھ کر کتابیں فائلیں ریک میں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میری طرف سے آنٹی انکل سے سوری کر لینا ڈیئر!"

"تم کیوں نہیں چل رہی ہو؟ ممی پاپا نے بہت اصرار کیا تھا تمہیں ساتھ لانے پر۔ تمہیں ضرور چلنا ہے۔" فارحہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

"تمہیں معلوم ہے' گاؤں سے آدمی آیا ہے۔ وہ کل واپس چلا جائے گا۔ میں چاہتی ہوں گھر والوں کے لیے کچھ گفٹس بھیج دوں۔ سخاویہ نے کچھ کتابوں کی فرمائش بھی لکھی ہے۔ وہ بھی لینی ہیں۔"

"سخاویہ نے کتنی کلاسیں پڑھی ہیں؟ آئی مین وہ اسکول کالج وغیرہ گئی ہے؟"

"نہیں۔ مجھ سے پہلے قبیلے کی لڑکیوں کا خواب رہا تھا اسکول و کالج۔ بلکہ کچھ تو ان ناموں سے بھی قطعی نابلد تھیں۔ میری دونوں بہنیں جو بڑی تھیں۔ وہ بھی علم سے نابلد تھیں۔ اور اپنی اس لاعلمی و محرومی کے باعث جاہلیت کی کھلونا بنی رہ گئیں۔"

"کیا... مطلب؟" اسے سنجیدہ و ماضی کی گم گشتہ راہوں میں بھٹکتے دیکھ کر وہ حیرانگی سے گویا ہوئی تھیں۔

"اوہ... کچھ نہیں۔ سخاویہ مجھ سے سات سال بڑی ہے۔ شمروز لالہ کو دیکھ کر اسے کتابوں و قلم سے آشنائی پیدا ہوئی۔ اس نے چھپ کر لالہ کی کتابیں و قلم استعمال کرنا شروع کیے۔ ایک دن لالہ نے اس کی چوری پکڑ لی۔ اس کی محنت و جذبہ دیکھتے ہوئے انہوں نے اسے پڑھانا شروع کر دیا۔ گھر والوں سے چھپ کر۔ یوں لالہ کی محنت و مہربانی کے باعث وہ تعلیم یافتہ تو ہو گئی مگر اسکول یا کالج کا کوئی سرٹیفکیٹ حاصل نہ کر سکی۔"

"میرے خیال میں ذہانت و لیاقت سرٹیفکیٹ کی محتاج ہوتی بھی نہیں ہے۔ شمروز لالہ شمشیر خان لالہ سے بہت مختلف نظر آ رہے ہیں؟" سنبل نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بہت ... بہت زیادہ۔ ان کی وجہ سے ہی میں یہاں نظر آ رہی ہوں۔ ادے نے سامان بھیجا ہے۔ کل دکھاؤں گی۔ تم تیاری کرو میں مارکیٹ کا چکر لگا آؤں۔"

"او کے کل یونی ورسٹی بھی جانا ہے۔ آج آخری چھٹی تھی۔ سمبل اور فارحہ تیاری میں لگ گئی تھیں۔ اس نے سخاویہ کی بھیجی ہوئی لسٹ پرس میں رکھی اور انہیں خدا حافظ کہتی ہوئی باہر نکل آئی۔ جہاں ڈرائیور اس کا منتظر تھا۔

❁❁❁

یا رب! تو ہے سب تا آقا
سب تا مالک سب تا داتا

"ارے بھئی! یہ چینل کیوں بدل گیا؟ جب سے آیا ہوں حمد اور نعتیں سنائی دے رہی ہیں۔ کیا ماجرا ہے یہ؟" آفتاب نے حیرانگی سے باسط سے دریافت کیا۔

تو نے تیا انسان تو پیدا
تو نے تیا حیوان تو پیدا

"او بھائی! تجھے بھی اس نے ہی پیدا کیا ہے۔ لیکن بتا تو سہی آخر ہوا کیا ہے جس نے تجھے مسلمان ہونے کا احساس دیا۔" آفتاب کھلکھلا کر گویا ہوا۔

"ایسی بات نہیں ہے لو آفتاب صاحب! ہم مسلمان ہیں۔ اس بات کا ہمیں پہلے سے پتا ہے۔"

"پھر اب کیوں مسلمان ... مسلمان سا لگ رہا ہے میری جان!"

"اب ...؟ اتھائیڈاق کر لیتے ہو آپ صاب!" وہ ناراضگی سے گویا ہوا۔

"ہیاؤ نکا! کیا ہو رہا ہے؟" صارم اس کے نزدیک بیٹھتا ہوا بولا۔

"دیکھو ... میں کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں اس واہیات نام سے نہ پکارا کرو۔" آفتاب اسے گھور کر منہ پھلا کر بولا۔

"پیارے! سچ سے کبھی نہیں بھاگنا چاہئے۔" باسط ہنستا ہوا بولا۔

"او پونے ایک پسلی کے مالک! میرے سے مکمل مت لیا کر۔"

"تجھ سے تو بہتر ہوں۔ گوشت کے پہاڑ سے۔" باسط نے اکڑ کر کہا۔

"اچھا بس کرو اکڑ ... ورنہ یہ جو پونی پسلی ہے اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔"

"اوہ ... گاڈ! آپ لوگ بالکل بچوں کی طرح لڑتے ہیں۔" سبریز ان کے درمیان بیٹھتا ہوا منہ کر گویا ہوا۔ فدا حسین انہیں کافی سرو کر رہا تھا۔

"سنا ہے۔ آپ جلد گاؤں جانے والے ہیں۔ کچھ دن اور ٹھہر جاتے۔" آفتاب کافی سپ

کرتا ہوا سبریز سے مخاطب ہوا۔

"رک تو میں مزید کچھ دن اور جاتا۔ مگر گاؤں سے بار بار بابا جانی کی کال آ رہی ہیں۔ وہاں زمینوں پر بابا کو پریشانی ہو رہی ہے۔ میرا جانا ضروری ہے۔"

"کب تک جانے کا ارادہ ہے؟" باسط نے پوچھا۔

"پرسوں یعنی منڈے کو۔ آپ لوگ آئیں گے نا؟" سبریز پرخلوص انداز میں گویا ہوا۔

"آنے کو تو بہت دل کرتا ہے مگر سنا ہے وہاں اسلحے کا آزادانہ استعمال ہوتا ہے؟"

"آپ اسلحے سے خوف زدہ مت ہوں باسط! یہ چیزیں تو اس قدر عام ہو چکی ہیں کہ آپ کو ہر گھر میں مل جائیں گی۔ کیا کراچی میں اسلحے کا استعمال نہیں ہوتا۔"

"ہوتا ہے لیکن اس جگہ جہاں ہم نہیں ہوتے۔" آفتاب نے بے ہنگم قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"شاپنگ کرنے نہیں چلنا ہے؟" صارم نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے سبریز سے مخاطب ہو کر کہا۔

"چلتے ہیں پھر ہائم نہیں ملے گا۔" سبریز فوراً ہی کھڑا ہوا تھا۔

"آپ دونوں نہیں چلیں گے؟" باسط اور آفتاب کو وہیں براجمان دیکھ کر سبریز نے پوچھا۔

"نہیں یار! ہم یہیں انتظار کریں گے آپ دونوں کا۔" آفتاب لیٹتے ہوئے بولا۔

❁❁❁

بازار کی گہما گہمی اور رونق عروج پر تھی۔ اس نے بے تحاشا چیزیں سخاویہ اور ادے کے لیے خریدنا شروع کر دی تھیں۔ پرفیومز' جیولری' کاسمیٹکس' چوڑیاں اور کئی سوٹ سخاویہ کے لیے ریڈی میڈ لیے تھے۔ ادے کے لیے شالز اور چکن کے دو سوٹ کا کپڑا خریدا تھا۔ سخاویہ کے لیے گولڈن و سلور اور بلیک کھسے بھی خرید لیے تھے۔ پہلی بار وہ ان کے لیے شاپنگ کر رہی تھی۔ بے پناہ شوق و انبساط کے جذبات نے اسے بہت پرجوش کر دیا تھا۔ جو چیز بھی اسے پسند آتی وہ خرید رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا پوری مارکیٹ ہی خرید کر ان کو پہنچا دیں۔ ڈرائیور ساتھ تھا وہ پیکٹ اٹھا اٹھا کر گاڑی میں رکھ کر آ رہا تھا۔ وہ جب سے حصول تعلیم کے لیے کراچی آئی تھی خاندان نے اس کا گھر سے اور گھر والوں کا اس سے رابطہ بالکل منقطع کر رکھا تھا۔ اس معاملے میں ادا جان نے بھی خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ اس کے اکاؤنٹ میں پابندی سے رقم جمع ہو رہی تھی۔ اسے خرچ کرنے پر کوئی پابندی نہ تھی۔ وہ صرف اپنوں کی محبت' اپنوں کے قرب کو ترسا دی گئی تھی۔ اتنے عرصے بعد سخاویہ کا چھوٹا سا محبت نامہ اسے سرشار کر گیا تھا۔ وہ پھر سے جی اٹھی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حالاں کہ سخاوت نے بار بار سختی سے منع کیا تھا کہ وہ چند کتابوں کے علاوہ اور کچھ نہ بھیجے۔ مگر وہ جیسے دیوانی ہو گئی تھی۔

"بی بی جی! کچھ باقی رہ گیا ہے کیا...؟" ڈرائیور جو کار سے دکانوں کے چکر لگا لگا کر تھک گیا تھا۔ بظاہر ادب سے بولا تھا مگر اس کے لہجے میں پنہاں تھکن و اکتاہٹ ورشا نے محسوس کر لی تھی۔ اس نے لال نوٹ اس کی طرف بڑھایا کہ وہ چائے پی کر آ جائے۔ اتنے میں وہ کچھ سوٹ اور لے لے۔ نوٹ پکڑ کر ڈرائیور کی باچھیں کھل اٹھی تھیں۔ تمام تھکاوٹ دور ہو گئی تھی۔

وہ سامنے نظر آتے بوتیک میں داخل ہو گئی۔ وہاں سے اس نے فارحہ، سنبل، سخاوت اور اپنے لیے خوب صورت ڈریسز پسند کیے اور ساتھ ہی جیولری اور شوز لیے۔ پیکنگ کے اور کاؤنٹر پر پیک کرنے کا آرڈر دے کر پیسے نکالنے لگی۔

"کچھ خریدنا بھی ہے یا یوں ہی نگاہوں کو سیراب کرنے کا ارادہ ہے۔" سبریز خان نے صارم کو کہنی مارتے ہوئے کہا۔ جو ارد گرد سے گزرتے رنگین چہروں کو کھوجنے میں مصروف تھا۔

"کیا حرج ہے اگر ایک ٹکٹ میں دو شو ہو جائیں تو؟" اس نے شرارتاً کہا۔

"درست کہا ہے بزرگوں نے۔ کتے کی دم سو سال بھی نلکی میں رکھ کر نکالو تو ٹیڑھی ہی نکلے گی۔ وہی حال تمہارا ہے۔ پچھلے دو گھنٹے سے گھومتا پھر رہا ہے۔"

"تو تم شاپنگ کرو۔ میں تو ونڈو شاپنگ کو آیا ہوں۔" صارم مسکراہٹ دبا کر بولا۔

"کیوں اس مت کرو۔ مجھے مشورہ دو گل کے لیے کیا خریدوں۔"

"صرف ایک جوڑ چشمہ۔"

"چشمہ؟ کون سا وہ جوڑ میں سے چھوٹتا ہے۔ پانی والا؟"

"نہیں آنکھوں والا۔"

"آنکھوں والا؟ مگر کیوں...؟ گل کی آنکھیں کمزور نہیں ہیں۔"

"کمزور نہیں... تبھی تو اس نے تم کو پسند کیا ہے۔"

"صارم! میں لوگوں کا خیال کر رہا ہوں۔" صارم کو ہنستے دیکھ کر سبریز خان بھی تپ اٹھا تھا۔

صارم خان انہیں لے کر جیولری شاپ میں چلا آیا۔

"واہ بہت زبردست دکان ہے۔" سبریز خان نے جگمگ جگمگ کرتی شاپ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ اندر آتے ہی صارم خان سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔ سلک کے گولڈن کرتے، وہائٹ شلوار میں ملبوس اس کی پرسنالٹی غضب کی لگ رہی تھی۔ مستزاد اس کے وجیہہ چہرے پر چھائی متانت و سنجیدگی نے اس کو بارعب اور پروقار بنا دیا تھا۔ کچھ دیر قبل نظر آنے والے نظر باز، کھلنڈرے و شوخ صارم

سے نہ اور اب نظر آنے والے صارم میں دن و رات جیسا فرق تھا۔

"جی سر! یہاں تشریف لائیے سر!" آف وہائٹ شیروانی، وہائٹ تنگ پائجامہ زیب تن کیے، سر پر پہننے والی ٹوپی اور ہاتھ میں پان سے بھرا سرخ منہ لیے درمیانی عمر کے بڑے میاں کے ساتھ ایک نوجوان ان کی طرف بڑھا تھا اور بہت عزت و احترام سے انہیں شیشے کے سرخ صوفے پر بٹھایا گیا تھا۔

"یہ تم نے کیوں گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیا ہے؟"

"سنجیدہ ہونے کی پریکٹس کر رہا ہوں۔ سنا ہے سنجیدہ لڑکوں کو لڑکیاں زیادہ پسند کرتی ہیں۔"

"ایڈیٹ! تمہاری زندگی اسی فضول مشغلے میں گزرے گی۔"

"جی قبلہ! آپ کیا پسند فرمائیے گا؟" بڑے میاں نے ان کے قریب بیٹھ کر خاصے شیریں لہجے میں پوچھا۔

"جی۔ جیولری دکھائیں۔"

"کیا دیکھنا چاہ رہے ہیں آپ؟ انگوٹھی، لاکٹ، چوڑیاں، کڑے، جھومر، نیکلس، گلوبند، پازیب، بندے، ٹاپس...؟"

"پورا سیٹ دکھا دیجیے۔" صارم ان کی زبان کے برمیکس فل دیکھ کر جلدی سے بولا۔

"پورا سیٹ...؟ یعنی کہ پورا سیٹ..... برخوردارو! ایک بات پوچھیں، اگر آپ برا نہ مانیں تو... سوال خاصا ذاتی ہے مگر آپ کی اجازت اگر ہو؟"

"آپ بزرگ ہیں۔ پوچھیے اجازت ہے آپ کو..." سبریز نے کہا۔

"آپ زیور دیں گے کس کو؟ مقصد تقریب کیا ہے؟"

"بہت اہم تقریب ہے۔ یعنی موصوف کی شادی ہے اور جیولری اپنی بیگم کو رونمائی میں دینا چاہتے ہیں۔" سبریز کو جھینپتے دیکھ کر صارم نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"اچھا... اچھا... پہلی پہلی شادی ہے۔ جب ہی اتنا شرما رہے ہیں برخوردار رونمائی کے لیے میں ایسا سیٹ بنوا کر دوں گا کہ جو بھی دیکھے گا عش عش کرے گا۔ ایک ماہ بعد دوں گا۔ خیر سے شادی میں دن کتنے ہیں برخوردار؟" بڑے میاں نے جیولری بکس میں سے ایک ڈائمنڈ نیکلس سیٹ پسند کروایا تھا۔ سبریز کو وہ سیٹ بہت پسند آیا تھا۔ انہیں ایڈوانس رقم دے کر وہ آگے تھے۔ جیولری کو ایک ماہ کا ٹائم دیا تھا۔ صارم نے کہا کہ وہ جب گاؤں آئے گا لیتا آئے گا۔ وہاں سے فارغ ہو کر اس نے فرداً فرداً سب گھر والوں کے لیے خریداری کی۔ کئی تحائف اپنی طرف سے سبریز کو دلوائے۔ اس کے بہ... نہ کرنے کے باوجود کچھ شاپنگ اپنے لیے کی۔ واش روم کے لیے چھوٹا سونا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سامان لیا۔

"صارم! مجھے چائے کی شدید طلب ہو رہی ہے۔ پلیز کسی کیفے میں چلو۔"

سبریز خان تھکن سے چور لہجے میں بولا۔

"شکر ہے۔ چائے کی طلب ہوئی ہے۔ اگر "چاہ" کی طلب ہوتی تو کہاں سے پوری کرتا؟"

"نہ معلوم تم کب سدھرو گے۔" سبریز اس کے ساتھ ہنستا ہوا گویا ہوا۔

"ہم مستقل مزاج بندے ہیں۔" صارم اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا کہہ رہا تھا۔ شاپنگ سینٹر کے وسط میں ہی ٹی شاپ تھی۔ اس کی طرف بڑھتے ہوئے معاً اس کی نگاہ سامنے شیشوں کے پار کاؤنٹر کے قریب کھڑی پریشان و شرمسار سی ورشا پر پڑی۔ عنابی و سیاہ جارجٹ کے کڑھائی والے شلوار سوٹ میں اس کی رعنائی و دلربائی فوخیز حسن کا بانکپن کرنوں کی طرح دمک رہا تھا۔ وہ اپنی تمام تر اضطرابی خود پر لگائے نازیبانوں کو یکسر جھٹک کر اس کی طرف ایسے دیکھنے لگا جیسے کوئی ساحر سحر پھونک کر پتھر کا بنا دے۔

"صارم! کہاں کھو گئے...؟ خیریت تو ہے؟" سبریز نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں... آہ... کچھ نہیں ہے۔" وہ چونک کر اس کی طرف گھوما۔

"کوئی نظر آ گیا ہے؟" سبریز نے معنی خیزی سے دریافت کیا۔

"نہیں۔ تم اندر جاؤ۔ میں آ رہا ہوں۔" وہ اسے ٹی شاپ کی طرف اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ اور لوگوں کے ہجوم میں سبریز کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ تیزی سے اس بوتیک کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں اس نے ورشا کو دیکھا تھا۔ وہ کسی شاپر زدہ کے کاؤنٹر پر سوجود سیلز منیجر سے کچھ کہہ رہی تھی۔ اور وہ بار بار سر کو نفی میں ہلا رہا تھا۔ صورت حال اس کی سمجھ میں کچھ کچھ آ گئی تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں نا میڈم آپ سنئے۔ آپ مکمل پے منٹ کر دیں اور سامان لے جائیں۔ دوسری صورت میں آپ سامان لے کر نہیں جا سکتیں۔ پیکنگ کے چارجز دینے ہوں گے آپ کو..." منیجر خاصی بداخلاقی و بدتمیزی سے کہہ رہا تھا۔

"میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔ گھر میں کوئی نہیں ہے۔ آپ یہ کارڈ رکھ لیں۔ کچھ دیر بعد میں تو پے کو آپ کی پوری پے منٹ ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دوں گی۔" ورشا کی آواز مارے شرمندگی و ندامت کے پست تھی۔ وہ بلا سوچے سمجھے خریداری کرتی گئی تھی۔ یہاں اس کے سامان کے چارجز تقریباً دو ہزار سات سو بنے تھے۔ اس نے پرس کھولا تو وہاں تین ہزار روپے تھے۔ اس نے منیجر سے کہا کہ اس کے پاس روپے کم ہیں۔ وہ گھر جا کر پوری رقم بھجوا دے گی۔ وہ کارڈ رکھ لے

اور ساتھ سامان بھی۔ مگر وہ کچھ الٹے دماغ کا آدمی تھا۔ اس کا کہنا تھا۔ بغیر پیسوں کے وہ سامان نہیں دے گا۔ کارڈ بھی نہیں رکھے گا اور سامان کی جو پیکنگ ہوئی ہے اس کی رقم لیے بغیر اسے ہلانے بھی نہ دے گا۔ رقم پانچ سو کے لگ بھگ بن رہی تھی۔ وہ کم لینے پر بھی راضی نہیں تھا۔ پریشان ہو کر اس نے گھر فون ملایا تھا۔ مگر وہاں مسلسل بیل بج رہی تھی۔ اسے یقین تھا سنبل وغیرہ رات کو آئیں گی۔ عجیب مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ سبریز بالکل خبطی و عقل سے پیدل آدمی تھا۔

"دیکھئے پلیز! آپ بات سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ روہانسی ہو کر رہ گئی۔ کوئی بھی تو شناسا نہ تھا جو اس کی جان اس ظالم پاگل سے چھڑاتا۔

"میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں بی بی۔ تم جیسی فراڈی لڑکیوں کو وہی سمجھائے گی۔"

"شٹ اپ یو!" یکلخت طوفان کی طرح وہ کاؤنٹر پر جھکا تھا۔ دوسرے لمحے چیختا ہوا منیجر فرش پر پڑا تھا۔ ورشا نے آنے والے کو چونک کر دیکھا۔

❀❀❀

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بالکل غیر متوقع طور پر وہ صارم کے چار جانے خطرناک و متحد مزاج تیور دیکھ کر لمحے بھر کو خفت و بدحواسی کا شکار ہوئی تھی۔ مگر فوراً ہی اسے اردگرد حیران و پریشان سے لوگوں کا احساس ہوا تو اس نے خود کو سنبھالا۔ جب کہ فرش سے اٹھتا ہوا منیجر کینہ توز اور قہر آلود نگاہوں سے صارم کو دیکھ رہا تھا۔ جسے بوتیک کا مالک اور دوسرے ورکرز عاجزی سے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ساتھ ہی معافیاں بھی مانگ رہے تھے۔ منیجر کی بدتمیزی کا انہیں احساس نہ ہو سکا تھا کیوں کہ وہ لوگ کسٹمرز سے ڈیلنگ میں مصروف تھے۔ صارم جو شیشوں کے پار سے منیجر کی ہٹ دھرمی اور ورشا کی پریشان و گھبرائی صورت دیکھ رہا تھا ایک دم ہی طوفان کی رفتار سے آیا تھا اور ٹیلی فون کی طرف بڑھتے منیجر کو غصے میں گریبان سے پکڑ کر فرش پر اچھال دیا تھا اور منیجر کے حلق سے برآمد ہونے والی چیخ نے لوگوں کو متوجہ کیا تھا اور انہوں نے غصے سے بپھرے صارم کو بمشکل پکڑ کر منیجر سے دور کیا تھا۔

"سر! پلیز آپ ناراضگی ختم کر دیں۔ یہ پہلی اور آخری غلطی ہو گئی ہے۔ آئندہ ایسی کوئی شکایت آپ کو نہیں ملے گی۔ سر پلیز!" بوتیک کا مالک دست بستہ اس سے بار بار معافی مانگ رہا تھا۔ وہاں جمع ہو جانے والا ہجوم چھٹ گیا تھا۔ مالک کو انکساری و عاجزی کرتے دیکھ کر منیجر شاید احتجاج کے طور پر وہاں سے چلا گیا تھا۔ مالک نے اس کی پروا نہیں کی تھی۔ اس کا چہرہ متغیر تھا کہ ایسے واقعے بزنس اور سیلز پر بہت غلط اثر ڈالتے ہیں خصوصاً ایسے کاروبار کے ورکر زیادہ مالک جب تک خوش اخلاق، خوش گفتار و خوش مزاج نہیں ہوتے تو ایسے لوگوں کے کاروبار پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

"ورکرز کے انتخاب سے قبل اخلاق و مزاج کی جانچ پڑتال ضرور کر لیا کریں۔" صارم جیب سے والٹ نکالتا ہوا تند لہجے میں غرایا۔

"جی بالکل سر! آئندہ احتیاط کی جائے گی۔" بوتیک کے مالک نے سعادت مندی سے کہا۔

"تین اور ساتھ ملازم سے کار میں رکھوائیں۔" اس نے والٹ سے کئی بڑے نوٹ نکال

کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے باوقار انداز میں کہا۔

"لیکن...؟" ورشا جو خاموش کھڑی تھی اس نے آگے بڑھ کر اسے منع کرنا چاہا مگر اس کے تنے ہوئے سرخ چہرے پر غصے کے آثار دیکھ کر خاموش رہی۔ جانے کیسا تاثر؟ کیسی تپش تھی ان آنکھوں میں وہ نگاہ جھکا کر رہ گئی۔ اس وقت وہ یونی ورسٹی میں شوخیاں و شرارتیں کرنے والے صارم سے بالکل مختلف و منفرد لگ رہا تھا۔

پروقار...

پرعب...

جاہ و جلال کے گھوڑے پر سوار اپنی راہ میں آنے والی ہر شے کو روند کر گزر جانے والا شخص۔

"سر! یہ بل سے زیادہ ہیں۔" مالک نے کچھ نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ان سے اپنے ورکرز کو شان دار ہوٹل سے ڈنر کروا دیجیے گا۔ ہماری طرف سے..." وہ لاپروا انداز میں بولا اور بوتیک سے باہر نکل آیا۔ ورشا ملازم کے ہمراہ جا چکی تھی۔

❁❁❁

"ورشا! حد ہوتی ہے سنگ دلی اور بے مروتی کی ایک شخص نے تمہیں لوگوں سے شرمسار و ذلیل ہونے سے بچایا، تمہاری مدد کی، وہ بھی کچھ کہے بغیر... پھر تم اتنی بے حس و خود غرض کیوں بن رہی ہو؟"

رات پارٹی سے واپسی پر ورشا نے سنبل اور فارحہ کو بتایا کہ صارم کے بروقت وہاں پہنچ جانے اور پیسوں کی ادائیگی کر دینے کے باعث وہ تذلیل سے بچ گئی تھی۔

حسب عادت دونوں بہنوں نے اسے خوب سراہا تھا۔ اس کی پہلے ہی وہ تعریف کرتے نہ تھکتی تھیں۔ اس عمل نے اس کی توقیر اور بڑھا دی تھی۔ وہ از حد اسی کی گرویدہ ہو گئی تھیں۔ ان کا خیال تھا اس بار ورشا کا دل بھی اس سے صاف ہو گیا ہو گا مگر ان کا خیال، خیال ہی ثابت ہوا۔

اب دوسرے دن یونی ورسٹی میں فری پیریڈ کے دوران اس نے سنبل اور فارحہ کو روپے دے کر صارم کے پاس بھیجنا چاہا تو انہوں نے اصرار کیا کہ وہ خود اسے رقم لوٹائے اور ساتھ ہی شکریہ بھی ادا کرے اس کا مگر اس نے بڑی بے رخی سے انکار کر دیا تھا اور اس کا یہ بے گانہ و خود سر رویہ سنبل و فارحہ کو قطعی پسند نہیں آیا تھا۔

"میں نے اس سے درخواست نہیں کی تھی کہ وہ میری مدد کرے..." وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"لو کر لو... تم نے درخواست نہیں کی، لیکن اعلیٰ ظرفی دیکھو تمہاری درخواست کے بغیر ہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انہوں نے تمہاری مدد کی اب یہ تمہارا اخلاقی فرض ہے کہ تم ان کی رقم لوٹاتے وقت ان کا شکریہ ادا کرو۔" سنبل نے ملامت سے اسے سمجھانا چاہا۔

"تم اتنی پٹی کیوں ہو رہی ہو؟ جو میرا فرض ہے وہ میں ادا کر رہی ہوں۔"

"کوئی ہماری مدد کرے تو یہ ہمارا اخلاقی و دینی فریضہ ہے کہ ہم اپنے محسن کا شکریہ ادا کریں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تم کیوں بعض اوقات اس قدر ہٹ دھرم و ضدی بن جاتی ہو۔" فارحہ اسے اپنی ضد پر قائم دیکھ کر شاکی انداز میں گویا ہوئی۔

"تو مور لیکچر پلیز..." وہ ٹیبل سے بیگ اٹھا کر تیکھے انداز سے بولی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" وہ دونوں اسے کینٹین سے باہر جاتے دیکھ کر پیچھے لپکیں۔

"تم لوگوں سے سر پھوڑنے سے بہتر ہے کوئی دوسرا ذریعہ تلاش کروں۔ وہ رکی نہیں۔

"ورشا... ورشا پلیز بات سمجھنے کی کوشش تو کرو۔ اچھا... صارم بھائی کی جگہ خود کو رکھ کر سوچو اگر تم کسی کی اس طرح مدد کرتیں اور جواب میں کوئی شکریہ کا مختصر لفظ کہنے کی بجائے اس طرح ناشکری کرتا تو تمہارا ردعمل کیا ہوتا...؟ تم یہی سوچتی نا کہ کتنا بدتمیز اور بد اخلاق شخص ہے۔"

"نہیں میرے خیال میں تم خواہ مخواہ قیاس آرائی کر رہی ہو۔ میں ایسا ہرگز نہیں سوچتی کیوں کہ میں جانتی ہوں کسی کی مدد کرنا نیکی ہے اور فوراً ہی اپنی نیکی کے بدلے شکریہ کا خراج مانگنا نیکی کو برباد کرنا ہے جو مجھے نہیں چاہیے۔"

"اگر تم نہیں چاہتیں تو تمہاری مرضی لیکن بتا دوں یہ سراسر بد اخلاقی و بدتمیزی کی حرکت ہے۔" فارحہ نے اس کے ہاتھ سے رقم لیتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"تھینکس مائی سویٹ فرینڈ!" اس نے مسکراتے ہوئے شوخی سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"اگر یہی لفظ تم ان سے کہہ دو تو تمہاری "ناک" پر کوئی بوجھ نہیں پڑے گا۔" فارحہ نے ملامت آمیز لہجے میں کہا مگر وہ سنی ان سنی کر گئی۔

فارحہ نے صارم کو ہر اس جگہ ڈھونڈا جہاں اس کے ملنے کا امکان ہو سکتا تھا۔ مگر وہ کہیں سے بازیاب نہیں ہوا تھا۔ وہ مایوس ہو کر لوٹ ہی رہی تھی کہ باسط کو گیٹ کی سمت جاتے دیکھ کر اسے آواز دی تو وہ اس کی طرف آ گیا۔

"جی فرمائیے۔" وہ قریب آ کر حیرانگی سے گویا ہوا اس سے قبل اس نے آج تک اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔

"زحمت کی معافی چاہتی ہوں۔ دراصل صارم بھائی کا پوچھنا تھا۔ وہ آئے نہیں کیا آج؟"

"وہ آیا تھا مگر جلد چلا گیا ہے۔ کوئی کام ہے؟" باسط نے اخلاقاً پوچھا۔

"جی... وہ دراصل..." اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کس طرح اسے رقم دے کہ وہ صارم تک پہنچا دے۔ کیوں کہ ورشا آج ہی رقم پہنچانے پر مصر تھی۔ وہ اسے تفصیل بتانے سے گریزاں تھی۔

"کوئی پیغام ہے؟" باسط دھیرے سے مسکرا کر استفسار کرنے لگا۔

"نہیں... یہ رقم ہے... ذرا ان تک پہنچا دیں آپ بہت مہربانی ہوگی۔" وہ رقم اس کی سمت بڑھاتے ہوئے التجائی انداز میں گویا ہوئی۔

"آپ شرمندہ کر رہی ہیں۔ مہربانی کی کوئی بات نہیں۔ میں اس کے پاس ہی رہتا ہوں۔ رقم پہنچا دوں گا مگر کیا کہوں؟" وہ رقم جیب میں منتقل کرتا ہوا استفسار کرنے لگا۔

"سمجھ جائیں گے وہ اگر نہ سمجھیں تو ان سے کہیے گا گھر فون کر لیں۔"

باسط کے جانے کے بعد وہ تیز تیز قدموں سے کلاس روم کی طرف بڑھ گئی۔

❁❁❁

سنہری سنہری نرم و گرم دھوپ کی کرنیں خشک و سرد موسم میں روح کو شانت کرنے والا سرور بانٹ رہی تھیں۔ گو کہ موسم بدل رہا تھا' سخت ٹھٹھرا دینے والی سردی قدرے کم ہو گئی تھی۔ برفانی ہوائیں بھی اعتدال پر تھیں اور سورج بھی جلوہ افروز ہونے لگا تھا مگر دوسرے شہروں کے مقابل یہاں ابھی بھی سردی تھی جو علاقے کے لوگ تو برداشت کر سکتے تھے مگر غیر علاقے کے لوگوں کی برداشت سے باہر تھا۔

"ارے! کیا آج کھانا نہیں کھانا؟ ورشا کے بھیجے ہوئے خط کو پڑھ پڑھ کر پیٹ بھرتی رہیں گی۔" سخاویہ نے نرم مسکراہٹ سے ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔ صبح شمروز لالا سامان دے گئے تھے' ان کا بھیجا ہوا آدمی کراچی سے لایا تھا جو ورشا نے بھیجا تھا۔ ڈھیروں سامان کے اندر اس کے ہاتھ کے لکھے دو خط بھی تھے جو ادے اور سخاویہ کے نام تھے۔" سخاویہ کئی بار اس خط کو پڑھ چکی تھی۔ آنکھوں سے لگا کر ہونٹوں سے چوما تھا۔ ورشا کا لمس اس کی خوشبو اس کے حرف حرف سے پھوٹ رہی تھی۔ ایک مدت کے بعد یہ لمس حاصل ہوا تو وہ خوشی و طمانیت کے احساس سے سرشار ہو گئی تھی۔ جب کہ ادے کو گویا نئی زندگی کا سندیسہ مل گیا تھا۔ کئی بار وہ اسے پڑھ چکی تھیں اور ان کی آنکھیں بھرے بادلوں کی طرح بار بار برس پڑتیں۔ اپنے جذبات و احساسات پر چھائی برف پگھلتی محسوس ہو رہی تھی۔

اس کی جدائی۔

اس کا وجود۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کا لمس۔

اس کی محبت کے اثر سے وہ دل پر جبر کر کے وقتی طور پر خود کو بہلا پائی تھیں۔

مگر دو سال کی طویل مدت کے بعد آج اس کی دوری کے احساس اور یاد نے کچھ اس طرح غلبہ پایا تھا کہ وہ خود کو بہلا بھی نہ پا رہی تھیں۔ اس کاغذ کے بظاہر بے جان ٹکڑے کو انہوں نے اس طرح سینے سے لگا رکھا تھا جیسے وہ کاغذ نہیں ورشا کا وجود مسٹ کر ان کے سینے سے آ لگا ہو اور ایک مدت سے ان کی پیاسی ممتا دھیرے دھیرے سیراب ہو رہی ہو... اور وہ سکون و آسودگی کے بحر بے کراں میں تہہ در تہہ اترتی جا رہی ہوں۔

"ادے! کیا ہوا؟" وہ ماں کی طرف سے کوئی آواز نہ پا کر پریشان سی ہو کر بولی۔

"کچھ نہیں بچے! یہ اتنا سامان اس نے کیوں بھیجا؟ کتنی پریشانی ہوئی ہوگی اسے منگوانے میں..." وہ سامان دیکھ کر پریشانی سے گویا ہوئیں۔

"پریشانی کیوں ہوئی ہوگی اسے...؟ بابا کے دوست کا جو ملازم ہے اس سے منگوایا ہے سب۔" سخاویہ نے ان کا ذہن بٹانے کے لیے بہانہ گھڑا۔ اسے معلوم تھا بلکہ ورشا نے اس کے خط میں لکھا تھا کہ اس نے بہت محبت سے ان کے لیے شاپنگ کی ہے مگر وہ یہ بات ان کو بتلا کر کسی شدید پریشانی میں مبتلا نہیں کر سکتی تھی کیوں کہ قبیلے میں عورت کا گھر سے تنہا نکلنا یا خریداری کرنے کا رواج قطعی نہ تھا۔ یہاں تمام خریداری مرد حضرات ہی کرتے تھے جس میں گھریلو اور زنانہ خریداری دونوں شامل تھیں۔ ان کے یہاں تمام کام ملازم کرتے تھے۔ تہواروں پر عورتیں کپڑا، چوڑیاں، گجرے وغیرہ گھر پر ہی لے آتیں اور پسند کرا کر رقم بھی دے جاتیں۔ ان میں سے کسی نے بھی بازار کی شکل نہ دیکھی تھی۔ ایسے میں وہ حقیقت بتاتی تو ادے کا خوف کے مارے نہ معلوم کیا حال ہوتا۔ انہیں پہلے شمشیر خان کا خیال ہی آتا کہ اسے معلوم ہو گیا تو...."

"بہت اچھے لوگ ہیں وہ۔ اللہ انہیں دونوں جہانوں کی خوشیاں دے۔ جنہوں نے میری بیٹی کو اپنی اولاد کی طرح رکھا ہوا ہے۔" ان کی آنکھوں سے ایک بار پھر جھڑی لگ گئی۔

"ادے... ارے! اب اس کے آنے میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ جہاں اتنا عرصہ دل کو تھامے رکھا اب چند ہفتوں کو بھی برداشت کر لیجیے۔" وہ ان سے پہلو سے لگی انہیں تسلیاں دیتی ہوئی خود بھی آبدیدہ ہو گئی۔

❁❁❁

"ہیلو..." فون کی بیل مسلسل بج رہی تھی۔ ورشا نے لاؤنج میں دیکھا کوئی نہ تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر دھیرے سے کہا۔

"ورشا! آپ ہیں؟" دوسری طرف سے سنجیدہ گمبھیر آواز ابھری۔

"رانگ نمبر۔" اس نے آواز پہچانتے ہی ریسیور رکھنا چاہا۔

"مجھے معلوم ہے۔ آپ مجھے پہچان گئی ہیں۔ ریسیور رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" دوسری طرف سے جلدی سے کہا گیا تھا۔ اس نے مجبوراً ریسیور نہیں رکھا۔

"کس سے بات کرنی ہے؟ فرمایئے، ہمارا تو وقت نہیں ہے میرے پاس۔" وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔

"جی... تمام دنیا کے بکھیڑے آپ کے ناتواں شانوں پر بکھرے ہوئے ہیں۔" وہ بھی اس وقت غصے میں تھا۔ سو خاصے کاٹ دار لہجے میں بولا تھا۔

"میں نے کہا نا فضول وقت نہیں میرے پاس۔"

"آپ نے میری بے عزتی کیوں کی؟"

"میں... نے... کب؟" اس کے خوں خوار انداز پر وہ بے ساختہ استعجاب سے گویا ہوئی۔

"رقم بھیج کر آپ نے میری بے عزتی کی ہے۔ میری خلوص نیت کا مذاق اڑایا ہے۔"

"جی نہیں... قرض واپس کرنا میرا فرض تھا۔ اس میں آپ کی بے عزتی کہاں ہوئی؟"

"میں نے آپ سے کہا بھی نہیں تھا کہ آپ کو رقم لوٹانی ہے۔ ہم میں دوستی نہ سہی مگر آشنائی تو ہے۔ کیا اس حوالے سے..."

"میں آپ کی عنایتوں کی متحمل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کسی غیر کا احسان لینا مجھے گوارہ ہے۔" اس نے سرد مہری سے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور قریبی صوفے پر بیٹھ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے جس بات کا خدشہ تھا وہی ہوا تھا۔ اسے یقین تھا وہ اب اپنی اس احسان مندی کو ایشو بنا کر راہ و رسم بڑھانے کی سعی کرے گا۔ اور ایسا ہی ہوا تھا۔ اس نے رقم اسے فوری اس لیے پہنچائی تھی کہ وہ مخاطب نہ ہو۔ وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی رہی تھی اور اسے اب اس کی صاف صاف باتیں سنا کر اس کے دل میں اطمینان سا اتر رہا تھا۔ مردوں سے نفرت کی تپش اس کی رگ رگ میں خون کی مانند گردش کرنے لگی تھی جس کے باعث وہ احساس کمتری کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔

❁❁❁

"خان! ایک خوب صورت خبر ملی ہے۔ اگر حکم ہو تو سناؤں؟" سمندر خان اس وقت اپنے محل نما ڈیرے پر بیٹھا گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ گذشتہ تین روز سے یہیں مقیم تھا۔ آسمان کی آئی ہوئی پارٹی سے ایک رقاصہ اپنے حسن اور شوخ اداؤں کے باعث اس کے دل کو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھاگی تھی۔ پھر اپنی عادت کے مطابق وہ اسے ساتھ لے آیا تھا۔ تین دن اس کی سنگت میں رقص و سرود میں گزار کے بے حد انعام و اکرام سے اسے نواز کر آج روانہ کیا تھا۔ صمد خان اسے اسٹیشن تک چھوڑنے گیا ہوا تھا۔

"ہوں بتا؟" اس نے چادر بائیں شانے پر ڈالتے ہوئے اجازت دی۔

"خان جی اندر کے پاس جو حکیم صاحب کا جھونپڑی تھا وہاں اب پکا گھر بن گیا ہے۔"

"یہ خوش خبری ہے؟ بے وقوف خوش ایسا ہو رہا ہے جیسے تیرے باپ کا گھر بن گیا ہے۔ پاگل کی اولاد۔" شمشیر خان سب عادت جلدی چراغ پا ہو کر دہاڑا۔

"خان جی آپ سنو تو سہی پورا بات ابھی کہاں ہوا ہے۔" سمندر خان جلدی سے ملتجی لہجے میں گویا ہوا۔

"سیدھی بات کیا کر۔" وہ گھور کر اس کی ذات پر احسان کرنے کے انداز میں بولا۔

"وہاں ایک ڈاکٹرنی آئی ہے۔ کل دیکھا تھا اسے میں نے۔ آہو..... کیا لڑکی تھی؟ قسم اس شملے کی میں نگاہ نیچی کرنا بھول گیا۔" وہ جھوم کر بولا۔

"نئی بات نہیں ہے۔ زنانیوں کو دیکھ کر تو ہمیشہ نگاہیں جھکانا بھول جاتا ہے۔ لیکن ڈاکٹرنی کب آئی یہاں پر؟ اور حکیم صاحب سے کیا رشتہ ہے اس کا؟ حکیم صاحب تنہا رہتے ہیں بیوی پہلے مر گئی تھی۔ کوئی اولاد بھی نہیں ہے۔" وہ اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"چند مہینے پہلے حکیم صاحب کے بھائی کی بیٹی شہر سے آئی ہے۔ اس نے ہی یہاں آ کر مطب کھولا ہے۔ زنانیوں کے ساتھ ساتھ وہ مردوں کا بھی علاج کرتی ہے۔ میں نے کل ہی سب معلومات لے لی تھیں۔" سمندر خان بدستور دست بستہ اس سے مخاطب تھا اور تمام معلومات بہم پہنچا رہا تھا۔

"ہمارے علاقے میں ہماری اجازت کے بغیر کس نے اتنی جرات کی؟" اسے یک دم اپنی حاکمیت و ملکیت کا خیال آیا تھا۔

"میں نے پوچھا تھا خان! حکیم صاحب سے کہ کس کی اجازت سے مطب کھولا ہے؟ تو اس نے بتایا بڑے خان سے اجازت لے کر وہ اپنے بھائی کی بیٹی کو گاؤں لایا ہے۔"

"بابا جان بھی ہر ایک پر ترس کھانے بیٹھ جاتے ہیں۔ جا کر باہر دیکھ صمد خان آیا کہ وہیں اس کے ساتھ دفع ہو گیا ہے۔" غیند و تھکن اس پر شدت سے غالب آ رہی تھی۔ سمندر خان کو اس نے غصے سے کہا تھا۔ سمندر خان فوراً ہی حکم کی تعمیل کے لیے باہر آ گیا تھا۔ سامنے ہی صمد خان کھاٹ کے پائنتی کے درمیان سے جیپ چلا کر آتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ گرم چادر درست کرتا ہوا گیٹ کی

طرف بڑھ گیا۔ شمشیر خان کے اکتائے و بے زار لہجے سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اب بڑھا گھر ہی جائے گا۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے پھر بھی پرڈاکٹرنی کے دیدار کو ٹال دیا تھا۔ صمد خان گیٹ کے اندر جیپ لے کر آ گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ یار! مزاج میں سورج کیوں طلوع ہو رہا ہے؟" صمد خان اس کی سمت آتا ہوا ملتجی لہجے میں استفسار کرنے لگا۔

"خان کا مزاج کی فکر کرو۔ ہمارا بات چھوڑو۔ وہ کب سے انتظار کرتا ہے۔" سمندر بدستور اس کی اجھلاہٹ کا شکار تھا۔

"راستے میں ٹائر خراب ہو گیا تھا۔ اس لیے دیر ہو گیا۔ ایسے تم اتنا خفا خفا کیوں نظر آ رہا ہے یار؟ خان نے اس بار "خیال" نہیں کیا اس لیے؟"

"چھوڑو یار! خان تو اپنی مرضی کا مالک ہے۔ یہ ہمارا نصیب ہے جاگتا نہیں۔"

"اچھا... اندر چلو۔ کہیں خان ہم کو ہمیشہ کی نیند نہ سلا دے۔"

❁ ❁ ❁

"بابا جان کو میری طرف سے سلام کہنا۔ ان سے کہنا۔ میری طرف سے فکر مند نہ ہوں میں جلد ہی گاؤں آؤں گا۔ بی بی کو تسلی دینا۔ وہ بہت آزردہ رہتی ہیں۔ امتحان ختم ہوتے ہی میں یہاں نہیں ٹھہروں گا۔" صارم خان ائرپورٹ لاؤنج میں سبریز سے مخاطب تھا۔ خلاف مزاج اس کا موڈ بہت سنجیدہ تھا اور وہ خاصا اداس و رنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ یہی حال سبریز خان کا تھا۔ وہ گاؤں جانے کے لیے پرمسرت بھی دکھائی دے رہا تھا اور صارم سے بچھڑنے کا ملال بھی اس کی آنکھوں میں نمی بن کر چمک رہا تھا۔ سب دوستوں کی ہمراہی میں وہ ائرپورٹ آیا تھا۔ وہ سب بھی اداس ہو رہے تھے۔ فلائٹ پرواز کے لیے تیار تھی۔ بار بار اناؤنس ہو رہا تھا۔ صارم خان اسے بازوؤں کے گھیرے میں لیے ہوئے تھا۔ اس کی نیلگوں آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"او کے میں کہہ دوں گا۔ تم نے لیٹر بھی تو لکھا ہے۔ وہ بابا جان اور بی بی جان پڑھ لیں گی۔ باقی سب کے لیٹرز اور تحفے میں دے دوں گا۔ تم بے فکر رہو۔ ہاں اگر کسی "خاص فرد" کے لیے کوئی پیغام ہو تو...؟" سبریز خان اداس و سوگوار ماحول کو تبدیل کرنے کی خاطر شوخی سے گویا ہوا تو جواباً صارم نے اس کے ایک مکا جڑ دیا۔

"جا کر تمہیں "ایک" کے علاوہ کسی دوسری طرف کا دھیان رہے تو پھر بات کرو گے نا؟"

"تمہاری خاطر میں دھیان پلٹا سکتا ہوں۔" صارم کے جواب پر وہ مسکرا کر گویا ہوا۔

"نہیں معاف کرو مجھے۔" صارم کے بعد وہ فرداً فرداً اس سے گلے ملے۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"دلیں پرائے جانے والے وعدہ کر کے جانا
ہمیں خط لکھو گے روزانہ....."

"روزانہ خط انہوں نے ان کو نہیں لکھا جن کو لکھنا چاہئے تھا۔ تم کس گنتی میں شمار ہو۔" آفتاب کے گنگنانے پر باسط نے کہا تو ان کے ساتھ سبریز بھی ہنس پڑا۔

"او کے... پھر ملیں گے دوستو کہا سنا معاف' میں آپ لوگوں کا منتظر رہوں گا۔ تم فوراً پہنچنا۔ ایگزامز سے فری ہونے کے بعد... تمہیں معلوم ہے میری نگاہیں ان راستوں پر پلکیں بچھائے تمہارا انتظار رہیں گی جن پر چل کر تم مجھ تک پہنچو گے۔" سبریز ان لوگوں سے ملنے کے بعد صارم کے قریب آ کر اسی لہجے میں بولا تھا۔ اس کا چہرہ جذبات سے سرخ تھا۔ آنکھوں میں نمی کی چمک مزید بڑھ گئی تھی۔ وہ اس سے تیسری بار گلے ملا تھا اور ہر بار ایک عجیب سی شدت تھی جو دونوں محسوس کر رہے تھے مگر کچھ کہہ نہ پا رہے تھے۔ دونوں جب بچھڑتے تو یہی کیفیت ہوتی تھی۔ مگر آج کچھ ایسی عجیب اور نہ سمجھ آنے والی کیفیت تھی دونوں کی کہ گزشتہ رات دونوں نے جاگ کر گزاری تھی۔ باتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا۔ جو ابھی تک کنڑول نہیں ہوا تھا۔ بقول باسط کے کہ دونوں نے باتیں کرنے میں عورتوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

"تم فکر مت کرو جان صارم' میں ایگزامز کے فوراً بعد چلا آؤں گا۔" صارم اس سے جو اس کی خروش سے ہاتھ ملاتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہنے لگا۔ وہ خدا حافظ کہتا ہوا اندر کی جانب غائب ہو گیا۔ صارم اسے نظروں سے اوجھل ہونے تک دیکھتا ہوا ہاتھ ہلاتا رہا۔ جہاز فلائی ہوا تو وہ ان لوگوں کے ساتھ باہر آ گیا۔

"کیا بات ہے! بہت افسردہ و مضمحل دکھائی دے رہو؟" باسط نے اس کی غیر معمولی سنجیدگی و خاموشی محسوس کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر استفسار کیا۔

"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے... سبریز کی آمد پر یہ جتنا خوش ہوتا ہے اس کی واپسی پر اتنا ہی رنجیدہ و اداس ہو جاتا ہے۔ اور کئی دن تک اس کا اداس چہرہ دیکھ دیکھ کر ہماری زندگی دکھوں و پریشانیوں کی نذر ہو جاتی ہے۔" بہروز شاکی لہجے میں بولا۔

"اب تم اپنا موڈ درست کرو یار' چند گھنٹوں کی تو بات ہے پھر تمہیں تو گاؤں چلے جانا ہے۔ وہاں اماں ابا کے ساتھ سبریز کے ساتھ... ساتھ تو ہمارا چھوڑو گے تم... یہ چند گھنٹے ہی تو ہمارے پاس پھر ہم کہاں... تم کہاں؟" باسط کے لہجے میں افسردگی کی گہری چھاپ ابھر آئی تھی۔ کار میں موجود ان چاروں کے چہروں پر بھی جدائی کے خیال سے حزن و ملال کے رنگ اتر آئے تھے۔

"میں بھی اکثر سوچتا ہوں' ابھی جو ہم ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہتے... ہمیں ایک دوسرے کے بغیر سکون نہیں ملتا' چین نہیں آتا۔ بھلا ایک دوسرے کے بغیر پھر کیسے رہیں گے؟"

"اسی طرح رہیں گے' جس طرح تمہارے ابا اپنے بھائیوں کے بغیر رہتے ہیں۔"

"کیا مقصد...؟ دیکھ منکی! ابا تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنا۔" باسط فرنٹ سیٹ پر بیٹھے آفتاب کو گھور کر گویا ہوا۔ صارم کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ سورج کی زرد روشنی ماحول کو اپنی گرفت میں لیے آگے کی جانب محو سفر تھی۔ سڑک پر خاصا رش تھا۔ صارم محتاط انداز میں کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

"ابے! کیوں...؟ میرے ابا میرے بھی تو انکل لگتے ہیں۔" آفتاب نے اسی انداز میں کہا۔

"ابا کا حوالہ کیوں دیا تم نے؟"

"تمہارے ابا پہلے اپنے اماں ابا اور بہنوں' بھائیوں کے ہمراہ رہتے تھے پھر بہنیں اپنے سسرال چلی گئیں۔ بھائیوں کی شادیاں ہو گئیں تمہارے ابا سمیت پھر بھائیوں کو جدا کس نے کروایا؟" آفتاب اس کی طرف دیکھ کر سوالیہ لہجے میں گویا ہوا۔

"مجھے نہیں معلوم تیرے پاس ایسی ہی بکواس ہوتی ہے۔"

"جنرل نالج میں تو ہمیشہ ہی فیل ہوتا ہے۔ آدمیوں میں فساد ڈلوانے والی' بھائیوں کو آپس میں جدا کرنے والی عورت ہی تو ہوتی ہے۔ ہم بھی اسی مخلوق کی گرفت میں آ جائیں گے تو اپنے آپ کو بھول جائیں گے۔ کیا رشتے' ناتے یاد رہتے ہیں؟"

"یہ زیادتی ہے آفتاب! دنیا میں ہر عورت ایسی نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ دنیا کب کی تباہ ہو چکی ہوتی۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے مضبوط و بہادر' جرات مند و نڈر پیدا کیا ہے۔ جو مرد ان صفات کو کھو دیتا ہے اس کی عقل پر عورت قابض ہوتی ہے ورنہ عورت کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ ہر رشتے میں معتبر و باعزت ہے۔ چاہے وہ ماں کا نورانی پیکر ہو۔ بہن کی پاکیزہ محبتوں کا حصار ہو۔ بیٹی کی بے لوث دلاسوں چاہتوں کے رشتوں کا مجسم ہو۔"

"تم بھی کس کی باتوں کو دل سے لگا کر بیٹھ گئے؟ یہ منکی جو ہے نا عقل سے پیدل ہے۔ یہ جوں جوں بدن جتنا موٹا ہوتا جا رہا ہے اس کی عقل اتنی باریک ہوتی جا رہی ہے۔" باسط نے بہروز کو دلاسا دیتے ہوئے جملہ کسا۔

"صارم... صارم! سنبھالے اس مچھر کو... تو بہت حمایت لیتا ہے اس کی۔ اگر میں نے ایک ہاتھ لگا دیا تو سانس نہیں آئے گا اس کا۔" حسب عادت آفتاب تلملا کر رہ گیا تھا۔

"تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے اتنا غصہ مت کیا کرو۔ خدانخواستہ پھٹ پھٹا گئے پھر..." صارم نے اپنی مسکراہٹ سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو باسط اور بہروز نے زوردار قہقہہ لگایا تھا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب کہ آفتاب غصے سے منہ پھلا کر بیٹھ گیا تھا۔

❁❁❁

بدلتے موسم نے وادی کو سرسبز و شاداب نوخیز کلیوں اور مہکتے پھولوں سے دل فریب حسن عطا کیا تھا۔ موسم دل کش و دل آویز تھا۔ سرمئی پہاڑی کے دامن میں ایک قدرتی جھیل تھی جس کے اطراف میں پھیلے سبزے میں بہ کثرت کھلتے سرخ گلاب نگاہوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ جھیل کے نیلگوں پانی کی سطح آئینے کی طرح شفاف و ستھری تھی اور اس موتی کی طرح چمکتے پانی میں سبزے و سرخ گلابیوں کا عکس دل کش منظر پیش کر رہا تھا۔ سبریز خان کو ایک ہفتہ ہو گیا تھا گاؤں آئے ہوئے آج بڑی منت سماجت کے بعد چھوٹی بھابی راضی ہوئی تھیں اس کی ملاقات گل سانگہ سے کروانے پر کیوں کہ ان کی شادی کی تاریخ دے دی گئی تھی اور قبیلے کی رسم و روایت کے مطابق وہ شادی سے قبل مل نہیں سکتے تھے۔ بھابی بڑی مشکل سے اسے اس سے ملوانے کے لیے لائی تھیں۔ بہت محدود وقت کے لئے۔ گل سانگہ بڑے سے سرمئی پتھر کی اوٹ میں بیٹھی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر سبریز بیٹھا تھا۔ کئی لمحے گزر جانے کے باوجود ان میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنی کیفیت پر قابو پانے کے لیے اپنی جامنی بھاری چادر کا پلو مروڑ رہی تھی۔ جھیل کے گرد کھلے سرخ گلابوں کا تمام رنگ اس کے رخساروں پر جیسے جم گیا تھا۔

"گل! اتنی خاموش کیوں ہو؟ کوئی بات نہیں کرو گی، یہ نہیں پوچھو گی کہ اتنے ہفتے کراچی میں کیسے گزار کر آ گیا؟" اس نے خاموشی کو توڑتے ہوئے پہل کی۔

"یہ نئی بات نہیں ہے۔ صارم لالہ کے پاس جانے کے بعد تم ہمیشہ دو ہفتے کا کہہ کر جاتے ہو اور دس ہفتے بعد آتے ہو۔" گل سانگہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی۔

"درست کہہ رہی ہو۔ اس کا مجھ سے کچھ ایسا ہی تعلق ہے۔ جتنے عرصے میں رہا ہم ساتھ ساتھ رہے۔ بہت اچھا لگا۔ کراچی کی زندگی یہاں کے مقابلے میں بھاگتی دوڑتی زندگی ہے۔ دن یوں نکلتا ہے اور یوں ختم ہو جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہاں وقت کے پر لگے ہوئے ہیں جو تیز رفتاری سے اڑتا رہتا ہے۔"

"صارم لالہ کیسے ہیں؟ وہ کب تک آئیں گے؟ بابا جان اور بی بی جان تو لمحہ لمحہ ان کی واپسی کے انتظار میں گزار رہی ہیں۔ انکا جان بھی بہت یاد کر رہے ہیں انہیں۔"

"اور تمہیں کوئی یاد نہیں کر رہا اسے؟" سبریز معنی خیزی سے دریافت کرنے لگا۔

"زرگون خانم بھی پاگل ہے بس، کتنا سمجھا چکی ہوں کہ وہ ان کے متعلق نہیں سوچا کرے۔ کلی شاید وہ جانے تو ان پھولوں کی طرح پیار کی چمک سے زرخیز زمین دیکھ کر خود بخود ہی جنم لے

لیتے ہیں جن کو نوچ پھینکنا خود انسان کے اختیار میں کب ہوتا ہے۔"

"بابا جانی کا میں بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی لڑکیوں کو تعلیم کی روشنی سے نوازا ورنہ جاہل جٹ بیوی کے ساتھ میں گزارہ نہیں کر سکتا تھا۔" سبریز خان گھاس دھیرے دھیرے نوچتا ہوا فخریہ لہجے میں گویا ہوا۔

"مجھے کیوں بلایا تھا؟ بہت ڈرتی ڈرتی آئی ہوں۔ اگر گھر میں مورے کو یا بابا جان کو معلوم ہو گیا تو کتنی شرمندگی ہو گی۔" اسی لمحے سامنے وادی میں بگولے اٹھے اور تیز تیز ہوا چلنے لگی۔ سامنے جھیل میں ہوا کی زد سے جھومتے کئی گلاب شاخوں سے ٹوٹ کر شفاف نیلگوں پانی کی سطح پر گر کر تیرنے لگے۔ گل آہستگی سے گویا ہوئی۔

"تمہیں دیکھنے کو تم سے ملنے کو دل بہت چاہ رہا تھا۔ خود کو ہر طرح سے تسلی دی، بہلایا کہ اب تو دوری کے موسم بدلنے والے ہیں۔ مگر گل! نہ معلوم اندر ایک نہ سمجھ میں آنے والی خاموشی و اداسی سی کیفیت چھانے لگی ہے۔ جب بھی میں اس سہانے لمحوں کے بارے میں سوچتا ہوں تاریکی وسناٹوں کے علاوہ کچھ سنائی نہیں دیتا پھر میں الجھ کر رہ جاتا ہوں۔"

سبریز خان کے دھیمے چہرے پر الجھن کی ناقابل فہم پرچھائیں پھیل رہی تھیں۔ اس لمحے وہ اپنے سامنے بیٹھی گل اور تمام آس پاس کے مناظر سے یکسر بے نیاز و بے گانہ تھا۔ اس کی اداس نگاہیں دور فلک پر کسی نادیدہ و نافہم اسرار کو کھوج رہی تھیں۔

"ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟ مجھے انجانی سی وحشت گھیر رہی ہے۔ کیا مجھے ڈرانے کے لیے تم نے یہاں اتنے اصرار سے بلوایا تھا؟" گل سانگہ یک دم گھبرا کر کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ سبریز کے لہجے میں چھلکتی یاسیت چہرے پر یکلخت چھائی پژمردگی نے اسے سہما کر رکھ دیا تھا۔

"اوہ! تم ڈر گئیں۔ حیرت ہے میں تم سے اپنے دل کی بات کر رہا تھا۔ خیر ایک اچھی خبر سناتا ہوں تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔ میں تمہارے لیے جیولری سیٹ کا آرڈر دے کر آیا ہوں تمہیں بہت پسند آئے گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے موضوع بدلا تھا۔ جذبوں سے شوخ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"سچ کہہ رہے ہو؟ کیسا سیٹ ہے؟ کب آئے گا؟"

"کیسا سیٹ ہے؟ یہ تو دیکھ کر ہی بتانا۔ جھوٹ میں کبھی بولتا نہیں یہ تمہیں معلوم ہے۔ صارم لالہ سے فارغ ہو کر آئے گا تو ساتھ لے کر آئے گا۔"

"ملاقات کا وقت ختم ہو گیا بچہ لوگ چلو شاباش اپنے اپنے گھر کی راہ لو۔" سامنے سے رانی گل (چھوٹی بھابی) آتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"آہ... ہا... یہ اوقت کتنی جلدی آ جاتا ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا تھا۔ ٹھنڈی سانس بھر کر گل نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی تھی۔

"تم نے مجھے کو خراب وقت کہا؟ مطلب پرست انسان... کچھ دیر پہلے کیسے خوشامدیں کر رہے تھے؟ اب مطلب برآنے پر آنکھیں بدل رہے ہو۔" چھوٹی بھابی اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر مصنوعی غصے سے گویا ہوئی۔

"بھابو! خدارا! میرے بال تو بگاڑا نہ کریں۔" وہ ان سے بال چھڑوا کر درست کرتا ہوا کراہا۔

"چلیں بھابو! بہت دیر ہو گئی ہے۔" گل سائلہ اس کے نزدیک آ کر آہستگی سے گویا ہوئی۔

"تم بھی گھر کو آؤ لالہ!"

"میں کھیتوں پر جا رہا ہوں۔ وہاں سے واپسی میں دیر ہو جائے گی۔" سبریز نے اظہار کیا۔

"کھیتوں پر بابا جانی کا جانے کا ارادہ ہے تم سیدھے گھر پر آؤ۔"

"بابا جانی کو شاید یقین نہیں آیا میری بات کا... لیکن یہ بات درست ہے ہمارا پانی کاٹا جا رہا ہے۔ میری غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ایسا کیا گیا ہے۔ مگر میں اب ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

"اتنی مت بنو سبریز خاناں! تمہاری شادی میں دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ ایسے میں تمہارا کسی سے الجھنا درست نہیں ہے۔ بابا جانی خود سنبھال لیں گے۔" رانی گل نے اسے شدید طیش میں دیکھ کر سمجھاتے ہوئے کہا۔

"شادی ہونے والی ہے تو چوڑیاں پہن کر بیٹھ جاؤں؟ اور دشمنوں کو کرنے دوں من مانی؟ ہونہہ... میرے مرنے کے بعد ایسا ہو سکتا ہے لیکن میری زندگی...."

"اللہ نہ کرے اچھی بات منہ سے نکالا کرو لالا! ایسی منحوس باتیں کیوں کرتے ہو۔"

رانی گل نے دہل کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس کے غصے و طیش میں سرمو فرق نہیں آیا تھا۔

وہ دونوں چلی گئی تھیں۔ وہ پاس رکھی گن اٹھا کر کھیتوں کی سمت چلنے لگا جو سرحدی پہاڑوں سے ملحق تھے۔ ابھی وہ چند قدم چلا تھا کہ اچانک خاموش فضا فائرنگ کی زوردار آوازوں سے گونج اٹھی۔

"پھر شروع ہونے میں ٹائم ہے ابھی کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر چائے اور گرما گرم سموسوں کی زیارت کی جائے۔" فارحہ نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے تجویز دی۔

"تمہیں ہر وقت کھانے کی سوجھتی رہتی ہے۔ یہاں جان پر بنی ہوئی ہے۔ آخری پھیرا ہے خدا کرے یہ بھی اچھا جائے۔" سنبل نے حسب عادت اسے جھڑکا تھا۔

"محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی ڈیئر سسٹر! اللہ پر بھروسا رکھو۔" فارحہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکرا کر گویا ہوئی اور ان دونوں کو کیفے ٹیریا میں لا کر ہی چھوڑا۔

"ورشا! تم بہت خاموش و گم صم رہنے لگی ہو جب سے ایگزامز شروع ہوئے ہیں۔" سنبل میز کی سطح پر انگلیاں پھیرتی خاموش و اداس ورشا سے مخاطب ہوئی۔

"شاید... تمہیں ہم سے بچھڑنے کا دکھ ہے اور جامعہ چھوڑنے کا بھی۔"

"ہاں... جب میں گاؤں سے یہاں آنے کی تیاری کر رہی تھی وہاں سے یہاں آنے تک میرے تصور میں تم لوگوں کا امیج بہت خراب تھا۔ میں سوچ رہی تھی بابا جان کے دوست کی فیملی بھی ایسی ہی دقیانوسی اور زنگ آلود ذہنیت کے حامل لوگوں سے پر ہو گی جیسے بابا جان کے ملنے جلنے والے لوگوں کے خاندان ہوتے ہیں۔ مگر یہاں آ کر میں نے تم لوگوں کے نئے اور خوب صورت روپ دیکھے۔ تم لوگوں سے مل کر مجھے محسوس ہوا عورت تنگوم پیدا نہیں ہوئی وہ بھی مرد کے برابر حقوق و عزت رکھتی ہے۔ وہ بہت مقدس و معتبر درجہ رکھتی ہے۔ کچھ تنگ ذہن مردوں نے اسے تیسرے درجے پر لا کر ذلت و رسوائی سے اس کے پاک و نورانی آنچل پر غلاظت کے چھینٹے ڈال دیے ہیں۔ میں نے بچپن سے شعور کی آنکھ تک عورت کو اپنے مقام سے پست دیکھا ہے۔ صبح سے رات تک بے زبان جانور کی طرح گھر کا کام کرنے کے علاوہ باہر بھی مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ علاوہ اس کے سسرال کی خدمت کرنا، بچوں کی نگہداشت کرنا اور شوہر کے لیے تو وہ ہوتی ہی بے دام کی ملازمہ ہے جو اس کی خدمت بھی کرتی ہے اس کے گھر، بچوں، ماں باپ کو بھی سنبھالتی ہے اور پھر بھی دھت کاری جاتی ہے۔ مار اور تحقیر و تضحیک سے ہمہ وقت نوازی جاتی ہے اور اکثر اپنے باپ، بھائیوں کے کردہ گناہوں کے تاوان میں بھیڑ بکریوں کی طرح دی بھی جاتی ہے اور زبان سے حرف شکایت نہیں ادا کرتی۔"

"کیا تمہارے قبیلے میں بھی ایسی روایات ہیں؟" سنبل اسے آزردہ و ملول دیکھ کر استفسار کر بیٹھی کہ آج اتنے عرصے میں پہلی بار اس نے اپنے احساسات بیان کیے تھے۔

"ہمارا قبیلہ ان روایات میں سب سے آگے ہے سنبل! وہاں عورت کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ جانوروں سے محبت کی جاتی ہے مگر عورت ایسے رشتے سے نابلد ہے۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اوہ... تم اب کیا کرو گی وہاں جا کر۔ میرا مطلب ہے اتنے گھٹے ہوئے ماحول میں تم کس طرح رہ سکو گی؟" فارحہ پریشانی سے گویا ہوئی۔

"جس طرح پہلے رہتی تھی بس تم لوگوں سے بچھڑنے کا ملال بہت زیادہ ہو رہا ہے۔ کچھ حاصل کرنے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ یہاں گزرا ہوا وقت شہر کی یادوں کی مانند مجھے اکثر یاد آیا کرے گا۔" باوجود ضبط کے اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"تم ہم سے ملنے نہیں آیا کرو گی؟ یہ کس طرح ممکن ہے۔ تم نہ آئیں تو ہم تمہیں لینے پہنچ جایا کریں گے۔" سنبل نے جذباتی لہجے میں کہتے ہوئے اپنے آنسو رومال سے صاف کیے۔

"معلوم نہیں' میں اپنے مستقبل سے پر امید نہیں ہوں۔" دوار جدل گرفتہ تھی۔

"ہم ملیں گے انشاء اللہ! چلو یہ چائے اور سموسے ہمارے منتظر ہیں۔" فارحہ نے تیزی سے اپنے چھلکتے آنسوؤں کو بمشکل رومال میں جذب کیا اور ان دونوں کو ٹیبل پر رکھی چائے اور سموسوں کی طرف متوجہ کر کے دھیان بٹانا چاہا۔ درشا کو امتحان کے بعد گاؤں واپس چلے جانا تھا اور آج آخری پیپر تھا۔ انہیں معلوم تھا اس کا بابا آنے والا تھا اور پھر وہ ان سے جدا ہو جائے گی۔ پھر نہ معلوم وہ کب ملے نہ ملے۔ کیوں کہ وہ جان چکی تھیں درشا کے بابا اور بھائی بہت شقی القلب اور تنگ ذہنیت کے حامل افراد تھے۔ اس عرصے میں وہ اپنی صلح جو' پر خلوص اور کچھ ضدی واکھڑ طبیعت کے باعث انہیں بے حد عزیز ہو گئی تھی۔ سب سے بہترین اس کی عادت جو انہیں اپنا گرویدہ بنا گئی تھی وہ طبیعت کی از حد سادگی و خوش مزاجی تھی۔ وہ کروڑ پتی سردار کی بیٹی تھی مگر اس کے مزاج و انداز میں تکبر و تفاخر کی رمق نہ ملتی تھی۔ وہ ان میں گھل مل کر رہتی تھی اور اس کی یہی خوبی سب خوبیوں پر بھاری تھی۔

❁ ❁ ❁

محبت روگ ہوتی ہے کہا بھی تھا
رلا کر خود بھی روتی ہے کہا بھی تھا
کنارے کے قریب لے جا کر
کشتی کو ڈبوتی ہے کہا بھی تھا
تم دل کی دھڑکن کا پتا مت دو
اس میں درد ہوتی ہے کہا بھی تھا
میں خوشی کے بعد غم کی رت
نزدیک ہوتی ہے کہا بھی تھا

لٹا کر دل کو رونے سے بھی کیا حاصل
بہت نایاب موتی ہے کہا بھی تھا
ازل سے اس کی فطرت ہے زمانے کو
جگا کر خود سوتی ہے کہا بھی تھا
یہ سر سے پاؤں تک بس راکھ کر دے گی
بہت بے درد ہوتی ہے کہا بھی تھا

"تم شاعری میں وقت گزار رہے ہو یار! امتحان سر پر آ گئے ہیں اور تمہیں کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ کیا پیپرز میں بھی شعر لکھ کر بھیجو گے۔" باسط اسے اردگرد سے بے نیاز غزل ڈائری میں نوٹ کرتے دیکھ کر جھنجلا کر بولا تھا۔

"میری فکر مت کرو' میرے لیے کتابوں پر ایک نگاہ ڈالنا بہت ہوتا ہے۔"

"اوہ! میں یہ بھول گیا تھا کہ میں ایک "ذہین و فطین" شخص سے مخاطب ہوں۔ عقل و فراست کے تمام دریا سمندر تمہارے دماغ میں بہتے ہیں۔" باسط بہت جلد تپ اٹھا تھا۔

"کوئی شک ہے تمہیں؟" صارم ڈائری بند کر کے اٹھ گیا۔

"نہیں... میری یہ مجال کہ میں تم پر شک کروں۔"

"ہاہاہا... ایک تو تم مذاق بھی نہیں سمجھتے فورالیڈیز کی طرح خفا ہونے لگتے ہو۔" صارم ہنستا ہوا اس کے گلے میں بازو ڈال کر گویا ہوا۔

"تم مذاق بھی بہت سنجیدگی سے کرتے ہو۔ آفتاب اور سہروز نہیں آئے ابھی تک۔ کہہ رہے تھے ساتھ اسٹڈی کریں گے۔" باسط نے سامنے لگے وال کلاک پر نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"آ جائیں گے... ارے بھئی فدا حسین صاحب! کہاں غائب ہیں آپ؟ چائے کے دیدار کو ترس رہے ہیں ہم' آپ کب تک جلوہ افروز ہوں گے؟" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"تمہاری ان ہی حرکتوں کے باعث وہ خود کو ملازم نہیں' مالک سمجھتا ہے۔ لیکن تم اپنی ان حرکتوں سے باز نہیں رہ سکتے۔ اسے اپنے ملازم ہونے کا احساس دلاؤ۔"

"آپ میرے صاب تو بہتانے تی تو شش نہیں کریں باسط صاب! ان جیسا صاب تو تسی کتی تو ملتا ہے تسمت سے۔" فدا حسین اسی دم لوازمات سے پر ٹرالی چائے سمیت اندر لاتا ہوا فخریہ لہجے میں باسط سے مخاطب ہوا۔

"کمبخت! ذرا سی برائی بھی تو کرنے نہیں دیتا اپنی۔"

"اخاہ... بہت اچھے وقت پر پہنچے ہم۔ واہ بھئی واہ فدا حسین! تمہیں ہمارا کتنا خیال ہے۔

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آنے سے قبل ہی لوازمات سجا کر بیٹھے ہوئے۔" اندر آتے ہی آفتاب اور بھرپور نعرے مارتے ہوئے صوفے کی طرف بڑھے جہاں ٹرالی سے پلیٹوں میں لوازمات نکالنے میں فدا حسین مگن تھا۔

"کھانے پینے کی خوشبو کتنی جلد پہنچ جاتی ہے بنکی کے پاس۔" باسط اسے گھور کر گویا ہوا۔

"بنکی نہیں.. تینک کیجیے صاب! بنکی نے تینک کی صورت اختیار کر لی ہے۔" فدا حسین آفتاب کے پیٹ کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولا تھا۔ ان تینوں کے بلند قہقہے کمرے میں گونج اٹھے۔

"اوئے اپ "بندے" کی صورت اچھی نہ ہو تو وہ بات تو اچھی کرے۔ تمہیں عزت راس ہی نہیں آتی ہے۔" آفتاب دھم سے صوفے پر بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

"سچ بات برداشت کرنا بہت مشکل ہے پیارے۔" باسط کھلکھلاتا ہوا گویا ہوا۔

❁❁❁

"گل باز خان! صبر سے بچے اتنا غصہ ایسے جذبات کبھی راہیں آسان نہیں کرتے۔ ایسے معاملات ریشم کے الجھے دھاگوں کی مانند ہوتے ہیں جنہیں بڑی احتیاط و دانش مندی سے سلجھانا پڑتا ہے۔ اگر ذرا سختی ہاتھ میں آ جائے تو نقصان اور پریشانی کی علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا۔" سفید براق قمیض شلوار میں ملبوس بلند شملے میں ان کی نورانی و پرجلال شخصیت اس عمر میں بھی خاصی پر رعب و پروقار تھی۔

"بابا جانی! یہاں معاملہ ریشم کا نہیں طاقت کے گھمنڈ اور ہٹ دھرمی کا ہے۔ شہباز ولی خان اور اس کے بیٹے کیا سمجھتے ہیں۔ وہ جو بدمعاشی کرنا چاہیں گے تو انہیں کوئی روکنے والا نہیں ہوگا۔ کل اس نے ہمارے آدمیوں کو بلاوجہ زمین پر گرا کے دوران فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا اور آپ نے جواباً فائرنگ کرنے سے روک دیا۔ ورنہ ان میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہیں جا سکتا تھا۔"

گل باز خان کی آواز باپ کے احترام میں دھیمی و پست تھی مگر غصے و افسوس کی بلند چنگاریاں ان کے چہرے اور لہجے سے عیاں تھیں اور ان کے دائیں بائیں بیٹھے سبز خان اور گل ریز خان کے تیور بگڑے بگڑے تھے۔ بابا جانی کی عزت و احترام انہیں اپنے جذبات پر قابو رکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"گل باز خان! میں نہیں چاہتا کہ زمین کے پیچھے انسانوں کا خون بہایا جائے۔"

"ہمارے بندے جو مارے گئے وہ انسان نہیں تھے؟" گل ریز اٹھ کر گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"تھے.. اور ہم سے بہت بہتر لوگ تھے وہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ دو مسلمان اگر ایک دوسرے کو قتل کرنے کے ارادے سے آپس میں لڑیں تو جہنمی ہیں۔" اگر ان میں سے کچھ قتل کرنے کا خیال رکھتے ہوں اور کچھ محض اپنے بچاؤ کا تو ایسے لوگ جنت کے حق دار ٹھہرائے جائیں گے۔ ہمارے لوگ اچھی جگہ پر پہنچ گئے۔ ہم نے ان لوگوں کے گھروں کا ذمہ اٹھا لیا ہے۔ انہیں ہر قسم کی سہولت دی جائے گی۔ ہمارے بچوں میں اور ان کے بچوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

"اللہ نے بدلہ لینے کا اختیار بھی تو دیا ہے بندوں کو آنکھ کے بدلے آنکھ کان کے بدلے کان اور جان کے بدلے جان لینے کا اختیار ہمیں حاصل ہے۔"

"یہ مت بھولو اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ بدلہ لینے سے بدلہ لینے والا معاف کر دینے والا افضل ہے۔ اور اللہ اسے بہت عزیز رکھتا ہے۔ اس کی رضا میں راضی رہنا ہمارے لیے بہتر ہے میرے بچے۔"

وہ ان کے اندر ابلتے انتقام و بدلے کے جوش کو محسوس کر رہے تھے۔ اور جانتے تھے یہ وہ لاوے ہیں جو ایک بار بھڑک گئے تو کئی فصلوں کو بھسم کر کے بھی نہیں بجھیں گے۔ انسانی خون سے لہلہانے والی زمین اپنی کوکھ میں ان گنت جسموں کو سمیٹے اور جسموں کی منتظر تھی اور وہ اب ایسا نہیں چاہتے تھے کہ ان کی اولادوں کی اولادیں بھی عمر سے قبل ہی مٹی کی آغوش میں پہنچ جائے۔

"بابا جانی! ظالم کے ظلم سہنا بذات خود ظلم کا ساتھ دینے کے مترادف ہے۔ شہباز ولی خان اور شمشیر ولی خان کے ظلم کی آپ پردہ پوشی کر رہے ہیں۔ پہلے بھی اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا جو آپ کی بدولت دب گیا تھا۔ میں نے بھی اسے خاموشی سے آپ کی خاطر درگزر کر دیا تھا۔ اب ان کی پے در پے زیادتیوں کے باوجود آپ کہہ رہے ہیں ہم انہیں معاف کر دیں؟ بھول جائیں سب؟ درگزر سے کام لیں تاکہ وہ سمجھیں ہم ان سے ڈر گئے ہیں۔ چوڑیاں پہن لی ہیں ہم نے۔ بابا جانی! اب طاقت کا جواب طاقت سے ہی دیا جائے گا تاکہ اسے اپنی اوقات یاد رہے۔ شیر کی کھال پہن لینے سے گیدڑ شیر نہیں بن جاتا گیدڑ ہی رہتا ہے۔ اور اس گیدڑ کے لیے اب جواب کافی ہوگا۔ پھر کبھی وہ خواب میں بھی ایسی جرات نہیں کرے گا۔" سبز خان کو گل باز خان کا ملازموں کی موت کا از حد ملال تھا۔ وہ کل سے بے قرار ہو رہا تھا۔ شمشیر خان اور اس کے ساتھیوں کو اپنی بندوق کی گولیوں کا نشانہ بنانے کے لیے۔

"قتل حرام ہوتا ہے بچے اس لیے ہر مسلمان کو اس سے بچنا چاہیے۔ جاؤ جا کر آرام کرو۔ اگر ابھی دل کو چین نہ آئے تو نماز پڑھنے کھڑے ہو جانا۔ نماز پریشانی رفع کرنے سکون بخشنے کا بہترین اور مجرب صورت ذریعہ ہے۔"

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"کیا سوچنے ہو خان؟ زمین ایک عرصے بعد پھر لرزتی ہوئی لگ رہی ہے۔ خوشیوں سے پہلے وا ہے اور خدشات کیوں گھیر لیتے ہیں؟" ان تینوں کے جانے کے بعد بی بی جان اندر کمرے سے نمودار ہوئیں۔ ان کے سرخ و سپید جھریوں زدہ چہرے پر تفکرات کی بے خوابیاں ثبت تھیں۔ چہرے کی ہر جھری سے ایک المناک داستان عبارت نظر آتی تھی۔

"ایسی بات نہیں کرو گل زریں' ہم اب زمین کو اپنے قدموں سے نہیں نکلنے دیں گے۔ میں کل ہی شہباز ولی خان کے پاس دوستی کا پیغام لے کر جاؤں گا۔" وہ پرعزم لہجے میں گویا ہوئے۔

"ایسا مت کرنا خان! وہ بہت کٹھور اور سنگ دل آدمی ہے۔ نہیں مانے گا۔ اس طرح ہمارے بچے بھی نہیں مانیں گے۔ کہیں بات مزید نہ بگڑ جائے؟ کچھ دنوں بعد گھر میں سبریز کی شادی کا ہنگامہ شروع ہونے والا ہے۔ ایک مدت بعد اس حویلی کی دیواریں خوشیوں و رنگوں سے جگمگائیں گی۔ تم چاہتے ہو یہاں پھر صف ماتم بچھ جائے؟" وہ لرزتی آواز میں بولیں۔

"میں اس حویلی کی روٹھی ہوئی خوشیوں کی خاطر ہی تو پہل کرنا چاہتا ہوں گل زریں! بچے ہوشیار ہو گئے ہیں اور میں نہیں چاہتا گزرا ہوا وقت پھر دوبارہ لوٹ آئے اور ہم پھر تہی دست و تہی داماں ہو جائیں۔" ان کے لہجے میں گزرے وقت کی پرچھائیاں تھیں۔

"صارم خان آ جائے تو اس کے نام کی انگوٹھی زرگون کی انگلی میں پہنا کر اسے پابند کر لیں۔ خوب سجے گی دونوں کی جوڑی۔" ان کو پریشان و غم زدہ دیکھ کر انہوں نے خوب صورتی سے موضوع بدلا تھا۔

"گل باز خان سے بات کی تھی تم نے؟" صارم کے ذکر پر ان کے چہرے پر محبتوں کے چراغ جل اٹھے تھے۔

"ہاں... میں نے کہا تھا۔ اس نے کہا کہ ابھی یہ بات اپنے تک ہی محدود رکھوں۔ اس نے بسمو سے بھی ذکر کرنے کو منع کیا تھا۔ اس کا کہنا ہے صارم خان تعلیم پوری کر کے آ جائے۔ اپنے باپ کا منصب سنبھال لے۔ پھر اس کی منشاء کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اگر وہ چاہے گا کہ زرگون خان سے شادی کرے تو وہ حامی بھرے گا ورنہ زبردستی نہیں ہوگی۔"

"بہت دانش مندانہ فیصلہ ہے گل باز خان کا' مجھے امید ہے صارم اسے مایوس نہیں کرے گا۔ زرگون خانم ہماری برادری کی سب سے پیاری بچی ہے۔"

❁ ❁ ❁

ایک بات کہوں اگر سنتے ہو
مجھ کو اچھے لگتے ہو

کچھ پنچھل سے کچھ چپ چپ سے
کچھ پاگل پاگل لگتے ہو

"بند کرو یہ تمہارا فضول مشغلہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ ابھی امتحان سے فارغ ہوئے دو دن گزرے ہیں۔ قلم و کاغذ کو دیکھنے کو طبیعت گوارہ نہیں کر رہی۔ یہاں بور کام ہو رہا ہے۔" سنبل نے اندر داخل ہو کر فارحہ کے ہاتھ سے سیگزین جھپٹا تھا۔

"تم تو ہو ہی بدذوق۔" فارحہ نے پین اور ڈائری احتیاط سے بند کر کے ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"شعر و شاعری مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی' اب بدذوق کہو یا بدنصیب۔"

"اچھا... میرا دماغ کیوں کھانے آئی ہو؟"

"یعنی دنیا میں تمام اچھی اچھی چیزیں کھانے کی ناپید ہو گئی ہیں۔ جو میں تمہارے دماغ میں بھرا "بھوسا" کھاؤں گی۔" سنبل آرام سے بیٹھ کر اسے چڑاتے ہوئے بولی۔

"بھوسا بھرا ہوگا تمہارے دماغ میں... میرا دماغ تو..."

"بھوسے سے بھی محروم ہے۔" اس نے اس کی بات قطع کر کے جلدی سے کہا تو وہ بے ساختہ اس کے ساتھ ہنس پڑی۔

"اول نمبر کمینی ہو تم۔" فارحہ ہنستی ہوئی گویا ہوئی۔

"نوازش' کرم' شکریہ' مہربانی۔" اس نے فدویانہ انداز میں کہا۔

"ورشا سو کر نہیں اٹھی ابھی؟"

"اٹھ گئی ہے۔ ناشتہ لے کر آ رہی ہے۔"

"سنبل! ورشا چلی جائے گی' ہم کتنا مس کریں گے اسے۔"

"یہ بات میں بھی سوچتی ہوں تو مجھے گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔ بلکہ ہر آہٹ پر مجھے محسوس ہوتا ہے اس کے بابا آ گئے ہیں۔"

"تم لوگ مجھ سے ملنے گاؤں آنا۔ میں تمہیں وہاں کی سیر کراؤں گی۔ تم دونوں بہت خوش ہو گی وہاں کے حسین و دل ربا مناظر دیکھ کر۔" بلو سادے سوٹ پر لیدر کی واسکٹ پہنے اپنے قریش چہرے پر دھیمی مسکراہٹ سجائے سیاہ گھنے بال پشت پر بکھیرے' نیلگوں سحر انگیز آنکھوں سے روشنیاں چھلکاتی وہ ان کے درمیان کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"ورشا! تمہارے قبیلے میں بہت چھوٹی عمر میں منگنی کر دیتے ہیں۔ کیا تم بھی کہیں انگیج ہو؟" سنبل نے اس کے دمکتے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"جی...؟ہاں ہوئی تھی منگنی لیکن صرف تین ماہ تک۔"

"کیا مقصد؟ اتنی جلدی منگنی ٹوٹ گئی؟"

"نہیں منگنی نہیں ٹوٹی تھی۔ منگنی کرنے والا ٹوٹ گیا تھا۔" وہ مسکرائی۔

"پلیز ردشا! درست بتاؤ نا" کیا ہوا؟" دونوں کا تجسس عروج پر تھا۔

"جس سے میری منگنی ہوئی تھی وہ میرے چچا دلبر خان کا تین ماہ کا بیٹا تھا۔"

"وہاٹ؟ تم مذاق کر رہی ہو؟" وہ دونوں تعجب سے اچھل پڑیں۔

"میں سیریس ہوں... مذاق تو ہم جیسی لڑکیوں کے ساتھ قسمت کرتی ہیں۔ تم لوگوں کے لیے یقیناً ناقابل یقین بات ہوگی مگر ہمارے ہاں اکثر ایسے بے جوڑ رشتے قائم کیے جاتے ہیں۔ کبھی چھ سالہ بچی ساٹھ سالہ بوڑھے کی بیوی بنا دی جاتی ہے۔ تو کبھی بیس سالہ لڑکی نومولود بچے سے منسوب کر دی جاتی ہے اور بعض اوقات لڑکیاں بر پیدا ہونے کے انتظار میں ہی بوڑھی ہو کر قبروں میں پہنچ جاتی ہیں۔" اس کے دھیمے لہجے میں محرومیوں اور بے وقعتی کا درد رچا ہوا تھا۔ چہرے پر ایک درد ایک سوز بکھرنے لگا تھا۔

"پھر کیا ہوا تھا اسے؟ کیا تم اس کے ساتھ زندگی گزار رہی ہیں؟"

"اسے اپنے ہاتھوں سے پرورش کرتی۔ اس کی خدمت کرتی۔ اور جب وہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا میں بڑھاپے کی سرحد تک پہنچ چکی ہوتی۔ پھر وہی ہوتا جو ہوتا آیا ہے۔ وہ میرے وجود کو راہ میں پڑے پتھر کی طرح ایک ٹھوکر سے دور پھینک کر اپنا راستہ صاف کرتا۔ پھر میں تاحیات اس کی دوسری بیوی اور بچوں کی خادمہ بن کر گزارتی۔ لیکن جو عزائم بلند اور ٹیک رکھتے ہیں ان کا اللہ ساتھ ضرور دیتا ہے۔ میرے بھرپور احتجاج و انکار کے باوجود میری ایک نہ چلی تھی اور زبردستی مجھے چند روزہ بہرام خان سے منسوب کر دیا گیا تھا کیوں کہ میرے جوڑ کا کوئی لڑکا برادری میں نہ تھا اور ایک عرصے بعد لڑکے کی پیدائش ہوئی تھی۔ بہرام تین ماہ کا تھا کہ ایک دن سانپ نے اسے ڈس لیا اور وہ فوراً ہلاک ہو گیا تھا۔ یوں میری جان اس سے آزاد ہوئی تھی۔ اور میری ضد پر بابا نے مجھے پڑھنے بھیجنے کی اجازت دی تھی۔" اس نے کہہ کر کرسی کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

"کیا وہ زندہ رہتا تو تم اس سے رشتہ نبھاتیں۔" مشعل حیران بھی تھی اور دکھی بھی۔

"مائی فٹ! میں اسے نہیں مار دیتی میں اسے۔" وہ دانت بھینچ کر سرد مہری سے بولی۔

"لیکن تمہارے ہاں ایسے بے جوڑ رشتے کیوں کیے جاتے ہیں؟"

"کیونکہ دولت گھر میں رہے زر و زمین کی محبت پیڑیوں سے بڑھ کر ہے۔"

"کیا آپ کو بھی کوئی ایسا ہی پروپوزل ملے گا؟" ان دونوں کو حقیقتاً اس پر ترس آ رہا تھا۔

...لیکن خوب صورت اور فوق فیز حسن کی وہ مالک تھی اور نصیب کتنا سیاہ بدصورت تھا۔

"پروپوزل؟ ہمارے ہاں جو ایک بار کسی سے منسوب ہو گیا تو آخری سانس تک اس سے ...منسوب رہتا ہے۔ بہرام خان مر گیا میرا بخت بھی اس کے ساتھ دفن ہو گیا... اب ساری زندگی ...اسی کے نام پر گزارنی پڑے گی اور مجھے یہ رسم و قانون اپنی برادری کا دل و جان سے پسند ...ہیں خوشی سے اپنی زندگی اس کے نام کے ساتھ گزار دوں گی۔ جو اس رشتے کے مفہوم سے ...ں نا آشنا تھا۔" اس کا لہجہ بے حد پرسکون و مضبوط تھا۔ فارحہ اور مشعل سناٹے میں رہ گئی تھیں۔

❁ ❁ ❁

سورج خاصا بلند ہو چکا تھا۔ سبزے پر اس کی سنہری شعاعوں کا عکس بہت سندر اور دیدہ ...زیب لگ رہا تھا۔ اخروٹ کے گھیرے دار درختوں کی شاخوں پر پرندے خوب شور کر رہے تھے۔ ...ان ماحول میں ان کی چہچہاہٹوں نے زندگی دوڑا دی تھی۔ سردار افضل خان نے جیپ سے اتر ...کر ملازموں کو وہیں رکنے کا حکم دیا۔

"سردار! دشمن سے کبھی بھی بے پروائی نہیں برتنی چاہیے۔ شہباز خان بزداوں کی طرح پیچھے ...وار کرنا اپنی بہادری سمجھتا ہے۔ آپ کا اس طرح تنہا اور بغیر اسلحہ کے جانا مناسب نہیں ہے۔ ...میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔" ان کے وفادار و جان نثار ملازم کا بیٹا ان کے سامنے مودبانہ ...ہو کر گویا ہوا۔

"نہیں طور خان! ہم برائی کی نیت سے اس کی حویلی کی سمت نہیں جا رہے۔ ہمارا ارادہ ...دوستی کرنے کا ہے۔ اسلحہ ہماری راہ کی دیوار بن جائے گا۔ اور تم کو یہیں رک کر ہمارا انتظار کرنا ...ہے۔" ان کے فیصلہ کن لہجے اور ثابت قدمی نے طور خان کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ سردار ...افضل خان پروقار چال چلتے ہوئے سرخ پتھر سے بنی سبزے و پھولوں سے ڈھکی پرشکوہ حویلی کی ...جانب بڑھ رہے تھے۔ حویلی کے بلند و بالا گیٹ پر متعین پہرے داروں نے انہیں اندر جانے سے ...روکنا چاہا تھا۔ مگر ان کے پرجلال و بارعب سراپا یا ان کی آنکھوں میں چھائے نرمی و شفقت کے ...تاثرات تھے کہ انہوں نے بے چون و چرا ان کے لیے گیٹ وا کر دیا تھا۔ اندر داخل ہو کر ...انہوں نے ملازم سے اپنے آنے کی اطلاع بھجوائی تھی۔ چند لمحے بعد غیض و غضب سے چیختے ...ہوئے شہباز خان اندر سے برآمد ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے شہروز خان تھا۔

"کہاں مر گئے سب؟ کس نے ہمارے دشمن کے لیے دروازہ کھولا تھا؟" وہ افضل خان اور انکے ملازموں سے گھورتے ہوئے اپنے ملازموں پر گرج رہے تھے۔

"شہباز خان! میں دشمن بن کر نہیں دوست بن کر اس گھر کی دہلیز عبور کر کے آیا ہوں۔ ہم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے اپنی عمر اپنے مرتبے کی پروا کیے بغیر پہل کی ہے... تم بھی ہماری دوستی کو قبول کرو۔" وہ ملائمت و شفقت سے ان سے مخاطب ہوئے۔

"شہباز خان کو تمہاری دوستی کی ضرورت نہیں ہے شاہ صاحب! جن قدموں سے تم نے اس گھر کی دہلیز کو پار کیا ہے' ان ہی قدموں سے واپس لوٹ جاؤ... اگر ہماری برادری میں گھر آئے دشمن کو مردہ واپس بھیجنے کی روایت ہوتی تو خدا کی قسم آج تم زندہ واپس نہیں جا سکتے تھے۔ ہم اپنے بزرگوں کی غیرت کی خاطر تم کو زندہ جانے کا حکم دے رہے ہیں۔" شہباز خان جنگ آمیز لہجے میں دھاڑے تھے۔

"شہباز خان! اس عمر میں جذبات سے نہیں عقل سے کام لیا جاتا ہے۔ کب تک ہم انتقام کی آگ میں اپنی فصلوں کی قربانیاں دیتے رہیں گے؟ کب تک بھلا؟ ہمارے گھر ویران اور قبرستان آباد ہوتے رہیں گے؟ اگر اس آگ کو نہیں روکا گیا تو سوچ لو ایک دن ہماری شناخت مٹ جائے گی۔ ہمارے قبیلوں کا نام و نشان مٹ کر رہ جائے گا۔"

"ہاں ایسا ہوگا... اور ضرور ہوگا' میرے قبیلے کا نہیں تمہارے قبیلے کا نام و نشان مٹا دوں گا میں... ختم کر دوں گا تمہاری شناخت۔" وہ تکبر بھرے لہجے میں بولے۔

"بابا جان! ہمارے گھر آنے والا دشمن بھی ہمیں دوستوں کی طرح عزیز ہوتا ہے۔ پھر شاہ صاحب ہمارے بزرگ ہیں۔ خیر سگالی کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ ان کو عزت دینا ہمارا فرض ہے۔ شاہ صاحب کو اندر لے کر چلیے۔" شہروز جو خاموش کھڑا سب کچھ سن رہا تھا۔ باپ کا غیر سلوک و بد تہذیب لہجہ دیکھ کر آہستگی سے بولا۔

"ابھی تم بچہ ہو شہروز خان! اس بوڑھے کی مکاریوں اور چال بازیوں کو نہیں سمجھ سکے۔ یہ تلوار سے نہیں پیار کی وار سے انسانوں کو قتل کرتے ہیں۔ شاہ صاحب! پہلی اور آخری دفعہ معاف کر رہا ہوں۔" آئندہ اس طرح میرے گھر کی طرف اٹھنے والے قدموں کی واپسی چار کاندھوں پر ہوگی۔ شہباز خان اپنے دشمنوں سے صرف دشمنی نبھانا پسند کرتا ہے۔ بس۔"

"شہباز خان! دل کو وسعت دو۔ دماغ کو روشن رکھو۔ دشمنی صرف موت دیتی ہے اور دوستی سے زندگیاں جنم لیتی ہیں۔ ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ میری باتوں پر۔ اس وقت غصے میں تم اپنے پھولوں بھری راہ تمہیں کانٹوں سے اٹی نظر آ رہی ہے... تم سوچ لو۔ ہم پھر بات کریں گے۔" ان کی انتہا درجہ تیزی و گستاخی کے باوجود ان کے چہرے پر ناگواری کا احساس نہ ابھرا تھا وہ ایسے ہی پرسکون انداز میں ہاتھ میں پکڑی چھڑی کے سہارے کھڑے تھے۔ جب

شہروز باپ کے رویے و انداز گفتگو پر نادم و شرمسار ہو رہا تھا۔

"میں نے کہا نا میں دوستی نہیں کروں گا۔ میں بزدل نہیں ہوں۔ جو ڈر کر دوستی کا ہاتھ بڑھا دوں۔ بہادر اور شیر بیٹوں کا باپ ہوں۔" وہ اکڑ کر تفاخر سے بولے۔ اس اثناء میں شمشیر خان بھی اندر سے آ گیا تھا۔ اس کی کینہ توز نگاہیں افضل خان کو گھور رہی تھیں۔ اس نے آ کر اکھڑ لہجے میں باپ سے ان کی آمد کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس کے بگڑے تیور اکڑا ہوا وجود اس امر کی گواہی تھے کہ اسے بھی افضل خان کا وہاں آنا نہیں بھایا تھا اور شہباز خان نے تمسخرانہ انداز میں ان کے آنے کی وجہ بتائی تو وہ بھی فخر و غرور' طاقت و برتری کے زعم میں قہقہے لگانے لگا تھا۔

"دیکھا بابا جان! آپ مجھے منع کر رہے تھے کہ میں نے بلاوجہ ان کے بندوں کو ہلاک کیوں کیا۔ دیکھ لیں آج کے دور میں طاقت در سے سب کس طرح ڈرتے ہیں۔ یہ بہادروں کی طرح بدلہ لینے کی بجائے دوستی کا ہاتھ بڑھانے چلے آئے۔ ہا... ہا... ہا... بزدلوں کی کمزوروں کی یہی نشانی ہوتی ہے۔ وہ اپنے سے طاقت وروں کو دوستی کی زنجیر پہنا کر قید کر لیا کرتے ہیں لیکن شمشیر خان ایسے لوگوں پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا۔" اس نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

"شمشیر خان! حد ادب کو پار نہ کرو۔ شاہ صاحب ہمارے بزرگ ہیں۔" شہروز غصے سے اسے سرزنش کرتا ہوا بولا۔

"بزرگ ہوگا یہ اپنے گھر کا... ہمارا صرف دشمن ہے۔" جواباً وہ بھی پھنکار کر گویا ہوا تھا۔

"بہت خوب شہباز خان' لاجواب تربیت کی ہے تم نے۔ میں برا نہیں مانوں گا۔ قصور اس بچے کا نہیں بلکہ پرورش کرنے' تربیت دینے والے ہاتھوں کا ہے۔" وہ تاسف و افسردگی سے گویا ہوئے۔ "ہم جا رہے ہیں... مگر ہماری پیش کش برقرار ہے۔"

"دوستی ہو سکتی ہے۔ مگر چھوٹی سی شرط ہوگی اس کے لیے۔" شمشیر خان یکلخت پراسرار لہجے میں گویا ہوا۔

"دماغ درست ہے؟ کیسی بات کرتے ہو خاناں!" شہباز خان غرا کر پلٹے تھے۔

"صبر سے بابا جان صبر سے۔ مجھے جواب تو سننے دیں۔ امن کے پیامبر صاحب کا۔"

"کہو بچے اگر میرے اختیار میں ہوئی تو ضرور پوری کروں گا۔"

"آپ کر سکتے ہیں۔ آپ کے ہی اختیار میں ہے۔ سرمئی پہاڑیوں والا علاقہ میرے نام کر دیں۔ ہماری دشمنیاں دوستی میں بدل جائیں گی۔" شمشیر خان مسکرا کر معنی خیز لہجے میں بولا۔

"یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ زمین میری نہیں... میرے بچوں صارم اور سمیر کی ہے۔ وہ ہم ان

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں دے سکتے۔ امانت میں خیانت ہمارا شیوہ نہیں ہے۔" وہ اٹل دو ٹوک انداز اور سخت لہجے میں گویا ہوئے۔

"پھر دشمن کو زندہ چھوڑ دینا میرا شیوہ نہیں ہے۔"

شمشیر خان نے غضب ناک ہو کر کاندھے سے لٹکی رائفل یک دم سیدھی کر کے ان کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا تھا۔ دھماکے کے ساتھ بلند تیز فضاؤں میں بکھر کر رہ گئی تھی۔

❀❀❀

فائر کی آواز اور تیز فضا میں گونج اٹھی تھی۔ شہروز خان جو شمشیر خان کی جلد باز اور بے سوچے سمجھے جذباتی فیصلے کرنے والی طبیعت سے واقف تھا۔ وہ مسلسل اس کے چہرے اور تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ شاہ بہرام کے انکار کے جواب میں اس نے اس کے چہرے پر یکلخت در آنے والی سفاکی و جھنجلاہٹ' غصے کی یلغار کے رنگ' فوراً پہچان کر لمحہ بھر میں' سرعت سے آگے بڑھ کر شاہ بہرام خان کی سمت اٹھنے والی رائفل کا رخ' عین اسی لمحے اپنے ہاتھوں سے شمشیر خان کے ہاتھ پر زبردستی کر کے اوپر کی سمت کر دیا تھا۔ جب وہ فائر کرنے ہی والا تھا۔ رائفل سے نکلی ہوئی گولی کھلی فضا کی وسعتوں میں گم ہو چکی تھی۔ اس نے شمشیر خان سے رائفل چھینتے ہوئے تعجب آمیز نگاہوں سے سامنے کھڑی زار و قطار روتی ہوئی خانم گل کو دیکھا تھا۔ شمشیر خان کو فائر کرتے دیکھ کر وہ بے اختیار اندر کھڑکی سے سب دیکھتی ہوئی چیختی ہوئی وہاں آئی تھیں۔

"گل خانم..... تمہیں جرات کیسے ہوئی؟ اس طرف قدم رکھنے کی۔ جانتی ہو اس کا انجام۔" شہباز خان کی آنکھوں میں لہو اتر آیا تھا۔ انہیں اس جگہ موجود دیکھ کر شاہ بہرام خان کی ضعیف نگاہیں یک ٹک گل خانم کو دیکھ رہی تھیں۔ جن کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ ان کی سبز آنکھوں میں ایک چہرہ' ایک سراپا ایک تصویر گویا دوبارہ زندہ ہو گئی تھی۔

"خان' شاہ بابا کو جانے دو..... خدا کے لیے میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔" گل خانم گڑگڑاتے ہوئے ان کے قدموں میں جھک گئی تھیں۔

"دفع ہو جاؤ بے حیا عورت!" انہوں نے پرجلال انداز میں ایک ٹھوکر مار کر انہیں دور پھینکا تھا۔ شہروز نے بڑھ کر گرتی ہوئی گل خانم کو سنبھالا تھا۔

"شہباز خان! جو عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا وہ مرد نہیں جانور ہوتا ہے۔" گل خانم کی ذات، بے عزتی شاہ افضل خان برداشت نہ کر پائے۔ آہستگی سے گویا ہوئے۔ ان کے لہجے میں اسف و افسردگی تھی۔ آنکھوں میں موتیوں کی جگمگاہٹ پھیلنے لگی تھی۔

"اپنی راہ پر واپس لوٹ جاؤ شاہ' مجھے سبق پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔" شہباز خان کس کر گویا ہوئے تھے۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تمہاری مرضی ہے شہباز خاناں میں دوستی کا جذبہ لے کر آیا تھا کہ تم خوش آمدید کہو گے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ ہماری نسلیں دشمنی کی آگ میں جلتی رہیں۔" شاہ افضل خان پر امید نگاہوں سے ابھی بھی ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شمشیر خان کی گستاخی و بدتمیزی کو انہوں نے حوصلے اور ظرف سے نظر انداز کر ڈالا تھا۔ یہ ان جیسے استقامت پسند اعلیٰ ظرف صلح جو اور دوست نواز طبیعت کا اعجاز تھا وگرنہ وہ بھی اگر شہباز خان اور شمشیر خان کی طرح بدتہذیب و طاقت کے گھمنڈ میں بداخلاق گھٹیا ذہنیت کے مالک ہوتے تو پھر ایک نئی جنگ اسی آنگن میں چھڑ چکی ہوتی جس کا خمیازہ آنے والی کئی نسلیں تک بھگتتی رہتیں۔

"ہم آفریدی ہیں شاہ افضل خان" ہم گیدڑ نہیں ہیں جو خوفزدہ ہو کر تمہاری دوستی قبول کر لیں۔ ہماری نسلیں پیدا ہی بدلہ لینے کے لیے ہوتی ہیں۔ ہم جب تک سرحدی پہاڑیوں والا علاقہ حاصل نہیں کر لیں گے سکون سے نہیں بیٹھیں گے جاؤ چلے جاؤ۔"

"تم بہت بزدل اور کم ظرف نکلے شہباز خان!" ہمارے قبیلے میں گھر آئے دشمن کے کتوں کی بھی مہمان نوازی کی جاتی ہے۔ کیا ہم جانور سے بھی کم تر ہیں کہ تم دو گھڑی ہمیں اپنے گھر میں بٹھا کر بات نہ کر سکتے تھے۔"

"اپنی اوقات تم اچھی طرح پہچانتے ہو شاہ افضل خان۔" وہ استہزائیہ انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے گویا ہوئے۔ شاہ بہرام خان کا چہرہ لمحے بھر کو سرخ ہوا آنکھوں میں غیض و غضب کی بجلیاں کوندیں تھیں مگر پھر فوراً ہی انھوں نے خود پر قابو پا لیا اور چند لمحے ڈبڈبائی آنکھوں سے بے آواز روتی ہوئی خانم گل کو دیکھتے رہے۔ پھر ان کے بوجھل قدم گیٹ کی طرف اٹھنے لگے۔ ان کے چہرے پر دکھ کی گہری پرچھائیں تھیں دکھ تکلیف و رنج ان کے شکست خوردہ قدموں سے اور دھواں دھواں چہرے سے مترشح تھا۔

"شمروز لالا! آج آخری بار میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ دشمن ہمارا تماشہ دیکھے آئندہ میری راہ میں آنے کی کوشش مت کرنا۔ غصے میں میں سب مروت و لحاظ بھول بیٹھتا ہوں پھر شکایت مت کرنا۔" شاہ افضل خان کے جانے کے بعد وہ شمشیر خان جو خاموش کھڑا اپنے غصے و اشتعال پر قابو پا رہا تھا ایک دم شمروز خان سے مخاطب ہوا۔

"مروت و لحاظ کیا بھلا گئے تم انسانیت و اخلاقیات بھول بیٹھے ہو۔"

"بس..... بس میں فضول بات سننا پسند نہیں کرتا۔ میں نے تمہیں سمجھا دیا ہے۔" وہ دھپ دھپ کرتا سے قہر آلود نگاہوں سے گھورتا ہوا اندر کی سمت بڑھ گیا۔

"بابا جان! مجھے آپ سے بھی یہ امید نہیں تھی۔ گھر آئے مہمان کی اتنی ذلت و ہتک

ہمارے ہاں کی جا سکتی ہے؟ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" وہ تاسف بھرے لہجے میں ان سے مخاطب ہوا۔

"شمروز خان! تم نہیں سمجھو گے بچے ان باتوں کی یہ سیاسی باتیں ہوتی ہیں۔ اپنا پلڑا بھاری کرنے کیلئے یہ چالیں چلی جاتی ہیں۔ ہم اس کی باتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔"

❁❁❁

"ورشا! حمزہ بھائی کا فون آیا تھا۔ ان کی طرف سے آج ہم انوائیٹ ہیں ڈنر پر۔" فارحہ نے باتھ روم سے برآمد ہونے والی ورشا کو مسرت سے لبریز لہجے میں اطلاع بہم پہنچائی۔

"کہاں.....؟" اس نے بالوں سے تولیہ ہٹاتے ہوئے استفسار کیا۔

"سی ویو....."

"میں نہیں جاؤں گی پچھلی مرتبہ انکل آنٹی کے ساتھ گئی تھی سمندر اتنا خوف ناک و سیاہ لگ رہا تھا کہ میں تمام وقت اس سے نگاہیں چراتی رہی تھی۔" ورشا نے بالوں میں برش کرتے ہوئے انکار کیا۔

"آج کل چاندنی راتیں ہیں اور ایسے میں سمندر کا حسن خوب نکھرتا ہے۔ بہت سحر انگیز پرسکون فضا ہوتی ہے تم دیکھو گی تو مبہوت رہ جاؤ گی چلنا ضرور میرے کہنے پر ہی حمزہ بھائی نے پروگرام بنایا ہے۔"

"مستقبل کیا کر رہی ہے؟"

"پورا وارڈ روب پھیلائے بیٹھی ہے۔ اسے کوئی سوٹ پسند ہی نہیں آ رہا۔"

"اچھا..... کپڑوں کی تو اس کے پاس کوئی کمی نہیں ہے۔"

"جب دماغ میں خلل واقع ہو جائے تو ایسا ہی ہوتا..... وہ اپنی اور حمزہ بھائی کی چوائس متعلقہ کو طور پر پوری کرنا چاہ رہی ہے۔ فی الحال تم اپنی فکر کرو ٹھہرو میں تمہارے لیے سوٹ منتخب کرتی ہوں۔ تم بہترین ڈریسنگ کرنا۔ ہم وہاں تصویریں بھی بنوائیں گے تاکہ تمہارے ساتھ گزرے ان آخری لمحوں کی یادگاریں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائیں اور جب تمہاری یاد ستائے تو آنکھوں کی پیاس تمہاری دید سے سیراب کر سکیں۔" یکدم ہی آنکھوں میں در آنے والی نمی کو پوشیدہ کرنے کیلئے وہ وارڈ روب کی سمت بڑھ گئی۔ ورشا نے بھی بمشکل اپنی کیفیت پر قابو پایا تھا۔

امتحانات سے فراغت کے بعد وہ ہر لمحہ ایک دوسرے کی قربت میں زیادہ سے زیادہ گزارنے کی سعی کرتی تھیں۔ گزرتے ماہ و سال میں وہ محسوس ہی نہ کر سکیں کہ وہ آپس میں محبت کے گہرے بندھن میں بندھ چکی تھیں جن کی نزاکت کا احساس انہیں اب ہوا تھا۔ رخشندہ بیگم اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ذیشان صاحب بھی اسے بہت وقت دیتے لگے تھے کہ وہ بھی جانتے تھے ورشا چلی گئی تو کوئی سمجھوتہ ہی اسے دوبارہ یہاں لا سکتا ہے۔ ایسے میں حمزہ بھی اپنی مصروفیات ترک کر کے ان کے ساتھ آ جاتا تو وہ مسرت و شادمانی کے احساس سے خود کو خوش نصیب سمجھنے لگتی کہ اتنی ڈھیروں بے لوث و بے غرض محبتوں' چاہتوں' شفقتوں کو پانے والا خوش نصیب ہی ہو سکتا ہے۔

"چاند لاتعداد ستاروں کے جھرمٹ میں اپنی شفاف' شیتل چاندنی پوری طرح نچھاور کر رہا تھا۔ رات کے اس پہر میں جب کہ ایک عالم محوِ خواب تھا۔ سمندر کے کنارے بے فکرے منچلے ولولہ دل لوگوں کی خاصی تعداد موجود اس خوابناک و رومانٹک ماحول کے لمحے لمحے سے سرشاری کشید کر رہی تھی۔ جن کے مسرتوں و جذبوں سے تمتماتے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا گویا دکھ و رنج پریشانی و فکروں سے کبھی واسطہ ہی نہ پڑا ہو۔

"ورشا کہاں گم ہو؟ آؤ پانی میں چلتے ہیں۔"

"پانی میں؟..... نہ بابا' میں اس وقت قطعی نہیں جاؤں گی۔ نہ معلوم کون کون سے آبی جانور اس وقت پانی میں موجود ہوں گے۔" اس نے خوف سے جھرجھری لے کر کہا۔

"مائی گاڈ' ایک تو تم خوفزدہ بہت رہتی ہو کچھ نہیں ہوگا آؤ تو سہی۔ دیکھو اور بھی تو لوگ ہیں پانی میں کچھ نہیں ہوگا۔" فارحہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے تسلی دی۔

"ہاں..... ہاں ورشا چلو بھی انجوائے کرو گی۔" کار سے نکلتے حمزہ نے اصرار کیا۔

"نہیں حمزہ بھائی پلیز میں آپ لوگوں کی ناراضگی کے خیال سے آ گئی ہوں لیکن اس وقت پانی میں بالکل نہیں جاؤں گی۔ دن کے وقت بھی میں بے فکری سے پانی میں نہیں جا سکتی کہ کوئی سانپ' مگرمچھ وغیرہ نہ آ جائے اس وقت تو میں ایک قدم نہیں چل سکتی۔" اس کے سادہ معصومانہ انداز میں کچھ ایسی بے ساختہ معصومیت و خوفزدگی تھی کہ وہ مزید اصرار نہ کر سکے۔

"فارحہ! تم بھی ورشا کے پاس بیٹھ جاؤ' بیچاری بور ہو گی میں اور حمزہ ایک راؤنڈ لگا کر آتے ہیں۔" سنبل فارحہ سے مخاطب ہوئی جو سینڈل اتار کر ان کے ساتھ جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ پینٹ کے پائنچے فولڈ کرتے ہوئے حمزہ نے فارحہ کے بگڑتے تیور دیکھ کر بمشکل مسکراہٹ ہونٹوں تلے دبائی تھی۔

"کیوں ہم میں کیوں رک جاؤں؟ تم کیوں نہیں رک جاتیں؟" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر غصے بھرا کاٹ دار انداز میں بولی۔

"مجھے کباب میں ہڈی بن کر اچھی لگو گی؟" وہ سرگوشی میں گویا ہوئی۔

"ہاں..... میں دیکھنا چاہتی ہوں ہڈی والا کباب کیسا ہوتا ہے۔"

"فارحہ! بحث کیوں کرتی ہو اس قدر' کیا ہو جائے گا اگر تم ساتھ نہ جاؤ گی تو۔" ورشا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تم بیٹھی رہو' نہ خود آگے بڑھنا نہ دوسروں کو بڑھنے دینا' میں ان کے ساتھ جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی کتنا ارمان ہے مجھے چاندنی رات میں سمندر کے کنارے بہتی لہروں پر ننگے پاؤں چہل قدمی کرنے کا۔ آج پہلی بار موقع ملا ہے تو اسے کیوں گنواؤں۔"

"چلو ڈیئر سسٹر اکون منع کر رہا ہے۔ یہ پروگرام اوپن ہی تمہاری خواہش پر کیا گیا ہے۔" حمزہ پرخلوص مسکراہٹ سے گویا ہوا تو فارحہ نے سنبل کا منہ چڑایا۔ حالانکہ سنبل اسے محض چڑانے کی خاطر چھیڑ رہی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر ورشا کو چلنے کو کہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے انکار کر دیا۔

وہ پتھروں سے آہستگی سے اترتے ہوئے نیچے ریت پر اتر گئے تھے۔ ورشا وہائٹ سلک کے چادر نما دوپٹے کو سنبھالتی ہوئی ایک بڑے پتھر پر بیٹھ کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ چاندنی کا غبار ہر سو پھیلا ہوا سحر انگیز طلسماتی دنیا کا کوئی انوکھا سا اسرار محسوس ہو رہا تھا۔ چاندنی کی مانند چمکتی کرنیں سمندر کی آتی جاتی لہروں پر اپنا حسن لٹا رہی تھیں۔ ان پر اپنی مضبوط گرفت قائم کیے ہوئے تھیں۔ تمام رنج و افکار کے صحراؤں سے وقتی پیچھا چھڑائے لوگ بہت فریش تھے۔ سنبل' فارحہ اور حمزہ سامنے لہروں سے کھیلتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ فارحہ وقفے وقفے سے تصویریں بھی اتار رہی تھی۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی کپلز ہاتھوں میں ہاتھ دیئے اردگرد سے بے نیاز ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں مصروف تھے۔

تیرے حسن کی ہے جو دلکشی
تیرے لب کے گلاب ہیں
میرے خواب ہیں
میرے خواب ہیں میری زندگی
میری زندگی میں سراب ہیں
میرے ساتھ ہیں جو یہ واہمے
کئی وسوسے ہیں عذاب ہیں
میں جو آرزو کے سفر میں ہوں
نہ خبر میں ہوں نہ خبر میں ہوں
کہے کس طرح یہ سفر میرا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں ہوں منزلوں سے پرے کہیں
کسی دشت میں کسی دور میں

"اسلام علیکم۔" مانوس اور بھاری آواز قریب سے ہی ابھری تھی۔ وہ سٹپٹا کر کھڑی ہو گئی۔

"ہم میں دوستی نہ سہی شناسائی تو بہرحال ہے اور سلام کا جواب تو اجنبی کو بھی دے دیا کرتے ہیں۔" وہ اس کی اچانک اور بالکل غیر متوقع آمد سے لمحے بھر کو بوکھلائی تھی مگر پھر خود پر قابو پانے میں اس نے اگلا لمحہ ضائع نہیں کیا تھا۔ حسب عادت اس کی طرف سے رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"ضروری نہیں..... سلام کا جواب یا آواز بلند ہی دیا جائے۔" وہ رکھائی و سرد مہری سے گویا ہوئی۔

"ضروری ہے..... ورنہ بندہ مجھ جیسا ہو تو وہ اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بار بار سلام دہراتا ہے کہ مقابل نے سنا نہیں۔" صارم مسکراتے ہوئے گویا ہوا مگر اس بار اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور آگے جھک کر ان تتلیوں کو دیکھنے لگی جو خاصے آگے چلے گئے تھے۔

"آپ اس قدر کٹھور پن کا مظاہرہ میرے ساتھ کیوں کرتی ہیں؟ حالانکہ میں اپنے رویے کی معافی مانگ چکا ہوں۔ باوجود کوئی خطا نہ ہوتے ہوئے بھی۔ خوشی و شرارتیں بے فکر و آزاد زندگی کا خاصہ ہوتی ہیں اور نعمتیں کب چھن جائیں کسی کو معلوم نہیں تو کیوں نہ ان کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم خود بھی خوش رہیں اور لوگوں میں بھی خوشیاں بانٹیں۔"

وہ ڈیپ سلک کے ہینڈ ورک سوٹ میں ملبوس چاندنی کا ایک حصہ محسوس ہو رہی تھی۔ سلور جیولری اور شفاف تر و تازہ گلاب کی مانند چہرے پر سادگی میں بھی عجیب دلکشی و ملکوتی حسن تھا۔ بہتی چاندنی و لہروں کے مدغم شور نے ایک طلسم کدے کا روپ دھارا ہوا تھا۔ اور وہ اس سے اے مغرور اپنے حسن و جمال پر نازاں کوئی ساحرہ لگ رہی تھی جو اپنے حسن کے جلووں سے دیکھنے والوں کو پتھر کا بنا دے اور خود پھر بھی بے خبر و نادان رہے۔ صارم خان تو حسن کا دیوانہ تھا خود کو بے اختیار سا محسوس کر رہا تھا۔ یہ عجیب بات تھی اس کی موجودگی میں وہ ہر عہد ہر گریز و ضبط چھوڑ بیٹھتا تھا..... اس بار تو معاملہ کچھ دوسرا تھا۔ وہ اگلے ہفتے گاؤں جا رہا تھا۔ ایگزامز سے فارغ ہوئے پندرہ دن ہو چکے تھے۔ بابا جانی اور سبریز نے کئی بار کال کر لی تھیں کہ وہ آ جائے وہاں شادی کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ وہ اپنے کچھ ادھورے کام نمٹانا چاہ رہا تھا جن سے فارغ ہونے کے بعد سبریز کی شادی والے دن اسے وہاں پہنچ جانا تھا۔ جانے سے پہلے وہ اس کوشش میں تھا کہ ایک بار ورشا سے ملاقات ہو جائے اور آج وہ اتفاقاً ہی ادھر آ نکلا تھا تو اس کا گوہر مقصود اس کے سامنے تھا۔ ایک

مقصد سے بے رخی' بے پروائی' کٹھور پن و بیگانگی سے پر انداز کے ساتھ۔

"جائیے' جا کر لوگوں میں خوشیاں بانٹیے' یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"یہاں موجود لوگ بھی تو خوشیوں پر حق رکھتے ہیں۔" وہ اس پتھر پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا جس پر کچھ دیر قبل وہ بیٹھی ہوئی تھی۔

"جائیے آپ یہاں سے۔ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں آپ؟" وہ زچ ہو کر چیخی۔

"آپ کا بے معنی گریز' بے گانگی مجھے مجبور کرتی ہے ورشا' آپ کو معلوم ہے؟ چاند ہمارے لیے اتنا پرکشش اور متاثر کن کیوں ہے؟ کیوں کہ ہم اسے پا لینے کی جستجو و جنون میں مبتلا رہتے ہیں؟..... دراصل ہر وہ شے جو ہماری دسترس سے دور ہو جسے ہم صرف دیکھ سکتے ہوں تو اسے پا لینے کی تمنا اولین بن جاتی ہے حالانکہ یہ ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ چاند جو اپنی دلکشی و دلربائی کے باعث نگاہوں کو خیرہ کر دیتا ہے تو دراصل اس کی خوبصورتی ظاہری ہے ورنہ یہ پتھروں کا وجود رکھتا ہے۔"

اس نے چند ساعتیں اس سحر انگیز فسوں خیز چاندنی کے غبار میں نظر آتے اس کے حسین سراپا کو دیکھا گلابوں کی سی رنگت والا چہرہ۔ تیکھے نقوش' ستواں ناک' بھرے ہونٹ۔ جو کاپر کلر کی لپ اسٹک سے رنگین پرکشش لگ رہے تھے۔ نیلگوں سمندر کا رنگ چرائے آنکھوں میں سمندر کی سی گہرائی تھی اسے لگا جیسے چاند کی تمام جگمگاہٹ' ستاروں کی چمک اس کی آنکھوں میں سمٹ گئی ہو..... چاندنی کی ساری دلکشی حسن اس کے چہرے پر سمٹ کر رہ گیا ہو۔

وہ جو حسن کا شیدائی تھا۔

خوبصورتی کا دیوانہ۔

رعنائی و دلکشی کا اسیر۔

اس کے جذبے گویا سمندر کی لہروں کی طرح اس کے اندر تلاطم برپا کرنے لگے۔

وہ خاموش ہو گیا تھا۔ جذبوں کی زبان نہیں ہوتی۔ یہ محسوس کیے جاتے ہیں۔ دل آویز خوش کن سرشاری کی طرح جو آپ کے دل میں مسرور کن کیفیت پیدا کر دیں۔

"ورشا! آپ کیوں اس قدر بدگمان و متنفر رہتی ہیں مجھ سے؟" اس کی مسلسل خاموشی و بے اعتنائی نے اسے سوچوں کے بھنور سے پھر کھینچ لائی۔

"میں نے آپ سے کتنی بار کہا ہے آپ میرا نام مت لیا کریں۔ مجھے پسند نہیں ہے کسی غیر کے منہ سے اپنا نام سننا۔" وہ اس کی طرف رخ کر کے نفرت سے لبریز انداز میں گویا ہوئی..... اس کے انداز پر لمحے بھر کو صارم کی پیشانی شکن آلود ہوئی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"میں اسی "غیریت" کو دور کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا مقصد ہے آپ کا۔"

"میں..... آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے اپنے گھر کا ایڈریس دیں تاکہ میں اپنے بزرگ آپ کے گھر بھیجوں۔"

"واٹ؟" نیلگوں جھیلوں میں گویا یکلخت آگ دہک اٹھی تھی۔

"میں نے سلیس اردو استعمال کی ہے آپ اتنا حیرانگی کا اظہار کیوں کر رہی ہیں؟" وہ اس کی کیفیت سمجھنے کے باوجود مسکراتا ہوا گویا ہوا۔

"آپ کو جرات کیسے ہوئی مجھ سے ایسی بات کرنے کی؟" وہ بپھری آواز میں بولی۔

"میں نے کوئی معیوب یا اخلاق سے گری ہوئی بات نہیں کی ہے اور نہ ہی آپ کوئی سات پردوں میں چھپی رہنے والی کوئی ایسی ہستی ہیں جن سے ایسی بات نہیں کی جا سکتی۔ آزاد اور مخلوط تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل کرنے والی لڑکی کو اتنا متعجب ہونا زیب نہیں دیتا۔" وہ جو بہت دیر سے خود پر قابو رکھے ہوئے تھا ورشا کا تضحیک و تنفر سے بھرپور انداز اس کے اندر سوئے آفریدی کو جگا گیا تھا۔ جواباً وہ بھی بگڑے تیوروں سے بولا تھا۔

"مائی فٹ! ایک عیاش اور بدقماش شخص کا میں نام بھی لینا گوارہ نہیں کرتی۔ اپنی ایجوکیشن کسی اپنی جیسی ہی لڑکی سے کرنا۔ بدکردار مردوں کے ساتھ بدکردار عورتیں ہی زیب دیتی ہیں مسٹر! میں نے مخلوط تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل ضرور کی ہے اور اس تعلیم سے اپنا آپ' اپنا ضمیر اپنا ذہن روشن کیا ہے۔ میرے کردار کی چادر بے داغ ہے اور مجھے فخر ہے۔"

"میں عیاش ہوں؟..... بدکردار ہوں؟..... بدقماش ہوں..... بتاؤ تم نے مجھے کب دیکھا ہے یہ سب کرتے ہوئے؟" وہ گویا انگاروں سے دہکتے صندوق میں مقفل کر دیا گیا تھا۔

"بلاوجہ مجھ سے نہیں جا کر اپنی ان گرلز فرینڈز سے پوچھو اور اب چلے جاؤ یہاں سے۔"

اس وقت وہ ایک سفاک و بے خوف لڑکی لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے آنکھوں سے انداز سے معمولی سا بھی ڈر نہیں جھلک رہا تھا..... اپنے مقابل کھڑے قد آور و مضبوط جسم کے مالک صارم کے آگے وہ نازک سی کرسٹل کی حسین ترین گڑیا لگ رہی تھی جسے وہ چاہتا تو لمحے میں چکنا چور کر دیتا۔

"کاش..... کاش! میں اپنے آپ پر دسترس رکھ سکتا' تمہارے معاملے میں تو ورشا خان! تم یوں میرے ہی سامنے میرے جذبوں کی بے عزتی کر کے سالم تو واپس نہیں جا سکتی تھیں۔" اس کے لہجے میں غضب ناک شیروں جیسی غراہٹیں پنہاں تھیں۔ ساعت بھر کو ورشا کے چہرے کا رنگ پھیکا

پڑا تھا لیکن وہ گھوڑوں سے اترتے ان تینوں کو دیکھ کر نارمل ہو گئی تھی۔

"کسی خوش فہمی میں نہیں رہنا مسٹر! تم میری پرچھائیں پر بھی دسترس نہیں پا سکتے۔"

"چیلنج؟ اوکے' تو اب بات انا کی جیت کی ہے تو آپ سمجھ لیں آپ کی پرچھائیں ہی نہیں بلکہ آپ پر مکمل دسترس پا کر بات کریں گے۔ صارم خان آفریدی کبھی چیلنج ہارا نہیں کرتا۔ اپنی زندگی سے زیادہ انا کی سرخروئی عزیز رکھتا ہے۔" وہ ایک نظر ڈال کر اس پر چلا گیا تھا۔ ہٹ دھرمی' بات تدی' ضدو اکھڑپن اس نے پہلی مرتبہ اس کے اندر محسوس کیا تھا۔ اور وہ شانے اچکا کر رہ گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

جبڑے کے درمیان آتشی' سفید اور سرخ پھولوں کی بیلوں سے ڈھکے ہٹ نما پختہ مکان کے آگے جیپ آ کر رکی تھی۔ سمندر خان نے پھرتی سے اتر کر جیپ کا گیٹ کھولا۔ لائٹ براؤن کاٹن کے کڑھائی والے سوٹ پر ہیرنگ کڑھی ہوئی واسکٹ میں بلوس آف وہائٹ چادر خصوص انداز میں شانوں پر ڈالے ہوئے لیدر کی سیاہ بھاری مردانہ سینڈل میں مقید اس کے (اس کی دھمک کے ساتھ زمین پر رکھے گئے تھے۔ وہ لپورنگ آنکھوں سے اس مکان کو گھورتا ہوا جیپ سے برآمد ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر اس وقت خشونت و سفاکی کے تمام رنگ موجود تھے۔

"آیئے خان! یہی ہے وہ شہر سے آئی حکیم صاحب کی بھتیجی کا مطب۔" سمندر اپنے مخصوص کی وہ چاپلوسانہ انداز میں فوراً گویا ہوا۔

"خان! سنا ہے یہ ڈاکٹرائی ہماری عورتوں کو بھی بہکا رہی ہے کہ صرف دو بچے پیدا کریں۔" خان جیپ بند کر کے آ کر اس سے رازدارانہ انداز میں گویا ہوا۔

"خدا غارت کرے ایسی بے حیا و بے غیرت عورت کے لو بھلا خدا کے کام میں بھی کوئی مداخلت کر سکتا ہے؟" سمندر خان زوردار انداز میں اپنے دونوں گال پیٹتا ہوا توبہ کرنے لگا۔ وہ تینوں ان کے ساتھ چلتے ہوئے شمشیر خان کے چہرے کے عضلات سکڑتے جا رہے تھے جو اس کی وہ شیطانہ پن و اشتعال انگیزی کا اظہار تھے۔

"خان! یہ صاف صاف ہمارا نسل کشی کا پروگرام ہے۔"

"تم فکر مت کرو یار! ایسا کوئی پیدا نہیں ہوا جو ہماری نسل کشی کر سکے۔ ہم نے خان کی پیدائش سے پہلے ہی پیغام گاؤں کے مردوں کو دے دیا تھا کہ کوئی بھی عورت یا مرد مطب (کلینک) جائے گا تو خان زمین میں دفن کروا دے گا۔ اسی دن سے کوئی بھی اس طرف نہیں آتا۔" سمندر مسکراتے ہوئے کہا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ مکان کے گیٹ تک پہنچ چکے تھے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ صمد خان نے دروازہ کھٹکھٹانے کے بجائے بوٹ کی بھرپور ٹھوکر ماری تھی۔ دروازہ بھاری اور قدیم لکڑی کا تھا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا صرف احتجاجاً تھوڑا شور ہوا تھا جس کی صدا اندر مکینوں تک پہنچ چکی تھی۔

"یہاں کے لوگ بھی بڑے جاہل ہیں۔ دروازہ بھی ایسے کھٹکھٹاتے ہیں جیسے توڑ رہے ہوں۔"

اندر سے ایک ادھیڑ عورت نے خاصے جھنجلاتے ہوئے دروازہ کھولا تھا۔ دروازہ کھولتے ہی اس کی نگاہ صمد خان اور سمندر خان کے درمیان میں کھڑے شمشیر خان پر پڑی تھی۔ اس کی شعلہ بار نگاہوں اور چہرے کی کرختگی نے اسے بوکھلا ڈالا تھا۔ پھر اس کی سراسیمہ، خوفزدہ نگاہیں ان دونوں پر ان کے بازوؤں پر لٹکتی رائفلز پر پڑیں تو اس نے پہلے ایک زوردار چیخ ماری پھر "ڈاکو آ گئے ڈاکو آ گئے۔" کا شور کرتی ہوئی اندر پردے کے پیچھے غائب ہو گئی۔

"یہ؟..... حسین و جمیل طراز ڈاکٹر ہے؟ جس کے تم گزشتہ ہفتوں سے تذکرے کر کر کے میرا دماغ چاٹ رہے تھے۔" شمشیر نے ایک زوردار دھپ سمندر خان کے شانے پر رسید کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ چالیس پینتالیس سالہ بھدے نقوش و سیاہ رنگت کی ڈاکٹر کا اس نے تصور بھی نہ کیا تھا۔ غصے و جھنجلاہٹ سے اس کا برا حال تھا۔ مستزاد اس پر اس عورت کا انہیں ڈاکو کہہ ڈالنا تھا۔ وہ لمحے بھر میں اس مکان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا چاہتا تھا۔

"السلام علیکم! میں ڈاکٹر کائنات ولاور ہوں۔ غالباً رفعت کو آپ لوگوں کو دیکھ کر غلط فہمی ہوئی ہے جس کے لیے میں آپ صاحبان سے معذرت کی خواستگار ہوں۔"

دھیمی و شہد آگیں آواز پر شمشیر خان نے بلا ارادہ نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ سامنے سبز و سرخ باڈر والی ساڑھی میں ملبوس دھیمی مسکان ہونٹوں پر سجائے وہ سامنے کھڑی تھی۔ اس کی گندمی رنگت میں گندم کے سنہرے خوشوں کی چمک تھی۔ عارضوں پر سرخ سیبوں کی سرخی تھی۔ سیاہ و دلکش کی تمام سیاہی اس کی آنکھوں کے دائروں میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ خاصی زندگی سے بھرپور چمکدار آنکھیں تھیں۔ سرخ لپ اسٹک سے ہونٹوں پر گلاب سے کھل رہے تھے۔ بالوں کا اس نے سادہ سا جوڑا بنایا ہوا تھا۔ کانوں میں سرخ نگینوں کے چھوٹے آویزے تھے۔ گلے میں سرخ نگینوں کا ایک کٹ تھا۔ اس کا سانولا سلونا روپ کچھ ایسا ہی پرکشش اور اپنے اندر انوکھا پن رکھتا تھا کہ شمشیر خان کے تنے ہوئے عضلات نارمل ہونے لگے تھے۔ اسے ایسا ہی محسوس ہوا گویا تپتی دھوپ سیاہ بادل و شوخ بدلیوں کے سائے میں آ گیا ہو۔

"آپ لوگ بیٹھیے نا؟ کہاں سے آئے ہیں آپ؟" وہ دیواروں کے سہارے رکھی کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے ملائم لہجے میں پوچھنے لگی۔

"ہم۔ حویلی سے آئے ہیں....." سمندر خان جو شمشیر خان کے بدلتے رنگ بخوبی پہچانتا تھا ڈاکٹر کائنات کو ہوس ناک نظروں سے دیکھتا ہوا فاخرانہ انداز میں بولا۔

"حویلی سے..... اچھا..... اچھا۔ آپ شہباز خان کے بیٹے ہوں گے۔ شہباز خان کا بہت احسان ہے مجھ پر۔ دراصل انکل حیات مجھے یہاں کلینک کھولنے نہیں دے رہے تھے۔ ان کا خیال تھا شہباز خان صاحب یہ پسند نہیں کریں گے اور ایسا ہی ہوا تھا پہلے تو انہوں نے اجازت نہیں دی پھر میں ان کے پاس گئی انہیں بتایا' سمجھایا کہ اس علاقے کے لوگوں کو کتنی اشد ضرورت ہے یہاں میڈیکل فیسلیٹیز قطعی نہیں ہیں۔ لوگ اب تک قدیمی نسخوں پر زندگی گزار رہے ہیں جن کے بارے میں درست معلومات نہ رکھنے کے باعث وہ بے شمار بیماریوں اور تکالیف کا شکار ہوتے ہیں۔ شکر ہے خدا کا' ان کی سمجھ میں میری باتیں آ گئی تھیں۔ پھر میں نے کلینک اسٹارٹ کر لیا۔ ایمرجنسی میں ابھی حاضر ہوتی ہوں۔" وہ خاصی باتیں کرنے کی شوقین تھی جس طرح آئی تھی ایسے ہی سبک خرامی سے پردے کے پیچھے غائب ہو گئی۔

"اف! عورت ہے یا بولنے کی مشین؟ پٹر پٹر اپنے آگے کسی دوسرے کو بولنے کا موقعہ ہی نہیں دیتی۔" صمد خان برا سا منہ بنا کر بولا۔

"خان! اب کیا کہتے ہو؟ ہے نا نمک کی کان' میں نے غلط تو نہیں کہا تھا۔" سمندر خان' صمد خان کو نظر انداز کر کے داد لینے کے سے انداز میں اس سے مخاطب ہوا۔

"ولاور خان نے غیر برادری میں شادی کی تھی؟" شمشیر خان چونک کر استفسار کرنے لگا۔ اس نے سمندر خان کی بے قراری یکسر نظر انداز کر دی تھی۔

"جی خان! حیات خان کا بڑا بھائی ولاور خان تھا۔ وہاں سے شہر پڑھنے کے واسطے گیا تھا۔ شہر میں ہی اس نے اپنی پسند سے شادی کر لی تھی۔ اس نے برادری سے باہر غیر برادری کی عورت سے شادی کر کے رسوم و رواج کے خلاف کام کیا تھا۔ جس کی سزا اسے "برادری بدر" یعنی برادری سے اس کا ہر تعلق و رشتہ توڑ کر جرگے نے دی تھی۔ وہ کسی سے بھی نہیں مل سکتا تھا۔ جو اس سے ملتا وہ جرگے کے قوانین کے مطابق برادری سے بے دخل کر دیا جاتا اور اس کی زمین و جائیداد سب چھین لی جاتی تھی۔ بلکہ ابھی بھی یہ قانون ایسے ہی موجود ہیں پھر یہ ہوا کہ ماں باپ ولاور کی برادری کے بے دخلی کے کچھ دنوں بعد آگے پیچھے انتقال کر گئے۔ حیات خان کی شادی ہو گئی وہ بھی اعلانیہ سے نہیں ملتا تھا۔ اب کچھ عرصے پہلے گاؤں یہ لڑکی خود آئی تھی کہ ولاور خان اور اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ تنہا لڑکی تھی اور بڑے خان نے اسے یہاں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔"

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سکندر خان اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

"رفعت آپا! بالکل بچگانہ حرکتیں ہیں آپ کی وہ بڑے خان کے بیٹے ہیں اور آپ نے انہیں ڈاکو بنا دیا اور اب بھی خوامخواہ خوفزدہ ہو رہی ہیں۔ چائے لے کر چلیں۔"

"نہیں بی بی! آپ جو بری بھلی کہنا چاہیں میں سن لوں گی لیکن ان کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ اتنی اتنی بڑی مونچھیں اور یہ لمبی لمبی بندوقیں ہیں ان کے پاس۔ اگر بندوق چل گئی تو..... اف میرا تو بندوق دیکھ کر ہی دم نکل جائے گا۔" رفعت آپا مارے خوف کے ابھی بھی کانپ رہی تھیں، وہ حقیقتاً بہت خوفزدہ تھیں۔

"چھوڑیں آپا! ایسے بھی کوئی ڈرتا ہے اور بندوق خود بخود تھوڑی چل جائے گی۔" کائنات مسکراتی ہوئی چائے دانی پر ٹی کوزی سیٹ رکھتے ہوئے مسکرا کر گویا ہوئی۔

"آج کل انہونی کا وقت ہے بی بی! کبھی بھی کچھ ہو سکتا ہے اور جو بڑے خان کا بیٹا مجھے اچھا نہیں لگا۔"

"کیسی بات کرتی ہیں آپ بھی۔ اتنا ہینڈسم و پاور فل پرسنالٹی کا مالک ہے وہ۔" کائنات ٹرالی میں رکھتی ہوئی ستائشی انداز میں گویا ہوئی۔

"یہ بھی خوف تھا تعریف کی آپ نے! سچ پوچھیں تو مجھے اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر اس آدم خور شیر کی آنکھیں یاد آ رہی ہیں جس نے کئی سو انسانوں کو چیر پھاڑ کھایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی ایسی ہی درندگی و سفاکی تھی میں یوں ہی تو خوفزدہ نہیں ہوں۔

"وہ ظلم تھی آپا! آپ بھی بعض اوقات کمال ہی کر جاتی ہیں۔" وہ ٹرالی لے کر آگے بڑھ گئی۔ رفعت آپا نے کچھ دعائیں پڑھ کر کائنات پر پھونکی تھیں۔ وہ عمر رسیدہ، جہاندیدہ خاتون تھیں۔ وقت کی گرد آلود بے رحم گردش نے انہیں حساس دل و زیرک نگاہ عطا کی تھی۔ شمشیر خان پر ان کی ایک نگاہ پڑی تھی اور جو ادراک انہیں ہوا تھا وہ ڈاکٹر کائنات سے کہہ بیٹھی تھیں۔ اس نے اپنی لاابالی و بے پروا طبیعت کے باعث توجہ نہ دی تھی مگر وہ ایک انجانے خوف میں مبتلا ہو گئی تھیں۔

"نہ معلوم آپ کو چائے پسند آئے گی یا نہیں؟ کیونکہ یہاں تو زیادہ تر قہوہ چلتا ہے لیکن مجھے ابھی تک قہوہ بنانا نہیں آیا۔ کبھی پتی مقدار سے زیادہ ہو جاتی ہے تو کبھی الائچی ویسے بھی ہم کو چائے کی عادت ہے۔ کراچی میں چائے بہت پسند کی جاتی ہے یا پھر سوفٹ ڈرنک۔"

کائنات اسے پلیٹ میں سینڈوچ اور کیک کے بعد چائے سرو کرتی ہوئی بولی۔

"تھینکس، وہ چائے کا سپ لے کر دھیمی گونج دار آواز میں گویا ہوا۔ اس کے حکم پر

سکندر خان اور صمد خان باہر جیپ میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔

"تھینکس، اچھا ہوا آپ آ گئے، میں آج حویلی آنے کا سوچ رہی تھی۔ آپ کے بھائی کی شکایت لے کر..... اس نے میرے تمام مریض روک دیئے ہیں۔"

"بھائی!..... کون؟" وہ قدرے چونک کر گویا ہوا۔

"شمشیر خان نام ہے اس کا..... خاصا اسٹوپڈ اینڈ جیلس ہے وہ۔" وہ غصیلے انداز میں کہہ رہی تھی..... اس کے سنہری چہرے پر برہمی کے تاثرات تھے۔

"کیا..... کیا ہے اس نے؟" وہ اپنی سرخ نگاہیں اس کے چہرے پر جماتا ہوا گمبھیر لہجے میں بولا۔

"وہ..... اس نے تمام لوگوں کو میرے پاس آنے سے روک دیا ہے..... مجھے لگتا ہے وہ ظالم اور سفاک شخص ہے جو انسانوں سے محبت نہیں کرنا جانتا۔"

شمشیر خان کی نگاہوں میں کچھ ایسے ہی تاثرات تھے کہ وہ چند لمحے اس کی نگاہوں کی ابھاتی تپش سے بوکھلا اٹھی تھی لیکن جلد ہی شمشیر خان نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

"آپ کو بھینا ہیڈ فیل ہو رہا ہوگا کہ میں آپ کے بھائی کو اس طرح کہہ رہی ہوں لیکن آپ خود بتائیں۔ ان کو اس طرح کرنا زیب دیتا ہے؟ وہ حکمران ہیں یہاں کے انہیں اپنی ذمہ داریاں بھی سمجھنی چاہئیں نا..... اچھا حکمران وہی ہوتا ہے جو اپنی رعایا کی صحت و زندگی کا خاص خیال رکھے یا حکمرانی و دولت کے نشے میں خود کو فرعون بنا ڈالے..... ایسے لوگ اللہ کو بھی پسند نہیں ہوتے اور نہ لوگوں کو..... میں نے کتنی بار کوشش کی۔ شمشیر خان صاحب سے ملنے کی لیکن ہر بار ان کے جان نے مجھے روک دیا۔ ان کا خیال ہے شمشیر خان صاحب کا کردار کمزور ہے۔ میرے خیال میں آپ کے بھائی میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو بگڑے ہوئے رئیس زادوں میں ہوتی ہیں خیر وہ ان کا ذاتی معاملہ ہے جس میں ہمیں انٹرفیر کی ضرورت نہیں ہے۔"

"حکیم صاحب کہاں ہیں؟" وہ ایک دم کھڑا ہو کر استفسار کرنے لگا۔

"وہ شہر گئے ہیں نرسوں کو چھوڑنے رات تک آ جائیں گے۔" وہ بھی کھڑی ہو کر گویا ہوئی۔

"نرسوں کو چھوڑنے۔" اس نے بھنکلے سے چادر کا پلو بائیں شانے پر ڈال کر استفسار کیا۔

"جی..... ایک ماہ سے یہاں کوئی مریض نہیں آ رہا تو نرسیں کب تک خالی بیٹھ سکتی ہیں؟ وہ اپنے گھر والوں کے لیے گھر سے دور ہوئی تھیں۔ ایک ماہ کی تنخواہ تو میں نے اپنے اکاؤنٹ سے انہیں دے دی لیکن ہر ماہ میں اس طرح نہیں کر سکتی اس لیے وہ چلی گئی ہیں۔ اگر شمشیر خان صاحب نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی نہیں چھوڑی تو مجھے بھی مجبوراً واپس کراچی جانا ہوگا۔ کراچی میں میرا کلینک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے جو میں ساتھی ڈاکٹر کو دے آئی تھی کہ اس کے کرائے سے میں یہاں کلینک چلاتی رہوں گی کیونکہ شہروں میں ڈاکٹرز کی بہتات ہے۔ ایسے علاقوں میں ڈاکٹر کی ضرورت ہے ان جیسے معصوم و سادہ مجبور لوگوں کی خدمت کر کے روحانی سکون و مسرت حاصل ہوتی ہے۔ آپ سمجھ گئیں نا۔ شمشیر خان صاحب کو.....؟" وہ باہر گیٹ تک اس کے ساتھ آئی تھی۔ اس کی خاموشی نے اس کے حوصلوں کو خاصی تقویت بخشی تھی۔ اس لیے شاید وہ بے تکان بول رہی تھی۔ شمشیر خان کا چہرہ سپاٹ تھا جس سے وہ کوئی بھید نہ پا سکی تھی کہ وہ اس کی خرافات اس سے ہی کر رہی تھی۔ جس کے آگے لوگ نگاہ اٹھا کر بات کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔"

"کان سے پکڑ کر سمجھائیے گا۔ جب ہی سمجھ میں آئے گا ان کی۔" وہ شمشیر خان کو اثبات میں گردن ہلاتے دیکھ کر شوخی سے بولی۔ سمندر خان نے ٹرے اس کے ہاتھ میں پکڑائی تھی۔ جس میں چائے کے خالی برتن موجود تھے۔ شمشیر خان ڈارک گلاسز آنکھوں پر لگاتا جیپ میں بیٹھ گیا۔

"ارے آپ نے اپنا تعارف تو کروایا ہی نہیں۔" جیپ اسٹارٹ ہوتے دیکھ کر اسے فوراً اپنی حماقت کا احساس ہوا تو وہ تیزی سے گویا ہوئی۔

"ہمارا خان! بڑے خان کا چھوٹا بیٹا شمشیر خان ہے۔" سمندر نے فخریہ انداز میں کہا۔

"شم..... شیر..... خا..... ان....." اس کے منہ سے اٹک اٹک کر لفظ نکلے اور ہاتھ میں پکڑی ٹرے برتن سمیت زمین بوس ہو چکی تھی۔ اس کی پھیلی پھیلی نگاہیں لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی جیپ پر مرکوز تھیں..... کانچ کے برتن کرچی کرچی ہو کر دور تک بکھر چکے تھے۔

❁ ❁ ❁

"باسط! باہر تمہارے سسر صاحب کھڑے ہیں۔ تم سے ملنے آئے ہیں۔" آفتاب جہانگیر باہر سے اندر آ رہا تھا۔ باسط سے مخاطب ہوا جو صوفے پر دراز میگزین پڑھنے میں مصروف تھا۔

"انکل آئے ہیں؟ احمق آدمی انہیں ساتھ اندر لانا تھا۔ خود منہ اٹھائے اندر چلے آئے ہو۔" باسط میگزین ٹیبل پر رکھ کر ایک جست میں کھڑا ہو کے اس پر بگڑا تھا۔

"بھائی! ان کی رشتے داری صرف تم سے ہے اور وہ غیر متعلق لوگوں سے بات کرنا گوارہ نہیں کرتے..... اس لیے میں انہیں لان میں ہی چھوڑ آیا ہوں۔" آفتاب دھیمے سے لہجے میں بولا۔

"تم اپنا بلڈ پریشر ہائی مت کرو..... چلو ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔" صارم ماموں کے ساتھ باسط گیٹ کھول کر باہر آ گئے۔ کور یڈور عبور کرنے کے بعد وہ لان میں پہنچے تو لان کے درمیان ایک خاصے تندرست گدھے کو گھاس سے شوق فرماتے دیکھ کر ان تینوں کے لبوں

آسمان کو چھونے لگے تھے۔ جبکہ باسط کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ جھنجلاہٹ، کھسیاہٹ اور شدید غصے سے اس کا جسم کانپنے لگا تھا اور اس حالت میں شدت اس وقت عروج پر پہنچی جب اس نے لان سے ملحقہ گلاس وال کے پار آفتاب کو ہنستے ہوئے دیکھا..... وہ گدھے کی طرف اشارہ کر کے پوچھ رہا تھا کہ "اپنے سسر سے ملاقات کر لی۔" اس کے چہرے پر شرارت ہی شرارت رقصاں تھی۔

"اوہ..... اوہ! میں اس ٹٹکی کو نہیں چھوڑوں گا۔ جان سے ماردوں گا اسے جان سے ماردوں گا۔" وہ جنونی انداز میں اندر کی سمت دوڑنے لگا۔ وہ تینوں بھی اس کے پیچھے اندر بڑھے تھے..... آفتاب اس کے تیور بھانپ کر اندر اسٹور روم میں چھپ گیا تھا اور اندر سے دروازہ لاک کر لیا۔

"ٹٹکی! دروازہ کھول دے۔ دیکھ میں کہہ رہا ہوں دروازہ کھول دے۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" وہ دروازے پر لاتیں رسید کرتا ہوا غرا رہا تھا۔

"معلوم ہے مجھے تجھ سے برا کوئی نہیں ہے اس جہان میں۔" آفتاب اوپر دیوار میں نصب گرل سے جھانکتا ہوا دانت نکال کر گویا ہوا۔

"چھوڑو یار! کیوں اپنی انرجی ضائع کر رہے ہو؟ تمہیں معلوم ہے یہ ٹٹکی! تمہیں ستا کر جلا کر مزے لیتا ہے اور تم جان بوجھ کر اس کے داؤ میں پھنس جاتے ہو۔" بہروز نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آج میرے صبر کا پیمانہ ٹوٹ کر چور چور ہو گیا ہے۔ میں اسے جان سے مارے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔"

"ابے پوتے دو پیسے کے بندے! تو مجھے نہیں مار سکتا۔ مجھے کیا مارے گا۔" آفتاب جس بے [illegible] اسے چڑا کر چھیڑ کر لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"باقی کی جب شامت آتی ہے وہ اسٹور روم کا رخ کرتا ہے باسط! میری جان تم غصہ تھوک دو۔ ابھی دیکھنا ہم کیسا اس سے انتقام لیتے ہیں۔" صارم نے باسط کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر آفتاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"صارم! دیکھو تو دوستی میں غداری نہ کیا کر اگر تو نے اس کا ساتھ دیا تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"باسط جیسے معصوم اور کمزور بندے کے ساتھ مذاق کر کے تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"ایز فرینڈز! یہی تو چند دن ہیں جو ہم انجوائے کر رہے ہیں۔" انگیزامز سے فارغ ہو چکے [illegible] کل صبح صارم گاؤں جا رہا ہے۔ باسط میرپور کے لیے صارم کے بعد روانہ ہو جائے گا۔ [illegible] اپنے گھروں کی طرف چل پڑیں گے۔ زندگی کے قافلے اپنی اپنی ڈگر پر گامزن ہو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جائیں گے۔ بے فکری وغیر ذمے داری کے دن ہم سے اب رخصت چاہتے ہیں۔ زندگی کے تعاقب و فراز پھر کہاں یہ دن ہمیں لوٹا سکتے ہیں۔ پھر نہ معلوم ہم کب ملیں؟ تو کیوں نہ ان دوڑتے بھاگتے پھولوں کی طرح مہکتے چاند کی طرح روشنی بکھیرتے جگنوؤں کی طرح اڑتے لمحوں کو تتلیوں کی طرح اپنے دامن میں اسیر کرلیں تاکہ ان کے خوبصورت و حسین رنگ یادوں کو منور کرتے رہیں۔" ہامون نے دل گرفتگی و سنجیدگی سے کہا تو ان کے چہروں پر اداسی بکھرنے لگی۔

"صاب! اتھا لگا دیا ہے....." اسی دم غلام حسین نے اندر آ کر اطلاع دی۔

"ارے! اتنی سنجیدگی؟ اتنی خاموشی اور اداسی تمہارے چہرے پر کیوں ہے؟" بہروز نے غلام حسین کو دیکھ کر حیرانگی سے گویا ہوا کیونکہ حسب عادت وہ بولنا نہیں رہا تھا اور ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ غلام حسین گنگنائے نہیں۔

"اے صاب! ہمالی تو دل کی دنیا ہی تاریک ہو رئی ہے۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

"کیوں؟..... کیا بیگم سے "لمبا" جھگڑا ہو گیا ہے۔"

"اے اس تھالی کی کسے چلوا ہے۔ ہمالے صاب جا رہے ہیں۔ اسی خیال سے تی اداس کی عید دن تا ستوان لت گیا ہے۔" اس کے تو لہجے میں ہلاکی رنجیدگی و ملال تھا۔

"غلام حسین! تم فکر کیوں کر رہے ہو یار؟ میں تمہیں ملازمت سے برخاست تھوڑی کر رہا ہوں۔ میری غیر موجودگی میں یہ لوگ یہاں آتے رہیں گے۔ تم یہیں رہنا میں بھی چکر لگاتا رہوں گا تمہیں تمہاری تنخواہ پابندی سے ملتی رہے گی۔ تم اپنے بچوں اور بیوی کو یہیں بلوا لو آرام سے رہنا۔" صارم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پرخلوص انداز میں کہا۔ اس کی نرم طبیعت اپنائیت کا ہی احساس تھا کہ وہ بے اختیار اس کی جدائی کے خیال سے بچوں کی طرح رو پڑا تھا۔

"اوہ! یہ کیا غلام حسین! یاد رہیں آیا کروں گا۔" صارم اسے تھپتھپاتے ہوئے گویا جذبات سے اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔ وہ گردن ہلاتا ہوا کچن کی طرف چلا گیا۔ کمرے کو خیز قہقہوں کی بازگشت معدوم ہو گئی تھی۔ وہ جو ایک دوسرے سے اپنے جذبات چھپا جدائی کے احساسات تھی رکھے بظاہر ہنستے مسکرانے میں مگن رہتے تھے۔ فدا حسین نے ان جذبات و احساسات کی ترجمانی کر دی تھی۔ ماحول میں ایک خاموش سوگواریت چھا گئی تھی ایک دوسرے کے نگاہیں چراتے باتھ روم کی طرف بڑھ گئے تھے۔ آفتاب اسفند یار کے باسط سے لپٹ گیا تھا۔ باسط نے اسے ایسے گلے سے لگایا تھا جیسے ابھی کچھ دیر پہلے جہان نے بارویے کے درپے نہ تھا۔

"آئی ایم سوری باسط! میں نے ایسے ہی مذاق کیا تھا۔ تم برا مان گئے۔" وہ اسے

ہوئے بول رہا تھا۔

"نہیں یار! شرمندہ تو میں ہوں۔ خوامخواہ تمہاری عادت جاننے کے باوجود بگڑ اٹھتا ہوں۔"

"ان دونوں کے درمیان میں بولنے والا بے وقوف ہوتا ہے۔ یہ لڑتے بھی ہیں اور مل بھی جاتے ہیں۔" بہروز نے مسکراتے ہوئے اظہار کیا۔

"ہاتھی اور چیونٹا کیسے گلے ملتے ہیں آج دیکھ ہی لیا یہ منظر بھی۔" صارم کے بے ساختہ کہنے پر فضا قہقہوں سے گونج اٹھی۔

❁❁❁

"ارے! ورشا کے یہاں آنے کے دن جتنے نزدیک آ رہے ہیں۔ گھر کی فضا پھر تیزی سے کس زدہ تا خوشگوار ہوتی جا رہی ہے۔ جو اسے پسند نہ تھی۔" سخاویہ نے خاموش و گم صم کل خانم سے پریشان لہجے میں کہا۔ کیونکہ اس دن سے جب وہ شاہ بہرام خان کی موجودگی میں باہر نکل آئی تھیں۔ اسی دن سے شہباز خان ان سے سخت بدظن و کبیدہ ہو گئے تھے۔ ان کی ناراضگی و کبیدگی اس حد تک بڑھ چلی تھی کہ وہ ان کی صورت دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ ان کی بے رحم فطرت کو گل یاسان کی بھڑکانے والی باتوں نے مزید ہوا دے کر شعلوں کو دہکا ڈالا تھا۔

"جو اس کے نصیب میں ہے بچے وہ اسے مل کر ہی رہے گا۔ کسی کے رنج و خفگی کے خیال سے تقدیریں پلٹا نہیں کرتیں۔ وہ بھی اپنے نصیب سے کب تک لڑ سکتی ہے۔" وہ بے تاثر انداز میں اداسی سے گویا ہوئیں۔

"نصیب' ہونہہ نصیب تو اس کا اسی دن سیاہ ہو چکا تھا جب اس کے بخت کو نومولود بچے سے محروم کر دیا گیا تھا۔"

"شکوے و شکایات کرنا اچھے بندوں پر جچتا نہیں ہے سخاویہ! تقدیریں تو وہ مالک برحق بناتا ہے اور اس کی ہر بات میں بندوں کے لیے ضرور بھلائی ہوتی ہے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔" وہ نرم لہجے میں اسے سمجھانے لگیں۔

"بابا جان آج کل اتنے خفا کیوں رہتے ہیں؟ چھوٹی امی بھی ہر وقت انگارے چباتی ہیں۔ انہیں معلوم ہے ورشا آنے والی ہے اسی لیے انہوں نے اس کے آنے سے قبل ہی کیا ہے اور نہ معلوم وہاں جا کر اس کے مزاج میں تبدیلی آئی ہے کہ نہیں؟ یا ابھی بھی وہ سب پر سے دنیا جانتی ہے۔" سخاویہ جہاں بہن کی آمد کے خیال سے از حد مسرور و پرجوش تھی وہیں گھر کی ایک دم بدلنے والی فضا سے بھی پریشان ہو گئی تھی۔

"تم فضول کے اندیشوں اور واہموں میں مت الجھا کرو۔ فارغ وقت میں کوئی کام ڈھونڈ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ سب اچھا کرے گا۔"

"میری بھی یہی دعا ہے۔" وہ صدق دل سے گویا ہوئی۔

❁❁❁

حکیم حیات خان بے حد پریشان و فکر مند سے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ ان کے سفید پارئیش چہرے پر خوف و دہشت سے زردی چھا گئی تھی وہ رات کو گھر آئے تو رفعت آپا نے فوراً ہی آج کی کارروائی ان کے گوش گزار کر دی۔ ایک تو وہ خود بھی خوفزدہ تھیں اور جب سے معلوم ہوا کہ وہی شمشیر خان تھا جس کی بلا مبالغہ برائیاں وہ بیان کر چکی تھیں اسی سے تب سے کائنات بھی از خود فکر مند و دہشت زدہ ہو گئی تھی۔ مستزاد بچا جان کی حالت دیکھ کر اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے کہ وہ رات سے ایک پل نہ سوئے تھے۔ باہر سے معمولی سی آواز بھی اگر ابھرتی تو وہ چونک اٹھتے تھے۔ دروازے' کھڑکیاں سب انہوں نے مضبوطی سے بند کر لیے تھے اب رات سے صبح ہو کر دوپہر کا وقت ہو چلا تھا۔ وہ اسی طرح وحشت زدہ کبھی بیٹھ جاتے کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتے۔ ان کے چہرے پر سیرا سیمگی اور تذبذب کے تاثرات تھے۔ جیسے وہ کوئی فیصلہ کرنا چاہ رہے ہوں پھر اس پر عمل درآمد کی جرات بھی نہ کر پا رہے ہوں۔

"بچا جان! جو ہو گا دیکھا جائے گا آپ اتنے فکر مند اور پریشان مت ہوں خدا کے لیے کچھ تو کھا لیں۔ رات سے یہ وقت آ گیا ہے۔ آپ نے ایک گھونٹ پانی تک نہیں پیا ہے۔" کائنات ان کے نزدیک آ کر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

"کیسی بھوک؟ کیسی پیاس؟ یہ چیزیں زندگی کی بقا کے لیے جاری رکھنی پڑتی ہیں۔ اب بقا کی سمت کا تعین ہو چکا ہے نہ معلوم کس لمحے کس آن زندگی کی ڈور توڑ دی جائے۔ مجھے ان لمحوں کا ہی انتظار ہے۔" وہ دل گرفتگی اور مایوسی سے بولے.....

"بچا جان! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ زندگی اور موت دینے اور لینے کا اختیار صرف اور صرف اللہ کو حاصل ہے اور یہ میرا مشاہدہ ہی نہیں بلکہ ایمان ہے کہ اس رب کے حکم کے بغیر پتے کو بھی جرات نہیں کہ وہ معمولی سی جنبش کر جائے پھر بھلا ہماری موت اور زندگی کا فیصلہ کرنے کا اختیار کسی شخص کو کس طرح مل سکتا ہے؟"

"ہاں سچ کہتے ہو بچے بولنے والے ہمیشہ گھاٹے کے سودے کرتے ہیں بچے' اس لیے ہمارے مذہب نے ہمارے لیے ہر عمل میں اعتدال پسندی کی راہ دکھائی ہے۔ کم کھانا' کم سونا اور کم بولنا میں انسان کی عافیت ہوتی ہے۔ بہترین انسان وہی ہوتا ہے جو اپنی زبان کی کثافتوں کو اپنے میں رکھتا ہے اور ہمیشہ خیر و عافیت میں رہتا ہے۔ زبان سے زیادہ بڑا نہ کوئی دشمن ہے اور نہ ہی

دوست" یہ چاہے تو دشمنوں کو مضبوط دوستی کی گانٹھ سے ہمیشہ کے لیے باندھ دے۔ اگر تم بھی تحمل مزاجی کا مظاہرہ کرتیں تو آج یوں ہم اس ناگہانی مصیبت کا شکار ہو کر رات دن کا چین برباد کیے بیٹھے نہ ہوتے۔ بے شک اللہ کے حکم کے بغیر کوئی شے حرکت نہیں کر سکتی مگر بعض اوقات اپنے لیے پریشانی ہم خود مول لیتے ہیں۔" وہ کرسی پر بیٹھ کر گویا ہوئے۔

"مجھے افسوس ہے بلکہ بہت شرمندہ ہو رہی ہوں کہ میری جذباتیت اور بے وقوفی کے باعث یہ سب کچھ ہوا ہے۔ نہ میں بے سوچے سمجھے بولتی اور نہ اتنی پریشانی اٹھانی پڑتی۔"

"تم پریشان مت ہو بچے! اب جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اس کو شاید اسی طرح ہونا تھا۔"

"میرے تو خیال میں حیات بھائی! اس نے برا نہیں مانا۔ اگر وہ برا محسوس کرتا تو اس طرح نہیں جاتا جبکہ گھر میں آپ بھی نہیں تھے اور پھر کائنات بیٹی نے کوئی اسے جھوٹ بات تو کہی نہیں تھی۔ سب سچ کہا تھا۔ شاید پہلے کبھی کسی نے اسے اس طرح آئینہ نہیں دکھایا ہو گا۔ وہ شرمندگی کی وجہ سے چلا گیا اور پھر کبھی پلٹ کر نہیں آیا۔"

رفعت آپا جو خوفزدہ بیٹھی تھیں اس نئے خیال سے چونک کر بول اٹھیں۔

❁❁❁

شاہ افضل خان اپنے علاقے کی ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ وہ اپنے مذہب سے بے حد لگاؤ [illegible] عقیدت رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کا بیشتر وقت عبادت الٰہی میں صرف ہوتا تھا۔ غریبوں اور حاجت مندوں کی امداد وہ در پردہ بھی کیا کرتے تھے کہ کسی کی غیور طبیعت پر ناگوار نہ گزرے اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں وہ ظاہری طور پر بھی پوری کرتے کہ اس طرح دوسروں کی ضروریات کا خیال رکھنے کے جذبوں کو فروغ حاصل ہو گا۔ وہ فطرتاً نیک و خدا ترس تھے۔ معاف کرنے کا [illegible] امن و خیر' دوستی و راستی کے پیغام کو پھیلانے کا جذبہ اپنے اندر رکھتے تھے اور عملاً بھی صدق [illegible] اس کا پرچار کرتے تھے۔ اسی جذبے کو لے کر وہ شہباز ولی خان کی طرف گئے تھے۔ وہ [illegible] میں اس سے بہت بلند و معتبر تھے۔ عمر کے لحاظ سے بھی اور خاندانی وقار دولت و ثروت کے [illegible] بھی شہباز ولی خان ان سے کمتر تھے اور انہوں نے اپنی خاندانی ذلالت و کم ظرفی کا بھرپور [illegible] کرا دیا تھا۔ زندگیوں اور خونی رشتوں پر وہ زر' زمین و جائیداد پر جان دینے کے عادی تھے [illegible] اس مفاد پرست اور حریصانہ طبیعت کے تمام رنگ وہ شمشیر خان میں دیکھ چکے تھے اور ان [illegible] ملول و ملال ہوا تھا۔ وہ بہت خاموشی سے وہاں سے گئے تھے اور اس بات کا تذکرہ [illegible] نے زریں گل سے بھی نہ کیا تھا کہ وہ افسردہ و رنجیدہ ہوں گی اور نوجوان پارٹی سے تو تذکرہ [illegible] دل کو ٹھیس پہنچانے کے مترادف تھا کیونکہ وہ تو پہلے ہی ان کے خلاف غصہ و نفرت دل

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں بیٹھی کیے بیٹھے تھے۔ وہ مصلحت کے تحت سب کچھ اپنے تک محدود کیے بیٹھے تھے۔ حویلی میں سریز کی شادی کے ہنگامے شروع ہو چکے تھے۔ رشتے داروں اور دوست واحباب سے حویلی کے زنان خانے و مردان خانے بھر گئے تھے۔ در و دیوار سے مسرتوں کی روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔ لڑکیاں و عورتیں قالین پر بیٹھی شادی کے گیت گانے میں مصروف تھیں۔ ڈھول کی آواز کے ساتھ ان کی آوازیں ان کے کمرے تک پہنچ رہی تھیں۔

"کیا سوچ رہے ہو بڑے خان؟" اندر داخل ہوتی زریں گل انہیں گم صم بیٹھا دیکھ کر فکر مندی سے گویا ہوئیں۔

"آؤ زریں گل! تھک گیا تھا میں سوچا آرام کر لوں۔" وہ نرم آرام دہ بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔

آپ کام بھی تو اس عمر میں بھی تمام اپنے کندھوں پر سوار کر لیتے ہیں۔ کہا بھی تھا کہ آپ صرف دیکھ بھال کریں یعنی جائزہ لے لیں بچوں کو سمجھائیں مگر آپ کہاں کسی کی سنتے ہیں۔ بچوں کے منع کرنے کے باوجود آپ نہیں مانے۔" وہ ملازمہ کو قہوہ لانے کا حکم دینے کے بعد صوفے پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"ہم نہیں چاہتے گل سریز کو یہ احساس ہو کہ وہ بے ماں باپ کا بچہ ہے اور اگر ہم سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اپنے بیٹے اور بہو کو ہم محشر والے دن کیا جواب دیں گے۔" ان کے مضبوط لہجے میں ماضی کی گہرائیوں میں پنہاں دکھوں و حسرتوں کے ساگر میں رنج و ملال کی لہروں کی نمی ان کی بادامی آنکھوں میں نمودار ہونے لگی تھی۔

"ایسا نہیں ہوگا بڑے خان ان بچوں کو ہم نے کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ سریز باپ کی اولادیں ہیں۔ اپنے سگے بیٹوں سے بڑھ کر انہیں محبت و شفقت دی ہے۔ ان کی خاطر ہم نے کبھی کھل کر اپنے جوان بیٹوں و بہوؤں کی موت کا سوگ بھی نہیں منایا۔ آج تک راز کی چھپی بیماریوں کی طرح ان کا دکھ ان کا غم ہمارے اندر مچلتا رہتا ہے۔ عمر ہماری تھی پہلے وہ بلکہ ظالموں نے وقت سے پہلے انہیں قبروں میں پہنچا دیا۔" زریں گل جو خوشی کے اس اہم موقع پر بیٹوں اور بہوؤں کو یاد کر کے اندر ہی اندر رو رہی تھیں کہ مسرتوں کے ان خوش رنگ لمحات میں لوگ خود بخود ہی دکھوں کے بھروکوں سے جھانکنے لگتے ہیں جو آپ سے بچھڑ کر آخر حد کا زخم ہو چکے ہیں اور جن کی کمی جن کا احساس جن کی جدائی احساسات کے دریا میں طوفان موجزن رکھتی ہے۔

"آہستہ بولو زریں گل! ایسے لفظ استعمال کر کے ہمارے صبر و استقامت کو ملی

ملاؤ۔ وقت سے پہلے نہ کوئی دنیا میں آنے پر قادر ہے اور نہ ہی قبل از وقت دنیا سے جانے پر۔ یہ رب ذوالجلال کی حکمت ہوتی ہے۔ اس طرح گناہ ہوتا ہے کہنا۔ یہ راز تو وہ عالم الغیب ہی جانتا ہے کب کس کا وقت مکمل ہوتا ہے اور کس کا شروع؟"

"بڑے خان! خود کو یہ دلائل دے کے آپ حقیقت سے نگاہ چراتے رہیں مگر میں کبھی اپنے بچوں صارم اور سریز کو یتیم کرنے والوں کو معاف نہیں کروں گی۔" بی بی جان جذبات سے دامن نہ چھڑا سکیں اور بے اختیار رونے لگیں۔

"زریں گل! یہ کیا بدشگونی ہے اتنے اچھے موقع پر ایسے کرتے ہیں کیا؟" افضل خان بیوی کے درد و احساسات کو بخوبی سمجھ رہے تھے۔ وہ بھی اس موقع پر بیٹوں اور بہوؤں کی جدائی اسی طرح محسوس کر رہے تھے مگر مجبور تھے کہ وہ بی بی جان پر اپنے دل کا درد عیاں نہیں کر سکتے تھے کہ وہ اس عمارت کی پہلی اینٹ تھے اگر وہی ڈھے جاتے تو کیا ہوتا۔

"بابا جانی! آپ یہاں بیٹھے ہیں کیا تھک گئے ہیں؟" دروازہ ناک کرتا ہوا سریز اندر آ کر گویا ہوا۔ بی بی جان نے پھرتی سے آنسو صاف کیے تھے وہ ان کے قریب ہی بیٹھا تھا۔

"اب جو گانے بجانے کی محفل سجے گی اس میں ہمارا کیا کام بچے! ہم نے سوچا اس موقع سے فائدہ اٹھا کر آرام ہی کر لیا جائے۔ پھر کل اور پرسوں کے دن تو بے حد مصروفیت میں گزریں گے۔" وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر مخاطب ہوئے۔ براؤن ایڈ آف وائٹ کھدر کے شلوار سوٹ میں بغیر مضبوط پاؤں میں براؤن پشاوری چپل پہنے کھڑا نکھرا نکھرا سا بوں میں لبادہ نے حد پر مسرت و پر بہار لگ رہا تھا۔ اپنی خوشیوں کا عکس چاہت پا لینے کی سر خوشی خواہش پا لینے بامراد ہونے کی آسودگی و طمانیت نے اس کے وجیہہ چہرے کو مزید شوخ و حسین رنگوں و روشنیوں سے منور کر ڈالا تھا۔ اسے آسودہ و خوش دیکھ کر ان کے چہرے پر بھی آسودگی و اطمینان چھا گیا تھا۔

"بابا جانی! آپ کے بغیر محفل بے رونق رہتی ہے۔ آپ ضرور شریک ہوں گے۔"

"سریز خاناں! میں عمر کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر کام کرنے کا عادی ہوں بچے میں نے جوانی میں بھی کبھی گانے بجانے کی محفل میں شرکت نہیں کی۔ مجھے بچپن سے ہی ان محفلوں سے الرجی تھا۔ عمر کے اس حصے میں میں کس طرح شرکت کر سکتا ہوں۔" وہ نرمی و شفقت سے گویا تھے۔ بی بی جان خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہی تھیں۔

"آپ کو پسند نہیں ہیں بابا جانی پھر آپ ہمیں کیوں اجازت دیتے ہیں۔"

"میں جبر کا قائل نہیں ہوں بچے پابندی ہمیشہ بغاوت کو ابھارتی ہے اور میں نہیں چاہتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میرے بچے خوشی کے اس موقع پر بددل ہوں۔ گناہ کرنا بندہ کسی کے خوف سے نہیں چھوڑتا کہ پابندی لگانے پر وہ ظاہری طور پر نہیں تو پوشیدہ طریقے سے کرے گا۔ برائیوں سے وہ تائب تب ہی ہوگا جب برائی کو برائی' گناہ کو گناہ خود سمجھے گا۔"

"بڑے خان! آپ بھی موقع نہیں دیکھتے اور وعظ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ چھوڑیں اب یہ بتاؤ سبز پری' صارم کب آئے گا؟ دو دن رہ گئے ہیں شادی میں اور اس کا نام و نشان نہیں ہے۔ کیا وجہ ہے؟ کیوں نہیں آیا ابھی تک وہ؟"

"میں خود ایک ہفتے سے اسٹاپ تک جا رہا ہوں اس نے کہا تھا ایک ہفتہ قبل آئے گا۔ ایک ہفتے سے زیادہ دن گزر چکے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں وہ آئے تو آپ ہی اس کے کان کھینچئے گا میں اس سے ناراض ہوں' مجھے اب اس سے کبھی بات نہیں کرنی ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔" اس کے چہرے پر یک دم افسردگی حزن و ملال پھیلتا چلا گیا۔

"ایسی باتیں نہیں کرو بچے! اپنے کبھی ساتھ نہیں چھوڑتے وہ آنے والا ہے۔"

"نہیں بابا جانی! اس مرتبہ میں پوری سنجیدگی سے ناراض ہوں اس سے' مجھے اس سے بات کرنی ہے اور نہ اسے دیکھنا ہے۔ بہت مضبوطی سے آنکھیں بند کر لوں گا۔" وہ ازحد سنجیدہ پر یقین لہجے میں بول رہا تھا۔

"اتنی شدید ناراضگی ہے تو اسے اسٹاپ پر دیکھنے کیوں جاتے ہو؟" اس کے بچوں جیسے انداز پر دونوں مسکرا اٹھے تھے۔

"یہاں میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں مگر میرا عہد اب کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔" وہ نادم دیکھتا ہوا ان سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔ کیونکہ گاؤں آنے والی آخری گاڑی کا وقت ہو گیا تھا۔ اسے معلوم تھا صارم خان اچانک آئے گا اسی خیال سے وہ روزانہ اسی وقت لاری اڈے پر پہنچ جاتا تھا اور کوچ سے اترنے والے پہلے سے آخری مسافر کے باہر آنے تک وہ انتظار کی تصویر بنا کھڑا رہتا کہ جیسے ابھی صارم اتر کر اس سے لپٹ جائے گا۔ اس کا انتظار اب اشتعال و غصے میں بدل گیا تھا۔ اسے امید نہ تھی کہ اس کی اس اہم مسرت کے موقع پر اتنی بیگانگی' اجنبیت و بے پروائی کا مظاہرہ کرے گا۔ ورنہ وہ اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو بہت عزیز رکھتا تھا اور اس سے زیادہ خوشیاں منانا تھا۔

اس کی کار تیزی سے فراٹے بھرتی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ اس نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس بار صارم سے بیگانگی سے ناراض ہوگا تاکہ اسے احساس ہو کہ دوست وہ بھی ہو عزیز از جان ہو اگر بے رخی بیگانگی و تغافل کا مظاہرہ کرے تو کیسا محسوس ہوتا ہے۔ وہ اپنے احساسات

اسے روشناس کرانا چاہ رہا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں غلطاں و پیچاں کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اچانک ایک تاریک موڑ سے برق رفتار چمچماتی لینڈ کروزر نکل کر اس کی راہ میں حائل ہوئی تھی۔ اس نے مہارت سے بریک لگائے تھے وگرنہ وہ کار سمیت دائیں طرف ہزاروں فٹ گہری کھائیوں میں گر پڑتا۔ اس نے تعجبی نگاہوں سے بے پروا انداز میں ڈرائیور کو دیکھا تھا اور سامنے صمد خان کو دیکھ کر اس کی پیشانی پر شکنیں مزید گہری ہو گئیں جب اس نے پیچھے شمشیر خان اور سمندر خان کو دیکھا۔ یہ واحد اور اہم راستہ تھا جو ان کے گاؤں کی سمت جاتا تھا۔ کافی دور تک یہ اکلوتا راستہ تھا پھر آگے جا کے دو راستوں میں بدل جاتا تھا۔ جو دونوں گئیں ان کے گاؤں کی راہ پر جاتی تھیں۔

صمد خان مسلسل اسے اشارہ کر رہا تھا کہ وہ آگے جا کر انہیں راستہ دے کیونکہ یہ سڑک بہت پتلی تھی۔ دائیں طرف آسمان کی طرح بے وسعت کھائیاں مگرمچھ کی طرح جبڑے کھولے منتظر تھیں۔ ان کی گہرائیوں کا کوئی تعین۔ کوئی حد معلوم نہ تھی۔ دوسری طرف فلک بوس پہاڑ تھے۔ جن کی چوٹیاں برف سے پوشیدہ کرسٹل کی مانند چمک رہی تھیں۔ سڑک سے بیک وقت ایک گاڑی گزر سکتی تھی کہ سڑک بے حد تنگ تھی سانپ کی طرح بل کھاتی سڑک پر پیچھے ہٹنے کا تصور بھی خودکشی کے مترادف تھا جبکہ شمشیر خان کی جیپ اس پہاڑی راستے کے ابتدائی مراحل میں داخل ہوئی تھی۔ اگر وہ جیپ پیچھے ہٹا کر اسے راستہ دیتے تو خطرہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہاں زمینی ہموار سطح شروع ہو چکی تھی۔

"اوئے اندھا ہے؟ یا بہرے کی اولاد ہے؟ اتنی دیر سے ہارن بجاتا ہے۔ راستہ دو ہم کو ہم جائے گا یہاں سے۔" صمد خان بگڑے تیور سے اس سے مخاطب ہوا اس کے پیچھے سمندر خان بھی اتر کر آ گیا تھا۔

"اندھے اور بہرے کی اولاد تم خود ہو تمہیں نظر نہیں آ رہا۔ کار پیچھے نہیں جا سکتی۔" سبز پری خان غصے سے گویا ہوا۔

"اوئے پاگل کا بچہ! گاڑی تم الٹی لے کر جائے گا' ہمارا خان کے جو راستے میں آتا ہے وہ دائیں پاس ہو جاتا ہے اگر اپنی زندگی چاہتا ہے تو گاڑی الٹی لے کر جا ہمارا خان راستہ نہیں دیتا۔" سمندر اکڑ کر رعونت سے بولا۔

"تم نے میرے باپ کو گالی دی ہے' میں تم جیسے پالتو کتوں سے نمٹنا خوب جانتا ہوں۔" وہ اپنے باپ کی شان میں کہے گئے لفظ اس کی غیرت برداشت نہ کر سکی تھی۔ وہ شدید غصے میں کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔ وہ دونوں بھی اس کے اشتعال انگیز تیور دیکھ کر چوکنا ہو گئے تھے۔

"سنا تھا گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے اور آج تم نے شہر کا نہیں شیر کی کچھار کا رخ کیا ہے۔ بس تمہاری زندگی کا سورج غروب ہونے والا ہے۔" شمشیر خان اسی لمحے جیپ سے کود

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرا اٹھا آیا تھا۔

"شیر! ہونہہ ان کتوں کے آگے تم خود کو شیر سمجھتے ہو گے۔ میری نظر میں تمہاری اوقات پاگل کتے سے زیادہ نہیں ہے۔" سبریز خان نے انتہائی نفرت و حقارت سے کہا۔

"خان! یہ آپ کی توہین کر رہا ہے۔ میں اسے جان سے مار دوں گا۔"

"خان! اس کی طرف آپ کا پرانا حساب بھی نکلتا ہے اس دن یہ بچ گیا تھا۔"

"مگر آج نہیں بچ سکتا۔" شمشیر خان کے دشمن کو یہ زمین لمبے عرصے تک اپنے وجود پر پناہ نہیں دے سکتی۔ بہت جلد وہ میرے شکار کو اسی طرح میرے سامنے لا کھڑا کرتی ہے۔ جس طرح آج تم کھڑے ہو۔" وہ تحقیرانہ انداز میں کہتا ہوا اس کے مقابل آ گیا تھا۔ اس کی نگاہوں میں درندگی و وحشت یکلخت ابھرنے لگی تھی۔ سبریز خان کی اسے کب سے تلاش تھی۔

"راستے سے ہٹ جاؤ میرے اس نے میرے مرحوم باپ کو گالی دے کر اچھا نہیں کیا ہے۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔"

"اتنا ہی دکھ ہے مرے ہوئے باپ کا تو فکر کیوں کرتے ہو ہم تمہیں بھی اس کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ نہ تم یہاں ہو گے نہ تمہیں افسوس ہو گا۔"

قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا۔ شمشیر خان کی رائفل سے نکلنے والے کئی انگارے اس کی سمت بڑھے تھے فضا دھماکوں سے گونج اٹھی تھی۔

❁ ❁ ❁

وادی پر غروب ہوتے سورج کی شعاعیں اپنا سونا لٹا رہی تھیں۔ بدلتے موسم نے تمام جنگل نکھار ڈالی تھی۔ جس کے وجود سے بے شمار جھرنوں آبشاروں اور نہروں نے زندگی پائی تھی۔ صارم نے کوچ سے اتر کر طویل سانس لیا جیسے ماحول کی تازگی و شگفتگی یکدم اپنے اندر سمو لینا چاہتا ہو۔ اس نے سوٹ کیس اور سفری بیگ نیچے گھاس پر رکھ دیے تھے۔ اپنی زمین اپنے ماحول اپنی شناخت اپنے لوگوں کے درمیان آنے کی مسرت نے اسے عجیب ان کہی تازگی طمانیت و آسودگی بخشی تھی۔ وہ راستے بھر گھر والوں کا اور سب سے زیادہ سبریز کی ناراضگی و خفگی کا تصور کرتا وہ آیا تھا۔ اسے معلوم تھا سبریز اس کی غیر موجودگی کو کس شدت سے محسوس کر رہا ہو گا۔ بھی ہو گا لیکن وہ جانتا تھا اس کو دیکھتے ہی اس کی تمام خفگی دور ہو جائے گی اور پھر معلوم نہیں کب وہ نورین غریب دہو گا۔ اس کے بھیرے کے سینے کی وجہ سے وہ لیٹ ہوا تھا کہ وہ مکمل اندھیرا آیا تھا اور سیٹ لیتے ہی وہ روانہ ہو گیا تھا کہ ایک دن اسے پھر بھی سفر کرنے کا حل کرنا کہ یکدم اس کی بارات کل تھی اور آج کی رات وہ اس کے ساتھ کسی شب میں گزارنا چاہتا تھا

"صارم خان!" اس کے نزدیک ایک دم پجارو آ کر رکی تھی۔

"بابا جانی! چھوٹے اکا میں آپ لوگوں کو سرپرائز دینا چاہتا تھا آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ میں آج آ رہا ہوں؟" وہ باری باری ان سے گلے ملتے ہوئے مسرت و اشتیاق آمیز لہجے میں گویا ہوا۔ گاڑی میں موجود چار مسلح محافظوں نے اسے سلام کیا وہ جواب دیتا ہوا چھوٹے اکا کے قریب بیٹھ گیا جبکہ بابا جانی آگے ڈرائیور کے ہمراہ بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی تیزی سے آگے کی سمت رواں دواں تھی۔

"دل کو دل سے راہ ہوتی ہے بچے۔" اکا جان دھیمے سے مسکرائے تھے مگر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ جبراً مسکرائے ہوں۔ بظاہر ان کے انداز میں گرم جوشی و از حد مسرت کا اظہار تھا جو اس کی آمد پر ہوتا تھا مگر اسے یکدم فضا' ماحول پراسرار لگنے لگا' اس خطے کی مخصوص ویرانی و اداسی جیسے آج بال کھولے بین کرتی محسوس ہوئی۔ اس کے اندر گویا ایک نامعلوم سی وحشت چکرانے لگی۔

"چھوٹے اکا! سبریز کیوں نہیں آیا؟"

"وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" ان کے لہجے میں کیسی ہٹ تھی؟ یا اسے محسوس ہوئی۔

"کیا وہ مجھ سے ناراض ہے؟ اتنا شدید ناراض کہ آیا بھی نہیں۔" اسے حیرانگی ہوئی ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا۔ وہ غصہ ناراضگی کے باوجود وہ اسے لینے ضرور آتا تھا اور اس پر نظر پڑتے ہی سب ناراضگی بھول کر گلے لگ جاتا تھا مگر آج وہ سوچوں میں الجھا تھا کہ گاڑی اپنا سفر طے کر کے قبرستان پر آ کر رک گئی تھی۔ اس نے چونک کر باہر دیکھا اور سامنے خاندان کے خاص قبرستان کے گیٹ کو دیکھ کر اس کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔

"یہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟"

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اس کا بازو پکڑ کر اندر لے گئے۔ کئی قبروں کے بعد وہ ایک قبر کے سرہانے کھڑے ہو گئے۔ جس کی تم مٹی اور اس پر پڑے پھولوں کی پتیاں ظاہر کر رہی تھیں کہ قبر تازی ہے۔"

"سبریز خان! صارم خان آ گیا۔"

"دیکھو دیکھو تمہیں صارم خان کا انتظار تھا۔"

"خان یکدم قبر سے لپٹ کر رو پڑے۔

"ہائے سبریز خان؟" صارم خان پر گویا یکلخت آسمان ٹوٹ کر گرا تھا۔

❁ ❁ ❁

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اکا جان ....! اکا جان! یہ ....؟" وحشت در وحشت کے صحرا میں سرگرداں وہ متوحش نگاہوں سے چھوٹے اکا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی بے یقین نگاہیں تازہ مٹی کی نرم لحد پر بکھرے سرخ گلاب کی پتیوں پر مرکوز تھیں۔

"یہ سب کیا ہے؟ سبریز خان کہاں ہے؟ بابا جانی! چھوٹے اکا یہاں سبریز سے کیوں مخاطب ہیں؟ کہاں ہیں وہ؟" وہ ایک دم قریب کھڑے بابا جانی سے مخاطب ہوا جو بہت ضبط و حوصلے سے کھڑے اس کی وحشت و سراسیمگی کو دیکھ رہے تھے۔

"صارم خان! ہمارے مذہب میں امانت میں خیانت کرنے والے کو بددیانت کہا جاتا ہے۔ بہترین مسلمان اور اچھے لوگ پسند وہ بندے وہی لوگ کہلاتے ہیں جو امانت لوٹانے والے ہوتے ہیں اور یہاں اور وہاں دونوں جگہ کامیاب بھی کہلائے جاتے ہیں۔" ان کے نرم و شیریں لہجے کی مٹھاس ایسی تھی جیسے طوفان کی آمد سے قبل بند باندھے جاتے ہیں۔

"بابا جانی! مجھے آپ کے بڑھائے ہوئے سارے سبق یاد ہیں لیکن اس وقت میں ان لمحوں سے گزر رہا ہوں وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ سبریز کہاں ہے؟"

"سبریز جس کی امانت تھا اس کو ہم نے لوٹا دیا۔ دیکھو غافل! وہ سو رہا ہے۔" انہوں نے قبر کی طرف اشارہ کر کے بہت عام سے انداز میں کہا۔

"سبر... یز... سو... رہا ہے نہیں..... بابا جانی! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ نہیں وہ نہیں سو سکتا ہے... یہ بہت کم آتی ہے۔ جو زیادہ سوتے تھے ان سے وہ چڑتا تھا پھر اب کیسے سو سکتا ہے؟" اتنا شدید اور غیر متوقع صدمہ اسے ملا تھا۔ وہ ایک دم ہی حواس کھو بیٹھا تھا۔

"سبریز خان! اٹھو تم نہیں سو سکتے۔ سبریز خان! میں تمہیں سونے نہیں دوں گا۔ سبریز....."

اس کی کرب آمیز و دردناک پکار سے قبرستان کی خاموش فضا گونج اٹھی تھی۔

"صارم خان! سنبھالو خود کو۔ سبریز خان اب ہم میں نہیں ہے۔ وہ ہم سے بہت دور جا

ہے۔ وہ کبھی نہیں آئے گا۔" چھوٹے اکا اس کی دیوانگی دیکھ کر اپنے آنسو مزید ضبط نہ کر سکے اور اسے سینے سے لگا کر رونے لگے۔

"ایسا نہیں ہو سکتا چھوٹے اکا! سبریز مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتا' وہ میرے بغیر رہنے کا عادی نہیں ہے۔ وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" وہ مکمل حواس کھو چکا تھا۔

بابا جانی' چھوٹے اکا کے سمجھانے کے باوجود سبریز کو پکارتا پھر رہا تھا۔ چھوٹے اکا اس کی دیوانوں جیسی حالت دیکھ کر اپنے آنسو روک نہ پا رہے تھے۔ بابا جانی اس وقت چٹان بنے ہوئے تھے۔ وہ اس خاندان کی عمارت کا قدیم ستون تھے' وہ کمزور پڑتے خود پر ضبط و برداشت کے پہرے نہ بٹھاتے تو عمارت لمحے بھر میں ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جاتی' اور ان کا نام و نشان مٹ کر رہ جانا جو انہیں کبھی گوارا نہیں تھا۔

"صارم خان! ہوش کرو' تم شجاعت مند سردار ہو' اس قبیلے کے ہونے والے سردار۔" انہوں نے ایک جھٹکے سے قبر سے لپٹے صارم کو جھنجوڑا تھا۔

❁ ❁ ❁

"بڑے خان! آپ کیوں اتنے خفا ہیں؟ کیا خطا ہوئی ہے مجھ سے؟" گل بی بی ان کی مسلسل بے اعتنائی و غصہ برداشت کرتے کرتے عاجز ہو گئی تھیں۔ آخر کار ان کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ وہ شہباز خان کے روبرو تھیں۔

"گل خانم! ہم نے سنا تھا عورت زندگی میں ایک بار پیار کرتی ہے۔ اس کے دل کی دنیا ایک بار ہی آباد ہوتی ہے۔ پھر اگر اسے اپنے محبوب سے جدا ہونا پڑ جائے تو' وہ پیار دوسرے مرد سے نہیں کر سکتی' صرف سمجھوتا کرتی ہے۔ جسم پر کسی رشتے کا تسلط رہتا ہے۔ مگر دل پر محبوب کی ہی حکمرانی رہتی ہے۔ تم جیسی عورتوں سے بہتر بازاری عورتیں ہوتی ہیں جو سودا....."

"شہباز ..... خان! مجھے اتنی گندی گالی دینے سے قبل اپنے اور میرے رشتے کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھو' مت بھولو' میں تمہاری بیٹیوں کی ماں ہوں۔" گل خانم غصے و صدمے سے کانپ اٹھی تھیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ بڑے خان اتنی گھٹیا و غیر مہذب زبان استعمال کریں گے۔

"شاید بیٹیوں کی محبت ہی کا کمال ہے جو تم ابھی تک زندہ پھر رہی ہو۔" وہ انہیں شعلہ بار نگاہوں سے گھور کر گویا ہوئے۔

"میرا قصور کیا ہے؟ کیا کیا ہے میں نے؟ جو آپ نے حیات کی رسی کا دائرہ مزید میری گردن کے گرد تنگ کر ڈالا ہے۔ مجھ سے غافل ہوئے تو آپ کو ایک مدت گزر گئی اب کس بات کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شکوہ آپ کر رہے ہیں؟"

"تمہارے دل میں ابھی بھی روزم خان کی چاہت پھولوں کی طرح مہکتی نہیں ہے؟" وہ قریب آ کر قہر آلود نگاہیں ان کے چہرے پر ڈال کر غرائے۔

"بڑے خان!" وہ پتھرائی نگاہوں سے ان کا چہرہ دیکھے گئیں۔

"جھوٹ بول رہا ہوں؟ بولو تمہارے دل میں روزم خان ابھی بھی موجود ہے یا وہ سلامت ہے؟"

"بڑے خان! یہ کیسی بات کی آپ نے؟ مجھے میری نظروں سے گرا دیا۔ عورت کے لیے اس سے بڑا دکھ اور کیا ہوگا کہ اس کا مجازی خدا عمر کے اس حصے میں اس پر اتنا گھٹیا الزام لگائے جب وہ عمر کے اس آخری موڑ پر کھڑی ہو۔ آپ نے مجھے بہت بڑی گالی دی ہے خان! بہت بڑی گالی۔" وہ گہرے صدمے کے اثر میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھیں۔

"حقیقت بیان کی ہے میں نے' اگر تمہارے اندر روزم خان کی محبت اور یاد کا پودا خاک ہو گیا ہوتا تو اس دن' اس بڈھے کو تم بچانے کے لیے زنانہ دہلیز تک عبور کر لیں۔" ان کی وضاحت پر وہ ششدر رہ گئیں۔

"اوہ' یہاں کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں؟ تبھی میں کہوں تمہارا مزاج کیوں آج کل اکھڑا اکھڑا رہتا ہے۔ ہوں تو یہ بڑھیا پھر آج کل تم پر ڈورے ڈال رہی ہے۔ لیکن... تمہاری ساری محنت ضائع جائے گی' تمہاری دال نہیں گلنے دوں گی' بڑھیا جادوگرنی۔" یک دم گل جاناں اندر داخل ہوئی اور حسب عادت انہیں دیکھ کر چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

"گل جاناں! بکواس مت کرو۔ میں بیوی ہوں خان کی۔ بات کرنے آئی ہوں۔"

"تم بیوی ہو تو بھاگ کر میں بھی نہیں آئی ہوں۔" وہ ان کے روبرو آ کر آنکھیں نکال کر بولی۔

"میں تمہارے منہ لگنا پسند نہیں کرتی اس لیے کہ تمہیں اپنی عزت کا خیال ہے اور نہ دوسروں کی عزت کا۔" پہلی بار انہوں نے گل جاناں کو سختی سے جواب دیا تھا۔

"خان! میں نے بڑی جنگ سے بچنے کے لیے بابا صاحب کو بچایا تھا۔ اگر شمشیر خان کی گولی کا وہ نشانہ بن جاتے تو اب تک نہ معلوم کیا ہو چکا ہوتا۔ روزم خان کا نام میری زندگی سے اس دن ہی مٹ گیا تھا جب میں آپ کی زندگی میں داخل ہوئی تھی۔ عورت کی ذات چار ستونوں پر تعمیر ہوتی ہے۔ پہلا ستون باپ' دوسرا بھائی' تیسرا شوہر اور چوتھا بیٹا۔ اس کے علاوہ اسے کسی پانچویں ستون کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ چار ستون ہی اسے مضبوط کرتے ہیں' معتبر بناتے ہیں۔ ان رشتوں کے علاوہ مجھے کسی گھٹیا و غیر مہذب رشتے کی نہ تو خواہش ہے اور نہ آرزو۔"

"جب تمہیں کوئی خواہش یا آرزو نہیں تو کیوں آئی ہو خان کے پاس؟" گل جاناں چمک کر گویا ہوئیں۔ شہباز خان خاموش کھڑے تھے۔

"یہ بتانے کہ ورثا کے امتحان ختم ہو گئے ہیں اسے کراچی سے بلوا لیں۔"

"اس کے امتحان ختم ہو گئے۔ اب ہمارے شروع ہو جائیں گے۔ میں تو کہوں اس منحوس کو یہاں لانے سے بہتر ہے وہیں کراچی کے سمندر میں پھینک آؤ' ہماری زندگی کی خوشیوں کی دشمن ہے وہ منحوس۔"

"گل جاناں! دل پر ہاتھ رکھ کر بات کیا کرو' تم بھی اولاد والی ہو۔"

"ہاں... اولاد والی ہوں۔ بیٹیوں کی ماں نہیں ہوں۔ شیر سے بہادر جوان گبھرو بیٹوں کی ماں ہوں۔" وہ اپنے مخصوص تکبر بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"ممتا سب کی ایک جیسی ہوتی ہے۔ بیٹا' بیٹی کی تفریق نہیں ہوتی اولاد میں۔"

قبل اس کے کہ بات مزید بڑھتی ملازمہ نے اندر آ کر شہباز خان کو مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی۔

"تم اپنے کمروں میں جاؤ' ابھی ہفتے میں ورثا گھر پر آ جائے گی۔"

وہ تیز تیز قدموں سے بیٹھک کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے اندر کھد بدی مچ گئی تھی۔ وہ پہلے دو روز سے زمینوں کے مقدمے کے سلسلے میں گاؤں سے باہر گئے تھے۔ چند گھنٹے قبل ہی وہ گھر سے آ کر بیٹھے تھے۔

"سلام بڑے خان!" اندر بیٹھا صمد خان فوراً کھڑے ہو کر سلام کرنے لگا۔

"شمشیر خان کہاں ہے؟" اسے تنہا دیکھ کر ان کے اندر کی بے چینی و اضطراب مزید سوا ہوا۔

"چھوٹا خان روپوش ہے۔ بڑے خان!" وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

"روپوش ہے؟ مگر کیوں؟ وہ دو روز پہلے ہم اسے یہاں چھوڑ کر گئے تھے سب درست تھا پھر کیا ہوا؟"

"شاہ افضل خان کے پوتے کو ختم کر ڈالا چھوٹے خان نے۔"

"کیا... کیوں...؟ کیسے ہوا سب؟" وہ ایک دم کھڑے ہوئے تھے یہ خبر ان کے لیے دھماکا تھی۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ایسا اقدام کر ڈالے گا۔ ان کی ناراضی و فکرمندی ان کے سرخ و سپید چہرے سے عیاں ہونے لگی۔

"بڑے خان جی! غلطی چھوٹے خان کی نہیں تھی اور نہ ہی انہوں نے پہل کی تھی۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بچو اس مت کرو۔ کہاں ہے تمہارا خان؟" وہ دہاڑ کر گویا ہوئے۔

"وہ... وہ جی! جنگل والے ڈیرے پر ہیں اور آپ کو وہیں بلوایا ہے۔" صمد خان کو ان کا طیش انداز بری طرح خوف زدہ کر گیا۔

"اچھا... تم گاڑی اسٹارٹ کرو ہم آتے ہیں۔" وہ اندر کی جانب جاتے ہوئے کہہ رہے تھے... بے چینی' اضطراب' انتشار' ہوا کا ران کی چال و چہرے سے مترشح تھے۔

❁ ❁ ❁

غروب ہوتے سورج کی شعاعوں میں سرخی جھلک رہی تھی۔ پہاڑوں سے سرپٹختے سرد بلند کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھیما سا سرمئی اندھیرا اترنے لگا تھا۔ ہوائیں خاموش تھیں۔ پتوں سے لدے درخت رنگ برنگے پھولوں سے سجی ڈالیاں' سبزے سے ڈھکے میدان' اس طرح ساکت و صامت کھڑے تھے جیسے ان کے دلوں اور خواہشوں پر چلتے چرکوں کا کرب وہ بھی محسوس کر رہے ہوں۔ ان کے دکھ کرب پر وہ بھی نوحہ کناں ہوں۔ آج سمیریز اور گل سانگ کا سوئم تھا۔ ماحول میں ویرانی اور اجاڑ چھانے والی اموات کی سوگواری و رنج چھایا ہوا تھا۔ صبح سے بڑی حویلی میں قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کے علاوہ میلاد شریف کا اہتمام بھی ہوا۔ عصر کے بعد غریبوں' مسکینوں میں کھانا تقسیم ہوا۔ حویلی آہ و فغاں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ سمیریز کی شادی میں شرکت کرنے والے آج دونوں کے سوئم میں شرکت کے بعد اشکبار آنکھوں سے روانگی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ گاؤں کی عورتوں نے ان تین دنوں میں اتنے آنسو بہائے تھے کہ اب آنکھیں کسی صحرا کی مانند خشک و ویران تھیں۔ ان کی اس المناک موت کے صدمے... درد جو دل سے بے ساختہ نکلنے والی آہیں ان کے لبوں سے خارج ہوتی تھیں سننے والوں کے دل بھر بھر آتے تھے۔

"زرین گل! صارم کہاں ہے؟ ظہر کے بعد سے مجھے نظر نہیں آیا ہے وہ۔" افضل خان اپنی جان کو کچھ دیر سے کھڑے دیکھ رہے تھے۔ وہ مغرب کی نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے بیٹھی تھیں۔ ان کے لب خاموش تھے۔ پھیلائی ہوئی نگاہیں اوپر کی جانب اٹھی ہوئی تھیں پھر قطرہ قطرہ آنسو ان کے بھرے ہوئے چہرے سے چادر پر گرنے لگے۔ شاہ افضل خان آج کے دن کو بڑا ہی ضبط و تحمل سے گزار رہے تھے۔ بظاہر مطمئن پھر رہے تھے کہ اس کو بڑا ہونا ہے... وہ بھی ٹوٹ جائے تو وادی میں آگ دھواں ہواؤں کی مانند بکھر کر رہ جائے اور اس کے بعد انہوں نے بیٹے کے قتل سے بھی چشم پوشی اختیار کیے بیٹھے تھے۔ حیات... غم گسار زرین گل کے خاموش آنسو ان کے اندر برچھیاں سی کراتر رہے تھے۔

"گل... میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔ صارم خان کہاں ہے؟" وہ قریب آ کر گویا ہوئے۔

"سمیریز خان کہاں ہے؟ کہاں چھوڑ آئے ہیں آپ اسے؟ آپ کو معلوم ہے آج اس کی شادی کا دن ہے۔ اسے بارات لے کر جانا ہے۔ بارہ گھوڑوں کی بگھی میں بارات جائے گی اس کی۔ میرا سمیریز شہزادہ بنے گا۔ آج اتنی دھوم دھام سے اس کی بارات جائے گی دنیا دیکھتی رہ جائے گی۔ ایسا شاہانہ انداز نہ دیکھا ہوگا لوگ مدتوں یاد رکھیں گے میرے سمیریز کی شادی کو۔" وہ جاء نماز سے اٹھ کر کہتی ہوئی ان کی طرف بڑھیں۔

گل زرین ہواسوں میں آ کر... وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھاتے ہوئے نرم لہجے میں گویا ہوئے۔ ان کے چہرے پر اس قدر وحشت' حسرتوں' دکھوں و مایوسی سے بھری آنکھوں میں انہیں سمیریز کا کفن میں لپٹا سفید چہرہ ابھر آیا ہو۔

"کہاں تک حواسوں میں رہوں؟ آپ مجھے ہمیشہ یہی حکم کیوں دیتے ہیں خان! میں کیا صرف دکھ ہی دیکھنے کے لیے زندہ ہوں؟ خوشیاں کیوں نہیں میرے ہمارے دہلیز پہ آنے سے قبل اپنا رخ بدل لیتی ہیں۔" سکھ ہمیں راس کیوں نہیں آتے؟ آج کا دن سلامت کا دن ہے خان! آج ہمارا بیٹا ہمارا صارم آنے والا تھا۔ وہ کیوں سفید لباس پہن کر منوں مٹی تلے جا سویا؟" انہوں نے پھر رونا شروع کر دیا۔

"گل! خدارا سنبھالو خود کو۔ قبل اس کے کہ جہان اندھیر آنے والا شاہ افضل خان مٹی کے حقیر ذروں کی طرح تمہارے آنسوؤں میں بہہ جائے خشک کر لو ان آنسوؤں کو۔ اگر یہ جہان مٹی بن گیا تو پھر سب ختم ہو جائے گا۔ ہماری شناخت ہماری نسل' ہمارا اصل سب فنا ہو جائے گا' قیامت سے پہلے قیامت آ جائے گی۔" ان کی آواز شدید ضبط سے لرز اٹھی تھی۔ "سمیریز خان ہمیں کتنا ہی عزیز تھا جتنا پیارا تھا ہمیں تھا۔ اس کی جدائی گل سانگہ کی جدائی ایسا ہی لگ رہا ہے جیسے کوئی تلوار ہمارے سینے میں وار کر رہا ہو۔ درد ہمیں بھی ہو رہا ہے۔ تکلیف میں ہم بھی گرفتار ہیں مگر کر نہیں سکتے کہ اگر ایک بار زبان بے قابو ہو گئی تو..."

انہوں نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچا تھا۔ ہلکی سی نمی ان کی بوڑھی آنکھوں میں در آئی تھی۔

"خان! کل صارم واپس ہوگا سمیریز کی قبر پر جا کر اسے لے آؤں گی۔ میں اسے اب اپنے ساتھ ہی رکھوں گی۔ اپنے آنچل میں چھپا کر رکھوں گی۔ دشمنوں کی نظر بھی جان لیوا ہاتھوں سے۔ سمیریز چلا گیا مگر اب صارم کو جانے نہیں دوں گی۔" انہیں کمزور پڑتا دیکھ کر انہوں نے صاف کر کے گویا ہوئیں۔

❁ ❁ ❁

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سفر کٹھن و دشوار گزار تھا۔ تین گھنٹے کا طویل سفر ابھی تک جاری تھا۔ لینڈ کروزر سبز پتھروں اور ریتلے میدانوں کو عبور کرتی ہوئی اونچے و نیچ موڑ کھاتے راستے پر مبک رفتاری سے گامزن تھی۔ شہباز ولی خان آرام دہ نشست پر براجمان گہری سوچوں میں گم تھے۔ گاڑی کھلے و سیب جنگل کے ٹوٹے پھوٹے راستوں پر محتاط روی سے دوڑ رہی تھی اور جوں جوں راستہ طے ہو رہا تھا اندھیرا بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ حالاں کہ وقت دوپہر کا تھا مگر یہاں گھنے اور پھیلے ہوئے درختوں اور قد آور جھاڑیوں کی بہتات کے باعث اور انہیں سہارا دیے ہوئے بلند و بالا پہاڑوں کی اوٹ کی وجہ سے سورج کی کرنیں یہاں داخل نہیں ہو پاتی تھیں۔ یہاں پر دن کی روشنی میں بھی رات کا سماں لگتا تھا۔ دشوار گزار راستوں اور ہر وقت چھائی رہنے والی گہری دھند کے باعث یہاں کا رخ کرنے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ جنگلی جانوروں اور موذی کیڑوں کی موجودگی نے عام انسان کا یہاں آنا ناممکن بنا دیا تھا۔

"صمد خان! کتنا راستہ اور باقی ہے؟" شہباز خان اپنے گرد اونی لانبی برائون چادر لپیٹتے ہوئے صمد خان سے مخاطب ہوئے۔ گاڑی کی رفتار کے ساتھ سرد ہوائیں بھی بتدریج بڑھ رہی تھیں جس سے جسم میں سردی کا احساس بے دار ہونے لگا تھا۔

"تھوڑا وقت اور لگے گا بڑے خان جی! اگر آپ کو سردی لگ رہا ہو تو تھرموس سے کافی نکال کر دوں۔ نیچے وادی میں ان مہینوں میں خوش گوار موسم ہوتا ہے لیکن پہاڑوں پر برف ہونے کی وجہ سے سارا سال سرد رہتا ہے۔ ہاں یہ بات دوسری ہے یہاں ان دنوں ہم آ جا سکتے ہیں۔ سردی برداشت ہو جاتی ہے۔ موسم سرما میں برف سے راستے بند ہو جاتے ہیں اور سردی سے بچنے کے لیے لوگ گرم علاقوں کا رخ کرتے ہیں۔" صمد خان اس کی بات پر کافی تھرموس سے نکال کر مگ انہیں پکڑاتے ہوئے سردی کے بارے میں تفصیلات بھی بتاتا جا رہا تھا۔ کافی سے فارغ ہونے کے بعد گاڑی پھر اپنی منزل کی طرف گامزن ہو چکی تھی۔ گرما گرم کافی نے انہیں تازہ دم کر دیا تھا۔

ایک گھنٹے کے مزید سفر کے بعد وہ منزل مقصود پر پہنچے تھے۔ صمد خان نے جیپ ایک بڑے مکان کے پاس آ کر روکی تھی اور پھرتی سے اتر کر ان کے لیے دروازہ کھولا تھا جو بہت حیرانگی سے ارد گرد پھیلے درختوں اور جھاڑیوں میں کھلے زرد اور جامنی چھوٹے چھوٹے پھولوں کے گچھوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں ستائش کے ساتھ ساتھ استعجاب بھی موجزن تھا۔ حسب عادت دل ہی دل میں بیٹے کی حکمت عملی کو داد دے رہے تھے۔

"انہوں نے ذرا سا نیچے جھک کر دیکھا ہر سو گہری دھند تھی۔ سرد ہوائیں نیم اندھیرا، خاموشی

و سناٹے کا راج۔

"السلام علیکم بابا جان! کیسے پسند آیا میرا ننھا ٹھکانہ؟ کوئی سوچ سکتا ہے بھلا یہاں انسان کی موجودگی کا۔ ہزاروں فٹ کی بلندیوں پر آپ کھڑے ہیں۔ نیچے سے دیکھنے والوں کو درختوں اور دھند کے سوا کچھ نظر نہیں آ سکتا۔ اوپر سے بھی نیچے دھند ہی دھند نظر آتی ہے۔ کیسا ہے؟" وہ گاڑی کی آواز سن کر باہر آ گیا تھا اور باپ کے چہرے پر پھیلے حیرانگی کے رنگ اسے نظر آ گئے تھے۔ وہ بہت ہشاش بشاش موڈ میں تھا مسکرا کر باپ سے مخاطب ہوا تھا۔

"تمہاری ذہانت و فراست کا اگر میں قائل نہ ہوتا تو سب بیٹوں میں تمہیں یوں ہی سب سے زیادہ اہمیت و محبت نہ دیتا۔ یہ بتاؤ شاہ افضل خان کے پوتے کو کیوں مارا؟" اس کا چہرہ دیکھتے ہی وہ تمام فکر و پریشانی بھول بیٹھے۔ اس مضبوط و بلند سراپا کو دیکھ کر انہیں ہمیشہ تحفظ و طمانیت کا احساس ہوتا تھا جس نے اس وقت بھی غلبہ پا لیا۔

"اس کی موت نے پکارا تھا۔ اندر آئیں صبح پہاڑی بکرے کا شکار کیا ہے۔ سمندر خان اسے روسٹ کر رہا ہے کچھ دیر میں وہ تیار ہو جائے گا۔ آپ کی پسند کے مطابق مسالہ ڈلوایا ہے۔" وہ ان کے ساتھ چلتا اندر داخل ہو گیا۔ پہاڑ کے اندر غار تھا۔ خوب کشادہ اور ضرورت کا ہر سامان وہاں موجود تھا۔ ایک طرف سمندر خان آگ کے الاؤ پر وہاں کے مخصوص انداز میں بکرا بھون رہا تھا۔ قریب صمد خان قہوہ تیار کر رہا تھا۔ روسٹ اور قہوے کی ملی جلی مہک وہاں بکھری ہوئی تھی۔ سمندر خان نے انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر کھڑے ہو کر سلام کیا۔ وہ جواب دیتے ہوئے فرشی نشست پر دراز ہو گئے۔ قریب ہی شمشیر خان بیٹھ گیا تھا۔ صمد خان کانچ کی نفیس پیالیوں میں لال بھورا، والا سبز قہوہ انہیں دے کر چلا گیا۔ شہباز خان شمشیر خان کے بولنے کے منتظر تھے مگر وہ اطمینان انداز میں قہوہ پی رہا تھا گویا انہیں یہاں اسی لیے بلوایا ہو۔

"شمشیر خان! میری بات کا جواب دو۔ کیوں کیا تم نے ایسا؟" شہباز خان نے سخت لہجے میں اس بار استفسار کیا۔

"بابا جان! ابھی ابتدا ہے آگے آگے دیکھیے گا شاہ قبیلے کو میں اسی طرح موت کی نیند سلا دوں گا۔ سرمئی پہاڑیوں والا علاقہ جب تک میں اپنے نام کے ساتھ نہیں لگاؤں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"

"پھر اس طرح چوہے کی مانند بل میں کیوں چھپ گئے ہو؟"

"بابا جان! یہ بات آپ نے کی ہے اگر کوئی دوسرا کہتا تو دوسرے لمحے وہ مردے میں شمار کیا جاتا۔" وہ ایک دم بھڑک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"کتنی مرتبہ سمجھایا ہے جذباتیت کے گھوڑے پر سوار مت ہوا کرو خانا! مگر تم ہمیشہ جذبات کو اولیت دیتے ہو۔ جذبات کی تابعداری میں لگے رہتے ہو۔ سمیر خان کو مار کر کیا سمجھتے ہو وہ خاموش ہو جائیں گے؟ چوڑیاں پہن رکھی ہیں ان لوگوں نے؟ یا وہ مرد نہیں ہیں؟" وہ یک دم طیش میں آ گئے تھے۔

"ہونہہ امرد مجھ جیسا ایک بھی نہیں ہے سردار۔" وہ گھنی مونچھوں کو بائیں ہاتھ سے بل دیتے ہوئے اکڑ کر فاتحانہ انداز میں گویا ہوا۔

"بچگانہ حرکتیں چھوڑ دو شمشیر خان! ہوش و دانش مندی کی سرزمین پر قدم رکھو۔ آنکھوں اور دماغ کو روشن کرو۔ فتح ہمیشہ دانش مندی و فہم و فراست کے داؤ پیچ لڑانے کے حاصل کی جاتی ہے۔ چال عموماً ایسی چلنی چاہیے کہ سانپ بھی مر جائے اور اس کی آنکھوں میں مرنے والے کا عکس بھی نظر نہیں آئے۔" وہ سرگوشیانہ انداز میں بیٹے سے مخاطب تھے۔ ان کے پروقار و بارعب چہرے پر اس وقت شیطانیت سی پھیل گئی تھی جس سے ان کا چہرہ بے حد مکروہ لگ رہا تھا۔

"بابا جان! میری معمولی عقل میں آپ کی باریک باریک باتیں کبھی نہیں آ سکتیں۔ آپ اپنی مرضی سے کام کریں مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" اس کا منہ پھٹ بدستور آف تھا۔ باپ کا "چوہے" کا خطاب دینا اسے قطعی نہیں بھایا تھا۔

"خانا! بات سمجھا کرو۔ غصے میں مت آیا کرو۔ کوئی ترکیب لڑاؤ کوئی حل نکالو۔"

"کچھ نہیں ہوگا بابا جان! بدلے کے لیے بھی ہمت و طاقت چاہیے۔ کچھ نہیں کر سکتے وہ لوگ۔ اگر ان کے پاس طاقت و جرأت ہوتی تو ان کا بزرگ ہم سے دوستی کا ہاتھ بڑھانے کیوں آتا؟" اس نے تمسخرانہ انداز میں دلیل پیش کی۔

"تم اپنی عقل سے سوچنے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہو۔ اب میں سوائے صبر کے اور کیا کر سکتا ہوں۔ بہرحال تم ابھی چند دن یہیں رہنا۔ معاملہ تازہ ہے کوئی آگ بھڑکتی ہے۔ بات پرانی ہو جائے گی تو خود ہی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ہا... ہا... ہا... بابا جان! آپ کیا سمجھتے ہیں! میں ان لوگوں سے چھپ کر بیٹھا ہوں؟ آئیں شمشیر خان شیر ہے گیدڑ نہیں۔ ایک شکار کرنے کے بعد مزید شکار کی طلب مجھے بے چین کر دیتی ہے تو اپنی بے چینیوں اور دہشتوں پر قابو پانے کے لئے اس جنگل میں آ کر جانوروں کا شکار کھیل کر تسکین حاصل کرتا ہوں۔" باپ کی بات پر اس نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

"بہت خوش ہو؟ یہ صمد خان کہہ رہا تھا۔ تم روپوش ہو گئے۔" وہ اسے صبر دیکھ کر خود ہی حقیقت سمجھا رہے تھے۔ وہ فطرتاً خشک مزاج و غصہ ور شخص تھا۔ شاذ و نادر ہی اس کے لبوں

مسکراہٹ نمودار ہوتی تھی۔ آج بات بات پر اس کا مسکرانا' قہقہے لگانا اس بات کی دلیل تھی کہ وہ بے حد خوش و پرسکون ہے۔ اس کو پرمسرت دیکھ کر وہ بھی تمام اندیشے' واہمے بھول بیٹھے جو یہاں آنے سے قبل انہیں بے چین و بے سکون کیے ہوئے تھے۔ ویسے بھی وہ اس سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ اس کی خوشی میں خوش و رنج میں رنجیدہ ہو جانا ان کا فطری عمل تھا۔

"یہ سر میں دماغ کے بجائے بھوسا لیے گھومتا ہے جو منہ میں آتا ہے بولنے سے نہیں چوکتا۔" اس کے بھاری ہاتھ کا کرارہ تھپڑ صمد خان کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا۔

"معاف کرو خان! زبان ہے پھسل جاتا ہے۔" وہ فوراً ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔

"سنبھال کر رکھا کرا سے ورنہ..." وہ تندی سے گویا ہوا۔

"چھوڑو خان! یہ انسان ہیں غلطی فرشتوں سے بھی ہو جایا کرتی ہے۔ تم کھانا لگواؤ میں کچھ دیر آرام کروں گا پھر کھانا کھاتے ہی روانہ ہونا ہے خاصا لمبا سفر ہے۔" وہ سر سے عمامہ اتار کر اسے ہلاتے ہوئے گاؤ تکیے کے سہارے نیم دراز ہو گئے۔

"بابا جان! ورثے آ گئی کراچی سے؟" اسے ایک دم خیال آیا تھا۔

"نہیں۔ کل تربت خان کو روانہ کروں گا اسے لینے کے لیے۔" وہ آنکھیں موندے گویا ہوئے۔

"اگر اب اس نے کوئی گڑبڑ کی گاؤں آ کر تو بابا جان اسے زندہ زمین میں دفن کر دوں گا۔" وہ پرزور لہجے میں گویا ہوا۔ ان کی طرف سے خاموشی محسوس کر کے پلٹ کر دیکھا تو وہ بیدار ہو رہے تھے۔ وہ سکندر خان اور صمد خان کی طرف بڑھ گیا۔

❁ ❁ ❁

بدلی بدلی سی فضا لگتی ہے
ساری دنیا ہی خفا لگتی ہے
دل کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا
تیرے قدموں کی صدا لگتی ہے

"صارم خان! اس طرح کب تک خود سے اور دوسروں سے بے پرواہ رہ سکتے ہو بچے! جو [illegible] جاتے ہیں کبھی نہ آنے کے لیے ان کی راہ تکنا خود کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ کل [illegible] سے سنبھالو خود کو زندگی اس طرح سب سے الگ تھلگ رہ کر نہیں گزر سکتی' حوصلے" چھوٹے اکاسی سے گھر سے غائب دیکھ کر اس تک پہنچے تھے۔ وہ شہتوت کے [illegible] اس پتھر پہ تنہا بیٹھا خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ سامنے شفاف پانی کی چھوٹی سی ندی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہہ رہی تھی جس کے پانی سے سیراب اردگرد پھیلے سبزے میں خوب صورت کاسنی' گلابی' اور سرخ جنگلی پھول کھلے ہوئے منظر کو دل کش بنا رہے تھے۔ ان کے وجود سے نکلتی دھیمی دھیمی مہکار پھیلی ہوئی تھی۔

"چھوٹے اکا! آپ کو معلوم ہے نا' میں اور سبریز یہاں روز بیٹھا کرتے تھے؟ اسے یہ جگہ بے حد پسند تھی۔ وہ کہتا تھا سامنے پہاڑوں کی اوٹ سے نکلتے سورج کو دیکھ کر لگتا ہے۔ زندگی طلوع ہو رہی ہے۔ اسے اجالوں سے عشق تھا۔ روشنیوں کا اسیر تھا وہ' پھر کیوں اندھیروں میں گم ہو گیا؟" وہ درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے کرب سے گویا ہوا۔ اس کے چہرے پر سوز ہی سوز تھا۔

"انسان اس بات سے بے خبر ہوتا ہے بچے کہ اگلا پل اس کے لیے آنچل میں کیا لا رہا ہے۔ بے بسی و بے خبری کا دوسرا نام انسان ہے۔ ہم ہمیشہ اپنے کل سے بے خبر رہتے ہیں' یہ بے خبری کبھی ہمارے لیے بہتر ثابت ہوتی ہے تو کبھی اذیت ناک بھی بن جاتی ہے۔ لیکن بچے! سب اللہ کے حکم پر ہوتا ہے۔ اس کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ وہ کبھی ہماری برائی نہیں چاہتا۔ جو ہوا اس کے حکم پر ہوا ہے اور اس کے حکم کے سامنے ہماری کیا بساط کہ دم بھر سکیں۔ صبر کرو۔ دل کو تسلی دو گے تو قرار آئے گا۔ تمہارا دوست تھا' بھائی تھا' بہت عزیز تھا وہ تمہیں۔ سبریز بھی بھائی کی نشانی تھا۔ اپنے بچوں سے زیادہ چاہا ہے میں نے اسے بھی اور تمہیں بھی۔ لیکن آج اپنے دل پر پتھر رکھے ہوئے اسے بھولنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گل سانگہ کے ماں باپ نہیں اسے بھی بی بی جان اور بابا جانی نے سگی بیٹی کی طرح پرورش کیا۔ اس کی شادی کی تیاری بالکل اسی انداز میں کی جس طرح سگے والدین بیٹی کے لیے کرتے ہیں۔ پھر دیکھو کس حوصلے و برداشت سے ہر چیز کی ایک ایک چیز اپنے ہاتھوں سے انہوں نے سوئم والے دن غریبوں میں تقسیم کی۔ ہم نے دہرا صدمہ اٹھایا پھر بھی پہاڑ بنے ہوئے ہیں۔ تم جوان ہو بہادر و ہمت والے ہو کر بھی اپنا سنبھال نہیں پا رہے۔ سبریز کے بعد ہم تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔" وہ اسے سینے سے لگا کر سسک اٹھے۔ اس نے بھی خاموشی سے اپنے دل کا غبار آنسوؤں کی صورت میں ان کے سینے سے لگ کر بہا ڈالا تھا۔

"میرے دل کو قرار نہیں آتا چھوٹے اکا۔ اس کی آہٹیں مجھے محسوس ہوتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ابھی وہ کسی درخت کے پیچھے سے ہنستا ہوا نکلے گا اور کہے گا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا تم میرے لیے کیسے تڑپتے ہو؟ اور میں کہوں گا بالکل ایسے ہی جیسے کسی شاہین کے پر نوچ کر پھینک دیا گیا ہو۔ دعا کرو میری جان! سوئیاں آسیب کی طرح بندے کو چمٹ جاتی ہیں۔ بہادر دل والے

کی زندگی میں اس سے بھی کٹھن و ناقابل برداشت موڑ آتے ہیں۔ بہادر وہ نہ ہوا آور ایسے موقعوں پر حوصلے و برداشت سے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔"

وہ اس کے گرد بازو ڈال کر دوستوں کے انداز میں چل رہے تھے۔ گھر پہنچنے کے بعد وہ سیدھا بی بی جان کے کمرے میں گیا تھا۔ جن کی نرم و شفقت بھری ممتا سے مہکتی آغوش میں سر رکھ کے کسی نوزائیدہ بچے کی طرح آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ایک ہفتے سے نیند سے بے نیاز دکھتی آنکھوں میں نیند آہستگی سے اترنے لگی۔ بی بی جان کی نرم روئی کے گالوں جیسی انگلیاں دھیرے دھیرے اس کے گھنے بالوں میں سرایت کرتی اسے نیند کی پرسکون وادی میں اتارنے لگیں۔ وہ دھیرے دھیرے اردگرد سے بے خبر ہوتا چلا گیا۔

بی بی جان بغور اسے سوتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ بڑھی ہوئی شیو' بے ترتیب بال' ملگجے کپڑے۔ سبریز کی جدائی نے اسے ایک ہفتے میں ہی بدل ڈالا تھا۔ سبریز کی موجودگی میں نظر آنے والے صارم اور اس وقت بچوں کی مانند بے خبر سوتے' اپنے حال سے بے خبر ہونے والے صارم میں کتنا فرق پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی جامہ زیبی' خوشبوؤں سے مہکتے وجود کے چرچے تھے۔ آج جیسے اس کا ہر انداز ان چیزوں سے ناآشنا لگ رہا تھا۔

آنسوؤں نے پھر خاموشی سے آنکھوں کا راستہ دیکھ لیا تھا۔ اندر کی سوگوار فضا خاموش تھی۔ باہر حویلی کی مردانہ بیٹھک میں شور برپا تھا۔ گل ریز خان جو بڑوں سے چھپ کر سبریز خان کے قتل کے متعلق معلومات حاصل کر رہا تھا اسے درست معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ اب وہ بدلہ لینے کے لیے بے چین تھا۔ افضل خان اور گل باز اسے باز رکھنے کی جستجو میں تھے مگر وہ طوفان کی طرح بپھرا ہوا تھا۔

"بابا جانی! آپ کو خبر دینے والے نے غلط اطلاع دی ہے کہ سبریز خان اتفاقاً شکاریوں کی گولیوں کی زد میں آ گیا تھا۔ ایسا اتفاقاً نہیں ہوا تھا بلکہ وہ شکاری شکار کھیلنے ہی سبریز خان کا پیچھا کرتے تھے۔ وہ کھیل کر چلے گئے اور ہم یہاں ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔" جوش و غم سے اس کی آواز بھاری تھی۔

"کس نے اطلاع دی ہے تمہیں؟ مت آیا کرو لوگوں کے بہکاوے میں۔" گل باز خان اسے ڈپٹ کر گویا ہوئے۔

"میرے آدمی کبھی غلط رپورٹ نہیں دیتے بابا۔ سبریز خان کو شہباز ولی خان کے بیٹے شمشیر ولی نے قتل کیا ہے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر وہ بزدل گاؤں سے فرار ہے۔ دوست خدا کی قسم گاؤں میں قسم کر ہی اس کا وجود گولیوں سے چھلنی کر ڈالتا۔ لیکن کب تک وہ فرار رہے گا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میرے آدمی اس کی کھوج میں ہیں۔ جس دن بھی خبر مل گئی ایسی موت ماروں گا اسے کہ اس کی روح بھی صدیوں تک سسکتی پھرے گی۔" وہ سفاک و پرعزم لہجے میں بول رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ چھائی سختی' آنکھوں میں اترتے خون کی سرخی نے بابا جانی کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں نمودار کر دی تھیں۔ وہ جس خوف سے سب جان کر بھی انجان بن رہے تھے وہی خطرہ ان کی طرف بڑھ چکا تھا۔

"بدلہ لینے سے ہمارا سبریز واپس آ جائے گا؟ گل سانگے زندہ ہو جائے گی؟ جس کے دل کی دھڑکنیں سبریز کی موت کی خبر سن کر بند ہو گئی تھیں۔ کیا اس کا وجود دوبارہ زندہ ہو جانے کا تمہارے بدلہ لینے سے؟"

"بابا جانی! آپ ہمیں بزدلی اور بے غیرتی کا درس دے رہے ہیں۔"

"گل ریز خان! زبان کو لگام دو اپنی۔ تمہاری جرأت کیسے ہوئی بابا جانی سے اس انداز میں بات کرنے کی؟" گل باز خان شدید غصے میں بیٹے کی طرف بڑھے تھے۔ اگر بابا جانی درمیان میں آ کر ان کا ہاتھ نہیں پکڑ لیتے تو وہ اس پر ہاتھ اٹھانے سے بھی نہ چوکتے۔ باپ داماں کی شان میں گستاخی انہیں ہرگز گوارہ نہ تھی۔

"گل باز خان! غصے پر قابو رکھا کرو بچے! گل ریز نے کوئی گستاخی نہیں کی۔"

"میں اس وقت ہوش میں نہیں ہوں بابا جانی! شاید کچھ غلط بول گیا ہوں معافی چاہتا ہوں۔" وہ سر جھکا کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

❁❁❁

گاؤں سے شہباز خان کا خاص ملازم اسے لینے کے لیے آ چکا تھا۔ ڈھیروں پھل' دیگر میوے کے علاوہ دوسری سوغاتیں بھی تھیں جو انہوں نے ملازم کے ہمراہ یہاں روانہ کی تھیں۔ ساتھ ہی ذیشان صاحب اور رخشندہ بیگم کے نام خط بھی تھا جس میں تحریر تھا۔ وہ کسی ناگزیر وجوہات کے باعث نہیں آ سکتے۔ وقت ملتے ہی آئیں گے اور ساتھ ہی فوراً ورشا کو روانہ کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔

"تم کچھ دن رک نہیں سکتیں؟ حمزہ بھائی اگلے ہفتے اپنے والدین کو لے کر آ رہے ہیں۔ ان کا ارادہ جلد از جلد شادی کرنے کا ہے۔ تب تک تم رک جاؤ۔" سنبل اسے سامان پیک کرتے دیکھ کر از حد ملول تھی۔

"نہیں باجی! ویسے بابا جان کا حکم حرف آخر ہے۔ میں ایک دن بھی مزید نہیں رک سکتی مجبوری ہے۔" وہ غمزدہ سے گویا ہوئی۔

"کیا تم حمزہ بھائی سے بھی نہیں ملو گی؟ اف! وہ کتنا مس کریں گے تمہیں۔"

"ان کی واپسی کینیڈا سے اگلے ہفتے ہو گی' میں کہاں رک سکتی ہوں سنبل!" اس کے ملکوتی حسین چہرے پہ اپنوں سے ملنے کی مسرت بھی تھی اور اتنے اچھے پرخلوص و بے غرض لوگوں کا ساتھ چھوٹنے کا افسوس و دکھ بھی۔

دوسرے دن بارہ بجے کی ان کی فلائٹ تھی۔ فارحہ اور رخشندہ بیگم نے مل کر اس کے لیے اور گھر والوں کے لئے تحائف خریدے تھے۔ آج کی رات ان کا سونے کا ارادہ ہرگز نہ تھا۔ آج کی رات ان کے ساتھ کی آخری رات تھی جس کے لمحے لمحے کو وہ ایک ساتھ گزارنا چاہتی تھیں۔ رات کا کھانا انہوں نے باہر کھایا۔ کھانے کے بعد گولڈ ڈرنکس کا دور چلا تھا۔ رخشندہ بیگم پھر انہیں لانگ ڈرائیو پر لے گئیں جہاں سے واپسی پر آئس کریم کھا کر وہ گھر لوٹی تھیں۔ گھر آ کر بھی ان کی باتوں کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔ رخشندہ بیگم نے رات ایک بجے تک ان کا ساتھ باتوں میں دیا پھر سونے کے لیے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ وہ تینوں رات باتوں میں ہی گزارنا چاہتی تھیں۔ رات دھیرے دھیرے صبح کی جانب محو سفر تھی۔

❁❁❁

"سارم خان! کیا صبح' دوپہر' شام سبریز خان اور گل سانگہ کی قبروں پر چکر لگانے سے تم ان کی محبت کا قرض ادا کر سکتے ہو؟" گل ریز خان اس کے قریب بیٹھ کر دھیمے مگر مضبوط لہجے میں گویا ہوا۔ سارم سبریز کی قبر کے قریب بیٹھا قرآن کی تلاوت کر کے ابھی فارغ ہوا تھا۔ گل ریز خان کے لہجے میں کوئی ایسی کاری ضرب تھی جو سیدھی اس کے دل پہ لگی تھی۔

"نہیں۔ تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟ کھل کر بات کرو۔" وہ چونک کر گویا ہوا۔

"یہاں سے چلو' بتاتا ہوں تمہیں ساری بات۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے قبرستان سے باہر لے آیا۔ ایک پرسکون و خاموش گوشے میں لے کر اسے بیٹھ گیا۔

"تمہیں معلوم ہے جس دن سبریز خان کا قتل ہوا اس دن وہ تمہیں لینے لاری اڈے جا رہا تھا۔" وہ اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

"قتل.....؟ سبریز خان کا قتل ہوا ہے؟ اوہ...گاڈ! لیکن....."

"غلط ہے وہ خبر جو تمہیں دی گئی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ سبریز خان کو قتل کیا گیا ہے۔ شمشیر خان نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اسے مارا ہے۔"

"واٹ! شمشیر خان' پھر جھگڑا ہوا تھا اس سے؟" اضطراب و وحشت نے اس پر پوری طرح سے حملہ کیا تھا۔ وہ مضطرب سا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اس نے پیچھا کب چھوڑا تھا۔ وار کرتا ہی رہا تھا۔"

"اس کے باوجود تم لوگ اتنے غافل کیوں رہے؟ اور بابا جانی' چھوٹے اکا' لالا نے اس حقیقت کو کیوں چھپایا؟" اس کا چہرہ آگ کی مانند دہک اٹھا۔

"مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے..... بابا جانی صلح کا پیغام لے کر شہباز خان کے پاس گئے تھے اور اس نے صلح کرنے کے بجائے انہیں بے عزت کیا اور شمشیر خان نے بابا جانی کو ہلاک کرنے کے لیے فائر کروا لا تھا جو عین وقت پر اس کے بڑے لالا کی مداخلت پر نشانہ چوک گیا تھا ورنہ....."

"اوہ..... اوہ اتنا کچھ ہوتا رہا یہاں پر میں بے خبر رہا؟ بابا جانی کو کیا ضرورت پڑ گئی تھی اس حقیر کیڑے کے پاس امن و آشتی کا پیغام لے کر جانے کی؟" غصے کے الاؤ اس کے اندر بھڑک اٹھے تھے۔

"بابا جانی! بی بی جان سب خوف زدہ ہیں..... وہ جھگڑوں سے ڈرنے لگے ہیں۔ ان کے خوف کا یہ عالم ہے کہ وہ بدلہ لینے کے نام سے بھی خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور وہ اس خوف سے واقف ہو گئے ہیں۔ تبھی وہ ہر جرم بہت آسانی و بے خوف انداز میں کر جاتے ہیں۔" گل ریز خان زخمی ناگ کی طرح بے چین نظر آ رہا تھا۔

"مسئلہ وہاں سرحدی پہاڑی والی زمین کا ہے؟"

"ہاں۔"

"زمین کے بے جان ٹکڑوں کی خاطر جیتی جاگتی زندگیاں موت کی آغوش میں پہنچا دیں کہاں کی بہادری ہے؟"

"صارم خان! ہمیں انتقام لینا ہے۔ بابا جانی کی بے عزتی کا جواب جو اپنے گھر کی دہلیز پر انہوں نے کی۔ بدلہ لینا ہے سبریز کے اس خون کا جو پانی کی طرح بہایا گیا ہے۔ کتنا خوش تھا اور اپنی شادی کی خوشی سے زیادہ اسے تمہارے یہاں مستقل آنے کی مسرت تھی۔ وہ بے حد سنجیدہ ہو کر کہتا تھا۔ صارم کی غیر موجودگی میں میں نے زمینیں سنبھالی ہیں' دیکھ بھال کی ہے وہ آ جائے گا تو میں مزے سے بیٹھ کر اسے زمینوں پر کام کرتے دیکھوں گا' کتنا اچھا لگے گا وہ' مانسرز کی ٹاکر لے کر کھیتوں میں کام کرتا ہوا۔ اس کی باتیں میرے کانوں میں گونج رہی ہیں۔ اسے کیا معلوم کہ اس کی غیر موجودگی میں کیا کچھ ہو گیا ہے۔ اس کی شرارت میں کہی گئی بات کس طرح پوری ہو گئی ہے۔ وہ چل دے گا ہمیں تنہا چھوڑ کر' اور ہمیں دکھ اپنی یاد کی صورت میں تاحیات ہمارے دلوں میں دھڑکتا رہے گا۔"

گل ریز خان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ صارم خان کے لیے یہ انکشاف ناقابل برداشت تھا کہ سبریز خان کو شمشیر خان نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر قتل کر ڈالا ہے۔

انکشاف اس کے اندر کے آتش فشاں کو بے قابو کرنے کے لیے کافی تھا۔ سبریز خان کی موت اس کی جدائی' اس کی نا آسودہ خواہشات کا درد ایک نئے سرے سے جاگ اٹھا تھا۔ اس کی رگ رگ' پور پور میں شرارے سے دوڑنے لگے۔

"بابا جان کی ذات نامعتبر و ارزاں نہیں ہے جو دشمنوں کو جرأت ہو انہیں ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے کی بھی اور نہ ہی سبریز خان بے وقعت و حقیر تھا۔ اس کے خون کی بوند بوند کا حساب لیں گے۔ کہاں ملے گا شمشیر خان؟" وہ گل ریز خان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر خوف ناک لہجے میں گویا ہوا۔

"وہ گاؤں سے بھاگا ہوا ہے۔ شہباز خان بھی گھر تک محدود ہے۔ دوسرے بھائی ان کے گاؤں سے باہر گئے ہوئے ہیں۔" گل ریز خان نے اطلاع بہم پہنچائی۔

"تمہیں یہ اطلاعات کہاں سے مل رہی ہیں؟"

"شمشیر خان کا خاص ملازم ہے سمندر خان! بہت قریب ہے اس کے' ہر راز سے واقف' وہ ہمارا عادی ہے۔ طور خان کے دوست سے اس کی گہری دوستی ہے۔ نشے کی حالت میں وہ اپنے اور شمشیر خان کے کارنامے بہت فخر سے سناتا ہے۔ طور خان کو اس سے معلومات حاصل ہوئیں اور طور خان نے مجھے بتایا۔ اب میں نے طور خان سے کہہ دیا ہے وہ ہوشیاری سے اس سے معلومات لیتا رہے۔ اسے شک نہ ہو اور ہمیں دشمنوں کی خبروں سے آگاہی مکمل طور پر رہے۔"

"طور خان کیا کہتا ہے؟ وہ کب تک گاؤں واپس آئے گا؟"

"اس بار سمندر خان اس کے دوست کے پاس آیا نہیں' لیکن ایک اہم اطلاع ملی ہے اگر وہ ثابت ہوئی تو سمجھو شمشیر خان تو کیا اس کا باپ بھی بل سے باہر نکل آئے گا۔" وہ پرجوش لہجے میں بولا تھا۔

❁❁❁

ائرپورٹ پر سنبل' فارحہ' رخشندہ بیگم اسے الوداع کہنے آئی تھیں۔ ذیشان صاحب بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے ہوئے تھے گزشتہ رات انہوں نے مکمل جاگ کر گزاری تھی۔ جس میں کبھی روئیں کبھی۔ ایک دوسرے کی سنگت میں قہقہے بھی لگائے تو جدائی کے احساس سے آنکھیں بھی۔ عجیب سے احساسات ہو رہے تھے ان کے۔

"وہاں جا کر ہمیں بھول مت جانا۔ لیٹرز لکھتی رہنا۔" سنبل بھرائی ہوئی آواز میں مخاطب تھی۔ دبئی جانے والی فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہو چکا تھا۔

"ارشنا پلیز کوشش کرنا میری شادی میں شرکت کرنے کی۔ تمہارے بغیر کچھ اچھا نہیں لگے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گا۔" فارحہ اسے گلے ملتے وقت التجائیہ انداز میں بولی۔

"کوشش کروں گی۔ میری مجبوری سمجھتی ہو نا تم؟"

"دعا بیٹے! اپنا خیال رکھنا۔ بہت یاد آؤ گی۔ عادت ہو گئی ہے تم تینوں کو ساتھ دیکھنے کی۔ گھر ویران کر کے جا رہی ہو۔" رخشندہ بیگم اسے سینے سے لگائے آبدیدہ ہو گئی تھیں۔ فارحہ بھی بے ساختہ رو رہی تھیں۔ اس نے بھی برستی آنکھوں سے انہیں خدا حافظ کہا تھا اور تربت خان کے ساتھ اندر بڑھ گئی۔ جہاز فضاؤں میں فراٹے بھرنے لگا تو اس نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا دیا۔ آج دو سال بعد وہ پھر اسی گھٹی گھٹی، سلگتی، مچلتی، گھٹن زدہ زندگی کی طرف گامزن تھی جہاں سردی کی ٹھٹھراتی تھی۔ عورت کی کوئی وقعت و عزت جہاں نہ تھی۔ باڑے میں بندھی گائے، گھر میں موجود عورت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ "کیا میں وہاں پھر وہ سب برداشت کر سکوں گی؟ چھوٹی ادے کی بات بے بات چیخ چیخ..... شمشیر لالا کی بے جا پابندیاں و جھڑکیاں، بابا جان کا ان کی حمایت میں اسے ڈانٹنا، ادے اور خادیہ کے خوف و ڈر سے سفید پڑتے چہرے، گھر کی گھٹی ہوئی بے زار فضا" وہ سوچوں میں الجھتی ہوئی سوات ائر پورٹ پر اتر گئی تھی۔ وہاں منصور خان ڈرائیور جیپ لیے کھڑا تھا۔ اسے سلام کرنے کے بعد تربت خان کے ساتھ مل کر سامان ڈگی میں رکھا تھا پھر سوات کے سرسبز و خوب صورت ہل کھاتے اونچے نیچے راستوں پر محو سفر تھی۔

کراچی کے حبس کے دنوں کی جھلستی تپتی گرمیوں سے یہاں کی فضا میں بہت ٹھنڈک اور سکون تھا۔ وہ پیچھے بیٹھی باہر کے دل کش و حسین نظاروں کو دیکھ رہی تھی۔ سوات سے اس کے گاؤں کا راستہ کئی گھنٹوں پر مشتمل تھا۔ سوات کے آگے ائر سروس نہ تھی۔ کیوں کہ وہ آزاد علاقوں میں ہوتے تھے۔ پھر وہاں فلک بوس پہاڑوں، چٹانوں کی ترتیب درست نہ ہونے کے باعث ائر سروس ناممکن تھی۔

جیپ تیزی سے منزل کی طرف دوڑ رہی تھی۔

"تربت ماما! بابا جان کیوں نہیں آئے مجھے لینے؟" کل سے پہلے سوال کو وہ زبان کی نوک پر لے ہی آئی۔

"بی بی صاحب! بڑے خان مصروف تھے اس لیے انہوں نے مجھے بھیجا ہے۔" وہ مودب سا ہوا۔

"شمشیر لالا، شمروز لالا، بڑے لالا! کوئی بھی گھر پر نہیں ہیں؟" وہ حیرانگی سے دریافت کر رہی تھی۔

"بی بی صاحب! دونوں چھوٹا، بڑا خان کام سے گاؤں سے باہر گئے ہیں۔ شمشیر خان گاؤں میں نہیں ہے کسی دوست کے ہاں دعوت پر گیا ہوا ہے۔ اس لیے بڑے خان نہیں آ

سکے۔" تربت خان نے اسے تفصیل بتائی تھی۔

"بیٹی عزیز نہیں ہوتی، لائق محبت و توجہ اس گھر میں بیٹے رہے ہیں۔ اگر بابا آپ مجھے ائر پورٹ سے ہی لینے آ جاتے تو کتنی خوش ہوتی میں۔ کیا دو سال کی دوری بھی میری کمی، میرے وجود کی اہمیت، میری غیر موجودگی کا احساس نہ دلا سکی۔" وہ تصور میں بابا سے مخاطب تھی۔ انکھیں شبنمی قطرے اس کی نیلی جھیل جیسی آنکھوں سے ٹپک کر رخساروں کو بھگو گئے۔

دل میں ایک دم ہی بے زاری و کبیدگی کی لہر اٹھی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے سیٹ سے سر ٹکا دیا۔ کچھ سفر وہ سو کر پورا کرنا چاہتی تھی۔

وہ گہری نیند میں تھی۔ جب ایک دم جیپ زوردار جھٹکے سے رکی تھی۔ جھٹکا اتنا زوردار تھا کہ اس کا سر تیزی سے لاکڈ دروازے سے ٹکرایا تھا۔ نیند اس کی لمحے بھر میں آنکھوں سے غائب ہو گئی۔ درد سے سر خ پیشانی پکڑ کر اس نے آگے دیکھا۔ منصور خان اور تربت خان ہراساں بیٹھے نظر آئے۔

"معافی چاہتا ہوں بی بی صاحب! راستے میں یک دم یہ رکاوٹ آ گئی ہے۔ اگر اچانک ہم بریک نہیں لگاتا تو گاڑی نیچے کھائی میں گر جاتی۔" منصور نے مڑ کر اس سے معذرت کی۔

"راستہ صاف کیسے ہوگا؟ سورج ڈوبنے والا ہے۔ دھند بھی یہاں اتنی موجود ہے پھر تو راستہ بھی صاف نظر نہیں آئے گا۔" وہ سڑک کے درمیان میں پڑے درختوں کے بھاری بھاری تنوں کو دیکھ کر پریشانی سے گویا ہوئی۔

"بی بی صاحب! آپ پریشان مت ہوں۔ ہم ابھی راستہ صاف کر دیتے ہیں۔"

"اچھا..... میں جب تک وہاں بیٹھ کر چائے پیتی ہوں۔ وہ بیگ سے چائے سے بھرا فلاسک اور مگ لے کر جیپ سے اتر آئی۔ سرمئی پہاڑوں کی کوکھ سے بے شمار جھرنے گنگناتے ہوئے دھرتی کے دامن میں گر رہے تھے۔ ہر سو سبزہ ہی سبزہ بکھرا ہوا نگاہوں کو سکون بخش رہا تھا۔ رنگ برنگے پھولوں کی شوخیوں نے ماحول کو سحر زدہ بنا ڈالا تھا۔ وہ گھاس پر بیٹھ کر فلاسک سے چائے مگ میں ڈالنے لگی کہ معاً اسے محسوس ہوا کوئی بے قدموں سے اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس نے غیر ارادی طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کے پیچھے دو سیاہ لباس میں ملبوس چہروں کو نقاب سے چھپائے اسلحہ بردار بہت چوکنے انداز میں اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔ مگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور قبل اس کے کہ وہ اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر کرتی ان دونوں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر برق رفتاری سے اس کے چہرے پہ کپڑا ڈال کر اس کا چہرہ اتنی مضبوطی سے ہاتھوں سے بھینچا تھا کہ ناک اور منہ مکمل ہاتھوں کی گرفت میں آ جانے کی باعث وہ چند لمحے بھی مزاحمت نہ کر سکی پھر سانس گھٹنے کے باعث اس کا ذہن تاریک ہو گیا۔

❀❀❀

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بوے خان! شمشیر خاناں کہاں ہے؟" گل جاناں کمرے میں آ کر شہباز خان سے مخاطب ہوئیں۔ جو اپنی سوچوں میں گم بیٹھے تھے۔

"کیوں؟ خیریت؟" وہ چونک کر گویا ہوئے۔

"وہ بیٹا ہے میرا۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ میرا غرور ہے وہ' کئی دن ہو گئے نظر نہیں آ رہا۔" وہ ان کے قریب بیٹھ کر کچھ خفگی کا تاثر لے کر گویا ہوئیں۔

"دوستوں کے ہمراہ گیا ہوگا کہیں موج مستی کرنے۔"

"آپ کو معلوم نہیں ہے؟"

"جوان بچہ ہے۔ اس عمر میں طبیعت مدنظر گھوڑے کی مانند ہوتی ہے گل۔ بہتر یہی ہے اس کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیں۔ روک ٹوک' پوچھ گچھ سے بیزاری و خودسری پیدا ہوتی ہے۔ اور میں یہ نہیں چاہتا۔"

انہوں نے حسب عادت شمشیر خان کا ٹھکانہ بتانے سے گریز کیا۔

"میں نے کب روک ٹوک کی ہے۔ وہ کل رات چھوٹی ادی نے پیغام پہنچایا تھا۔"

"کیا پیغام پہنچایا تھا؟" وہ چھوٹی سالی کی باخبر رہنے والی عادت سے واقف تھے سو فوراً مضطرب انداز میں استفسار کیا۔

"اس نے کہلوایا ہے کہ شمشیر خان نے افضل خان کے پوتے کو قتل کروا لا ہے۔ اس کی شادی سے ایک روز پہلے اور اب وہ لوگ اسے تلاش کر رہے ہیں اور شمشیر خان قتل کر کے روپوش ہو گیا ہے۔" انہوں نے اپنی بھوری بھوری آنکھیں ان کے رنگ بدلتے چہرے پر مرکوز کر کے بہت گہرے لہجے میں پیغام سنایا۔

"کواس کرتی ہے وہ' شمشیر خان بزدل نہیں ہے۔ جو چھپ جائے گا۔"

"وہاں میں نے بھی اسے کہلوایا ہے یہی۔" وہ مطمئن انداز میں گویا ہوئیں۔

پھر وہ ان سے خاندان کے دوسرے معاملوں پر بات چیت کرتی رہیں۔ ملازمہ اسی دوران چائے لے کر آ چکی تھی۔ چائے سے فارغ ہوتے ہی شہباز خان اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں

زمینوں کے سلسلے میں چند دنوں کے لئے شہر جانا تھا۔ اسی دم دروازہ ٹوک کر کے سخاوہ اندر داخل ہوئی۔

"بابا جان! ورشا ابھی تک نہیں پہنچی' اسے کل شام پہنچ جانا چاہئے تھا۔" اس کا انداز از حد متفکر و پریشان کن تھا۔

"کل شام؟ میں نے اس بات نہیں کی تھی۔" وہ واسکٹ پہنتے ہوئے سرسری لہجے میں گویا ہوئے جبکہ گل جاناں کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔

"کیا مطلب بابا جان؟ کیا آپ نے ورشا کو نہیں بلوایا؟"

"میں نے تربت خان کو حکم دیا تھا۔ اس کی کمر میں درد تھا۔ میں نے کہہ دیا تھا وہ چند روز بعد جا کر لے آئے۔" ان کا لہجہ عام اور محبت سے عاری تھا۔ جیسے وہ بیٹی کی آمد کی بات نہیں' کسی بے جان پتھر کی بات کر رہے ہوں۔

ان کی بے پروائی و بے نیازی سے سخاوہ کے اندر تک دکھ و اذیت بھر گئی۔ بیٹیوں سے بے پروائی' لاتعلقی' بے وقعتی کی حد تھی۔

"ارے! تمہیں کیا سانپ سونگھ گیا...؟ ہزار دفعہ سمجھایا ہے۔ جاتے وقت منحوس صورت نہیں بنانی چاہئے۔ چلو جاؤ یہاں سے خان کو سفر پر روانہ ہونا ہے۔" انہوں نے نہایت حقارت سے اسے دھتکارا تھا۔

وہ وہاں سے اپنے کمرے میں آ گئی اور گھٹنوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ اسے ملال گل جاناں کی زیادتی اور بابا جان کی خاموشی اور بے حسی کا نہ تھا۔ کہ یہ تو ان ماں باپ کی روزمرہ زندگی کا معمول بن چکا تھا بلکہ افسوس اس خوشی کے رنج میں بدل جانے کا تھا۔ جو کل سے وہ ورشا کی آمد کی ایک ایک ساعت' ایک ایک لمحہ گن گن کر گزار رہی تھی کیونکہ کچھ دن قبل بابا جان نے بتایا تھا کہ ورشا پیر کو یہاں شام تک پہنچ جائے گی اور انہوں نے اسی دم سے اس کا انتظار شروع کر دیا تھا۔ پھر کل شام وہ نہ آئی تو وہ اور ادے یہ سوچ کر بیٹھ گئیں کہ وہ شاید کسی وجہ سے کل نہ آئی ہے تو آج تو لازمی آ جائے گی اور اب بھی تقریباً تمام دن ڈھلنے کو تھا۔ وہ نہیں آئی تو گھبرا کر ان کے پاس آئی تھی۔

"سخاوہ کیا ہوا؟ خیریت تو ہے نا بچے؟" گل بی بی اندر کمرے میں داخل ہوتی ہوئیں اسے روتے دیکھ کر گھبرا کر بولیں۔

"ادے! آپ پریشان مت ہوں۔" ماں کو پریشان و حواس باختہ دیکھ کر اس نے جلدی سے آنسو صاف کئے۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"پھر تم رو کیوں رہی ہو؟ تمہارے بابا نے ورشا کے بارے میں کیا بتایا؟" وہ اس کے نزدیک بیٹھ کر استفہامیہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

"ورشا چند دن بعد آئے گی۔"

"کیوں؟ جب تمہارے بابا نے اسے بلوانے کا حکم دے دیا تو پھر کس کی مجال ہو سکتی ہے کہ حکم سے سرتابی کر جائے۔" وہ اس کی بات قطع کر کے بے چین و بے یقین لہجے میں استفسار کرنے لگیں۔

"امے جان! آج پہلی بار مجھے اپنے اور ورشا کے وجود سے نفرت بھی محسوس ہوئی اور ہمدردی بھی۔ اس گھر کے لئے' یہاں کے مکینوں کے لئے کتنی غیر اہم اور ارزاں ہیں ہم بہنیں' یہ اب پورے طور پر محسوس ہوا ہے اور اتنی شدت سے محسوس ہوا کہ دل چاہ رہا ہے کہ خود بھی زہر کھا لوں اور ورشا کو بھی دے دوں۔"

"ایسی باتیں نہیں کرتے سخاویہ! میں پہلے ہی پریشان ہوں۔ عجیب و نافہم سے واہمے دامن سے دل و دماغ سے چمٹے ہوئے ہیں۔ مجھ میں نہیں آتا یہ بے چینی و بے قراری کیوں ہے؟" وہ اس کا سر اپنے سے لگا کر یاسیت بھرے لہجے میں بولیں۔

"تربت خان کی کمر میں درد ہے۔ اس کی وجہ سے وہ نہیں جا سکتا ہے۔ تین چار روز میں وہ کراچی جائے گا۔ ورشا کو لینے... آپ پریشان مت ہوں۔ مجھے رنج اس بات کا ہے کہ ورشا کی بجائے کسی لالا کو کراچی سے یا کہیں سے بھی لانا ہوتا تو ملازم ہر صورت میں حکم کی تعمیل کرتے' مگر ہماری حیثیت سے سب ہی واقف ہیں۔ اس لئے کسی کو کوئی پرواہ و خوف نہیں ہے۔"

سخاویہ جیسی سنجیدہ و تحمل مزاج لڑکی بابا جان کے بے نیاز رویے سے بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔ اس کی باتیں سن کر حسب عادت گل بی بی اسے سمجھانے لگی تھیں۔

❁ ❁ ❁

"صارم! کیا سوچ رہے ہو بچے؟" بی بی جان نے دولی کے گالوں جیسی نرم و ملائم انگلیاں اس کے سرخی مائل سنہرے بالوں میں پھیرتے ہوئے شفقت سے پوچھا۔ "مت سوچا کرو اتنا سوچیں دیمک کی طرح انسان کو کھوکھلا کر ڈالتی ہیں۔" اسے گم صم و خاموش دیکھ کر وہ آزردگی سے گویا ہوئیں۔

"سوچوں پر بھی بھلا کسی کا اختیار ہوتا ہے؟ یہ بن بلائے مہمان کی طرح وارد ہو جاتی ہیں۔ پھر ان کے وجود سے ذہن ہمہ وقت فکر و پیکراں میں گھرا رہتا ہے۔ بی بی جان! آپ ایسا کچھ بتائیں کہ میں... میں اپنے اختیار میں ہو جاؤں میں... میں نہیں رہا' لگتا ہے اپنے آپ سے بچھڑ

گیا ہوں۔ کھو دیا ہے میں نے خود کو' میری ذات' میری شناخت' میرا اپنا پن سب کھو گیا ہے سبریز کے ساتھ میں بھی مر گیا ہوں... ختم ہو گیا ہوں میں بھی...."

وہ اضطرابی انداز میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وحشت اس کے ہر انداز سے عیاں تھی۔

"کیا تمہیں ہم بوڑھے' بوڑھیا پر ترس نہیں آتا؟ کیا ہماری عمر ہے۔ جوان اولادوں کو کفن میں لپیٹے' قبر کی آغوش میں جاتے دیکھنے کی...؟ اس دل میں اتنے داغ ہیں اولاد کی جدائیوں کے کہ اگر کبھی دکھائی دے جائیں تو شمار نہ کر سکو گے۔ پھر کیوں؟"

بی بی جان بے اختیار رو پڑیں۔ کیونکہ سبریز اور گل سانگہ کو دنیا سے رخصت ہوئے ایک ماہ ہونے کو آیا تھا لیکن صارم اس کی موت کے رنج سے باہر نہ نکلا تھا۔

"بی بی جان پلیز' آپ روئیں مت۔" وہ اپنا مضبوط بازو ان کے شانوں پر رکھ کر خمیدہ سا ہو کر گویا ہوا۔

"کیسے نہ روؤں؟ سبریز کچھ کہے' سنے بغیر چھوڑ گیا اور تم نے بھی ہمیں نظر انداز کر دیا ہے۔ ہر وقت گم صم رہتے ہو' جیسے اس دنیا سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تمہارے کچھ نہیں لگتے' جانے والے چلے جاتے ہیں لیکن کوئی اس طرح خود کو زندگی سے دور نہیں کرتا صارم خان!"

"بی بی جان! زندگی سے دور میں نہیں ہوا بلکہ زندگی مجھ سے دور ہو گئی ہے۔ آپ پریشان مت ہوں' مجھے کچھ وقت لگے گا سنبھلنے میں۔ آپ میری فکر مت کریں۔ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ بہت سخت جان ہوں۔"

اس کے شکستہ لہجے میں عجیب سی بے چارگی تھی۔ بی بی جان کتنی دیر تک اسے پاس بٹھا کر سمجھاتی رہیں۔ وہ خاموشی سے بیٹھا بظاہر ان کی باتیں سن رہا تھا مگر دل میں اس کے ایک آتش بھڑک رہی تھی۔ جب سے سبریز خان کے قتل کا انکشاف ہوا تھا وہ بے کل و متوحش ہو گیا تھا۔

سبریز خان کی نیچر کو وہ خوب جانتا تھا کہ وہ بہت پرخلوص' امن پسند اور دوست نواز شخص تھا۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری اس کی زمینیں تھیں۔ جس پر ملازموں کی موجودگی کے باوجود وہ اور زمینوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اسی جنون کے باعث اس نے تعلیم بھی ادھوری چھوڑ دی تھی۔

بی بی جان کہتی تھیں۔ اسے اپنے باپ کی طرح زمینوں سے عشق ہے۔ اور وہ ہمیشہ مسکرا دیا کرتا تھا۔

پھر کیا وجہ ہو سکتی تھی کہ وہ دشمنوں کے ہاتھوں قبر کی تاریکی میں گم ہو گیا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا زیادتی سبریز خان کی طرف سے نہیں ہوئی ہو گی۔ یقیناً شمشیر خان نے اپنے قول کو صادق کر دکھایا تھا اور شمشیر خان کا نام ذہن میں گونجتے ہی وہ اپنے بھڑکتے' شوریدہ جذبات کو بے قابو محسوس

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرتا تھا۔ اسے ہتھیاروں سے کبھی لگاؤ نہیں رہا تھا حالانکہ پہلی تربیت اس کو ہتھیاروں کو استعمال کرنے کی ہی دی گئی تھی۔ اس کا نشانہ بچپن سے درست و زبردست رہا تھا جو کبھی کبھی شکار میں پرندوں پر وہ آزماتا تھا۔ یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ زندگی کے کسی موڑ پر کسی انسان پر بھی ہتھیار اٹھانے کی خواہش کرے گا۔

بی بی جان کے پاس گاؤں کی چند عورتیں چلی آئیں تو وہ جیکٹ پہن کر باہر نکل آیا۔ موسم دلکش تھا دھوپ دھیرے دھیرے اردگرد بکھری چٹانوں پر بکھر رہی تھی۔ ماحول پر سحر انگیز طلسم چھا رہا تھا۔ پہاڑوں سے گرتے جھرنے' پھلوں سے لدے درخت' پھولوں سے مہکتی شاخیں' تا حد نگاہ پھیلا سبزہ۔ اس نے ایک گہری نگاہ ماحول پر ڈالی تھی پھر تھکے تھکے انداز میں اس کے قدم آگے بڑھنے لگے۔ افسردگی کی دھند ہمہ وقت اسے اپنی گرفت میں رکھتی تھی۔

سبریز کی جدائی اسے بالکل ہی بدل گئی تھی۔ اس کی شوخی و شرارتیں' مزاج کی شگفتگی یک جنبشی سب رخصت ہو گئی تھی۔ اسے لگتا کوئی ایسی چیز گم ہو گئی ہے جس کی تلاش میں وہ تا حیات سرگرداں رہے بھی تو اسے نہ پا سکے گا۔

حویلی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اس کے قدم غیر اختیاری طور پر اس پگڈنڈی پر رواں دواں تھے۔ جس کا اختتام قبرستان کے گیٹ پر ہوتا تھا۔

"صارم! صارم خان۔" وہ سوچوں میں گم اردگرد سے بے نیاز چل رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے گلریز کی آواز سن کر چونک کر رکا تھا۔

"مجھے یقین تھا۔ تم اسی راستے پر ہو گے۔" وہ نزدیک آ کر پھولے سانسوں سے بولا۔

"ہوں۔ کیا بات ہے؟ خاصے ایکسائیٹڈ لگ رہے ہو؟"

وہ اس کے چہرے پر پھیلے جوش و جذبات محسوس کر کے گویا ہوا۔

"صارم خان! ہم کامیاب ہو گئے' سبریز کے خون کا بدلہ ہم ایسا لیں گے کہ شمشیر خان کی نسلیں مدتوں اپنے زخم مندمل نہ کر پائیں۔"

وہ اس سے لپٹ کر پرعزم و پرجوش لہجے میں گویا ہوا۔

"کیا' کیا شمشیر خان باہر آ گیا ہے؟"

"کچھ لوگ ایسا ہی سمجھے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ ازحد متعجب انداز میں گویا ہوا۔

"پلو تو میں چل کر معلوم ہو گا' میں نے اور طور خان نے رات کو ہی اپنے دشمن کا شکار کرایا تھا۔ اسے چھوٹی حویلی میں چھوڑ کر رات کو آ گئے تھے' تم تو جانتے ہو بابا جانی رات کو مردوں کا گھر

سے باہر رہنا پسند نہیں کرتے' سو میں فوراً ہی حویلی چلا آیا تھا کہ صبح تمہیں ساتھ لے کر چھوٹی حویلی جاؤں گا' تمہاری بھابھی نے بتایا کہ ابھی گھر سے نکلے ہو' میں سمجھ گیا تھا تم کہاں جا سکتے ہو۔"

"لیکن کیا مطلب؟ کس کو اغوا کیا ہے تم نے؟ کچھ معلوم تو ہو؟"

"بس یوں سمجھو شمشیر کی گردن کے گرد پھندا ڈال دیا ہے ہم نے' اگر غیرت مند ہو گا تو سر جائے گا۔" وہ اسے ساتھ لے کر جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

❁ ❁ ❁

اس کی کیفیت سوتے' جاگتے کے درمیان تھی۔ چند لمحات اس کے اسی انداز میں گزرے۔ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں آنکھیں کھولے بلند چھت پر کندا نقش و نگار کو دیکھتی رہی۔ پھر ایک دم ہی جیسے اس کے تاریک ذہن کے گوشوں میں روشنی سی پھیلتی چلی گئی' اس نے حیرانگی و خوف سے ادھر ادھر دیکھا پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی' اس کے حواس پوری طرح سے بیدار ہو گئے تھے۔ گزرے ہوئے وقت کی پرچھائیاں اسے از سر نو یاد آنے لگیں کہ ڈرائیور اور تربیت خان راستے میں حائل چٹانی بھاری بھرکم درختوں اور پتھروں کو ہٹانے کے لئے آگے بڑھے تھے اور وہ چائے کا فلاسک اور مگ لے کر جھرنے کے قریب پتھر پر بیٹھ کر کافی مگ میں فلاسک سے انڈیلنے لگی تھی کہ اچانک اسے پیچھے سے کسی کے قدموں کی آہٹیں سنائی دی تھیں اور اس نے پوری طرح انہیں دیکھا بھی نہیں تھا کہ عجیب بو والا رومال اس کی ناک اور منہ کے درمیان اس پھرتی و سختی کے ساتھ رکھا گیا تھا کہ وہ لمحوں میں اردگرد سے بیگانہ ہو کر حواس کھو بیٹھی تھی۔

اب ہوش میں آ کر اس وسیع و عریض کمرے میں خود کو پایا تھا۔

اس کے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے یہ وہ بخوبی جانتی تھی کہ اسے اغوا کر لیا گیا ہے لیکن کیوں؟ اور کس کے اشارے پر؟ اور اغوا کرنے والوں کے کیا عزائم ہیں؟ یہ سوال ہوش کی سرحدوں میں قدم رکھتے ہی اس کے اندر ہلچل مچا رہے تھے۔ اس نے اپنے قریب پڑی چادر سر پر ڈالی اور بھاگ کر سامنے دیوار میں نصب کھڑکی کی طرف بڑھی دونوں پٹ کھول کر باہر دیکھا تو ایک گرل وہاں موجود تھی۔ جو فرار کے سارے راستے مسدود کرتی تھی۔

اس نے گھبرائی' پریشان کن نگاہوں سے گرل سے نظر آتے مناظر کو دیکھ کر وقت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

"سورج خاصا بلند ہو چکا تھا۔ سبزے پر اس کی سنہری' روپہلی شعاعوں کا عکس نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ باہر کا منظر بہت دلکش و دلربا تھا۔ سامنے ایک لمبی پگڈنڈی تھی جس کے دونوں جانب رنگ برنگے تناسب خوبصورت پھول پودوں میں کھلے' سبزوں میں مسکرا رہے تھے۔ قریب ہی شفاف

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بارش کی ندی بہہ رہی تھی۔ جو اردگرد پہاڑوں سے گرتے جھرنوں کے پانیوں سے وجود میں آئی تھی۔ باہر کے موسم کی تمام دلکشی و رعنائی' خوبصورتی و حسن' انسان کے اندر کے موسم سے وابستگی رکھتی ہے کہ اگر قلب پرسکون و پرمسرت ہے تو خزاں میں بھی بہار کا سماں لگتا ہے اور اگر باہر کا موسم' اندر کے موسم سے مطابقت نہیں رکھتا تو ایسے حسین و جنت نظیر نظارے بھی سرخوشی و آسودگی نہیں بخشتے۔

وہ پریشانی' اضطراب' انتشار۔ گھبراہٹ کے زیر اثر تھی اس وقت موسم کی رعنائی' ماحول کی دلکشی نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ اس نے بے تحاشہ کمرے کے اکلوتے دروازے کو کئی بار بری طرح پیٹ ڈالا تھا لیکن لگتا تھا یہاں اس کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں تھا۔ وہ بدحواسی سے پورے کمرے میں چکراتی پھر رہی تھی کمرہ جدید انداز میں سجایا گیا تھا۔ فرنیچر' قالین' پردے سب قیمتی و دیدہ زیب تھے۔

وہاں موجود ایک ایک چیز سے غیر موجود لوگوں کی امارت کا اظہار ہو رہا تھا۔

وقت اسے لگ رہا تھا گویا تھم گیا ہو۔ خوشگوار موسم کے باوجود اسے لگ رہا تھا جیسے سینے میں اس کی سانسیں اٹکنے لگی ہوں۔

وہ بے جان انداز میں بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اور اسی دم اسے محسوس ہوا جیسے کوئی گاڑی وہاں آ کر رکی ہو۔ وہ بھاگ کر کھڑکی کی سمت بڑھی تھی۔

حویلی کے احاطے میں سرخ گاڑی آ کر رکی تھی۔ کھڑکی سے اس کا پچھلا حصہ نظر آ رہا تھا کوشش کے باوجود وہ آنے والے یا آنے والوں کو نہ دیکھ پائی۔ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ وہ کھڑکی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی نگاہیں لکڑی کے بھاری دروازے پر مرکوز تھیں۔ چند ساعتوں بعد اسے محسوس ہوا جیسے دروازے کو باہر سے کھولا جا رہا ہو۔ کیوں کہ دروازہ بھاری لکڑی کا پرانے وقت کا نقش دروازہ تھا۔ آٹو میٹک لاک سسٹم اس میں نہ تھا۔

باہر سے تالا کھولنے کے بعد کنڈی کھولی جا رہی تھی۔ اس ساعت اس کے ذہن کے اندر ایک خیال آیا تھا اس نے برق رفتاری سے سامنے دیوار پر آویزاں تلوار نما چھریوں میں سے ایک چھری نکالی اور بھاگ کر لکڑی کی الماری کے پیچھے چھپ گئی۔

اس کا خوف اس حد تک کم ہوا یہ سوچ کر وہ اپنی عزت پر ہرگز آنچ نہ آنے دے گی۔ اتنی دم دروازہ کھولا گیا تھا۔ دھڑکنوں کے بے ہنگم شور میں اس کا پورا وجود سماعت بن گیا تھا۔

"ارے کہاں گئی؟ رات کو یہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ گلریز خان خالی کمرہ دیکھ کر بری طرح

"کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟" صارم خان "گئی" پر چونک کر گویا ہوا۔

"شمشیر خان کی بہن تھی' رات کو ہی اسے اٹھا کر لائے تھے میں اور طور خان۔" وہ کرسیوں اور بیڈ کے نیچے پاگلوں کے سے انداز میں اسے ڈھونڈ رہا تھا۔

"دماغ! دماغ درست ہے تمہارا؟"

"اس وقت میرا واقعی دماغ درست نہیں ہے۔ کہاں گئی الو کی پٹھی؟ جا کہاں سکتی ہے؟ اس کمرے میں سے اس کی روح بھی نہیں نکل سکتی۔" اس کو ڈھونڈنے میں ناکامی پر وہ بری طرح جھلا رہا تھا۔

"میرا جہاں تک خیال ہے تم "پیئے" لگے ہو۔" وہ مضمحل سا کر بولا۔

"صارم خان! مجھے مضمحل اڑانے والے لوگ ایک آنکھ نہیں بھاتے۔"

"اوہ' پھر میرا خیال ہے رات کو تم نے کوئی خواب دیکھ لیا ہے۔ جو صبح آنکھ کھلنے کے باوجود تم اس کیفیت سے باہر نہیں آ سکے ہو۔"

"نہیں' میں اور طور خان اسے اٹھا کر لے کر آئے ہیں راستے میں رات ہو گئی تھی۔ بابا جانی کے حوالے سے میں اسے یہاں چھوڑ کر فوراً چلا گیا تھا۔ اور طور خان کو بھی لے گیا تھا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ بابا جانی کے کان میں معمولی سی بھی بھنک پڑ گئی تو وہ کبھی بھی ہمیں انتقام لینے نہیں دیں گے۔"

"وہ لڑکی نہیں کوئی چڑیل یا جادوگرنی ہو گی' جو یہاں سے بھی بن کر اڑ گئی۔" بے ساختہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ لمحہ بھر چمک کر معدوم ہوئی تھی۔

"نہیں' وہ کہاں جا سکتی ہے؟ وہ انسان ہی تھی؟"

"اوہ... اوہ۔" اب آئی مجھ شکار ہم سے آنکھ مچولی کھیل رہا ہے۔ بہت اچھے صارم خان! میں یقین آئے گا کہ میں نشے میں تھا۔ یا خواب کی کیفیت میں' وہ چڑیل ہے' جادوگرنی ہے یا کوئی اور بلی!" گلریز خان کی نگاہیں لکڑی کی الماری کی جانب اٹھ گئی تھیں۔ جہاں سے ایک سرخ و سبز دوپٹہ لہرا کر غائب ہوا تھا۔ وہ طوفان کی طرح آگے بڑھا تھا دوسرے لمحے اس نے جھپٹا مار کر الماری کے پیچھے دبکی ہوئی ورنا کو پکڑ کر گھسیٹنا چاہا تھا اور اسی لمحے ہاتھ میں پکڑی چھری پوری طاقت سے اس نے اس کے بازو میں مار دی تھی۔ اس کی حرکت غیر متوقع اور بالکل غیر متوقع تھی گلریز تڑپ کر دور ہٹا تھا اس کے بازو میں چھری پیوست ہو چکی تھی اور خون بہہ رہا تھا۔

"گلریز خان! گل ریز خان۔" صارم ہکا بکا اس کی طرف دوڑا تھا۔

"صارم خان! اس کو مت چھوڑنا' اس کو مت چھوڑنا۔" درد سے بری طرح کراہتے ہوئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے سمجھا رہا تھا۔

صارم خان نے اسے سنبھالتے ہوئے الماری کی سمت دیکھا۔ اور اس کی نگاہیں گویا ساکت ہو کر رہ گئیں۔ وہ گلریز خان کو بھول کر یک ٹک اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی چند لمحے حیرانگی سے دیکھتی رہی۔ پھر رفتہ رفتہ اس کی نیلگوں آنکھوں میں نفرت کے سرخ الاؤ دہکنے لگے۔

"طور خان! گلریز کی ڈریسنگ کرو یہاں ڈریسنگ کا سامان ہوگا؟

"جی خان! یہاں پر سب ہے۔ شکار سے واپسی پر اکثر چوٹیں لگ جاتی ہیں۔ اسی لئے ہم سب سامان یہاں پر رکھتا ہے۔"

طور خان جو اس کی آواز پر اندر آیا تھا۔ اس کی بات کا جواب دے کر گل ریز خان کو سہارا دے کر وہاں سے لے گیا۔ گل ریز تکلیف سے ازحد بے چین ہو رہا تھا۔

"ورشا! آپ؟" وہ حیرانگی و صدمے سے گزر چکا تھا۔ صارم گلریز کے کمرے سے باہر نکلی تو اس سے مخاطب ہوا۔ جو الماری کے پیچھے سے باہر آ گئی تھی۔

"تم اتنے گھٹیا، کمینے اور ذلیل انسان ہو گے، مجھے احساس نہ تھا۔" وہ نفرت و حقارت کی بجلیاں آنکھوں سے گراتی ہوئی گرجی تھی۔

"شٹ یور ماؤتھ ورشا آفریدی۔"

"کیوں؟ سچ اچھا نہیں لگتا؟" وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔

"میں ان چند لوگوں میں سے ہوں۔ جو سچائی کی راہ پر گامزن ہیں۔ بہرحال یہاں میں میں گلریز کو دیکھ کر آتا ہوں۔ پھر بات ہوگی۔"

وہ ورشا کو دیکھ کر ایکدم الجھن و اضطراب کا شکار ہو گیا تھا۔ گلریز خان کے متعلق اس کا خیال نہ تھا کہ وہ انتقام کی آگ سرد کرنے کے لئے مخالف قبیلے کی لڑکی اٹھا کر لا سکتا ہے۔ اور اب بھی وہ جو اس کی روح میں سمائی ہوئی ہے۔ گلریز خان کے اس گھٹیا اقدام اور دوسرے آفریدی کے بارے میں اس انکشاف سے کہ وہ شمشیر خان کی بہن ہے۔ وہ ریشم کے تاروں کی مانند الجھ کر رہ گیا تھا۔

"کیا بات ہوگی؟ میں تم جیسے گھٹیا کمینے انسان سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ اگر زندگی چاہتے ہو تو مجھے جانے دو۔"

وہ سر کی اٹھی ہوئی سرکش موج بنی ہوئی تھی۔

"چھوٹے خان! چھوٹے خان!" اسی دم طور خان پریشانی سے اسے پکارتا ہوا وہاں داخل

تھا۔

"کیا ہوا؟ طور خان!" صارم فوراً اس کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

"چھوٹے خان! وہ خان کے بہت درد ہو رہا ہے۔"

وہ خونخوار نگاہوں سے سامنے کھڑی ورشا کو دیکھتا ہوا اس سے مخاطب ہوا۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔ تم! یہاں سے نکلنے کی کوشش مت کرنا میں آ رہا ہوں کچھ دیر بعد ....." وہ طور خان کے بعد ورشا سے مخاطب ہوا۔

"نہیں ... میں یہاں نہیں رکوں گی، میں جاؤں گی۔" وہ چادر درست کرتی ہوئی تیزی سے اس کے مقابل آ گئی۔

"بات سمجھنے کی کوشش کرو تم تنہا نہیں جا سکتی ہو۔"

"نہیں ... نہیں میں نہیں رکوں گی۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"ضد نہیں کرو ورشا!" وہ زچ ہو کر گویا ہوا۔

"تم سے ضد کرنے کا میرا کوئی رشتہ نہیں ہے مجھے یہاں نہیں رکنا۔"

"فی الحال تمہیں یہاں رکنا پڑے گا۔" اس کی ہٹ دھرمی و تحقیر آمیز لہجہ اس کی جھنجلاہٹ اور الجھنوں کو اشتعال میں بدلنے لگا تھا۔ طور خان کو جانے کا اشارہ کر کے سخت لہجے میں وہ ورشا سے مخاطب ہوا۔

"میں یہاں ایک لمحے رکنا اپنی توہین سمجھتی ہوں۔"

"تم جو بھی سمجھو مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" اس بار وہ خاصے اکھڑ و ہٹ دھرم انداز میں گویا ہوا تھا۔

"مجھے یہاں رکنا نہیں ہے۔" وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

"تم شرافت کی زبان سمجھنا نہیں جانتیں۔ شاید!" اس نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"چھوڑو مجھے۔" غیر متوقع طور پر اس کی مضبوط گرفت میں اپنا بازو دیکھ کر وہ بپھر کر چیخی تھی اور اس کی گرفت فولادی دیکھ کر اس نے اپنے بازو پر گرفت سے ہاتھ پر پوری طاقت سے دانت گاڑ دیئے تھے۔ جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا تھا۔ اس نے فوراً ہاتھ ہٹا لیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اسے بیڈ پر پھینک کر کمرے سے باہر نکل گیا اور ساتھ ہی باہر سے کنڈی لگانے کی آواز آئی تھی۔

❁ ❁ ❁

"کیا بہت زیادہ تکلیف ہو رہی ہے؟" وہ گلریز خان کے سرخ چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

استفسار کرنے لگا۔ جو تکلیف ضبط کرنے کی کوشش میں دانت پر دانت جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ بازو میں اس کی ڈریسنگ ہوئی تھی۔

"مجھے تکلیف اس زخم کی نہیں ہے صارم خان! بلکہ اس کے باعث وہ بچ گئی' درد مجھے اس افسوس کا ہو رہا ہے لیکن کب تک بچ سکتی ہے وہ۔" گلریز نے غصے سے ورشا کو گالی دیتے ہوئے جھلا کر کہا۔

"شٹ اپ' گلریز! ہمیں بچپن سے عورت کی عزت و احترام کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ پھر کس طرح تم اس قدر گھٹیا لہجہ اختیار کر رہے ہو؟"

وہ حقیقتاً بری طرح تپ اٹھا تھا۔

"عورت۔" کا احترام و ادب کیا جاتا ہے یار! وہ عورت نہیں ہے۔ ناگن ہے۔ دیکھو کتنی صفائی سے اس نے پہلا وار ہی کتنا کاری کیا ہے۔" گلریز خان بازو پر بندھی پٹی کی طرف اشارہ کر کے زہر خند انداز میں گویا ہوا۔

"چوٹ کھانے میں سراسر غلطی تمہاری ہے۔" صارم اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولا۔

"میری؟ کس طرح؟"

"کوئی اغوا شدہ لڑکی پرمسرت انداز میں اپنے مجرموں کا استقبال نہیں کرتی۔"

"مجرموں کا؟ تمہارا مطلب ہے ہم مجرم ہیں؟"

"ہاں... عورت پر سردانگی آزمانا درحقیقت بزدلی ہے۔"

"میں اس لئے زیادہ تعلیم کے خلاف ہوں خان' یہ بندے کو بزدل اور بے حوصلہ بنا ڈالتی ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"بہرحال یہ بحث کا وقت نہیں ہے اگر تم اپنے فضول مشاغل چھوڑ کر تعلیم کی طرف توجہ دیتے تو اتنی گھٹیا حرکت کرنے کا سوچتے بھی نہیں۔ جو تم نے کر ڈالی ہے۔ اور جس کی تمہیں کوئی ندامت و شرمندگی نہیں ہے۔"

"جو تمہارے دل میں آئے وہ کہو مگر یہ بات پکی ہے۔ میں سبریز خان کے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب لوں گا اور ضرور لوں گا۔"

"کس سے؟ بے خطا و بے قصور لڑکی سے؟"

"مجھے اس کا احساس نہیں ہے کہ وہ لڑکی بے قصور ہے یا بے خطا' میں سبریز خان اور گل خان کی موت کا انتقام اس سے لوں گا۔ اتنا برا حشر کروں گا اس کا کہ شمشیر خان اپنی بہن کا حشر دیکھ کر اپنی آنے والی نسلوں کو بھی وصیت کر کے مرے گا کہ پھر کبھی خواب میں وہ ہم سے ٹکرانے

کی جرات نہ کریں۔" اس کا عزم مستحکم و پر یقین تھا۔

"تمہیں یقین ہے؟ کہ وہ شمشیر خان کی بہن ہے؟ آئی مین تم نے پہلے اسے کبھی دیکھا ہوا ہے؟" وہ اندر کی کشمکش ہونٹوں پر لے آیا۔

"نہیں۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مجھے طور خان نے اطلاع دی تھی کہ شمشیر خان کی بہن پڑھنے کی خاطر کراچی گئی ہوئی تھی۔ اب وہ واپس آ رہی ہے۔ میں نے طور خان سے کہا کہ وہ معلوم کرے وہ کس دن' کس وقت آ رہی ہے؟ طور خان نے سب معلومات حاصل کر کے مجھے دیں اور میں نے راستے میں رکاوٹیں ڈلوا دیں۔ وقت پر ملازموں کے ہمراہ جیپ وہاں پہنچی تو ملازم راستہ صاف کرنے لگے اور وہ اتر کر تحریموں سے کانٹی یا چائے کچھ تگ میں سے نکال رہی تھی۔ جب میں اور طور خان جو قریبی درخت پر چھپے بیٹھے تھے درخت سے کود کر اسے اٹھا کر یہاں لے آئے کیونکہ رات وہاں سے یہاں لانے میں ہو گئی تھی۔"

"ملازموں کا کیا کیا تم نے؟"

"اٹھا کر کھائیوں میں پھینک دیا سالوں کو۔" وہ اس انداز میں گویا ہوا جیسے وہ انسان نہیں کوئی بے جان و فضول اشیاء کی حیثیت رکھتے ہوں۔

"تمہیں افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان لوگوں نے بھی ہمارے بے شمار بے قصور لوگوں کو مارا ہے۔" وہ صارم کو تاسف سے ہونٹ بھینچتے دیکھ کر تیزی سے بولا۔

"میں کسی کی سزا دوسروں کو دینے کا قائل نہیں ہوں۔ جو تم نے کیا وہ انسانیت نہیں درندگی ہے۔ صفا کی بہن ہے تم انہیں بھی لا کر قید کر سکتے تھے۔"

اس کے سرخ و سپید چہرے سے کرختگی جھلک رہی تھی۔ نیلی آنکھوں میں سرخی سی چھانے لگی تھی۔

"جب انسان ان حالات سے گزرنے لگتا ہے تو وقت اسے درندگی ہی سکھا دیتا ہے۔ بہرحال تمہیں جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں انتقام لینا ہے اور اس کام کے لئے دل پتھر اور جذبات برف کرنے پڑتے ہیں۔ ترس' ملال' افسوس ان چیزوں کو خیرباد کہہ ڈالو ورنہ... سب ختم ہے پھر..." وہ رسانیت سے اسے سمجھاتے ہوئے گویا ہوا۔

"انتقام ہمیں ایک شخص سے لینا ہے یار پھر کیوں ہم اپنے اندر کی انسانیت کو فنا کریں۔"

"خان! میں نے دوسرے کمرے میں آپ کا بستر لگا دیا ہے۔" اندر کمرے سے طور خان نکل کر وہاں آتے ہوئے مودبانہ انداز میں گویا ہوا۔

"او کے... تم چائے بناؤ' طور خان' یہاں کچھ کھانے کے لیے ہے۔" صارم کو اچانک ہی یاد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آیا کہ وہ رات سے یہاں قید تھی اور اب سورج طلوع ہوئے بھی گھنٹوں گزر چکے تھے۔ اس کی بھوک کے احساس سے وہ طور خان سے مخاطب ہوا تھا۔

"ہاں... خان یہاں نمکو بھی ہے اور بسکٹ کے پیکٹ کے علاوہ انڈے بھی موجود ہیں۔" طور خان نے اطلاع فراہم کی تھی۔ وہ اسے کچھ ہدایت دے کر کل ریز خان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ جو بازو پر ہاتھ رکھ کر دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ اس کے سرخی مائل چہرے سے درد کی اذیت ظاہر ہو رہی تھی لیکن وہ بہت بہادری و ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"ارے! یہ کیا کر رہے ہو؟" وہ صارم خان کو اپنی طرف جھکتے دیکھ کر حیرانگی سے استفسار کرنے لگا۔

"تمہیں اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے کر جا رہا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ارے نہ بابا نہ بابا یار میں اتنا بھی کمزور نہیں ہوا۔" وہ قہقہہ لگاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

❁ ❁ ❁

"اے بی! میں نے آپ جیسا نڈر اور بے نیاز اس طرح کسی کو نہیں دیکھا جس طرح آپ کا رویہ ہے۔" بوا نے صوفوں پر پھیلے ہوئے کشن کو درست کرتے بے فکری و طمانیت سے ہیڈ پر نصب دیوار رسالے کا مطالعہ کرتی کائنات کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں بھئی کیا کیا ہے میں نے؟" وہ ہنوز رسالے پر نگاہیں جمائے بولی۔

"لو بھئی یہ بھی خوب رہی... ہم یہاں سوچ سوچ کر فکر سے آدھے بھی نہ رہے اور جن کے دم سے یہ مصیبت پیچھے لگی انہیں فکر بھی نہیں ہے اور الٹا ہم سے پوچھا جا رہا ہے کیا کیا ہے؟"

بوا کے ہر انداز سے برہمی و پریشانی عیاں تھی آخر کار اسے متوجہ ہونا پڑا۔

"بوا جان! آپ اور بابا جان کو خواہ مخواہ پریشان و فکر مند ہونے اور رہنے کی عادت پڑ چکی ہے۔ جب میں نے سمجھایا ہے کہ اگر شمشیر خان کو کچھ کرنا ہوتا یا وہ برا مانتا تو اسی وقت وہ ردعمل ظاہر کرتا جس قسم کی باتیں ہم اس کے متعلق سن چکے ہیں اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہر کام فوری اور براہ راست کرنے کا عادی ہے۔ اگر وہ مائنڈ کرتا تو ہم دونوں ہی اس وقت "اوپر" بیٹھے ہوتے۔" وہ مسکراتی ہوئی اوپر کی جانب اشارہ کر کے بولی۔

"اے لو بھلا یہ بھی کوئی دل ہولانے والی باتیں ہیں کیا کرو بھلا ہم کیوں "اوپر" جائے وہی آدم خور شیر آنکھوں والا۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولیں۔ اور وہ ان کی طرف سے شمشیر خان کو دیے جانے والے خطاب پر بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بوا جی! کسی کو "نام" دینے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔"

"ہم جھوٹ نہیں بولتے جیسے دیکھتے ہیں ویسا ہی کہتے ہیں۔ بھائی صاحب گھر فروخت کر کے یہاں سے بہت خاموشی سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ تاکہ شمشیر خان کو معلوم نہیں ہو سکے مگر مسئلہ یہ ہے کوئی بھی گھر خریدنے کو تیار نہیں اور دو تین راضی بھی ہیں تو اتنی کم قیمت دے رہے ہیں کہ اس رقم سے ہم کسی شہر میں ایک جھونپڑی بھی نہیں خرید سکتے' بھائی صاحب' اسی سلسلے میں مصروف ہیں۔" وہ کشنز جھاڑ کر فارغ ہونے کے بعد وارڈ روب درست کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"آہ! ہا میری سمجھ نہیں آتا! کس طرح سمجھاؤں آپ دونوں کو شمشیر خان کا اتنا خوف ہے آپ دونوں کو کہ اتنا خوف آپ کے دلوں میں اللہ کا بھی نہیں ہوگا' صد ہو گئی ہے خوف کی بھی۔ اب کہہ دیا وہ کچھ نہیں کرے گا۔ اگر اسے کچھ کرنا ہوتا تو وہ اسی وقت کرتا۔ اب ایک ماہ بعد اسے اب نظر آئے گا۔" وہ رسالہ ایک طرف پٹختے ہوئے زچ لہجے میں اکتا کر بولی۔

"آپ ناراض مت ہوں' میں چائے لے کر آتی ہوں۔"

❁ ❁ ❁

گاڑی سانپ کی طرح بل کھاتی سڑک پر رواں دواں تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر صمد خان بیٹھا بہت مہارت و احتیاط سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ حسب معمول اس کے برابر میں سمندر خان براجمان تھا اور دوسری سیٹ جو پچھلی طرف تھی اس پر بڑے شاہانہ کروفر سے شمشیر خان بیٹھا باہر گزرتے حسین نظاروں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ موڈ کی تبدیلی کی خاطر چند دنوں کے لئے اس خفیہ "ارے" پر گیا تھا لیکن چوتھے دن شکار کرتے ہوئے اس کا پاؤں ایک کانٹے دار جھاڑی میں الجھ کر بری طرح زخمی ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اسے دو ہفتے وہیں قیام کرنا پڑا تھا اور آج وہاں سے وہ ان دونوں کو لے کر روانہ ہو گیا تھا۔ موبائل پر بابا نے اسے اپنے چند دنوں کے لئے شہر جانے کی اطلاع دے دی تھی۔ ان کے گاؤں سے باہر جانے کی خبر نے اسے یک گونہ سکون بخشا تھا۔ کیونکہ وہ رنگین مزاج آدمی تھا اور یہاں ڈیرے پر اس نے بہت بوریت سے بھرپور بے کیف دن گزارے تھے۔ اپنی تنگی و تنہائی کے لمحوں کی کوفت وہ کسی مہربان و نرم و گداز بانہوں کی پناہ میں بھلا دینا چاہتا تھا۔ اس لئے بابا جان کی روانگی سے اسے مسرت ہوئی تھی کہ وہ ان کی طبیعت سے واقف تھا۔ اپنے پاس اسے فوراً نہ پا کر وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتے اور یہ بات اس کے لئے ہمیشہ حیرانگی کا باعث ہوتی کہ اسے ہر "خفیہ" جگہ سے برآمد کر لیا کرتے تھے۔

"سمندر خان' پیاس لگ رہی ہے۔" وہ ایک دم اس سے مخاطب ہوا۔

"بہتر خان ابھی غلام پانی حاضر کرتا ہے۔" سمندر خان نے ہمیشہ کے خوشامدی لہجے میں جملہ ادا کر کہا۔ اس کا یہی خوشامدانہ و چاپلوسی سے پر لہجہ اور فدویانہ انداز شمشیر خان جیسے ازلی و گرم

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دماغ بند ے کو قابو کیے ہوئے تھا اور اسی نے اسے شمشیر خان کے بہت قریب کر دیا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ارد گرد پانی کی تلاش میں نظر گھڑا ہوا تھا کیونکہ اس علاقے میں زیادہ تر وسیع میدان تھے۔ ارد گرد چھیلے پہاڑ تھے سبزہ بہت کم تھا دور دور تک کسی جھرنے یا آبشار کا وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

کچھ فاصلے پر اسے چند لڑکیاں رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوس سر پر گھڑے اٹھائے آتی ہوئی نظر آئیں۔ اس نے سکون کی سانس لی کہ جانتا تھا اگر تھوڑی دیر اسے اور پانی کی تلاش میں ہو جاتی تو شمشیر خان کے عتاب سے وہ نہیں بچ سکتا تھا۔

"پینے کے لئے پانی مل جائے گا؟" وہ ان لڑکیوں کے نزدیک آنے پر مخاطب ہوا۔

"ہاں جی! پینے کے لئے ہی نہیں' نہانے کے لئے بھی پانی مل جائے گا۔"

ان تینوں میں سے جامنی اور پھول دار پرنٹ کے لباس میں ملبوس لڑکی شرارت سے چہک کر بولی تھی۔ باقی اسی کی ساتھی دونوں لڑکیاں کھی کھی کرنے لگی تھیں۔

"مہربانی... ابھی صرف پینے کے پانی کی ضرورت ہے۔"

وہ مسکرا کر بولا جبکہ لڑکیاں مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھیں۔

"کہاں جا رہی ہو؟ تم لوگ پانی تو پلا دو۔"

"ہمارے پاس پانی نہیں ہے۔ آگے جا کر چشمے سے پانی پی لو۔"

دوسری لڑکی بدستور آگے بڑھتی ہوئی چہک کر بولی۔

"لیکن میرے پاس برتن نہیں ہے۔ کس سے پانی پیوں گا۔"

وہ ان تینوں کے ساتھ چلنے لگا تھا۔

"ارے یہ اتنا بڑا برتن ساتھ لئے' گھوم رہا ہے۔ پھر کہہ رہا ہے میرے پاس برتن نہیں ہے۔" وہ سمندر کے پھیلے ابھرے ہوئے جبڑوں اور موٹے موٹے ہونٹوں کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ پھر دونوں ساتھی لڑکیوں کے ساتھ کھلکھلانے لگی۔

"اوہو... تم تو بہت ہی شریر قسم کی لڑکیاں ہو؟ میرے منہ کو تم نے برتن بنا ڈالا۔ تم ایک کام کرو دے دو مجھ کو میں چشمے سے پانی بھر کر لے آؤں گا تو واپس کر دوں گا۔ وہاں گاڑی میں ہمارا ساتھی پانی کا انتظار کر رہا ہے اگر ابھی اور دیر ہو گئی تو وہ مجھے گولی مار دے گا۔" وہ سمجھ گیا تھا لڑکیاں بہت تیز طرار ہیں۔ انہیں قابو میں کرنے کے لئے اس نے عاجزی و انکساری دکھائی۔

لالہ... ہمارے گھوڑوں میں ملکھن اور گھی ہے جو ہم آگے بیچ کر آ رہے ہیں اگر گھوڑوں کو

پانی ہوتا تو ہم پہلے ہی نہ دے دیتے۔" اس بار وہ لڑکی خاصی شرافت اور سنجیدگی سے مخاطب ہوئی تھی۔

"لیکن تم تو کہہ رہی تھیں کہ نہانے کا بھی پانی ہے۔"

سمندر خان غصے سے بولا کہ محض اتنا وقت وہ یوں ہی ضائع کر چکا تھا۔

"ہاں... ہاں' ہم نے غلط کہہ بولا تھا۔ چشمے پر جاؤ۔ وہاں پینے کے علاوہ نہانے کا پانی بھی ملے گا۔" سمندر خان کی جھلاہٹ پر وہ پہلے والی جامنی سوٹ والی لڑکی ہنس کر بولی۔

"بیڑا غرق ہو جائے' تم لوگوں کا' خوامخواہ ہمارا اتنا ٹائم خراب کر ڈالا۔ وہاں ہمارا خان ہم پر رائفل سے نشانہ لئے بیٹھا ہو گا۔"

سمندر خان تذبذب کا شکار تھا۔ پانی کا چشمہ یہاں سے کچھ فاصلے پر تھا اور اس کے پاس برتن بھی نہ تھا۔ جس میں وہ پانی لے کر خان کو پلاتا۔ مزید ستم یہ تھا کہ ان ناہنجار لڑکیوں نے فضول ہی اتنا وقت ضائع کر ڈالا تھا۔ اب اس کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ پانی کس میں لے کر جائے؟ اور اگر خالی ہاتھ جاتا ہے تو شمشیر خان کے مزاج سے وہ پوری طرح آگاہی رکھتا تھا۔ وہ بغیر کسی لحاظ و مروت کے اسے گولیوں سے بھون ڈالے گا۔

"خیریت ہے! ایسا گینڈے جیسا جسم رکھنے کے باوجود تم اپنے خان سے اتنا خوفزدہ ہو؟" وہ لڑکی جو سمندر خان کے چہرے کے رنگ بدلتے دیکھ رہی تھی حیرانگی سے گویا ہوئی۔

"اوہ' خانہ خراب تم نہیں جانتا' ہمارے خان کو۔ کیسا آدمی ہے وہ۔"

"اچھا... یہ لو گھڑا' اس میں پانی ہے دے دینا اپنے خان کو ایک لڑکی اس کی طرف گھڑا بڑھاتی ہوئی بولی۔

❁ ❁ ❁

کیا سوچ رہے ہو؟ صارم؟" گلریز پلنگ پر بیٹھتا ہوا۔ خاموش' صارم سے مخاطب ہوا کمرہ بہت روشن اور خوبصورتی سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ فرنیچر قیمتی لکڑی کا پرانے اور نئے طرز سے تیار شدہ دیدہ زیب تھا۔ پلنگ پر نرم بستر پر لائٹ گرین کڑھی ہوئی چادر اور تکیے تھے۔ جن کے سہارے گلریز نیم دراز تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا' تم اتنی گھٹیا اور پست حرکت کر سکتے ہو۔ بابا جانی چھوٹے اکا نے ہماری اخلاقی و دینی تربیت میں بالکل بے لچک کی تھی۔ پھر تم ایسی کراہت آمیز حرکت کیوں کر بیٹھے؟ کچھ تو خیال کیا ہوتا... معمولی سا سوچتے تو سہی۔"

وہ از حد سنجیدہ و سرد انداز میں گلریز سے مخاطب ہوا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"کیا... کیا ہے میں نے؟"

"اپنی مردانگی' اپنی حمیت' اپنی شجاعت کو داؤ پر لگا کر معلوم کر رہے ہو' کیا کیا ہے؟" اس کا لہجہ بدستور سرد تھا۔

"تمہارا اشارہ غالباً اس لڑکی کو اٹھا کر لانے کی طرف ہے؟" گلریز بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں... خود سوچو' ہمیں ایسی تربیت دی گئی ہے؟"

"میری جان! جنگ اور محبت میں سب جائز ہوتا ہے۔"

"نہیں' یہ مفاد پرست و خود غرض لوگوں کی من مانیاں ہیں۔ ہمارے مذہب میں جائز... جائز رہتا ہے۔ اور جو ناجائز ہے وہ ناجائز رہتا ہے۔ چاہے جنگ ہو یا امن۔"

"اب تم کیا چاہتے ہو؟ چھوڑ دوں اس لڑکی کو؟"

"ہاں... کیوں کہ وہ بے قصور ہے۔" صارم کا سرد رویہ ہنوز تھا۔

"وہ بے قصور ہے؟ کل سانگہ قصوروار تھی؟ سبریز نے کیا قصور کیا تھا؟ جواب دو مجھے۔"

گلریز خان کھڑے ہو کر تیز لہجے میں بولا۔

"جذباتی مت بنو گلریز!"

"صارم خان! جذباتی تم ہو رہے ہو۔"

"مردوں کی جنگ' مردوں سے لڑی جاتی ہے۔ وقت کا انتظار کرو۔ شمشیر خان کب تک چھپ سکتا ہے؟ بہت جلد اسے ہم سے ٹکرانا ہے۔ پھر دیکھنا... کوئی حسرت تمہارے دل میں نہیں رہے گی۔"

"خان چائے..." ٹرے میں چائے کے مگ رکھ کر طور خان اندر داخل ہو کر ان کو چائے سرو کرنے لگا۔

"طور خان! وہاں ناشتہ دے دیا تم نے؟" وہ مگ ہونٹوں سے لگا کر استفسار کرنے لگا۔

"وہ ناشتہ نہیں کرتا خان! بہت غصہ کرتا ہے۔" اس نے اطلاع دی۔

"گولی مارو' یہاں اس کے باپ کے ملازم نہیں ہیں۔ جو نخرے برداشت کریں گے۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" وہ چائے پی کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"جب تک میرا ہاتھ ٹھیک نہیں ہو جاتا' تب تک تم اسے دیکھ سکتے ہو۔" گلریز خان بستر پر دراز ہوتے ہوئے ہنس کر گویا ہوا۔ وہ وہاں سے اس کے کمرے میں چلا آیا۔ باہر سے کنڈی کھلی ہوئی تھی اندر دروازہ بھی چوپٹ کھلا ہوا دیکھ کر اس کے حواس گم ہونے لگے۔

تیز قدموں سے وہ اندر کی جانب بڑھا تھا کمرہ بالکل خالی پڑا تھا۔

اس نے محتاط انداز میں وارڈ روب کے پیچھے دیکھا کہ وہ چھپنے کے لئے بہترین جگہ تھی جس کا استعمال کر کے وہ گلریز کو زخمی کر سکتی تھی۔

اسے وہاں بھی نہ پا کر اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔

وہ تیزی سے کمرے سے نکلا تھا۔ بہت سرعت سے اس نے راہداری کمرے اور والان دیکھ ڈالے وہ کہیں نہیں تھی۔

"طور خان' طور خان!" اس نے باہر آ کر سرد لہجے میں ملازم کو پکارا تھا کہ اس وقت اس کے علاوہ یہاں کوئی اور ملازم نہ تھا۔

"جی خان۔" طور خان اس کی پریشان صورت دیکھ کر بھاگا ہوا آیا تھا۔

"لڑکی کہاں گئی؟" بے چینی' پریشانی' اضطراب' صارم کے لہجے سے عیاں تھا۔

❀❀❀

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"لڑکی! خان اندر کمرے میں تھا۔"

"نہیں ہے اندر۔" صارم خان جھلا کر بولا۔

"نہیں ہے؟ ہم ابھی اسے اندر چھوڑ کر آیا تھا۔"

وہ سخت متوحش انداز میں اندر کی طرف بڑھنے لگا۔

"نہیں ہے وہ' میں ہر جگہ دیکھ کر آ رہا ہوں۔ تم دروازہ باہر سے بند کر کے کیوں نہیں آئے تھے؟ دروازہ کھول کر چلے آئے۔" وہ طور خان کو روکتے ہوئے درشت لہجے میں گویا ہوا۔ اس کی نیل گوں آنکھوں میں اضطراب در اضطراب موجزن تھا۔

"اوہ خان' غلطی ہو گیا۔ ہم بھول گیا تھا۔ دروازہ باہر سے بند کرنا' ہم سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ لڑکی بھاگ جائے گا۔"

طور خان حقیقتاً بوکھلاہٹ و پریشانی سے تاج اٹھا تھا۔

"تم سے مشورہ کر کے یا اجازت لے کر جاتی وہ۔"

"خان! اسے تلاش کرو' اگر گلریز خان کو معلوم ہو گیا تو وہ حشر کر دے گا۔ مجھے ان کے غصے سے بڑا خوف آتا ہے۔" طور خان صارم سے گڑگڑا کر بولا۔

اسی وقت سامنے والے گیٹ سے اندر داخل ہوتی ورشا کو دیکھ کر دونوں ٹھٹک گئے تھے۔ صارم خان کو اندر جانے کا اشارہ کر کے وہ ورشا کی طرف بڑھ گیا۔ جو اندر کمرے کی سمت جا چکی تھی۔

"کہاں چلی گئی تھیں؟" وہ اندر داخل ہو کر تند لہجے میں گویا ہوا۔

"کمرے میں آنے سے قبل اجازت لینا ضروری ہوتی ہے۔" وہ اس کا سوال نظر انداز کر کے ناگواری سے گویا ہوئی۔ اس کے سرخی مائل چہرے پر نمی کے اثرات ابھی بھی تھے۔ باہر سے چند لمحیں پانی سے بھیگ کر چپکی ہوئی تھیں۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی وہ باتھ روم میں منہ دھونے گئی تھی۔ باتھ روم میں دیکھنا وہ بھول گیا تھا۔

"مجھے اخلاقیات کا لیکچر دینے کی ضرورت نہیں ہے مس صاحبہ۔"

اس کا بدتمیزانہ استہزائیہ لہجہ اسے بری طرح سلگا گیا تھا۔

"جس جذبے کی تمہارے اندر رمق ہی نہیں ہے اسے بھلا لیکچر کیا سدھار سکتا ہے۔" وہ اسی انداز میں گویا ہوئی۔ اس کی آنکھوں سے' اس کے چہرے سے' اس کے لہجے سے' اس کے ایک ایک انداز سے نفرت ہی نفرت ٹپکتی تھی اور یہ نفرت اور بدگمانی کا ہی احساس تھا' اظہار تھا کہ وہ بہت حقارت سے اسے تم پکار رہی تھی۔ جس میں اپنائیت یا شناسائی کی معمولی سی بھی رمق نہ تھی۔

"یہ تمہارے لئے لاسٹ وارننگ ہے۔ تم اب کمرے سے نہیں نکلو گی۔"

وہ اس کی سمت سے رخ پھیر کر گویا ہوا۔

"میں یہاں اپنی مرضی سے آئی ہوں اور نہ ہی اپنی مرضی کے خلاف کوئی حکم مانوں گی۔" اس کے لہجے سے ہٹ دھرمی و بے خوفی جھلکتی تھی۔

"اوکے۔ یہ وقت پر منحصر ہے۔ میں فضول بحث میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ ناشتہ بھیج رہا ہوں۔" اس نے واپس پلٹتے ہوئے درشت لہجے میں حکم صادر کیا اور باہر سے گیٹ بند کر کے لان میں لگا کر گلریز کی طرف بڑھ گیا۔

❁❁❁

"آپ سے بڑی مدت بعد بچن کی یاد ستائی ہے۔" گل جاناں بڑی بہن گل صنوبر سے گلے ملتے ہوئے خاصے پرجوش و محبت سے لبریز لہجے میں گویا ہوئیں۔

"بچے یاد ستائی تو میں پہلی آئی' مگر تمہیں تو کبھی یاد آتی ہی نہیں۔"

وہ چھوٹی بہن کی پیشانی کو بوسہ دے کر مسکراتے ہوئے شکوہ کناں ہوئیں۔

"اوہ چھوڑیں بے بے' اتنے عرصے بعد ملے ہیں۔ شکوے شکایات کے لئے عمر پڑی ہے۔ یہ بتائیں لالہ کیسے ہیں؟ سفیرہ گل اور سبرینہ گل کیسی ہیں؟" وہ انہیں بڑے پلنگ پر لے کر بیٹھتے ہوئے استفسار کرنے لگیں۔

"سب خیریت سے ہیں۔ تمہارے لالہ میرے ساتھ آتے مگر اچانک ان کے دوست باہر سے آ گئے ان کی وجہ سے رکنا پڑا انہیں' سفیرہ سسرال میں ہے۔ بہت خوش ہے۔" وہ نرم و ملائم گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر اطمینان سے نیم دراز ہوتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"بی بی خود جا کر دیکھا بھی ہے آپ نے یا اس کی سن کر اطمینان سے بیٹھی ہیں کہ وہ خوش ہے۔" گل جاناں اپنے مخصوص چلبلے انداز میں گویا ہوئیں۔

گل صنوبر ان کی بڑی بہن تھیں۔ ان کی شادی کے طویل عرصے بعد اللہ نے ان کی دو بیٹیوں سے گود بھری تھی۔ ان کے شوہر ان کے قبیلے کے مردوں کی مخصوص ذہنیت سے مختلف تھے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جو بیٹوں کی پیدائش پر خوشیاں مناتے اور بیٹی کی پیدائش پر سوگ۔ انہوں نے دونوں بیٹیوں کو بیٹوں سے بڑھ کر چاہا اور کبھی صنوبر گل سے بیٹا نہ ہونے کا شکوہ یا آہ و زاری نہیں کی۔ ایک سال قبل وہ بڑی بیٹی سفیرہ کی شادی کر کے فارغ ہوئی تھیں۔

"کیا مطلب؟ کیسی بات کر رہی ہو گل؟ وہ خوش ہے' تبھی تو بول رہی ہے۔ میں ماں ہوں اس کے چہرے پر سچی خوشیوں کی روشنی میں نے دیکھی ہے۔ وہ ان کے انداز پر اچنبھے سے گویا ہوئیں۔

"ارے میری بھولی بے بے! یہی تو آج کل لوگوں کی چالاکیاں ہیں۔ اندر ہی اندر رو لگاتے ہیں۔ مارتے ہیں' رونے نہیں دیتے' میں نے چند ہفتے پہلے چھوٹی اور کے ہاں سفیرہ کو دیکھا تھا اور میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کیسی سرخ و سپید ہوا کرتی تھی۔ شادی سے پہلے اور اس کا چہرہ ایسا تھا گویا کسی نے ہلدی مل ڈالی ہو۔ ایک دم زرد چہرہ' آنکھوں کے گرد پھیلے ہوئے ہلکے اور جسم ہڈیوں کا پنجر لگ رہا تھا۔ میں تو سمجھی کھٹک گئی کہ کوئی بات ہے ضرور' ورنہ سفیرہ کا حسن تو پھولوں کو شرماتا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح تنہائی میں معلوم کروں کیا ماجرا ہے؟ مگر اس کی ساس چلا کو تو پہ تو بہ ایسے اس سے جڑ کر بیٹھی تھی جیسے ذرا بھی ہلنا محال ہو۔"

گل جاناں نے نمکین پستے منہ میں ڈال کر اس طرح چبانا شروع کیے گویا پستے نہیں ہوں میں سفیرہ کی ساس کی ہڈیاں چبا رہی ہوں۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی گل' اس کی ساس' سسر' نندیں' دیور سب بہت اچھے اور محبت کرنے والے ہیں۔ بہت خیال رکھتے ہیں اس کا' اسے کوئی پریشانی نہیں ہے وہاں۔ اس جیسا سسرال بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔"

"رہنے دیجئے بے بے! اچھی ماں ہیں آپ' اس کا زرد چہرہ' کمزور جسم نہیں دیکھ رہی ہیں؟"

"اپنا حشر بھی اس نے اپنے ہاتھوں ہی کیا ہے۔ شروع کے دو ماہ تک خوب ہریالی کی تھی قلانچیں بھرتی پھریں۔ پھر حالت تو خراب ہونی تھی۔"

"وہ تو بچی تھی اور پہلی بار' بچیاں کس طرح سمجھ پاتی ہیں۔ یہ تو ساس کا کام تھا کہ ایسی حالت میں تھی تو پہ کا دھیان رکھتیں' مجھے تو وہ عورت شکل سے ہی دقیانوسی لگ رہی تھی۔ ایسے لوگ باہر سے اچھے نظر آتے ہیں۔ بہت اچھے بہت چاہنے والے' مگر اندر سے اتنے ہی دل کے سیاہ اور ظالم ہوتے ہیں۔ بظاہر تو سفیرہ کو سب چاہتے اور پسند کرتے ہیں۔ مگر دل میں اس کے لئے بغض بھرا ہے' تبھی تو ایسا ہوا ہے بے بے! اور ان کے خوف سے سفیرہ کہہ دیتی ہے کہ وہ بہت خوش ہے' کوئی اسے تنہا ہی سسرال کو بھگتنا ہے۔ میری مانو بے بے سفیرہ کو گھر بٹھا لو' پھر دیکھنا کیسے سیدھے

ہیں وہ لوگ۔"

"ارے ایسی کوئی بات نہیں ہے گل' میں نے بھی عمر گزاری ہے۔ اچھائی برائی کی تمیز رکھتی ہوں۔ اتنا شعور و ادراک ہے مجھے کہ لوگوں کے چہرے پڑھ سکوں' تم خواہ مخواہ اپنا دل برا مت کرو۔ سفیرہ اب کے گھر آئے گی تو تم خود تنہائی میں پوچھ لینا اس کے سسرال کے بارے میں۔ سب بتا دے گی وہ۔" وہ بہن کی بدگمان فطرت سے واقف تھیں کہ وہ ہر انسان میں علاوہ اپنے اور اپنے بیٹوں کے برائی کا پہلو تلاش کرنے کی عادی تھیں اور جب تک حسب منشاء برائی کشید کر کے رسوائی نہ بانٹ دے۔ انہیں ذرا بھی طمانیت حاصل نہ ہوتی تھی اور یہاں معاملہ ان کی انا کا تھا۔ انہوں نے بہن سے سفیرہ کا رشتہ' شمشیر خان کے لئے مانگا تھا۔ مگر وہ بھانجے کے کردار سے بخوبی واقف تھیں۔ بہت رسانیت سے انہوں نے شوہر کی آڑ لے کر بات رد کر دی تھی۔ بہنے کو ٹھکرانے اور اپنے مان کے ٹوٹنے کا احساس انہیں شدید تر ہوا تھا۔ اگرچہ وہ رشتہ اپنی مرضی سے لے کر گئی تھیں شمشیر خان' شہباز خان سے بھی رائے لینی ضروری نہیں سمجھی تھی۔ بہن کی طرف سے انکار سن کر توہین و بے عزتی کے احساس کے ساتھ وہ شکر کر رہی تھیں کہ وہ بغیر مشورے سے آئی تھیں۔ ورنہ اس بات پر دشمنی کی بنیاد پڑ جاتی اور پھر بہنیں تو آپس میں چھوٹتی ہی' نسل در نسل تک اس توہین کا انتقام چلتا رہتا۔ انکار نے ان کے رشتے میں نظر نہ آنے والی دراڑ ڈال دی تھی۔ بہن سے ملنا انہوں نے برائے نام کر دیا تھا۔ لیکن جب بھی ملتی تو اتنے خلوص اور اپنائیت و محبت سے کہ صنوبر گل ان کے دل میں چھپے بغض و کینہ کو محسوس نہ کر سکتی تھیں کہ وہ روشن دل و دماغ کی مالک تھیں۔ درگزر اور محبت ان کی طبیعت کا حصہ تھی۔ ہر بات منہ در منہ کہہ دینے کی عادی تھیں۔ وہ سفیرہ کی سسرال میں ان کا کیڑے نکالنا' خالہ کی محبت سمجھتی تھیں۔ اسی لئے ہنس کر گل جاناں کو تسلی دیتیں کہ وہ اچھی رہ رہی ہے۔

❁ ❁ ❁

"گل باز! صارم اور گلریز خان کہاں ہیں؟ صبح سے شام ہو گئی ابھی تک دونوں گھر نہیں لوٹے معلوم ہے کہاں گئے ہیں؟" شاہ افضل خان جو عصر کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے آئے تھے سامنے بیٹھے گل باز کی طرف دیکھتے ہوئے فکرمندی سے استفسار کرنے لگے۔

"نہیں بابا جانی' میں کچھ دیر قبل ہی شہر سے آیا ہوں۔" وہ باپ کو دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو کر مودب انداز میں گویا ہوئے اور ساتھ ہی ان کے آگے کرسی رکھی تھی اور ان کے بیٹھنے کے بعد خود بیٹھے تھے۔

"بابا جانی! گلریز شکار پر گیا ہے اور کہہ رہا تھا ساتھ صارم کو بھی لے کر جائے گا رات تک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یا کل تک واپس آ جائیں گے۔"

اندر سے گل باز کی بیوی گل زیبا باہر آتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئی تھیں اور ساتھ ہی ملازمہ کو چائے لانے کا حکم دیا تھا۔

"وہ تم کو کیوں جتا کر گیا ہے؟ اس گھر کی بزرگ تم ہو یا بابا جانی؟"

گل باز خان سخت لہجے میں بیوی سے مخاطب ہوئے تھے۔ حالانکہ باپ کی موجودگی کے باعث ان کا لہجہ پست تھا مگر اس انداز میں بھی اتنی برہمی و درشتگی تھی کہ لمحے بھر میں گل زیبا کے چہرے کا اطمینان غائب ہو چکا تھا۔

"نن نہیں' میں تو ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی' وہ گلریز خان جلدی میں تھا۔ اس لئے بابا جانی کے پاس جا نہ سکا۔"

"وہ جلدی میں تھا۔ لیکن تم' صبح سے کیا کر رہی تھیں۔ جو بابا جانی تک ان کی روانگی کی اطلاع نہ پہنچائی؟" سبریز خان کے قتل کے بعد بابا جانی کی پریشانی و افکار سے وہ بخوبی واقف تھے۔ انہیں اچھی طرح احساس تھا کہ وہ اب بچوں کے معاملے میں بے حد حساس ہو گئے ہیں۔ ان کی معمولی سی گھر سے غیر حاضری سے انہیں وسوسوں و اندیشوں کے ناگ ڈسنے لگتے ہیں۔ گل زیبا کا اطمینان سے اطلاع دینا اور بے پروائی انہیں غصہ دلا گئی تھی۔ اگر باپ کی موجودگی و شیریں مزاج کا لحاظ نہ ہوتا تو وہ پہلی بار ان پر ہاتھ اٹھا دیتے کہ ماں اور باپ انہیں ہر دشتے سے زیادہ عزیز اور پیارے تھے۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو بچے! ہماری بہو بہت ہمارا خیال رکھنے والی' عزت کرنے والی ہے۔ بہت محبت کرتی ہے ہم سے' کوئی بات نہیں۔ گھر کے بکھیڑوں میں بعض اوقات ذہن ابلجھ جاتا ہے۔" بابا جانی جو اپنی سوچوں میں گم تھے یکدم ہی انہیں بیٹے کے تیوروں کا احساس ہوا تو وہ ملائمت سے مخاطب ہوئے۔

"گھر کے بکھیڑے' ہونہہ۔ جنہیں پانی پلانے کے لئے بھی ملازم میسر ہوں وہ گھر کے بکھیڑوں کو کیا جانیں۔"

وہ قہر آلود نظروں سے بیوی کو گھور کر گویا ہوئے۔

"میں دیکھتی ہوں چائے ابھی تک کیوں نہیں آئی۔"

ان کی جہنم کرتی نگاہوں سے انہوں نے راہ فرار حاصل کی۔

"عورت شیشے کا وہ بت ہوتی ہے بچے! سختی اور دباؤ سے ٹوٹ کر بکھر جاتی ہے اسے پیار اور احتیاط سے رکھا کرو۔" بابا جانی مسکرا کر مخاطب ہوئے۔

"پیار اور احتیاط کا انجام ہے یہ جو کسی کی پروا ہی نہیں ہے۔"

"اپنی غلطی پر شرمسار ہونے والے کو مزید شرمندہ کرنا دانائی نہیں ہے بچے! گلریز خان نے بچکانہ حرکت کی ہے یہ اور میں فکرمند ہو گیا ہوں۔ اگر کوئی قابل گرفت عمل کی سمت قدم بڑھاتے ہیں تو اس طرح بزرگوں سے دور ہو کر رہتے ہیں۔" وہ آسمان کی شفاف نیلگوں وسعتوں کو دیکھتے ہوئے مبہم لہجے میں گویا ہوئے۔

"کیا مطلب بابا جانی؟ گل ریز خان اور صارم خان کسی غیر اخلاقی۔"

"اللہ ایسا دن کبھی نہ دکھائے۔ لیکن میں مطمئن نہیں ہو پا رہا ہوں۔ ایک بے نام سا اضطراب مجھے جکڑ رہا ہے۔ عجیب بے شناخت سا احساس وجود پر طاری ہے میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا ہوں گل باز خان۔" وہ تذبذب کے انداز میں گویا تھا۔ سرخ و سپید چہرے پر پریشانی و مضطرب سے احساسات پھیلے ہوئے تھے۔

"مجھے یقین ہے بابا جانی! آپ کے اندیشے آپ کی پریشانی و اضطراب بے وجہ نہیں ہوں گے' آپ اجازت دیں تو میں شکارگاہ پر انہیں تلاش کر کے لے آتا ہوں۔" گلریز باپ کو فکرمند دیکھ کر خود بھی بے چین ہو گئے تھے اور اس پریشانی کا حل انہوں نے یہی نکالا تھا۔

"نہیں خان! جنگل بہت وسیع و گھنا ہے۔ انہیں تلاش کرنا آسان تو نہیں ہے۔ خیر اب تم آرام کرو شہر سے آئے ہو۔ تھک گئے ہو گے۔ ہمیں اپنے خون' اپنی تربیت پر مکمل بھروسا ہے کہ وہ ایسا کوئی کام نہیں کر سکتے جس سے ہماری طرف کوئی انگلی اٹھائے۔"

"بابا جانی! اگر انہوں نے ایسا کوئی عمل غلطی سے کر بھی لیا تو میں انہیں معاف نہیں کروں گا۔" وہ تپے ہوئے لہجے میں گویا ہوئے۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ شاید انسان جتنی عمر کی سیڑھیاں چڑھتا آگے بڑھتا جاتا ہے واہمے' اندیشے اور بے معنی سے تفکرات اس پر بادلوں کی طرح چھانے لگتے ہیں۔ میرا بھی یہی حال ہے اور سبریز خان کی جدائی کے بعد تو دل و دماغ کی دنیا ان ہی اندیشوں کے اختیار میں جا رہی ہے۔ ان کی وقت کی دھول سے لبریز آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیرنے لگی' جسے چھپانے کے لئے وہ رخ پھیرے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بابا جانی چائے لا رہی ہے گل زیبا بیٹھیں آپ۔"

❁ ❁ ❁

ڈھلتی شام کے گلابی سائے تیزی سے پھیل رہے تھے۔

سامنے قد آور کھڑکیوں کے شیشوں سے ڈھلتی شام کا سہانا موسم دلکش لگ رہا تھا۔ وسیع تا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حدِ نگاہ پھیلے سبزے پر جنگلی گلابوں کی جھاڑیاں بکھری ہوئی نگاہوں کو مسرور کر رہی تھیں۔ سورج کی زرد شعاعوں نے ہر سو سونا سا بکھیر رکھا تھا۔ سرمئی پہاڑوں کی کوکھ سے جھرنے پھوٹ کر بہہ رہے تھے۔ نگاہوں کو خیرہ کن کرنے اور دل کو سرور و سرخوشی بخشنے والے مناظر کی وہاں بہتات تھی۔

صارم کرسی پر بیٹھا اپنے خیالوں میں گم تھا۔ اس کی نگاہیں باہر شیشے کے پار مناظر پر تھیں مگر ذہن الجھنوں کے پیچ و خم میں سرگرداں تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" گلریز گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر اس سے مخاطب ہوا۔

"ہوں اوہ کچھ نہیں۔" اس نے چونک کر جواب دیا۔

"طور خان چائے بنا کر لاؤ ایک دم کڑک سی۔"

گلریز نے اندر داخل ہوتے ہوئے طور خان کو حکم دیا تو وہ واپس مڑ گیا۔ لیکن اسی لمحے صارم کی آواز پر اسے پلٹنا پڑا۔

"وہاں کھانا لے کر گئے تھے کھایا اس نے؟"

وہ سنجیدگی سے مخاطب ہوا طور خان سے۔

"نہیں خان' وہ نہیں کھاتا' ہم نے بہت منت کیا اس کا صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ رات کا بھی بھوکا ہے۔ اب دوپہر سے شام ہو گئی ہے۔ اس طرح بھوکا رہ کر مر جائے گا۔ مگر وہ بہت ضدی ہے خان۔"

طور خان کسی ٹیپ کی مانند مسلسل اسٹارٹ ہو گیا تھا۔

"تم اس کے باپ کے ملازم ہو جو اس کی منتیں کر رہے تھے۔ خبردار جو آئندہ ہمارے معاملے میں دخل اندازی کرنے کی کوشش کی تو۔" گلریز خان بری طرح تپ کر گویا ہوا تھا۔

"بہتر خان۔" طور خان دبے پاؤں وہاں سے نکل گیا۔ جب کہ گلریز کا غصہ ہنوز برقرار تھا۔

"کیا سمجھتی ہے خود کو؟ ہم اس کی منتیں کریں گے۔ اس کے آگے گڑگڑائیں گے۔ نخریں سہیں تو نہ سہی۔ گلریز مرتے بھی اتنی آسانی سے نہیں دے گا۔"

"گلریز خان! مجھے تمہارا یہ طرزِ عمل بالکل پسند نہیں آ رہا۔"

"کیوں کیا کر دیا ہیں نے؟" وہ متعجب انداز میں گویا ہوا۔ گلریز خان جذباتی اور ضدی طبیعت کا بندہ تھا۔ شکست کھانا جس نے سیکھا نہ تھا۔ اپنی برتری و شجاعت کا علم وہ ہر حال میں بلند رکھنا چاہتا تھا۔ جس کے لئے اگر اسے پستی میں بھی اترنا پڑتا تو وہ بلا جھجک کود پڑتا۔ یہاں بھی تھی کہ سیریز کے قتل کے انتقام کے لئے اس نے بلا سوچے سمجھے ورثا کو اغوا کروا لیا تھا۔ مگر

اسے کوئی ندامت و ملال ہرگز نہ تھا۔

"بے حسی و سنگدلی کی انتہا ہے۔ ایک کمزور اور بے قصور لڑکی کو تم اغوا کر کے لائے اور پھر اس پر اپنے غیر انسانی سلوک کو حق بجانب سمجھ رہے ہو۔"

صارم تند و سرد لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

"ہوں۔ ایک بات تو بتاؤ میری جان! تم اس لڑکی کی اس قدر حمایت کیوں لے رہے ہو؟ کہیں نظرِ عنایت؟"

"فضول بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" گلریز کی معنی خیز لہجے میں کی جانے والی بات وہ قطع کر کے تیز لہجے میں گویا ہوا۔

"اور تمہیں بھی اس لڑکی کے لئے اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"شام رات میں تبدیل ہونے کو ہے۔ گھر پر بابا جانی' بی بی جان اور چھوٹے انکا پریشان ہو رہے ہوں گے۔ قبل اس کے کہ وہ ہمیں تلاش کرتے کرتے یہاں پہنچ جائیں ہمیں یہاں سے گھر جانا چاہیے۔"

"بے فکر رہو میں بے بے سے کہہ آیا تھا کہ شکار پر جا رہے ہیں ممکن ہے رات کو واپس نہ آئیں انہوں نے اطلاع دے دی ہوگی۔"

"اچھا ہم کل چلے جائیں گے مگر اس لڑکی کا کیا ہوگا؟"

"ہا ہا ہا' تیرے حواسوں پر وہ لڑکی کیوں سوار ہو گئی ہے؟ طور خان کہہ رہا تھا لڑکی بہت زور دار ہے۔" اس نے بائیں آنکھ دبا کر معنی خیز لہجے میں کہا اور اس لمحے صارم نے خود پر بمشکل قابو پایا تھا۔

"لیکن ہم تو اس کی صورت دیکھنے سے قبل ہی گھائل ہو گئے۔" گلریز اپنے بازو کی سمت اشارہ کر کے قہقہہ لگا کر بولا۔

"میرے خیال میں تم اب آرام کرو۔" صارم سے مزید برداشت نہیں ہوا تو وہ اسے مشورہ دیتا ہوا باہر کی جانب بڑھ گیا۔ طور خان نے اسے چائے کا مگ پکڑایا۔ سورج مغرب کی آغوش میں روپوش ہونے کو تھا۔ دھیرے دھیرے سرمئی نیم سرد اندھیرا بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیوں سے ڈھلتا ہوا اردگرد کے ماحول پر پھیل رہا تھا۔ پرندوں کے غول تیزی سے اپنی منزل کی سمت گامزن تھے۔ ہوا سرد اور تیز چلنے لگی تھی۔

وہ چائے سے فارغ ہونے کے بعد بلا مقصد باہر ٹہلتا رہا۔ اس کے اندر اضطراب بے چینی بڑھ رہی تھی۔ گلریز خان کی ہٹ دھرم و ضدی فطرت سے وہ واقف تھا۔ عام حالات میں شاید

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ اس کی بریف واشنگ کر بھی دیتا لیکن اس وقت وہ سبریز خان کے قتل اور انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس کی جذباتیت اور ارادوں کی راہ میں اگر بابا جانی بھی آ جاتے تو وہ ہتھیار نہیں ڈالتا چاہے اس کی سزا جگنو کے لئے تاحیات خود کو اذیتیں دینا کیوں نہ پڑتیں۔

"خان! اس لڑکی کو آپ کچھ کھلاؤ۔ ورنہ اس کو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" طور خان اس کے نزدیک آ کر آہستگی سے بولا۔

"اسے اغوا کرتے وقت خیال نہیں آیا تمہیں؟ اب ہمدردی فضول ہے۔" طور خان کی ہمدردی اسے ایک آنکھ نہ بھائی۔

"ہم کیا کر سکتا ہے خان! حکم کا غلام ہے ہم تو۔ غلام کی خوشیاں اور دکھ مالکوں کی ذات سے وابستہ ہوتے ہیں خان۔" وہ نہایت عاجزی سے پست لہجے میں گویا ہوا۔

"ہونہہ کونسے مالک کو خوش کرنے کے لئے تم نے اپنے ضمیر کا سودا بخوشی کر ڈالا؟ بابا جانی! چھوٹے اکا۔ کون تمہارے اس گھٹیا اقدام سے خوش ہوں گے؟"

"چھوٹے خان آپ درست بول رہے ہیں مگر سبریز خان کے خون....."

"شٹ اپ اس کا خون! اغوا رزاں نہیں کہ اس گھٹیا انداز میں اس کا انتقام لیا کریں۔" اس کے سخت لب و لہجے پر طور خان سٹپٹا کر رہ گیا۔

"اچھا کچھ لے کر آؤ میں وہیں جا رہا ہوں۔"

وہ وہاں سے اس کے کمرے کی طرف آ گیا۔ سامنے تالا دیکھ کر اس کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ طور خان نے ڈر کے مارے احتیاطاً کنڈی کے ساتھ تالا بھی لگا دیا تھا اور تالے کے ساتھ ہی چابی بھی لٹک رہی تھی۔ اس نے تالا کھول کر کنڈی بنائی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ پہلا قدم رکھتے ہی اسے اچھل کر دور ہونا پڑا تھا اور سنبھلتے سنبھلتے بھی خنجر اس کے بیٹے پر آیا تھا۔

❁❁❁

"سمندر خان! کب سفر ختم ہو گا؟ شیطان کی آنت کی طرح یہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔" شمشیر خان اکتائے ہوئے لہجے میں مخاطب ہوا۔

"خان بیٹھ گھنٹے اور لگیں گے پھر ہم منزل پر پہنچ جائیں گے۔" سمندر خان نیاز مندی سے گویا ہوا۔

"ابھی بھی گھنٹے لگیں گے لعنت ہے تم پر لعنتی آدمی کوئی کام تمہارا جلدی کا نہیں ہے ہر کام گھنٹوں کا ہوتا ہے ابھی پانی بھی گھنٹوں میں لایا تھا اب راستہ بھی بتاتا ہے گھنٹوں کا ہے۔

حسب توقع وہ فوراً ہی جلال میں آ گیا تھا۔

"خان جی پانی لینے گیا تھا تو راستے میں شرارتی لڑکیاں مل گئی تھیں۔ انہوں نے خوب وقت ضائع کر کے پانی دیا۔ اب گھنٹوں کی آپ پروا مت کرو مال بہت زبردست ملے گا وہاں۔"

سمندر خان اس کے بگڑتے موڈ کو دیکھ کر خاصے خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ شمشیر خان چند لمحے اسے گھورنے کے بعد سیٹ سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے سے بیزاری جھلک رہی تھی۔ مگر سمندر خان کو اس نے مزید کچھ نہ کہا تھا۔ سمندر خان بھی اسے خاموش دیکھ کر مطمئن ہو گیا تھا۔

جیپ ہرے بھرے راستے پر رواں دواں تھی۔ ڈرائیونگ خاموشی اور مہارت سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"سمندر خان!"

"جی خان۔"

"وہ جو ڈاکٹر آئی ہے گاؤں میں تم نے اسے کہلوا دیا تھا؟" یکدم ہی شمشیر خان کسی خیال سے چونک کر استفسار کر بیٹھا۔

"کیا خان؟" سمندر خان بے دھیانی سے بولا۔

"کیا؟" وہ ایک دم ہی آگ بگولہ ہوا۔ "یہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو؟"

"خان جی مجھے یاد نہیں۔"

سمندر خان کی حالت اس کے بپھرے تیور دیکھ کر غیر ہونے لگی۔ جانتا تھا وہ جتنا فیاض تھا اتنا ہی بے رحم جلاد بھی تھا۔ خوش ہو جائے تو اس جیسا سخی کوئی نہیں۔ اگر ناراض ہو جائے تو جسم سے کھال لمحے بھر میں اتار لے۔ اس وقت بھی وہ قہر و غضب کی تصویر بنا اسے گھور رہا تھا اور وہ اپنے ذہن پر زور ڈال رہا تھا کہ شمشیر خان نے اس سے کیا کہلوایا تھا۔ گھبراہٹ و خوف کی حالت میں وہ کانپنے لگا تھا کہ یکدم اسے یاد آیا کہ جس دن وہ ڈاکٹر کائنات کے گھر گئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر خان کا موڈ خلاف توقع بہت خوشگوار اور اچھا تھا۔ اس نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ کل صبح ڈاکٹر کو پیغام دے دے کہ وہ اپنا کلینک دوبارہ اسٹارٹ کرے اور ساتھ ساتھ ہی گاؤں کے لوگوں کو بھی اس کا حکم سنانا تھا کہ اب وہ بلا کسی خوف و پریشانی کے ڈاکٹر سے دوا لیں۔ دوسرے دن وہ یکسر بھول گیا اس پیغام کو جو اس خطرناک وقت پر یاد آ رہا تھا۔

"یاد آیا کہ نہیں؟ یاد دلاؤں؟"

شمشیر خان قریب رکھی بھاری مجرم کی رائفل اٹھاتے ہوئے سرد مہری سے بولا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"نہیں خان! یاد آ گیا۔ بالکل یاد آ گیا بھلا کیسے یاد نہ آتا؟ وہ پیغام تو میں نے دوسرے دن ہی ڈاکٹر صاحب کو پہنچا دیا تھا۔"

مکاری پن و عیاری سمندر خان کی رگ رگ میں سمائی تھی۔ اس نے جھٹ چالاکی سے دل میں منصوبہ ترتیب دیتے ہوئے اتنی خوبصورتی سے جھوٹ بولا کہ شمشیر خان جیسا کائیاں و مکار شخص اس کا جھوٹ نہ سمجھ سکا۔

"دباغ کو حاضر رکھا کر اپنے ورنہ کسی دن ضائع ہو جائے گا میرے ہاتھوں سے۔"

"بہتر خان۔" وہ نہایت سعادت مندی سے گویا ہوا۔

"تم ہمیں وہاں چھوڑ کر گاؤں چلے جانا وہاں ایک چکر لگا کر دوسرے دن آ جانا۔ وہاں کی خیریت معلوم ہو جائے گی۔"

"خان اس بار میں جاؤں گا۔ گاؤں کا چکر لگا کر دوسرے دن آ جاؤں گا۔"

"خان آپ کے ساتھ رہے گا۔" سمندر خان آہستگی سے بولا۔

"کیوں؟ تمہیں گاؤں کیوں یاد آنے لگا۔"

"کوئی خاص بات نہیں خان جی!" اس نے مسکراتے ہوئے اسے ٹالا تھا۔

اپنے مفاد کی خاطر اس نے یہ فیصلہ کیا تھا ورنہ شمشیر خان کے ساتھ ایسی رنگین محفلوں میں وہ بڑے جوش و خروش سے شامل ہوتا تھا۔

لیکن اس وقت اس نے جھوٹ بول کر اپنی جان بچا لی تھی اور اب آگے کا راستہ صاف کرنے کی فکر میں وہ گاؤں جانا چاہ رہا تھا کہ شمشیر خان کی واپسی سے قبل ہی گاؤں جا کر ڈاکٹر کائنات تک اس کا پیغام پہنچا دے اور ساتھ ہی لوگوں کو بھی سمجھا دے کہ وہ ڈاکٹر کے پاس سے فکر ی سے جائیں۔

❁ ❁ ❁

"گل خانم! کیا ہر وقت اپنے کمرے میں بیٹھی رہتی ہو؟ کبھی باہر نکل کر دنیا دیکھنے کی خواہش بھی کیا کرو چلو اٹھو باہر چلو۔" گل صنوبر اندر آ کر بہت محبت سے گل خانم سے مخاطب ہوئیں وہ ابھی فجر کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت سے فارغ ہو کر جاء نماز تہہ کر کے رکھ رہی تھیں۔

"آپ نے دیکھ لی بہت ہے۔ مجھے میرا یہ کمرہ ہی پوری دنیا سے بڑا لگتا ہے۔"

وہ مسکرا کر ان سے مخاطب ہوئیں۔ گل جاناں کی وہ بڑی بہن تھیں۔ مگر اخلاق و مزاج میں ان سے بالکل الٹ تھیں۔ انہیں اپنی بہن کے مزاج و طبیعت سے خود بھی بھرپور اختلاف تھا۔ جس کا اظہار وہ گل جاناں کے روبرو کرتی تھیں۔ جس کی وہ پروا نہ کرتی تھیں۔ گل خانم کا مزاج اور

طبیعت ان سے میل کھاتی تھی اس لئے جب بھی وہ یہاں آتیں تو ان کے پاس ہی وقت زیادہ سے زیادہ گزارتی تھیں۔ گل جاناں کی ہزار ہا مخالفت و غصے کے باوجود اب بھی نماز سے فارغ ہو کر وہ یہیں چلی آئی تھیں کہ انہیں معلوم تھا وہ ماں بیٹی جاگ رہی ہوں گی کیونکہ گل جاناں کی صبح عموماً دیر سے ہوتی تھی۔ اس لئے وہ بلا خوف و خطر یہاں چلی آئی تھیں۔

"ہاں اس مینڈکی کی طرح جسے اپنا کنواں سارا دنیا محسوس ہوتا ہے۔"

وہ ہنستی ہوئیں ان کے قریب بیٹھ گئیں۔ اسی اثناء میں سخاویہ چائے لے آئی اور ان کو دینے کے بعد اپنا مگ لے کر ان کے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔

"بیٹیوں سے گھر میں بڑا اجالا ہوتا ہے۔ بڑی خدمت کرتی ہیں بیٹیاں تم نے تربیت بھی بہت اچھی کی ہے گل جب بھی ملتی ہوں خوشی ہوتی ہے۔ ورشا کی تعلیم اب تو مکمل ہو گئی ہو گی وہ آئی نہیں ابھی تک؟"

"بس چند دنوں میں آنے والی ہے۔" سخاویہ نے جواب دیا۔

"تم بھی ہمت کر لیتی سخاویہ تو ڈگری لے سکتی تھیں۔ دیکھو ورشا نے ہمت و حوصلے سے کام لیا تو کامیاب ہو گئی نا آخر۔ آج کل سائنسی دور ہے تعلیم بہت زیادہ ضروری ہو گئی ہے۔ تمہارے ارد گرد کا سلیقہ آ گیا ہے۔ لڑکیوں نے بھی تعلیم حاصل کی ہے۔ اچھائی برائی کی تمیز آ گئی ہے۔ اگر تمہارے انکل گاؤں کے عام مردوں کی طرح ہوتے غیر تعلیم یافتہ تو سمجھو میں عام جاہل عورتوں کی طرح ہوتی۔ لڑاکا، حاسد دوسروں کے عیب تلاش کر کے دنیا میں پھیلانے والی۔"

"بے بے! یہ بھی شہروز لالا کی مہربانی اور محبت ہے جو میں نے چودہ جماعتیں پڑھ لیں یہ احساس ندامت تو ہے کہ میرے پاس کوئی ڈگری نہیں ہے مگر یہ احساس کمتری بھی نہیں ہے کہ میں کتابوں اور قلم کی دنیا سے بالکل نابلد ہوں۔ ورشا جیسی باہمت اور حوصلہ مند میں کبھی نہیں بن سکتی البتہ مجھے مسرت ہے کہ اس نے اپنی خواہش پوری کی اور آگے بھی وہ کامیاب ہو گی۔"

سخاویہ کے لہجے میں بہن کے لئے پیار و محبت تھی۔

"ہاں ہاں انشاء اللہ ایسا ضرور ہو گا اس کے ساتھ اتنی دعائیں ہیں وہ کامیاب ضرور ہو گی۔"

گل صنوبر کے لہجے میں خلوص اور صداقت تھی۔

سخاویہ ناشتے کی تیاری کے لئے باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ کیونکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ صرف چائے لیتی تھیں۔ ناشتہ سب گھر والوں کے بیدار ہونے کے بعد کیا جاتا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"خانم! اب سخاویہ کو بھی رخصت کر دو ایک عرصہ ہو گیا منگنی ہوئے۔ دیر فضول ہے لڑکیوں کے فرض سے جتنی جلد فراغت حاصل ہو اتنا بہتر ہے۔"

سخاویہ کے جانے کے بعد وہ بہت اپنائیت سے ان سے گویا ہوئیں۔

"ہر ماں کی یہی خواہش ہوتی ہے صنوبر میری بھی یہی آرزو ہے مگر۔"

"مگر کیا؟"

"شہباز خان زمین کا بڑا حصہ اور لمبی رقم کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ سخاویہ کے بدلے وہ لوگ رقم دینے کو تیار ہیں۔ مگر زمین کا معمولی سا ٹکڑا بھی دینے کو راضی نہیں۔ شہباز خان کی پہلی ضد چلی آ رہی ہے کہ وہ رقم کے ساتھ زمین کا حصہ بھی دیں۔ اسی ضد و ہٹ دھرمی کے باعث سال پر سال گزر جاتے ہیں۔ سنا ہے سفیت بھی کراچی میں مستقل رہنے لگا ہے۔ کاروبار کے سلسلے میں۔"

"ہاں۔ مجھے بھی معلوم ہوا تھا۔ لڑکی کب تک اس ضد کی بھینٹ چڑھی رہے گی؟"

"اللہ جانے؟" انہوں نے سرد آہ بھری۔

"دو بیٹیاں تم نے اسی جہالت کے باعث دنیا سے رخصت کرا دیں۔ اب تو اپنا حق استعمال کرو آخر تم ماں ہو ان کی۔"

"شاباش ہے بے بے! آپ کی محبت پر۔ ایسی بھی کوئی بہن ہو گی؟ جو اپنی بہن کی سوکن کو بہن و بہنوئی کے خلاف بھڑکائے۔"

انہیں احساس نہ ہوا۔ کہ بے بے اوں چل کر آنے والی کل جاناں ان کی گفتگو سن رہی ہے۔ وہ اندر آ کر غصے سے چیخ کر گویا ہوئی تھیں۔

"اوہ۔ تمہاری یہ عادت نہ گئی' بلی کی چال چلنے کی اور تم غصہ کیوں ہو رہی ہو؟ میں جا کر۔ رہی ہوں۔ درست کہہ رہی ہوں۔ انسان کو بات حق کی اور سچی کہنی چاہئے۔ قبر میں انسان اپنے اعمال اور ایمان ساتھ لے کر جائے گا۔ وہاں کوئی ماں' بہن' بھائی' باپ اولاد قبر کے عذاب سے چھڑانے کے لئے نہیں آئے گا۔"

"تم بھی اللہ کا خوف کرو' تمہاری بھی بیٹیاں ہیں۔ سمجھاؤ اپنے خاوند کو' چھوڑے فرسودہ طریقوں کو۔ پہلے ان باتوں کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا کہ بیٹی کے بدلے زمین جائیداد میں حاصل کی جاتی تھیں بلکہ اچھے اعلیٰ و عزت دار گھرانوں میں جب بھی ایسی روایات کو شدید ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اب تو نچلے درجے کے گھرانوں میں بھی بیٹی پر پیسے۔ لینے کے بجائے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ دے دلا کر رخصت کیا جاتا ہے۔ یہاں دولت و جائیدادوں کی کثرت کے باوجود وہی صدیوں پرانے رواج قائم ہیں۔ زمین ویسے بھی ہمارے قبیلوں کی کمزوری ہے۔ لوگ

جان دینا پسند کرتے ہیں مگر زمین نہیں۔ میں خود خان کو سمجھاؤں گی۔"

انہوں نے بہن کے غصے سے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر گوشمالی کر ڈالی تھی۔

"نہیں معاف کرو ہمیں' غیروں میں رہ کر بالکل غیروں جیسے طور طریقے اپنا لئے ہیں۔ اب ہمیں بھی وہی ترغیب دینے چلی ہیں۔ میرا سیاں قبیلہ کا سردار ہے۔ کوئی اٹھائی گیرا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی بہروپیا ہے جو لوگوں کو دیکھ دیکھ کر روپ بدلتا پھرے' اپنے قبیلے کی تمام رسم و رواج کو بھول جائے۔ قصور آپ کا نہیں ہے بے بے! اس جادوگرنی کا ہے۔ جو اس کے قریب آتا ہے۔ اسے یہ ایسے ہی اپنا بنا لیتی ہے۔ چلو آپ ناشتہ کرو چل کر۔"

وہ نفرت انگیز نگاہیں خاموش بیٹھی گل خانم پر ڈالتے ہوئے گویا ہوئیں۔ جب کہ بے بے نے ملامت آمیز نگاہوں سے سرزنش کی تھی۔

❁❁❁

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟" اس نے تیزی سے پیچھے ہٹ کر خود کو اس کے وار سے بچایا اور برق رفتاری سے اس کا خنجر والا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ ذلیل انسان۔"

وہ شدید غصے میں چیخ کر خونخوار انداز میں بولی۔ اس وقت اس کی حالت خاصی ابتر تھی بال الجھ بیڈ میں جکڑے ہونے کے باوجود چھوٹی چھوٹی لٹوں کی صورت میں بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر غصے و جنون کے باوجود بھی زردی و پژمردگی چھائی ہوئی تھی۔ نڈھال و تھکن' نیند سے بوجھل آنکھوں میں پھیلی وحشت نے سرخیاں بکھیر دی تھیں۔

"اپنی حد میں رہو' مجھے سختی کرنے پر مجبور نہ کرو۔"

اس نے اس کے ہاتھ سے خنجر چھین کر کھڑکی سے باہر پھینکتے ہوئے سرد مہری سے کہا۔

"سختی؟ ہونہہ' کرو' کیا کرو گے؟ کیا کر سکتے ہو تم؟ تم جیسے لوز کریکٹر آدمی سے کمینگی و پستی کی ہی امید کی جا سکتی ہے۔"

"اوہ شٹ اپ' میں کہہ رہا ہوں بکواس بند کرو اپنی' تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" اس کا لہجہ اس کا انداز اس کی آنکھوں سے نکلتے نفرت و حقارت کے شعلوں نے اس کا پورا پورا سلگا ڈالا تھا۔

"تم کیا سمجھتے ہو؟ اس طرح چیخ کر میری آواز بند کر دو گے؟"

اس کے چیخنے پر وہ بھی جواباً چیخ کر گویا ہوئی تھی۔

"میں چاہوں تو صرف تمہاری آواز ہی نہیں سانس بھی بند کر سکتا ہوں۔"

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ہاں تو کرو' کر دو سانس بند تم نے باعزت زندگی کے دروازے تو مجھ پر بند کر دیئے ہیں۔ اب سانس بھی بند کر دو۔ مجھے جینے کی آرزو نہیں ہے۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔ اسی دم طور خان ٹرے میں لوازمات مع چائے کے لیے آیا تھا صارم کے اشارے پر سامنے رکھی سینٹر ٹیبل پر اس نے ٹرے رکھ دی۔

"چلو غصہ ختم کرو کچھ کھالو۔ کل رات سے کچھ کھایا نہیں ہے تم نے۔"

اس کے چیختے چلاتے لہجے میں بے بسی و آنسوؤں کی نمی اس نے محسوس کر لی تھی۔

وہ شوخ مزاج' کھلنڈرا و بے پروا ضرور تھا۔ مگر حساسیت و انسانیت سے مبرا ہرگز نہ تھا۔ ورشا کے دکھ کو اس کے کرب کو اس کے اضطراب کو وہ بخوبی جان رہا تھا۔ گلریز کے اس اقدام پر اس کو اسی لئے شدید غصہ تھا کہ اس نے انتقام کی خاطر ایک لڑکی کا مستقبل و زندگی تاریک کر ڈالی ہے۔

"ورشا! پلیز ناداستگی و بدگمانی انسانوں سے ہوتی ہے کھانے سے کیوں گریز کر رہی ہو؟"

اسے اسی طرح بے پرواو بے حس انداز میں کھڑا دیکھ کر اسے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرنی پڑی طور خان کمرے سے جا چکا تھا۔

"میں آپ سے کہہ رہا ہوں کھانا کھائیں۔" اسے ہنوز کھڑے دیکھ کر وہ قریب آ کر جتانے والے انداز میں گویا ہوا۔

"نہیں کھانا مجھے کچھ بھی۔" وہ ایک پاؤں زور سے فرش پر مار کر بولی۔

"ضد چھوڑو بہت وقت گزر گیا ہے اگر اسی طرح بھوکی رہو گی تو تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی اور یہاں قریب کوئی اسپتال بھی نہیں ہے۔ باہر دیکھو شام ڈھل چکی ہے۔ گہرے ہوتے اندھیرے کے ساتھ دھند میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ یہاں شام چھ بجے کے بعد آمد و رفت کی اجازت نہیں ہے کہ اندھیرے اور حد سے زیادہ دھند کے باعث راستہ نظر نہیں آتا۔"

وہ اپنا اشتعال بھلا کر اسے سمجھا رہا تھا مگر اس پر مطلق اثر نہ تھا۔

"ہونے دو' طبیعت خراب ہو گی تو' مر ہی جاؤں گی؟ تو مر جانے دو۔"

"پلیز ایسے مت کہو۔"

"کیوں نہیں کہوں؟ مار تم مجھے چکے ہو۔ اپنے گھر والوں کے لئے میں مر گئی ہوں۔ انجانوں کی طرح مجھے کوئی قبول نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ گھر والے بھی' تم نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔ میری بد دعائیں تمہیں کبھی سکون سے نہیں رہنے دیں گی۔ تمہاری بہنوں کو بھی کوئی اسی طرح اغوا کرائے گا جس طرح تم نے میرے ساتھ کیا ہے۔" اس کی زبان اس کی آنکھیں پھر شعلے اگلنے لگی تھیں۔

"شٹ اپ' میں کہہ رہا ہوں میں نے تمہیں اغوا نہیں کروایا۔ پھر کیوں تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی بات۔" اس کی تکرار سے وہ جھنجلا کر بولا۔

"پھر تمہارے باپ نے کروایا ہے۔؟" وہ بدتمیزی کی آخری حد تک گر گئی تھی لیکن دوسرا لمحہ اس کے لئے بھاری ثابت ہوا تھا۔

صارم خان کا مضبوط ہاتھ اس کے بائیں رخسار پر اپنی انگلیوں کے پرنٹ ثبت کر گیا۔

"خبردار' جو آئندہ میرے مرحوم باپ کا نام تم نے اپنی زبان سے لیا۔" اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا آنکھوں سے شرارے سے نکلنے لگے تھے۔

وہ چند لمحے ساکت نظروں سے رخسار پر ہاتھ رکھے اسے دیکھتی رہی۔

"میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ بار بار بتا رہا ہوں۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ ایسی گھٹیا و پست حرکت خواب میں بھی مجھ سے سرزد نہیں ہو سکتی۔ لیکن تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنی رائے دوسرے کے بارے میں ایک بار مقرر کر لیتے ہیں تو اس سے ایک انچ پیچھے نہیں سرکتے اس پر برقرار رہتے ہیں۔"

صارم خان کی آنکھوں میں خون کی سرخی چھا گئی تھی۔ وہ غصے و جنون کی اس حالت پر تھا جہاں اسے اپنے ہاتھ اٹھانے والے اقدام پر رتی بھر شرمندگی و افسوس نہ تھا۔

"صارم خان! تمہیں اپنے مردہ باپ کی حرمت کا اتنا خیال ہے پھر میرا باپ تو زندہ ہے۔ میرے بھائی جوان اور غیرت مند ہیں۔ ان کا خیال نہیں ہے تمہیں؟"

غیر محسوس انداز میں اس سے ایک تھپڑ کھا کر وہ اکڑ بھول گئی تھی۔

"ہوں۔" اس نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈال کر پنکارا بھرا۔

"میں بھی فیصلہ کر چکی ہوں یہاں سے اب میری لاش جائے گی۔"

اسے خاموش و لاتعلق دیکھ کر کچھ توقف کے بعد وہ فیصلہ کن لہجے میں گویا ہوئی۔

"خاموشی سے کھانا کھاؤ' عمر پڑی ہے خواب دیکھنے کے لئے۔"

اس کی بات کو وہ نظر انداز کر کے خشک لہجے میں بولا۔

"میں نے کہہ دیا نہیں کھاؤں گی۔" وہ غصے میں بولی۔

"شاید تمہیں عزت موافق نہیں آ رہی ہے اوکے' میرا فرض تمہیں سمجھانا تھا۔ زبردستی پر تم مجھے خود مجبور کر رہی ہو۔ بعد میں شکایت مت کرنا۔" اس نے اشتعال میں آگے بڑھتی ورشا کے بازو پکڑ کر ڈرامائی انداز میں کہا۔

"چھوڑو مجھے تم نے ہمت کیسے کی مجھے چھونے کی؟"

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ جو لوازمات سے پرٹرے پھینکنے کے لئے آگے بڑھ رہی تھی صارم نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں لے لئے تھے۔ اس کے اس انداز پر وہ بری طرح بپھر اٹھی تھی۔ خود کو اس کی گرفت سے آزاد کروانے کی جدوجہد میں وہ اس کے سینے سے آ لگی تھی۔

اس کے وجود سے اٹھتی سحر انگیز سی مہک' اس کے سفید مضبوط ہاتھوں کی گرفت' اس گرفت میں گردش کرتی' محسوس کی جانے والی حرارت' اپنی تنہائی و بے بسی' اس کی طاقت و فتح مندی کا احساس۔

اس کی فولادی گرفت میں وہ خود کو موم محسوس کر رہی تھی۔

یکدم ہی اس پر ادراک کے در وا ہوئے وہ جو بہت دیر سے اسے اپنے اخلاق اور نرم مزاجی سے متاثر کرنے کی کوشش کر رہا تھا' حد بدتمیزی' بدلحاظی' بدکلامی و بداخلاقی کے باوجود اخلاق کی حد سے باہر نہیں نکلا تھا۔ اگر وہ شرافت' انسانیت' اخلاقیات کا لبادہ اتار پھینکے تو؟

وہ کوئی مزاحمت کر پائے گی؟ خود کو برباد ہونے سے بچا سکے گی؟ وہ انوا کی بیٹی ہے کسی مقصد کسی پلاننگ کے باعث ہی ایسا ہوا ہوگا۔ وہ شخص جس کا کام ہی فلرٹ کرنا' لڑکیوں سے کھلونے کی طرح کھیلنا ہے۔ جس کی رنگین داستانوں اور رنگین نظاروں کی وہ خود چشم دید تھی۔ اس سے کسی شرافت اور مروت کی امید نہ تھی۔ جو اسے انوا کروانے کے باوجود بھی خاصا مہذب و باکردار نظر آ رہا تھا۔ اگر وہ ایکدم ہی اپنی جون میں آ گیا تو میں اب اس کے رحم و کرم پر ہوں۔ اس شخص کے رحم و کرم پر جس کی پرچھائیں سے بھی مجھے کراہت آتی ہے جو کبھی میرے لئے پسندیدہ نہیں رہا۔

وحشت ناک سوچیں بچھو کی طرح اس کے گرد جال بن رہی تھیں۔

صارم دم بخود رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ کسی بے جان مورتی کی طرح اس کے سینے سے آ لگے گی۔ وہ اسے ٹرے پھینکنے سے باز رکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے بڑھ کر بہت آہستگی سے اس نے ورشا کے بازو پکڑے تھے۔

اس کے اندر عجیب سی سنسنی دوڑ گئی تھی۔

ایک برق تھی جو اس کی رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔

جیسے آتش فشاں پھٹنے کے بعد گرم و پگھلا لاوا ہر شے سے بہنے لگتا ہے۔

عقل اس لمحے کو اس آتش میں وہ اپنی ذات اپنے کردار اپنے وقار کے ملبوں کو راکھ کر ڈالنے کے ہزارویں حصے میں اس نے ورشا کو بیڈ کی سمت دھکیلا تھا اور خود اس کی سمت دیکھے بغیر دروازہ کھول کر باہر آ گیا تھا۔

❁❁❁

اس کی وہ حرکت بالکل غیر ارادی و بے اختیاری تھی۔ وہ فوراً ہی وہاں سے چلا آیا تھا۔ لیکن دل و دماغ پر ابھی بھی ایک مدہوشی سی چھائی تھی۔ اس نے ستون سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ جیسے اندر کی یکلخت جاگ اٹھنے والی کسی حرارت کو ٹھنڈی ہوا کے ذریعے خارج کر رہا ہو۔ جو فطرتاً آزاد خیال و بے باک طبیعت کا مالک تھا۔ دوران تعلیم اس کی بے شمار لڑکیوں سے دوستی رہی تھی' جن کے ساتھ وہ بے باک انداز میں ملتا تھا۔ کیونکہ وہ لڑکیاں بھی ایسے ماحول کی پروردہ تھیں جہاں ایسی بے باکیوں کو آزاد خیالی سمجھا جاتا تھا۔ جن کا تصور بھی عزت دار گھرانوں میں معیوب تھا۔ اس کی وجاہت پر مر مٹنے والی کچھ لڑکیاں اس کے ایک اشارے پر اپنا آپ وار دینے کو تیار رہتی تھیں۔ مگر اس نے اخلاقیات کی حدود کو پار کر کے پستی کی جانب ایک قدم بھی کبھی نہیں بڑھایا تھا۔ اس حد پر اس کا کردار مضبوط ترین رہا تھا۔

لیکن آج.....

اس پر منکشف ہوا' کچھ وجود ایسے بھی ہوتے ہیں جو لمحہ بھر میں کسی کے گرد قائم شرافت و اخلاقیات کی دیواروں میں دراڑیں ڈال کر انہیں کمزور کر ڈالتے ہیں۔ پل بھر میں ان کا سب کچھ ہی چھین لیتے ہیں۔

اضطرابی انداز میں اس نے بالوں میں انگلیاں پھیری تھیں۔

صارم خان آفریدی! ایک دم ہی حواس گنوا بیٹھے۔ تمہاری خود داری' وقار و انا' شجاعت و مردانگی یہیں تک ہے؟ تمہاری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی نہیں ہے یہ' قبل اس کے بھی ان گنت ملکی و غیر ملکی شوخ و چنچل حسینوں' مہ جبینوں' نازنینوں اور دلرباؤں کے جھرمٹ میں تم نے وقت گزارا ہے۔ پھر اس بے ساختہ حرکت پر تم اس قدر نادم و مضطرب سے کیوں ہو؟

کیا وجہ ہے؟

کیسا اسرار ہے؟

کیوں بے چین ہو؟

اس کے اندر جیسے کوئی سرگوشیاں کرنے لگا اور اس کے اندر بے قراری حد سے سوا ہو گئی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"نہیں ..... نہیں میں جو اس گناہ نہیں بیٹھا' بلکہ وہ جو غیر ارادی و خود ساختہ فعل سرزد ہوا۔ اس پر مجھے ندامت و شرمندگی کا احساس بے کل کر رہا ہے۔ بے شک میری زندگی میں بے شمار رنگین چہرے آئے ان کے ساتھ میں نے وقت گزارا مگر اس انجوائے منٹ میں وہ لڑکیاں بھی برابر کی حصے دار تھیں۔ ان کی مرضی' ان کی خواہش میرے حوصلے بڑھا گئی تھی۔ ورشا آفریدی میرے لئے از حد معتبر و باعزت ہے اور میری زندگی میں آنے والی وہ واحد لڑکی ہے جس کو میں روح کی تمام تر پاکیزگی کے ساتھ چاہتا ہوں اور جس کو چاہا جاتا ہے اسے رشتوں کی سب سے اعلیٰ اور اونچی مسند پر بٹھایا جاتا ہے کہ اس پر اٹھنے والی ہر نظر پاکیزہ و احترام سے لبریز اٹھتی ہے۔ وہ شبنم کے پہلے قطرے کی طرح پاکیزہ ہوتی ہے۔"

سورج کی پہلی شعاع کی طرح اجلی

چاند کی اولیں کرن کی طرح روشن

کلیوں کے تبسم کی طرح معصوم ہوتی ہے

"ہا... ہا... یہ جاننے کے باوجود بھی کہ وہ سبریز خان کے قاتل کی بہن ہے؟"

اس کے اندر بھی جیسے عدالت کا سماں تھا۔ وہ گویا کٹہرے میں کھڑا اپنا دفاع کر رہا تھا۔

"تم اس سے محبت کرتے ہو؟ سبریز خان کے قاتل کی بہن سے؟"

اس کے اندر جیسے کوئی بار بار دہرانے لگا۔ استہزائیہ انداز میں۔

"اوہ... ابریز خان ...." وہ یکدم ہی خواب سے جیسے جاگا تھا۔

وہ درد جو اس کے پہلو میں کچھ مدھم ہوا تھا' دوبارہ جاگ اٹھا۔ چند لمحات قبل جو اس کی کیفیت تھی اس سے وہ باہر نکل آیا۔ کسی ردی کے پھٹے پرانے اوراق کی مانند اس نے ان خیالات و محسوسات کو جھٹلا تھا۔ جنہوں نے چند لمحات قبل اسے اپنی گرفت میں لے کر اردگرد سے بیگانہ کر دیا تھا۔

❁ ❁ ❁

"اے بی! میں مر گئی... اوئی میرا دل قابو میں نہیں آ رہا۔" بوا جو دروازے پر دستک دے کر گئی تھیں' واپسی میں ان کی حالت غیر تھی۔ چہرے کی رنگت سرسوں کے پھول کی طرح زرد ہو رہی تھی آنکھوں میں خوف کے سائے۔ وہ لرزتی ہوئی بھاگی چلی آئی تھیں اور دل پکڑ کر گرنے کے سے انداز میں بیڈ پر دراز ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا بوا؟ خیریت تو ہے؟" کائنات جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بال سنوار رہی تھی۔ انہیں بدحواس و خوفزدہ انداز میں آتے دیکھ کر گھبرا کر کھڑی ہو کر استفسار کرنے لگی۔

"جس کا ڈر تھا وہی ہوا... آ گیا نا' دوزخ کا داروغہ پیغام لے کر... ہائے ہائے اب کیا ہوگا؟ بھائی صاحب بھی گھر میں نہیں ہیں۔"

"کیا کون آیا ہے؟" وہ قریب آ کر متوحش انداز میں بولی۔

"وہی... جس کا خدشہ تھا... اے بی! کتنا کہا تم سے' یہ جگہ چھوڑ چلو' ہر جگہ ہر کوئی نہیں رہ سکتا۔ کوئی کوئی جگہ موافق آتی ہے بندوں کو۔" بوا کا انداز ماتمی سا تھا' جس سینہ پیٹنے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔

"اوفوہ... کچھ بتائیں گی بھی یا یونہی بے ربط بولتی رہیں گی؟" ان کی خود کلامی پر وہ جھنجلا کر گویا ہوئی تھی۔

"ارے وہی ہے' آگ کے گولوں کی مانند آنکھوں والا۔" بوا کی دہشت و وحشت میں سر مو فرق نہ آیا تھا۔

"اوہ... شمشیر خان آیا ہے کیا؟" وہ چونک کر گویا ہوئی۔

"وہ نہیں اس کا گارڈ ہے' کہہ رہا ہے اپنے مالک کا کوئی پیغام لایا ہے۔"

"حد ہو گئی بوا آپ سے بھی ایسے ڈر کر بھاگی آئی ہیں کوئی جیسے غیر انسانی مخلوق کو دیکھ لیا ہو۔ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا یا ایسے ہی باہر چھوڑ کر آ گئی ہیں؟" وہ جلدی سے بالوں کو لپیٹ کر جینڈ میں ٹھونستی ہوئی مسکرا کر بولی اس کے چہرے پر قدرے اطمینان جھلکنے لگا تھا۔

"جا کہاں رہی ہیں آپ؟" وہ اسے دوپٹہ شانوں پر ڈالتے دیکھ کر حیرانگی سے استفسار کرنے لگیں۔

"معلوم کروں نا جا کر وہ کس کا پیغام لایا ہے' اور کیوں لایا ہے؟"

"اے بی بی' کچھ ہوش کی دوا کرو' لو بھلا تنہا چلی ہیں اس مسٹنڈے سے پیغام وصول کرنے' بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے بی بی' انسانوں کو پہچاننے' نگاہوں کو پہچاننے کا خوب تجربہ رکھتی ہوں' یہ لوگ نیت کے کھوٹے ہیں' مجھ بڈھی کھوسٹ کو بے حیائی سے دیدے پھاڑ پھاڑ کر گھور رہا تھا تو تم' نہیں بی بی' میں آپ کو جانے نہیں دوں گی' موئے کمبخت کی آنکھوں میں جہنم دہکتا ہے۔" بوا نے لرزتے ہاتھ پھیلا کر اس کی راہ میں حائل ہوئی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوتا بوا جان' میں کوئی موم کا وجود نہیں رکھتی کہ اس کی نگاہوں سے پگھل جاؤں گی یا پانی بن کر بہنے لگوں گی۔ جب تک ہماری نیت سالم رہتی ہے دوسرے کی نیت کا کھوٹ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" وہ ان کو رسانیت سے سمجھاتی ہوئی گویا ہوئی۔ ان کی آنکھوں کا خوف' چہرے کی متغیر رنگت' دہشت سے کانپتے وجود کی لرزش نے اس کے لہجے کو نرم کر دیا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بوا چند لمحے اسے بے بس نگاہوں سے دیکھتی رہیں کہ اس لمحے انہیں احساس ہوا وہ ان کی ملازمہ ہیں' ماں نہیں' بلاشبہ انہوں نے اسے ماں کی طرح چاہا' محبت دی' ممتا نچھاور کی' مگر سب کچھ کرنے کے باوجود وہ ملازمہ کے منصب سے ماں کے رتبے کا استحقاق و افتخار حاصل نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ احساس کچھ اس برق رفتاری سے ان کے دل و دماغ پر حاوی ہوا تھا کہ یکلخت ان کے تنے ہوئے بازو شاخ سے ٹوٹی ٹہنیوں کی طرح بے جان سے انداز میں سائیڈ دان میں نیچے گر گئے۔ چہرے پر افسردگی و حزن و ملال برسنے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے بی' چلیں' لیکن میں ساتھ چلوں گی۔" ان کے لہجے سے اضمحلال مترشح تھا۔

کائنات نے بغور ان کے چہرے کی رنگ دیکھی تھی۔

"بوا جان' آپ مائنڈ کر رہی ہیں' آپ خود سوچیں' بابا گھر میں نہیں ہیں' ہم دونوں کے علاوہ اور کون ہے گھر میں؟ بتائیں بوا جان' اس سے بات کرنا بھی ضروری ہے۔ بابا نے بتایا تو تھا نا کہ کس مزاج کے ہیں یہ لوگ' ذرا بھی ان کے معاملے میں روگردانی برتی جائے تو زبان کے بجائے گولی سے جواب دریافت کرتے ہیں۔" کائنات نے ان کے گلے میں بازو ڈال کر اپنائیت سے کہا تو بوا جو دھوپ چھاؤں جیسے مزاج کی مالک تھیں فوراً ہی خوش ہو کر اپنی جون میں آ گئیں۔

"سلام بی بی صاب! شمشیر خان نے پیغام بھیجا ہے کہ آپ اپنا مطب چالو کر لو۔ ہمارا خان کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔" اسے دیکھتے ہی سمندر خان خاصے مہذب انداز میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔ حالانکہ حسب عادت اس کی نگاہوں نے مخصوص وارفتگی و ہوس سے اس کے حسین چہرے کو گھورا تھا۔ مگر کائنات کا سپاٹ چہرہ نگاہوں سے جھانکتے اعتماد و اطمینان نے اسے نگاہوں کے رنگ بدلنے پر مجبور کر ڈالا تھا۔

"کیوں... میں اب کیوں اپنا کلینک اسٹارٹ کر لوں؟" کائنات طنز آمیز لہجے میں استفسار کرنے لگی۔ بوا اس کے قریب کھڑی تھیں۔ بہت چوکنا و ہوشیار انداز میں کہ کسی بھی لمحے اس کا ہاتھ پکڑ کر بھاگ اٹھیں گی۔

"اس لئے کہ یہ خان کا حکم ہے۔" وہ دانتوں کی نمائش کر کے بولا۔

"خان ہوگا وہ تمہارا اور تم اس کا حکم ماننے پر مامور ہو گے' میں اب کلینک نہیں کھول سکتی' میرا اسٹاف جا چکا ہے' دوائیاں و دیگر ضروری اشیاء بھی نہیں ہیں اب' جا کر کہہ دو اپنے خان سے' میں اب کلینک نہیں کھولوں گی۔" بالکل اٹو کھے و غیر متوقع پیغام نے یکلخت ہی اسے وہ تمام پر پیشانی کے بل نمایاں کر دیا تھا جو کلینک یہاں کھولنے سے قبل اور بعد میں' اسے 'بوا' کے اسٹاف کو اٹھانی پڑی تھیں۔ پھر وہ شخص کون ہوتا ہے؟ اسے ایسے احکامات کا پابند کرنے والا۔

"سوچ لو بی بی صاحب! ہمارا خان انکار سننے کا عادی نہیں ہے۔" سمندر خان قدرے [illegible] کو بھانپ کر سخت دھمکی آمیز لہجے میں گویا ہوا۔

"اچھا... اچھا میاں! اب تم جاؤ' جو تمہارا خان چاہتا ہے وہی ہوگا۔" بوا فوراً ہی جلدی سے [illegible] اور کائنات کو مزید بولنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

"بوا آپ بھی کمال کرتی ہیں۔" سمندر خان کے جانے کے بعد وہ خفگی سے بولی۔

"کمال کرنا ہی پڑتا ہے بی' دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر باندھنا عقلمندی نہیں ہے۔" وہ [illegible] کہتی ہوئی اندر لے گئیں۔

❁ ❁ ❁

گل جاناں بہت حیرانگی سے بہن کو سامان باندھتے دیکھ رہی تھیں۔

"بے بے! یہ کہاں کی تیاری ہو رہی ہے؟" وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"کہاں کی تیاری ہوگی بھلا گھر جاؤں گی' نمل آج کل میں گھر آ جائے گی۔ اس کی [illegible] کی چھٹی کے ساتھ ہی ہاسٹل کی چھٹیاں بھی ہو جاتی ہیں۔" وہ اپنے کپڑے اور کچھ تحائف [illegible] نے ان کو اور ان کی بیٹیوں کو دیئے تھے سفری بیگ میں رکھتے ہوئے دھیرے سے ہنس [illegible]

"نہیں بے بے! ابھی میں آپ کو نہیں جانے دوں گی' بڑے خان آ جائیں تو ان سے بات [illegible] چاہئے گا۔" وہ ان کے ہاتھ سے بیگ لے کر اپنے پاس رکھ کر اصرار سے بولی۔

"بات کیا کرنی ہے گل' وہ نہ معلوم کب آئیں' میں رک نہیں سکتی' میری طرف سے دعا پہنچا [illegible] کی عادت کو تو جانتی ہو تم' وہ اپنے سامنے مجھے ہر دم موجود دیکھنا چاہتی ہے۔" بہن کی [illegible] کے احساس سے وہ ایک دم سرشار ہو گئی تھی۔

"ہاں' کیوں نہیں لیکن اسے اب تمہارے بغیر بھی تو رہنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔" وہ مسکرا [illegible] انداز میں گویا ہوئی۔

"ارے وہ تو ہاسٹل میں بھی اپنے باپ کے خوف سے رہتی ہے' اگر باپ کے تعلیم دلانے [illegible] سے واقف نہ ہوتی تو کبھی نہ رہتی۔"

"ارے چھوڑیں بے بے! اپنی اکمل کا بھی یہی حال تھا' اب دیکھ لیں کیسے آپ کے بغیر رہ [illegible] ہیں' آپ سے ملنے بھی صبح شام تک کے لئے ہی آتی ہے۔"

"ہاں... یہ تو اللہ کا نظام ہے گل' وہ بندوں کو غیر محسوس طریقے سے خود ہی وقت اور حالات کا [illegible] دیتا ہے اور اس کی شان ہے کہ محسوس بھی نہیں ہوتا۔"

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گل جاناں کے لہجے میں چھپے طنز و کدورت کو محسوس کر کے لمحے بھر کو وہ بدگمان سی ہو گئی۔

"ہاں... یہ بات تو ہے' اچھا تم جانے کا قصد کر بیٹھی ہو تو جا کر ہی چھوڑو گی۔ لیکن یہ بتاؤ جاؤ گی کب گھر میں ملیں گے؟ تاکہ میں بڑے خان کو لے کر آؤں تو بات ہو سکے اور ہے اب میں اپنی بات منوا کر ہی اٹھوں گی۔"

"کیسی بات گل؟ صاف بات کرو' کیوں پہیلیاں بجھوا رہی ہو؟"

گل جاناں کے میٹھے لہجے میں کچھ ایسا ہی چونکا دینے والا تاثر تھا۔ وہ حیرت زدہ ہو کر گویا ہوئیں۔

"اوہو' بے بے بڑھاپا آ گیا تمہارا... لیکن تمہاری یہ بھولنے کی عادت نہ گئی۔" ان کے لہجے میں تلخی اور کچھ کچھ بے زاری پنہاں تھی۔

"عمل کو شمشیر خان کے لئے مانگنے آؤں گی' اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں اسے۔"

"عمل کو نہیں' ایمل کو مانگا تھا تم نے' لیکن میں نے منع کر دیا تھا۔ عمل کا جب کوئی ذکر ہی نہ تھا۔" وہ ان کو بغور دیکھتے ہوئے تحمل سے بولیں۔

"اب ذکر کر تو رہی ہوں بے بے ایمل نہ سہی عمل تو میری بہو بن سکتی ہے۔ میرے دونوں بھانجیوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ایمل میرے بیٹے کے نصیب میں نہ تھی مگر عمل تو میرے بیٹے کا بخت بن کر رہے گی۔" وہ اٹل انداز میں بولیں۔

گل صنوبر کو بہن کا بے مروت و ہٹ دھرم انداز قطعی نہ بھایا تھا' وہ سمجھ گئی تھیں' گل جاناں اب اپنی اصلیت یعنی ہٹ دھرمی' بداخلاقی و بے مروتی' بداخلاقی پر اتر آئی ہیں جو ان کی شناخت بن چکی تھیں۔ اس لئے انہوں نے بھی دو ٹوک بات کرنے کی ٹھان لی تھی کہ ان کی خاموشی بھی نرمی اور درگزر ان کی بیٹی کا مستقبل تاریک کر سکتی تھی۔

"یہ کس طرح ممکن ہے گل جاناں' جب بڑی بیٹی کا رشتہ میں نے نہ دیا تھا تو چھوٹی کس طرح دے سکتی ہوں؟"

"کیوں... کیا خرابی ہے میرے خوبرو جوان بیٹے میں؟" وہ تلخ کھا کر گویا ہوئیں۔

"خرابی اس میں نہیں' ہم میں ہے۔" انہوں نے بات ختم کرنے کی خاطر کہا۔

"نہیں بے بے ایک بار اپنی عزت پر بٹہ لگوا لیا تھا میں نے لیکن اس بار میں خاموش نہیں بیٹھوں گی' آخر کیا عیب ہے؟ کیوں میرے بیٹے کو رشتہ نہیں دے رہیں' وہ بدصورت ہے' دولت و جائیداد کا مالک نہیں ہے؟ آخر کیا برائی ہے میرے بیٹے میں بے بے..."

"بات کو مت بڑھاؤ گل! اپنے باغ کے پھل کے داغ بھی کبھی نظر آتے ہیں آدم

ہے ہر ماں اپنی اولاد کے عیب و ہنر سے واقف ہوتی ہے' شمشیر کا کردار کیسا ہے' اس سے تم بھی واقف ہو اور میں بھی اور صاف بات یہ ہے کہ بیٹیوں کے معاملے میں رشتے بہت سوچ سمجھ کر طے کئے جاتے ہیں۔ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہوتا ہے' جان بوجھ کر کوئی اپنی بیٹی کو کنوئیں میں دھکا نہیں دیتا گل...؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ میرے گھر میں بیٹھ کر میرے ہی بیٹے پر کیچڑ اچھال رہی ہو؟ واہ بھئی واہ! میرا بیٹا جو بھی کرے کوئی اس کی طرف انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ وہ مرد ہے' پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو' تمہاری بیٹیاں دوسرے شہروں میں کیا کیا گل کھلا رہی ہیں' پڑھائی کے بہانے لڑکے پھانس رہی ہیں۔" وہ بلا لحاظ و مروت چیخ چیخ کر بولنے لگیں' ان کی بادامی آنکھوں میں بہن کے لئے کوئی محبت و عزت نہ تھی۔

"گل! خدا کا خوف کرو کیوں بہتان باندھ رہی ہو میری بچیوں پر..."

"ارے واہ! اپنے پر آئی تو کیسے لگی؟ اپنی اولاد سے بڑھ کر عزیز کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ تم سمجھتی ہو تم سے کوسوں میل دور رہتی ہوں تو مجھے تمہاری کوئی خبر نہیں ملتی' اس خیال میں نہ رہنا' رتی رتی خبر رکھتی ہے مجھے۔"

"پھر کیوں میری بدچلن لڑکی کو بہو بنانا چاہتی ہو؟" گل صنوبر تپ کر بولیں۔

"میں تمہاری طرح بدلحاظ اور بے مروت نہیں ہوں بے بے! اپنے تو اپنوں کو سمیٹتے ہیں پرائے جیسی بھی ہیں وہ میری بہن کی بیٹیاں ہیں' اس لئے مجھے عزیز ہیں۔"

"نہیں' معاف کرو بھئی' اپنی محبت کو میری بیٹی تمہاری بہو کبھی نہیں بنے گی' آنکھوں دیکھی مکھی کوئی نہیں نگلتا' ایک تو تمہارا مزاج' دوسرے تمہارے بیٹے کے کرتوت' میری بیٹی تو جیتے جی ماتم رسید ہو جائے گی۔ میں اپنے ہاتھ سے اس کا گلا گھونٹ کر مار سکتی ہوں مگر تمہاری بہو نہیں بناؤں گی' کان کھول کر سن لو' آج بھی اور دس سال بعد بھی میرا یہی فیصلہ ہوگا۔"

گل صنوبر کی برداشت ختم ہو گئی تو وہ بھی بھڑک کر گویا ہوئیں۔

"سوچ لو بے بے' ایسی باتوں سے دلوں میں فرق آ جاتا ہے اور اگر دلوں میں فرق آ جائے تو رشتے بھی ثابت نہیں رہتے۔" گل جاناں کھڑے ہو کر پھنکاریں۔

"تم نے ہی ابھی کہا تھا کہ اپنی اولاد سے بڑھ کر کوئی رشتہ عزیز نہیں ہوتا' جس طرح تم کو اپنی اولاد عزیز ہے اسی طرح مجھے بھی اپنی اولاد بہت پیاری ہے۔"

"دکھا دیا ناں تم نے اپنا سوتیلا پن! ہونہہ... اگر میری سگی بہن ہوتی تو اس طرح سلوک کرتی میرے ساتھ' چلی جاؤ یہاں سے۔ آج سے میں تمہارے لئے مر گئی اور تم میرے لئے اب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کوئی تعلق نہیں رکھنا مجھ سے۔"

ان کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ اپنے خود سر بہادر بیٹے کا بار بار ٹھکرائے جانا انہیں ایک آنکھ نہیں بھایا۔ اذ حد سنگدلی و سفاکی سے انہوں نے فیصلہ سنا ڈالا تھا۔ گل ضمیر چند لمحے ان کے بگڑے چہرے کو دیکھتی رہیں۔ وہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ گل جاناں اپنے سگے سوتیلے پن کا زہر بھرے بیٹھی ہیں۔

وہ گل جاناں کے والد کی پہلی بیوی سے تھیں۔ جن کے انتقال کے بعد انہوں نے گل جاناں کی والدہ سے شادی کی تھی اور شادی کے دو سال بعد گل جاناں پیدا ہوئی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ انہیں سگی بہن سمجھا بلکہ گل سے بڑی گل تاباں کو بھی انہوں نے کبھی سوتیلا نہ سمجھا تھا۔ اس لیے جب ان کی عمر بھر کی محنت و ریاضت مٹی میں مل گئی تھی۔ انہوں نے خاموشی سے سامان اٹھانا شروع کر دیا۔ آنسو بہت آہستگی سے ان کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے کہ دل پر لگنے والی چوٹ بہت کاری و بھرپور تھی۔

❁ ❁ ❁

"صارم! اب تو میرا بازو کافی بہتر ہے تم حویلی چلے جاؤ میں شام تک چلا جاؤں گا۔" گلریز خان ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد صارم سے مخاطب ہوا جو خاموش بیٹھا چائے کے سپ لے رہا تھا۔

"کیوں... تم کیوں بعد میں آؤ گے؟ ساتھ چلو بابا جانی اور اکا جان تمہیں نہ ساتھ دیکھ کر متفکر ہوں گے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں شام تک آ جاؤں گا تم کوئی بھی بہانہ کر دینا۔"

"تم شام تک کیوں آؤ گے؟" صارم نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سمجھا کرو یار شکار ٹھکانے لگا کر ہی آؤں گا۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ صارم کو یکدم ہی درشنا کا خیال آیا۔ وہ اس لمحے اس کے ذہن سے محو ہو گئی تھی۔

"مثلاً کس طرح ٹھکانے لگاؤ گے؟"

"چھوڑو مت پوچھو ورنہ تمہارے اندر کا تعلیم یافتہ و مہذب انسان جاگ اٹھے گا۔" گلریز استہزائیہ انداز میں دھیرے سے ہنس کر گویا ہوا۔

"انسان ہونے کے علاوہ غیر تعلیم یافتہ اور غیر مہذب تم بھی نہیں ہو گلریز خان...!" صارم ناگواری سے اس کی جانب دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

"میں تمہاری طرح تعلیم و تہذیب کا غلام بھی نہیں ہوں۔ ان چیزوں کا وہیں استعمال کرنا

ہوں جہاں ان کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"فی الوقت میں ان باتوں پر بحث کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"جبھی کہہ رہا ہوں تم گھر چلے جاؤ میں کام ختم کر کے طور خان کے ساتھ آ جاؤں گا۔" گلریز بدستور اسی ضدی انداز میں کہہ رہا تھا۔

"نہیں ایسا ممکن نہیں ہے۔ میں نہیں جاؤں گا اور تمہیں کوئی غیر انسانی عمل کرنے دوں گا۔ تو دوسو چوگلریز میں ایسے کام کی تربیت نہیں دی گئی۔" وہ کھڑا ہو کر فیصلہ کن انداز میں بولا تھا۔

"ایک بات بتاؤ؟" گلریز کی نگاہیں بہت گہرائی سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں جیسے وہ کچھ کھوجنا چاہ رہی ہوں۔

"ہاں... ہاں پوچھو کیا پوچھنا چاہ رہے ہو؟" اس کے انداز سے ہی صارم بھی چوکنا ہو گیا تھا۔

"وہ لڑکی... تمہیں پسند آ گئی ہے؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہو گلریز... دماغ درست ہے تمہارا؟" وہ جز بز ہو کر گویا ہوا۔

"مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش مت کرنا صارم خان!" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"فضول بکواس مت کرو بہتر یہی ہے اس لڑکی کو چھوڑ دو اور حویلی چلو۔ نامعلوم کیا ہو گیا ہے تمہیں ہر وقت بے مصرف سوچوں میں الجھے رہو گے تو ایسے ہی فضول خیالات ذہن میں آئیں گے۔"

"مجھے تو کچھ نہیں ہوا ہے لیکن تمہاری طرف سے میں مطمئن نہیں ہوں۔" گلریز خان کا لہجہ بدستور تھا۔ وہ ابھی بھی جانچتی تولتی نگاہوں سے صارم کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"اگر تم مجھے مطمئن دیکھنا چاہتے ہو گل خان تو اس لڑکی کو چھوڑ دو۔"

"کیوں آخر کیوں؟ میں یہی تو پوچھنا چاہتا ہوں تمہیں اس لڑکی سے اس قدر ہمدردی پیدا کیوں ہو رہی ہے؟" وہ اس کی بات قطع کر کے جھنجلاہٹ بھرے انداز میں گویا ہوا تھا۔ صارم کے تحمل انداز نے اس کو سچ مچ تپش کر ڈالا تھا۔

"اس لئے کہ وہ لڑکی ہے اور..."

"لڑکی ہے تو کیا ہوا دشمنوں کی لڑکی ہے اگر تمہیں اس لئے شرمندگی ہو رہی ہے تو تمہیں چلو سے ڈوب مرنا چاہئے کہ تم سمیر یز خان کے قاتل کی بہن کے ساتھ ہمدردی کر رہے ہو میں تمہیں گھر کے کتے کے ساتھ بھی رحم کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ پھر یہ تو ایک لڑکی ہے۔" گلریز نے تیزی سے اس کی بات قطع کر کے کہا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"پھر تو حقیقتاً میرے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہی ہے کہ میں تم جیسے انسانیت سے عاری اور اخلاقیات سے نابلد شخص سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ انتقام نہیں سراسر بزدلی و حماقت ہے اور میں تمہیں ایسا ہرگز کرنے نہیں دوں گا۔" غصے سے سرخ ہوتے چہرے پر عزم و یقین ثبت ہو کر رہ گیا تھا۔

"خان... لڑکی نے ناشتہ کر لیا ہے۔" اسی دم طور خان نے آ کر مسرت بھرے لہجے میں اطلاع دی تھی۔ صارم کے چہرے پر اطمینان کی ہلکی سی رمق ابھر کر غائب ہوئی تھی۔ جبکہ گلریز کے چہرے پر طنزیہ و فاخرانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"کب تک نہیں کرتی' بھوک بہت ظالم شے ہے' بڑے بڑے سورماؤں سے خود کو منوا لیتی ہے۔ پھر وہ ایک نازک و کمزور جان رکھنے والی لڑکی ہے بھلا کب تک فائٹ کر سکتی تھی۔"

"درست کہتے ہو آپ خان!" طور خان نے ناشتے کے برتن سمیٹ کر لے جاتے ہوئے تائید کی۔

"طور خان گیراج میں جو کار بند ہے اسے باہر نکال کر صارم خان کے حوالے کر دیا جائے گا میں اور تم معاملہ نمٹا کر ہی چلیں گے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے طور خان' جا کر اپنا کام کرو میں نہیں جا رہا۔" صارم خان سرد مہری سے گلریز کے حکم کو نظر انداز کر کے بولا۔ طور خان گومگو کی حالت میں وہاں کھڑا تھا کہ کس کا حکم مانے اور کس کا نہیں۔ حیثیت دونوں کی اس کے لئے اہم و یکساں تھی۔ گلریز کے ساتھ وہ اکثر و بیشتر رہتا تھا۔ اس کی تند مزاج و غصیلی ہٹ دھرم طبیعت سے بخوبی واقف تھا۔ اور صارم خان کے متعلق بھی بخوبی جانتا تھا۔ گو وہ زیادہ عرصہ گاؤں سے باہر ہی رہتا تھا' تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے چھٹیوں میں بھی کبھی کبھار آتا تھا تو چند دن رک کر سہریز کے ساتھ غیر ممالک کے ٹور پر نکل جاتا لیکن اس کی حیثیت گلریز خان سے بلند تھی کہ وہ اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی وراثت کا وارث اور ان کے بعد قبیلے کا سردار تھا۔ اس کی حیثیت درجہ بلند تر تھا۔ وہ خود کو بند راستے پر محسوس کر رہا تھا پھر گلریز نے اسے جانے کا اشارہ کر کے اس کشمکش سے نکالا۔

"صارم... وہ لڑکی بہت حسین ہے' بہت دلکش حسن کی مالک ہے۔ اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ حسن تمہاری کمزوری ہے اگر تم... کچھ وقت اس لڑکی کے ساتھ گزارنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن اس لڑکی کو مرنا بہر طور پڑے گا۔" وہ صارم خان کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سفاکی سے کہہ رہا تھا۔

"کیا ہوا... اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟" اس کی آنکھوں میں پھیلتی ہوئی سرخی' چہرے پر

پھیلی رنگ وہ یکلخت آتش فشاں بن گیا تھا۔

"تم... تم اس قدر گھٹیا و عامیانہ سوچ رکھتے ہو' مجھے معلوم نہیں تھا۔ مائی گاڈ... کاش مجھے ایسا خیال نہیں ہوتا تو میں تمہیں ایسی لغویات کہنے پر قتل کروا دیتا۔" اس کے دھیمے لہجے میں اس قدر تحقیر تھی کہ پتنگا سا گلریز خان جیسا ہٹ دھرم و زور آور شخص جھک کر رہ گیا۔

"تمہیں معلوم ہے... دنیا کا پہلا قتل کیوں ہوا؟" گلریز خان مسکرا کر گویا ہوا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ غصے و جنون سے اس کی حالت بری تھی۔

"ایک لڑکی کی خاطر...! سمجھے ایک بھائی نے بھائی کو قتل' اس فتنہ یعنی لڑکی کے پیچھے ہی کیا تم مجھے قتل کروا لو گے تو کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔"

"گلریز خان! مرد ہمیشہ مردوں کی لڑائی مردوں سے لڑا کرتے ہیں جو درمیان میں عورت کو گھسیٹ لیتے ہیں وہ میری نگاہ میں مرد نہیں ہوتے۔ ہمیشہ سے ہم لوگوں کو عورت کی عزت کرنے اس کی حرمت کی پاسداری کا درس دیا گیا ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ جنس مخالف سے میری دلی ہے میں ان کی کمپنی کو پسند کرتا ہوں لیکن ان دوستیوں کو حد سے تجاوز نہیں کرنے دیا۔ عورت' کردار' خاندانی وقار پر کوئی بدنما داغ لگنے نہیں دیا اور نہ ہی میرے نزدیک کبھی اتنی ارزاں و نایاب سوچیں بھٹکی ہیں۔" اس نے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے تند لہجے میں کہا۔

"تمہارا مطلب ہے لڑکی کو ایسے ہی چھوڑ دیں؟"

"ہاں...!"

"اچھا... میں تمہاری جذباتی بات مان لیتا ہوں لیکن اس لڑکی کو مرنا پھر بھی پڑے گا۔ اس کی اغوا کی گئی لڑکی کی مثال اس مچھلی کی سی ہے کہ جو خراب ہو جائے تو کوئی لمحہ بھر بھی گھر میں رکھنے کو تیار نہیں ہوتا اور باہر پھینکنے سے بھی گریز نہیں کرتا ہے۔ وہ یہاں سے بچ کر جائے گی۔ تو اس کے باپ بھائی مار دیں گے۔"

"وہ ان کا دردِ سر ہوگا اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں رکھنی چاہئے۔"

"اچھا تم کہتے ہو تو لڑکی کو چھوڑ دیتا ہوں۔ ایک گھٹیا لڑکی کی خاطر میں تم جیسے بھائی کو کھونا نہیں چاہتا' سہریز کو کھو دیا اب حوصلہ نہیں ہے۔" وہ صارم کو سینے سے لگاتا ہوا گلوگیر انداز میں

❁❁❁

"صمد خان...! خان کدھر ہے؟" سمندر خان نے جو ابھی گاؤں سے لوٹا تھا' ریسٹ ہاؤس کے احاطے میں صمد خان کے قریب آ کر پوچھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"کہاں ہوگا' پڑا ہے اندر..." صمد خان اندر کی جانب اشارہ کر کے برا سا منہ بنا کر بولا سمندر خان سے اس کی دوستی از حد گہری و مضبوط تھی۔ وہ شمشیر خان کی کبھی کبھار کی جانے والی زیادتیوں کو ایک دوسرے کو بتا کر دل کا غبار نکالا کرتے۔ اب بھی ایسا ہی تھا شاید' صمد خان بہت کی زیادتی کے باعث بھرا بیٹھا تھا۔ سمندر خان کو دیکھتے ہی بارا تھکی بھرے انداز میں گویا ہوا۔

"اوہو' کیا ہوا خاناں' جو شعلہ بنا بیٹھا ہے۔ خان نے حصہ نہیں دیا؟ تبھی اتنا خفا خفا لگ رہا ہے۔" سمندر خان اس کی جانب بیٹھ کر معنی خیز سرگوشیانہ لہجے میں استفسار کرنے لگا۔

"بات نہیں کرو اس ٹیم (ٹائم)..." وہ کھسیا کر بولا۔

"ہوا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔ خان نے میرے متعلق تو معلوم نہیں کیا تھا دوبارہ؟"

"خان تمہارے متعلق کیا پوچھے گا' اسے اپنا ہوش نہیں تھا رات کو۔"

"اسے چیز بھی تو آفت ملا ہے یارا! بہت بھاگ دوڑ کے بعد ایسے چاند کے ساتھ والی لڑکی کو ڈھونڈا تھا جو ناچتی بھی غضب کا ہے اور گاتی بھی قیامت ہے۔" سمندر خان سیدھا ہو کر فخریہ انداز میں گویا ہوا۔

"جبھی ہم کو خان نے دودھ میں گرا مکھی کی مسواق نکال پھینکا۔ ہمارا اوقات تو اس کے مسواق ہے جو مالک کے مزاج کا محتاج ہے۔"

"چھوڑ یارا' کیوں دل خراب کرتا ہے جب خان کا مزاج اچھا ہوتا ہے تو عنایتیں بھی بہت کرتا ہے۔ وہ اپنے مزاج کے مطابق چلنے والا آدمی ہے۔" سمندر خان نے صمد خان کی دلجوئی کرنے کی غرض سے کہا۔

"ہاں... اسی لئے تو یہیں پڑا ہے ورنہ شہر میں ہم کو اچھی نوکری مل سکتی ہے۔"

"رات کو کب آیا تھا خان... اب واپسی کا کیا پروگرام ہے؟"

"صبح آیا ہے جب سے پڑا سو رہا ہے' ابھی بتایا نہیں کہ کب واپس جائے گا۔ تم تاوان ڈاکٹرنی سے بات ہوگئی؟ کیا اس نے مطلب کھول لیا؟"

سمندر خان کے سمجھانے بجھانے سے صمد خان کی آزردگی بہت حد تک دور ہو گئی تھی اب اطمینان سے بیٹھ کر اس سے بات کر رہا تھا اور ساتھ ہی گیٹ سے کچھ فاصلے پر چھوٹے بیگل پر تولیہ کا آرڈر بھی دے آیا تھا۔

"ہاں' وہ ڈاکٹرنی بڑے دماغ والی ہے' مان ہی نہیں رہی تھی۔"

"خان کا حکم نہیں مان رہی تھی... تم نے اسے خان کا نہیں بتایا تھا؟" صمد خان نے اس کی بات قطع کر کے استفسار کیا۔ وہ بھی اس کے حکم سے روگردانی کا سوچ بھی

ایک لڑکی کی جرأت اسے سچ مچ حیران کر گئی تھی۔

"ہاں' بتایا تھا... تو وہ بولی' وہ خان ہوگا تمہارا...!"

"وہ لڑکی بولی؟ اگر خان نے سن لیا تو..."

"تو خان کو کون بتا رہا ہے بے وقوف میں نے بھی دھمکی دے ڈالی' وہ لڑکی تو پھر بھی نہیں ڈری مگر اس کے ساتھ جو بڑھیا ہوتی ہے اس نے ڈر کر حامی بھر لی اور اسے اندر لے گئی وہاں سے میں یہاں چلا آیا۔"

"لگتا ہے خان کو وہ لڑکی پسند آ گئی ہے اس سے پہلے تو اس نے کبھی اتنا احسان کسی پر نہیں کیا۔"

"لگتا تو مجھے بھی ایسا ہی ہے۔ واہ! کیا نصیب ہیں ہمارے خان کے بھی ایک دل میں ایک بغل میں..." دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

❁❁❁

طور خان کا لایا ہوا ناشتہ اس نے خواہش کے باوجود واپس نہیں کیا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ صارم حد سے تجاوز کر سکتا ہے۔ اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ غیر دانستگی میں بھی اس کی کسی غیر ارادی جسارت کا شکار ہو۔ رات کو اس نے ٹھنڈے دل و دماغ سے اپنی حالت کا موازنہ کیا تھا۔ سوچ و افکار کے سمندر کی عمیق تہہ سے جو انکشاف و دانشمندی کا موتی اسے ملا' اس نے اس کی اوقات سورج کی روشنی کی طرح اس پر آشکارا کر ڈالی تھی۔

گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی اور اغوا کی ہوئی لڑکی میں سر مو فرق نہیں ہوتا۔ خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر' بات ایک ہی ہے۔ بہر حال لڑکیاں دونوں صورتوں میں ہی قابل قبول نہیں ہوتیں۔ حالانکہ اغواء کی گئی لڑکی خود سے فرار ہونے والی لڑکی سے معصوم و بے خبر ہوتی ہے کیونکہ اس میں اس کی رضا شامل نہیں ہوتی لیکن پھر بھی معاشرے میں اس کے لئے تنگ دلی کے رستے پائے جاتے ہیں۔ وہ بھی اپنی مرضی و خوشی سے اغوا نہیں ہوئی تھی اور ان سے چھٹکارا پانے کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کر چکی تھی جو بری طرح ناکام ثابت ہوئی تھی۔ رات کو صارم کی غیر ارادی حرکت نے اسے بری طرح سہما ڈالا تھا۔

اس کے جانے کے بعد کتنی دیر تک وہ اپنے دھک دھک کرتے بے قابو دل کو سنبھالے رہی۔ بے شک جو بھی ہوا وہ بالکل بے ساختہ و بے اختیارانہ انداز میں ہوا۔ جس پر صارم کے چہرے پر پھیلتے خجالت و از حد شرمندگی و بوکھلاہٹ کے رنگ اس نے واضح طور پر محسوس کئے تھے۔ وہ پھر رکا بھی نہیں تھا۔ فوراً ہی وہاں سے چلا گیا تھا اور ساتھ ہی اسے اپنے توانا و مضبوط وجود کا احساس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی دلا گیا تھا۔

ورشا ساری رات خوف و اندیشوں کی شاہراہ پر چلتی رہی۔ وہ مضبوط وجود رکھنے والا شخص جسے اپنی وجاہت اور کردار پر حد سے زیادہ ناز تھا۔ جس نے قدم قدم پر اس پر اپنے جذبے لٹائے تھے۔ اپنی بے تابیاں ظاہر کرنا چاہی تھیں اس کی بھرپور نفرت و حقارت' تذلیل کے باوجود درگزر اور محبت سے نظر انداز کیا تھا پھر اس نے ایک دم سے ہی اپنی تمام بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے اس کا اغوا کروالیا تھا اور اپنے ساتھی کے سامنے یوں پوز کیا تھا جیسے وہ اس کی حرکت سے واقف نہ رہی ہو لیکن اسے اپنی گرفت میں لانے کے باوجود اپنے دام میں پھنسانے کے باوجود شرافت کا چولہ پہنے ہوئے تھا اور اپنے اس گھٹیا طرز عمل سے انکاری تھا۔ اگر اس نے اپنی ظاہری شرافت و محبت کا ملبوس اتار پھینکا تو؟ وہ کب تک مزاحمت کر سکتی ہے؟ اپنے بچاؤ کی کوئی ڈھال اس کے پاس نہ تھی۔ اپنی عصمت بچانے کے لئے اس کے پاس واحد راستہ یہی تھا کہ وہ خاموشی سے بلا چون و چرا اس کی بات مان لے اور وقت آنے پر اس سے بھرپور انتقام لے۔

بہت سوچ و بچار کے بعد اس نے صبح ناشتہ بہت خاموشی سے کیا تھا۔ ناشتہ کے نام پر چند لقمے زہر مار کئے تھے۔ وہ بھی حلق میں اس طرح اٹک رہے تھے جیسے کسی عزیز کو دفنانے کے بعد کھانا حلق میں اٹک جاتا ہے۔ یہاں اسے بھی ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ خود کو دفنانے کے بعد کھانا کھا رہی ہو۔ ہاں وہ مر ہی تو گئی تھی۔ اپنے لئے بھی' گھر والوں کے لئے بھی۔

اپنے وجود کی آزردگی و استحقاریہ اور ادے کی یاد اس کی آنکھوں میں پانی بن کر بہنے لگی' بے بسی و درماندگی کے احساس نے گویا اسے آگ کے صحرا میں لا پھینکا تھا' دل میں لگی آگ کو سرد آنسوؤں کی نمی میں بجھاتی رہی۔

اس وقت بھی وہ گھٹنوں میں سر چھپائے اپنے دل کا بوجھ ہٹانا چاہ رہی تھی کہ معاً باہر سے کنڈی کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے اپنی چادر درست کر کے دروازے کی سمت دیکھا۔ اندر آتے صارم خان سے بے ساختہ اس کی نگاہیں ٹکرائی تھیں اور اس نے فوراً ہی نگاہیں جھکا لی تھیں۔ لیکن صارم کے لئے یہ ایک لمحہ ہی بہت تھا۔ اس کی بھیگی بھیگی آنکھوں میں جو تڑپ و بے بسی تھی وہ کسی تیز دھار آلے کی مانند اس کے دل کے اندر ترازو ہوتی چلی گئی۔ لمحہ بھر کے لئے وہ دم بخود سا کھڑا رہ گیا۔ کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے اپنی عزیز ترین ہستی کو رنجیدہ و آزردہ دیکھنا۔ اس وقت وہ جذباتی طور پر اس کے احساسات پر اس انداز میں اثر انداز نہیں تھی۔ جو جذبہ وہ اس کے لئے اپنے دل میں موجزن محسوس کر رہا تھا۔ کیونکہ اس وقت وہ سہریز کے قاتل کی بہن تھی جس سے نفرت نہیں تو محبت کا جذبہ بھی اس کے اندر موجود نہ تھا۔ اس وقت وہ صرف ایک لڑکی تھی۔

بے بس' مجبور و لاچار لڑکی جو جبراً اٹھا کر لائی گئی تھی۔

اس کے ساتھ کی گئی گھناؤنی حرکت کے باعث وہ اس کی ہمدردی و توجہ کی مستحق تھی۔ فی الوقت اس کا پیار' محبت' عشق سب سہریز خان کے ساتھ سو گیا تھا۔

"آپ... رو رہی ہیں۔ کیوں؟" وہ اس کے قریب قدرے جھک کر سنجیدگی سے گویا ہوا تھا لیکن اس کی خاموشی نے فوراً ہی اسے اپنے سوال کے بے معنی و احمقانہ ہونے کا احساس دلا دیا تھا۔ وہ اونٹ کھسیانی کر رہ گیا۔

"مجھے احساس ہے' آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے جس کے لئے میں بے حد شرمندہ ہوں' میں آپ کو یہاں سے آزاد کر رہا ہوں' اس امید کے ساتھ کہ آپ ہماری اس غلطی کو معاف کر دیں گی' میں مانتا ہوں آپ کے ساتھ بہت ظلم ہوا ہے مگر اعلیٰ ظرف کے لوگ بڑے بڑے مجرموں کو معاف کر دیا کرتے ہیں۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کر لفظ ادا کر رہا تھا۔ وجیہہ چہرے پر حقیقی شرمندگی و افسوس تھا۔

"میری سمجھ نہیں آ رہا' آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اور اب مجھ سے معافی کے بھی خواستگار ہیں۔ میں آپ کے رحم و کرم پر ہوں آپ جو چاہیں مجھ سے مانگ سکتے ہیں' منوا سکتے ہیں۔ پھر یہ انداز اور افسوس و دکھ' شرمندگی کس مقصد کے لئے؟" وہ دوپٹے سے آنسو پونچھ کر بولی۔

"شاید آپ نے میری بات پر یقین نہ کرنے کا عہد کیا ہے۔ میرے بار بار کہنے' یقین دلانے کے باوجود آپ کی ایک ہی رٹ ہے۔ اس مقام پر مجھے ایک دانا کا قول یاد آ رہا ہے کہ دنیا کا علاج حکیم لقمان بھی دریافت نہ کر پائے تھے اور اتنی سائنسی کامیابی و کامرانی کے باوجود اس دنیا کے ہر مرض کا علاج دریافت نہیں ہو سکا ہے اور یہ میری بدقسمتی ہے کہ اس لاعلاج مرض کی ایک مریضہ کو مجھے ہینڈل کرنا پڑ رہا ہے۔ آپ جلدی سے باہر آ جائیں میں باہر انتظار کر رہا ہوں' شام سے پہلے پہلے ہمیں یہ علاقہ چھوڑ دینا ہے۔"

وہ اسے حکم دیتا سرعت سے باہر نکل گیا۔ ورشا کو پہلے تو یقین نہیں آیا کہ وہ یہاں سے آزاد ہو گئی ہے' خود صیاد اس کی آزادی کی بات کر رہا تھا پھر یکدم ہی پریشانی و بوکھلاہٹ کے نئے در وا ہوئے تھے اسے یہ بھی اس کی کوئی چال لگ رہی تھی۔ سانپ کاٹا ڈھارسی سے بھی خوفزدہ ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے انجانے میں کئے گئے ایک غلط طرز عمل کی سیاہی کسی نیک و پارسا شخص کی زندگی پر تاریکی مسلط کر دے۔ وہ بھی صارم کے خلوص و نیت پر شک کر رہی تھی۔

اس کی شخصیت' اس کا کردار' اس کا نام اس کے لئے شروع سے ہی ناپسندیدہ ترین رہا تھا۔ اور وہ حقیقتاً اس کے لئے ناقابل بھروسہ و ناقابل یقین شخص بن چکا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئی۔ عجیب کشمکش و پیچ میں پھنس گئی تھی۔

"صارم خان... عورت اور کفن پر کبھی یقین نہیں کرنا چاہئے۔ موقع ملتے ہی انسان کو ڈس لیتی ہیں کہ وہ پانی بھی نہیں مانگ پاتا۔" گلریز خان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہمدردی سے کہا۔ گو کہ اس نے ورشا کو صارم کے چارحانہ تیور دیکھ کر زندہ چھوڑ دیا تھا لیکن اپنے اس عمل نے اس کے اندر بیزاری و غصہ بھر ڈالا تھا۔ اس کے اندر کی جھنجلاہٹ و غصے کا شکار بار بار طور خان بن رہا تھا۔

"گلریز... اہم ہمیشہ وہ کاٹتے ہیں جو ہم نے بویا ہوتا ہے۔ گناہ انجانے میں ہو یا دانستہ سزا و عذاب ضرور بھگتنا پڑتا ہے ہمارے اعمال' ہمارے فعل' ضرور ہماری ذات کا اہم پلو سنبھالے ہوتے ہیں۔ جہاں ہماری نیکیوں کو اجاگر کرتے ہیں وہاں برائیوں کو بھی ابھارتے ہیں۔ بعض اوقات تنہا آدمی کی جذباتی لغزش کئی نسلوں کو بھگتنی پڑتی ہے اور میں نہیں چاہتا میری آنے والی نسل میری کسی بداعمالی کی سزا بھگتے۔ میرے یقین و اعتماد کی عمارت میں تم پہلے ہی دراڑیں ڈال چکے ہو اگر اب مجھے یقین دلاؤ گے بھی تو میرے لئے نئی بات نہیں ہوگی۔ جس سے مجھے شاک پہنچے۔"

جواباً وہ بھی اس کے شانے پر ہاتھ رکھے ازحد سنجیدگی سے بولا۔

"حساسیت و جذباتیت کی اندھیری دنیا سے باہر نکل آؤ خاناں' اس بے مہر دنیا میں تم جیسوں کے لئے کچھ نہیں رکھا سوائے فریب و دھوکے کے۔"

"تم جاؤ... میں اسے چھوڑ آتا ہوں۔" صارم خان نے یکدم ہی موضوع بدل ڈالا اعتماد کھو نے اسے دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھر کر نفی میں سر ہلایا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔ "وہ اسے نہیں سمجھا سکتا۔"

"نہیں پہلے تم جاؤ' ہم بعد میں جائیں گے تم جلدی نکل جاؤ اسے حویلی تک چھوڑنے سے پہنچ جانا ورنہ سمجھ لینا ایسی قیامت آئے گی کہ کچھ نہیں بچے گا۔ میں اندر جا رہا ہوں۔ مجھے اس سامنے دیکھ کر کہیں میں اپنے عہد سے نہ پھر جاؤں۔" وہ جلدی سے اندر بڑھ گیا۔ طور خان گیراج سے کار نکال کر کپڑے سے اس کی گرد صاف کر رہا تھا۔ کافی انتظار کے بعد وہ اس کے کمرے میں آیا اور اسے اطمینان سے بیٹھا دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا میں انتظار کر رہا ہوں باہر اور شام سے پہلے پہلے اس علاقے سے نکل جانا ہے۔ سمجھانے کے باوجود آپ سکون سے بیٹھی ہیں؟" وہ سرد مہری سے گویا ہوا تھا۔

سولہ خانہ سا گھیرا ہوا اور خطرناک تیور تھے۔

"کہاں لے کر جائیں گے آپ مجھے... ایک قید خانے سے دوسرے قید خانے...؟" وہ کھڑی ہو کر تمسخرانہ انداز میں پوچھنے لگی۔

"ابھی کچھ دیر قبل میں نے آپ کو سمجھایا تھا کہ وہم و شک کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ ماسوائے اس کے کہ بندہ خود تو خبطی ہو اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی پاگل بنا ڈالے۔" وہ تیز لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔ جبکہ ورشا پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"پلیز... میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس وقت آپ کی ناز برداریاں اٹھانے کا ٹائم نہیں ہے میرے پاس اور نہ ہی کوئی ایسی اعلیٰ و معتبر شخصیت یہاں ہے جس پر آپ یقین کر سکیں۔ مجبوری ہے آپ کو مجھ پر اعتماد کرنا پڑے گا... چلیں۔ آپ مجھے کوئی انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور نہ کریں۔" اسے دیکھ کر وہ غرا کر بولا۔ کیونکہ وہ پہلے والے انداز میں بیٹھی تھی ذرا بھی ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔

"لیکن... میں کس طرح یقین کر لوں کہ آپ میرے بھرلے کر جا رہے ہیں؟"

"اوہ... اچھا آپ بتائیے آپ کو کس طرح آئے گا یقین؟ میں اسی طرح آپ کو یقین دلانے کی کوشش کروں گا۔" وہ ایک طویل سانس لے کر اس بار ملائم و پرخلوص لہجے میں گویا ہوا۔ اس کی نیلگوں آنکھیں لمحے بھر کو اس کی چادر کے ہالے میں دمکتے چہرے پر پڑی تھیں۔ قبل اس کے کہ وہ کسی سرکش جذبے کے بہاؤ میں بہتا فوراً ہی اس کی طرف سے رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔

ورشا اضطرابی انداز میں بار بار ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر رہی تھی۔ وہ فیصلہ نہ کر پا رہی تھی۔ اس کے ساتھ جانا سودمند رہے گا یا یہاں رہنا؟ لیکن یہ جگہ بھی اسی کی تھی وہ نہ یہاں محفوظ تھی اور نہ کہیں اور پھر اس پر اعتماد کرنا ہی ہوگا۔ اگر وہ کسی اور جگہ لے جانے کی کوشش کرے گا تو اپنی جان دے دے گی مگر اس کے مذموم عزائم پورے نہیں ہونے دے گی۔" اس نے دل میں تہیہ کیا اور اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئی۔

"ہو گیا فیصلہ..." اس نے مڑ کر اس سے دریافت کیا۔

"جی... چلیں!" اس نے چادر اپنے گرد لپیٹتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

❁ ❁ ❁

کل صبر آزما و طویل سی صبح ہی روانہ ہو گئی تھیں۔ گل جاناں نے از راہ مروت بھی انہیں رکنے یا معذرت کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی تھی بلکہ بے حسی و خود پرستی کی انتہا تھی کہ وہ کسی کی جدائی یا تاسف کا شکار ہونے کے بجائے اس بات سے خوش تھیں۔ انہوں نے بیٹے کو رشتے نہ ہونے کا انتقام لے لیا ہے۔

"چھوٹی مالکن... ڈرائیور منصور خان کے گھر سے اس کی عورت آئی ہے۔ کہتی ہے وہ دو دن سے گھر نہیں پہنچا ہے۔" ملازمہ نے آ کر اطلاع دی۔

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تو ہمیں کیا معلوم کہاں گیا ہے بڑے خان رستم کے ساتھ شہر گئے ہیں۔"

"چھوٹی مالکن کو اوہ کہتی ہے چھوٹی بی بی کو جہاز کے اڈے سے لینے گیا ہے۔"

"چھوٹی مالکن اور شا کو...؟" وہ چونک کر بولیں۔

"آہو بی..." ملازمہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"بلاؤ اسے..." ملازمہ فوراً ہی منصور خان کی بیوی کو بلا لائی۔ سرخ و سفید پرنٹ کی پشواز اور تنگ پائنچوں کی شلوار اور زرد شیفون کی کڑھائی کی چادر میں ملبوس سرخ و سپید چہرے والی وہ عورت خاصی ہراساں و پریشان سی اندر داخل ہوئی تھی۔ گل جاناں کو سلام کر کے دروازے کی چوکھٹ کے پاس ہی کھڑی ہو گئی تھی۔

"کون کہتا ہے؟ تیرا خاوند چھوٹی بی بی کو لینے جہاز کے اڈے پر گیا تھا؟" وہ اپنی ترکی نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑھ کر سخت لہجے میں مخاطب ہوئیں۔

"وہ چھوٹی مالکن...! اس کے پاس بڑے خان کا ملازم گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ بڑے خان کا کوئی ملازم چھوٹی بی بی کو کراچی شہر سے لینے گیا ہے ان کی پڑھائی ختم ہو گئی ہے۔ وہ شام کو جہاز کے اڈے پر پہنچ جائیں گے۔ منصور خان اسی وقت روانہ ہو گیا تھا اور مجھ سے کہہ گیا تھا کہ وہ آدھی رات دیر سے آئے گا۔ پھر وہ اس وقت سے ابھی تک گھر نہیں پہنچا۔"

"تم جاؤ بڑے خان آ جائیں ان سے معلوم ہو گا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ بڑے خان آدھی رات تک آ جائیں گے۔" وہ سلام کر کے ملازمہ کے ساتھ واپس چلی گئی۔ گل جاناں سوچ کے تانے بانے میں الجھ گئیں۔ منصور خان کی بیوی کی باتیں اسے درست لگ رہی تھیں کیونکہ ورشا تعلیم مکمل کر کے واپس آ رہی تھی۔ اس بات سے بہت کم لوگ واقف تھے کہ وہ تعلیم کی غرض سے کراچی گئی ہوئی ہے۔ خاص خاص رشتے دار اور چند ملازم اس حقیقت سے باخبر تھے۔ منصور خان کی بیوی کی اطلاع بالکل درست تھی۔ اب انہیں اس پریشانی و تجسس نے بے قرار و متجسس کر دیا تھا کہ وہ آئی تو کہاں گئی؟ ساتھ میں ملازم اور ڈرائیور دونوں ہی غائب تھے۔

"سلام چھوٹی اوے... کیا سوچ رہی ہو؟" اسی دم دھم دھم کرتا شمشیر خان اندر آ کر اپنی بھاری و کرخت آواز میں ان سے مخاطب ہوا۔

"اوہ... شمشیر خان آ گئے کہاں چلے جاتے ہو؟ تمہارے آنے اور جانے کا کوئی وقت ہی نہیں ہے۔ تمہیں اپنی اوے کا بھی خیال نہیں ہے۔ گھر سے بغیر بتائے غائب ہو جاتے ہو۔" وہ اچانک بیٹے کو سامنے دیکھ کر مسرت سے کپکپاتے ہوئے لہجے میں شکایت آمیز انداز میں گویا

"میں مرد بچہ ہوں اوے! کیا تمہاری طرح چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھ جاؤں۔" ماں کی محبت و شفقت کی شدتوں سے وہ بخوبی واقف تھا۔ اس لئے دھیرے سے مسکرا کر بولا۔

"ارے چوڑیاں پہنیں میرے بیٹے کے دشمن... میرا بچہ تو شیر ہے شیر...!"

"بابا جان کہاں ہیں؟" وہ بیڈ پر نیم دراز ہو کر استفسار کرنے لگا۔

"وہ شہر گئے ہیں' بی فضل کی تیاریوں کے سلسلے میں آج رات تک آ جائیں گے۔"

"شمشیر خان...! میں نے ابھی ایک بات سنی ہے۔" وہ اس کی نزدیک بیٹھ کر سرگوشیانہ انداز میں گویا ہوئی تھیں۔ ان کا انداز کچھ اپنے اندر اس قدر پراسراریت لئے ہوئے تھا کہ شمشیر خان جیسا بے پروا اور موٹے دماغ کا بندہ چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔

"ابھی تمہارے آنے سے پہلے ڈرائیور منصور خان کی بیوی آئی تھی وہ کہہ رہی تھی منصور دو دن سے گھر نہیں آیا۔" وہ تفصیل سے اسے بتا کر بولیں۔

"کیا... کیا کہہ رہی ہو اوے' ورشا گھر نہیں آئی ہے؟" ان کی خلاف توقع وہ بھڑک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ پرسکون چہرے پر یکلخت شعلے سے بھڑک اٹھے تھے۔ جن کا عکس آنکھوں میں سرخی بن کر چھانے لگا تھا۔

"آہستہ بولو خان اس کی ماں سن لے گی تو جان کھا جائے گی' پہلے ہی کیا کم اس نے کان کھائے ہوئے ہیں۔"

"ڈرتا نہیں ہوں میں کسی سے' جب وہ یہاں نہیں آئی تو کہاں گئی؟"

"کہاں گئی؟ ارے اس لڑکی کے چلن تو پہلے ہی درست نہیں تھے۔ بھاگ گئی ہو گی کسی چہیتے کے ساتھ' ہونہہ کریں گی نام روشن برادری' قبیلے کا۔"

"اگر ایسی بات ہوئی تو اوے' میں اسے زندہ زمین میں گاڑ دوں گا۔"

"کہاں جا رہے ہو؟" وہ اسے طوفان کی طرح دروازے کی سمت جاتے دیکھ کر بولیں۔

"جا رہا ہوں بہن' لے کر آؤں گا اسے جا کے۔ اس کے لئے مجھے پہاڑ توڑنا پڑیں یا زمین کھودنا' میں اسے ہر طریقے سے ڈھونڈ نکالوں گا۔ اس نے شمشیر خان کی غیرت کو للکارا ہے۔" وہ دہاڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے چیخنے کی آوازیں پورے اندرونی رہائشی حصے میں گونج اٹھی تھیں۔

"نہیں شمشیر خان' میں تمہیں نہیں جانے دوں گی' تم پر ایسی لاکھوں بیٹیاں قربان کر دوں' جانے دو اس بدذات کو' ایسی لڑکیاں بہت جلد برباد ہو کر باپ کی دہلیز پر آتی ہیں۔ وہ بھی جلد ہی آئے گی جب میں خود اپنے ہاتھوں سے اسے زندہ دفن کر ڈالوں گی۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ اس کے گندے خون سے اپنے ہاتھ خراب کرنے کی۔" وہ تیز تیز چلتے ہوئے شمشیر کے پیچھے تقریباً بھاگ رہی تھیں مگر شمشیر خان کے اوپر خون سوار ہو چکا تھا۔ وہ شعلوں کی طرح دہکتا' بھڑکتا ماں کی گریہ وزاری سے بے نیاز آگے بڑھے جا رہا تھا۔

اس کے قدموں میں دھمک گل جاناں کی منت و سماجت کی آوازیں اور ان کے چوٹی میں بندھے گھنگھروؤں کی چھما چھم نے ایک عجیب سا شور فضاؤں میں پیدا کر دیا تھا۔ اتنے شور و غل کے باوجود کسی ملازمہ کی جرات نہ تھی کہ وہ آ کر دیکھے یا معلوم کرے۔ شمشیر خان کی موجودگی میں ویسے بھی ملازم گھر کے کونوں کھدروں میں روپوش ہو جایا کرتے تھے کہ اس کے جلالی مزاج سے سب ہی خائف تھے۔

"مجھے نہ روکو ادے ورنہ میں خود کو گولی مار لوں گا۔" وہ مڑ کر قہر بھرے انداز میں گویا ہوا تھا۔ اس کی حالت کچھ ایسی تھی کہ وہ ساکت و جامد کھڑی رہ گئیں۔

❁❁❁

سبزے کے درمیان بل کھاتی سڑک پر کار دوڑ رہی تھی اگرچہ وقت دوپہر کا تھا مگر آسمان پر چھائے سیاہ بادل کے ٹکڑے سورج سے آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف تھے۔ کبھی سیاہ بدلی کے شریر ٹکڑے سورج پر چھا جاتے تو کبھی سورج ان کی گرفت سے آزاد ہو کر مسکراتا ہوا اپنی شعاعیں ہر سو لٹانے لگتا۔ دھوپ چھاؤں کا منظر جاری تھا۔

صارم ہونٹ بھینچے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر اس وقت انتہا درجہ سنجیدگی تھی۔ پچھلی سیٹ پر ورشا چادر کو اچھی طرح لپیٹے بیٹھی سوچوں میں گم تھی۔ صارم نے دو تین بار مڑ کر اس کے چہرے پر نظروں کی گرفت کی تھی۔ ہر بار وہ نگاہیں جھکائے سوچوں میں مستغرق نظر آئی۔ اردگرد سے بے نیاز کسی اور ہی دنیا میں پہنچی ہوئی تھی۔

روانہ ہوتے وقت گلریز خان نے بار بار تاکید کی تھی کہ وہ اس سے ہوشیار رہے۔ اعتبار نہ کرے اس پر اور اسے اس کی بچگانہ احتیاطوں پر ہنسی آ رہی تھی۔ بھلا ایک کمزور سی لڑکی جو پہلے ہی خود پر بیت جانے والے سانحے کے باعث اپنے حال اور مستقبل سے خائف و پریشان تھی وہ کس کو کیا زک پہنچا سکتی تھی؟ اور وہ ابھی اس جیسے توانا و مضبوط شخص کا۔ اسے گلریز کے خیالات سے اتفاق نہیں تھا۔ وہ اس کے ساتھ خاموشی سے چلی آئی تھی۔ پھر کوئی تکرار و بحث نہیں کی تھی۔

صارم کو وہ گھنٹے کے اس سفر میں اس کی خاموشی بری طرح کھل رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا وہ کچھ بولے۔ کچھ بھی بولے اس کے منہ سے نکلنے والے لفظ شعلوں کی صورت میں ہوں۔ اسے ہر بات منظور تھی مگر خاموشی اس کی خاموشی بڑی پراسرار اور ایک انجانی اذیت سے دوچار کر رہی تھی

اس کے رگ و پے میں عجیب سی کھلبلی و سنسناہٹ دوڑا رہی تھی۔ بالکل اس ساحرہ کی مانند جو اپنے جادو کے سحر سے انسان کو مکھی بنا کر دیوار سے چپکا دے یا پھول بنا کر اپنے جوڑے میں سجا لے۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے؟" اس نے اندر کی دہشت سے گھبرا کر اسے متوجہ کیا۔

"ہاں... جی نہیں۔" اس نے چونک کر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"پھر اس قدر خاموش کیوں ہیں؟"

"آپ کا خیال ہے مجھے قہقہے لگانے چاہئیں۔"

"قہقہے... قہقہے تو میں نے آپ کو نارمل حالات میں لگاتے نہیں دیکھا۔ ان حالات میں آپ سے مسکرانے کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔"

"پھر کیا چاہتے ہیں آپ؟" انداز بالکل بیگانہ و سرد مہر تھا۔

"آپ جو سوچ رہی ہیں جو خوف ہے آپ کو وہ آپ مجھ سے شیئر کریں' خوشیاں بانٹنے سے بڑھتی ہیں' دکھ کسی ہمدرد کو بتانے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔"

"بشرطیکہ کوئی ہمدرد ہو۔" وہ لفظ ہمدرد چبا کر بولی۔

"یعنی آپ کے دل میں ابھی بدگمانی و بداعتمادی کی آلودگی موجود ہے۔ لو کے اس کثافت کو وقت ہی صاف کر سکتا ہے۔ میرا کہنا' میرا سوچنا' میری کوشش آپ کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ اس بے اعتمادی کا احساس مجھے رہے گا۔" اس نے از حد سنجیدگی سے کہہ کر خاموشی اختیار کر لی۔

کار دل کش سبزہ زاروں و بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان بنے راستوں سے گزر رہی تھی۔ ماحول میں ان خطوں کی مخصوص ویرانی و خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔

ورشا گاہے بگاہے ونڈو سے نظر آتے نظاروں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے اندر ایک آگ سی بھڑک رہی تھی۔ یہ خیال شدت سے آ رہا تھا کہ دو دن قبل ہی وہ ان راستوں سے گزرتے ہوئے کتنی خوش و مطمئن تھی۔ جلد از جلد راستوں کی مسافتیں سمٹ جانے کے انتظار میں بیٹھے ادے' سخاویہ اور بابا جان' لالہ سے ملنے کی تڑپ۔

ادے کی ممتا بھری نرم و مہکتی آغوش میں سمانے کی مسرت۔

سخاویہ کی محبت و خلوص بھری سنگت کی سرخوشی۔

لالہ کی مشفقانہ و از حد محبت و پذیرائی کا بھرپور احساس۔

بابا جان کے گرم و نرم مزاج کی شیرینی۔

راستہ طویل لگ رہا تھا مگر اپنوں سے ملنے انہیں دیکھنے کی خوشی نے راستے کی طوالت کو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خوشگوار بنا ڈالا تھا۔

اب بھی وہی راستہ ہے' اسے یقین آ گیا تھا۔ وہ اسے گھر ہی لے کر جا رہا ہے لیکن وہ دو دن گھر سے باہر گزارنے کے بعد کون اسے گھر کی دہلیز پار کرنے دے گا؟ وہ وہی تھی' ویسی ہی تھی' کلیوں کی طرح پاکیزہ' ستاروں کی مانند با عصمت و روشن' لیکن کون یقین کرے گا؟ وہ بے خطا ہو کر بھی مجرم تھی۔

"سنیں' مجھے پیاس لگ رہی ہے۔" اس کے اندر باہر' ارد گرد ہر طرف آگ ہی آگ پھیل گئی۔ بے اختیار انداز میں اس نے صارم سے کہا تھا۔ اس نے کار روک دی تھی۔ ورشا بھی اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئی تھی۔ سبزے کو چھوتی پھولوں سے مہکتی ہوا نے ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا تھا۔

سیاہ بادل ہر سو چھائے ہوئے تھے جن کے باعث دن بھی ہلکے سیاہی مائل اندھیرے کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ ٹھنڈی مست ہوائیں گدگدا رہی تھیں۔ عجیب مدہوش و دلربا سا سماں تھا۔

"کہاں سے پانی پئیں گی آپ؟" اس نے کچھ فاصلے پر کھڑی ارد گرد کا جائزہ لیتی ورشا کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ کیونکہ یہ بہت سرسبز علاقہ تھا۔

یہاں سبزے' درختوں اور رنگ رنگ کے پھولوں کے علاوہ پھلوں کی بہتات تھی۔ جھرنے ہر چھوٹے بڑے پہاڑ کی کوکھ سے بہہ رہے تھے۔ قدرت کی صناعی کے حسین شاہکاروں پر نگاہ ٹھہر رہی تھی۔

"وہاں سے..." اس نے ایک بلند و بالا پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا وہ پہاڑ بہت بلند تھا اور اس سے بہت تیزی سے ایک بڑا آبشار بہہ رہا تھا۔ صارم نے اس کی انگلی کی سمت دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔

"آپ اتنے بلند پہاڑ پر چڑھ جائیں گی؟"

"میری زندگی کے گزشتہ سال ان پہاڑوں کے درمیان ہی گزرے ہیں۔" وہ سپاٹ و تند لہجے میں گویا ہوئی اور تیزی سے اس طرف قدم بڑھا دیئے۔

"اوکے... از یور وش...!" صارم شانے اچکا کر اس کے پیچھے چل پڑا۔

پھر آدھے گھنٹے کی مسافت انہیں طے کرنی پڑی۔ اس بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے میں اوپر ایک دم سرخ سیب درخت پر لٹک رہے تھے۔ بہت خوبصورت پھولوں کے پودے وہاں کانٹوں کو حیرہ کر رہے تھے۔ صارم نے گہرا سانس لے کر تمام خوشبوؤں کو اپنے اندر سمویا تھا۔ ورشا بلندی سے پستی کا جائزہ لے رہی تھی۔ نیچے پھیلے درخت و پودے ننھے منے وجود میں ڈھلے ہوئے

لگ رہے تھے۔ اس کے اندر کوئی غبار بڑھتا جا رہا تھا۔

"اب پیجئے پانی... جلدی کیجئے' شام بڑھ رہی ہے۔ دھند پھیلتی جا رہی ہے۔ جلد ہی رات ہو جائے گی۔" صارم اسے گم صم دیکھ کر مخاطب ہوا اور خود جھک کر بہتے پانی کو دونوں ہاتھوں میں بھر کر پینے لگا۔ اسی دم وہ قیامت بن کر مڑی تھی اور پوری طاقت سے بے خبر صارم کو پہاڑ کی ڈھلوان سے دھکا دیا تھا۔ خاموش سناٹوں میں اس کی دلخراش چیخ گونج اٹھی تھی۔ وہ بے جان پتھر کی طرح لڑھکتا نیچے گہرائیوں میں گم ہو رہا تھا۔ ورشا کے فاتحانہ قہقہے فضا میں گونج رہے تھے۔

❀❀❀

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صارم بے جان پتھر کی مانند نیچے کی جانب گرتا جا رہا تھا۔ ورشا اسے گرتے دیکھ کر بذیانی انداز میں قہقہے لگا رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں وحشت رقص کر رہی تھی۔ ہونٹوں سے نکلتے قہقہے آنکھوں سے بہتے آنسوؤں میں اس وقت مکمل مواس باختگی دیکھی گئی تھی۔

فضا یکلخت ہی ساکت ہو گئی تھی۔ سیاہ آسمان' بلند و بالا پہاڑ' اونچے اونچے درخت' سبزے میں مسکراتے پھول' یکدم ہی گم صم ہو کر ایک عورت کے انتقام کو دیکھ رہے تھے۔

عورت جو ایثار و وفا کی دیوی ہے۔

مہرباں ہو جائے تو اپنا سب کچھ نچھاور کر دے۔

اپنا تن من وار کر مرد کے قدموں کی خاک بن جائے۔

خود تشنہ رہ کر اس کو سیراب کر ڈالے۔

خود شکست ہو کر اس کو فاتح بنا ڈالے۔

لیکن اگر کہیں اس کے اعتماد کو پامال کیا جائے۔ اس کی انا و نسوانیت کو مجروح کیا جائے تو ناگن سے زیادہ زہریلی' مجسم مزاج ثابت ہو۔

شیرنی سے زیادہ سفاک و بے درد۔

لومڑی سے زیادہ چالاک و عیار بن جاتی ہے۔ اس وقت ورشا بھی کوئی ظالم بد روح لگ رہی تھی۔ صارم لمحوں میں اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور ہچکیوں سے اس کا جسم لرزنے لگا۔ صارم خان' میری زندگی میں خوشیوں کا نقدان اول روز سے رہا ہے۔ مسرتیں ہمیشہ میرا دامن چھوڑ کر آگے کی سمت بڑھ جاتی ہیں اور میں بچپن سے ان کے تعاقب میں رہی ہوں۔ خوشیاں مجھے بھول جاتی ہیں۔ بلکہ نہیں' شاید وہ مجھے شناخت نہیں کر پاتیں' مجھے جانتی ہی نہیں۔ ایک طویل عرصے بعد ایک کٹھن و صبر آزما انتظار کے بعد۔ میں نے مسرتوں سے اپنا تعارف کرایا تھا۔ ان سے دوستی کرنے کی بھرپور سعی کی تھی۔ بہت محنت و جدوجہد کے بعد انہیں اپنے دامن میں لے کر میں نے گانوں کا رخ کیا تھا۔ لیکن تم نے' ہاں تم نے میرے دامن کے خوشیاں چھین کر بدنامی و رسوائی کی سیاہی میرے چہرے پر مل دی ہے۔ اب میں کس

طرح لوگوں کو منہ دکھاؤں گی کہ میرا دامن اجلا ہے' میرا آنچل بے داغ ہے۔ لیکن لوگ میرا یقین نہیں کریں گے۔ میں کس کس کو بتاؤں گی کہ گھر سے تین دن اور دو رات باہر گزارنے کے باوجود میں شبنم کی طرح پاکیزہ ہوں۔ وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ بڑبڑا رہی تھی۔

"کاش' میں عام لڑکیوں کی طرح ہوتی۔ بزدل' بے ہمت' بے حوصلہ تو اپنے دشمن کو ختم کرنے کے بعد خود کو بھی ختم کر ڈالتی۔ مٹا دیتی اپنے وجود کو فنا کر ڈالتی اپنے آپ کو لیکن' میں ایسا نہیں کروں گی۔ میں اپنی بے گناہی ثابت کراؤں گی۔ میں نے ایسی ذلت آمیز اور خاموش موت مرنے کے لئے تعلیم حاصل نہیں کی۔ میں بے حوصلہ نہیں ہوں۔ میں بے ہمت و بزدل نہیں ہوں' ہاں میں لوگوں کی چبھتی' کاٹتی' لہولہو کرتی نگاہوں کا مقابلہ کروں گی۔ جو قصور میں نے نہیں کیا اس کی سزا کیوں بھگتوں؟

یکدم اس کے اندر پہلے والی ورشا بیدار ہو گئی جو حق پر مرنے' صداقت پر جان دینے والی تھی' جو شمشیر خان اور گل جاناں کی ہزار ہا مخالفت و ناپسندیدگی کے باوجود شہر گئی تھی۔ جس نے پہلی بار اکمل' بے مروت باپ کا فیصلہ اپنے لئے کرایا تھا۔

"جیسی' جیسی ہوا یکلخت ہی آندھی کی صورت اختیار کرنے لگی تھی۔ جس کے ساتھ موٹی موٹی بوندیں گرنے لگی تھیں۔ وہ سنبھل سنبھل کر پہاڑ سے نیچے اتر رہی تھی۔ بچے ہتے وقت اسے کوئی خوف و اندیشہ نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت اس کے اندر غصے و انتقام کی آگ پوری شدت سے بھڑک رہی تھی۔ صارم سے بدلہ لینے کا فیصلہ وہ وہیں ریسٹ ہاؤس میں کر چکی تھی۔ راستے بھر اس کی نگاہیں بلند و بالا پہاڑوں کو جانچتی رہی تھیں۔ آخر کار اس کی نگاہ انتخاب اس پہاڑ پر اٹھی تھی کیونکہ یہ پہاڑ بہت بلند تھا اور اس کے اردگرد گہری کھائیاں بھی تھیں۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ صارم کو اتنی ہی بلندی سے دھکا دے کہ اس کی ایک ایک ہڈی ٹوٹ کر بکھر جائے اور اس کا ٹوٹا پھوٹا وجود کھائیوں کی اندھیری تہوں میں گر کر گم ہو جائے۔ اسے یقین تھا صارم منع نہیں کرے گا۔ اس کی حسب توقع اس نے انکار نہیں کیا بلکہ بڑی مسرت سے اسے پہاڑ پر لے آیا تھا جیسے یہ اس کی بھی خواہش رہی ہو یا وہ اس کی خواہش ٹالنے کی ہمت نہ رکھتا ہو۔ شاید اسی مقام پر آ کر وہ اپنی قلبی کیفیت سے مغلوب ہو گیا تھا۔ ورشا پہاڑ سے نیچے اتری تو آندھی تھم چکی تھی۔ البتہ بوندوں نے بارش کی صورت اختیار کر لی تھی۔ وہ حیران و پریشان کار کو دیکھ رہی تھی جو سامنے سے آ رہی تھی۔

❁❁❁

"گل...! یہ شور کیا ہے؟ کہاں جا رہا ہے شمشیر خان...؟"

گل خانم عصر کی نماز ادا کر رہی تھی۔ ان ماں بیٹے کے شور و غل کی آوازیں متواتر ان کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ساعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ نیت بندھی ہونے کے باعث وہ فوراً نہ آ سکی تھیں۔ سلام پھیرتے ہی پریشان و حیران سی وہ گل جاناں سے استفسار کرنے لگیں۔ پیچھے ان کے زرد چہرے کپکپاتے ہونٹ کو بمشکل سنبھالتی سخاویہ تھی۔ شمشیر خان کے غصے سے سب ہی خائف رہتے تھے۔ مگر سخاویہ کا تو خوف کے مارے دل بند ہونے لگا تھا۔

"ہماری عزتوں کے جنازے نکلنے کا شور تھا اور کیا شور تھا۔" وہ غرا کر پلٹی تھیں۔ ان کا لہجہ خونخوار و چیختا ہوا تھا۔

"اللہ نہ کرے گل جاناں... اسوچ سمجھ کر بولا کرو۔" وہ دہل کر پریشانی سے بولیں۔

"یہ تمہارا قصور ہے بیٹیاں پیدا کی تھیں تو سوچ سمجھ کر کرتیں۔ اس سے تو بہتر تھا مجھے اللہ رحمتیں بٹائے دے رہی ہوں اگر میرے بچے کو ایک خراش بھی آئی تو..." انہوں نے گل خانم اور سخاویہ کو حقارت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ ان کے چہرے لہجے سے تنفر اور تحقیر برس رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے چھوٹی امے؟ کوئی بات ہو گئی ہے؟ لالہ اتنے غصے میں کیوں لگتے ہیں اور کہاں کے ہیں؟" سخاویہ کا دل نامعلوم وسوسوں و اندیشوں سے بیٹھا جا رہا تھا بے نام سی بے کلی و اضطراب اس کے رگ و پے میں لمحہ بہ لمحہ سرایت کرتا جا رہا تھا۔ اس کے حواس پر پر اسرار سائے رفتہ رفتہ پھیلتے جا رہے تھے۔

گل جاناں دوسروں کے احساسات سے بے بہرہ فقط اپنی سناتی جاتی تھیں۔ اپنے بڑھتے اضطراب، متوحش حالت پر قابو پانے کے لئے سخاویہ نے ہمت کر کے کہا۔

"اس بدچلن و آوارہ کی لاش لینے گیا ہے۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا بدکردار لڑکی نے اپنے باپ کے شملے کو ضرور ٹھوکر مارنی ہو گی۔"

"کک... کس کی بات کر رہی ہو گل؟" گل خانم کا دل جیسے کسی نے یکدم ہی مٹھی میں لے کر بھینچ دیا ہو۔ باوجود کوشش کے وہ زبان کی لڑکھڑاہٹ پر قابو نہ پا سکی تھی۔ گل جاناں کی آنکھوں میں کسی تحریر صاف عیاں تھی۔

"اسی کی جو پہلے ہی ہمارے چہروں پر کالک مل کر گاؤں اور حویلی کی دہلیز پھلانگ کر شہر کی تھی۔ کیا لوگیں اچھی دعوہ تعلیم سیکھ کر آئی ہے کہ آتے ہی باپ بھائیوں کی ناک کاٹ دی۔ بھاگ گئی اپنے عاشق کے ساتھ..."

"گل... جاناں... اللہ کے غضب سے ڈرو۔"

گل خانم کو لگا جیسے کسی آتش فشاں کے زیر سایہ آ گئی ہو۔ ان کے روم روم میں دھماکے ہو

رہے تھے۔ دل سوکھے پتے کی مانند کانپنے لگا تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرے کی دبیز چادر سی تن گئی تھی۔ بے ساختہ ان کے منہ سے چند جملے نکلے تھے۔

"میں کیوں ڈروں؟ جب تم ماں بیٹیوں کو خوف نہیں ہے۔ ہونہہ... اس کو کہتے ہیں دیدہ دلیری میں تو کہتی ہوں اس بدبخت بے ہدایت کی لاش بھی دستیاب نہ ہو۔ میرے بچے کو اس بے حیا کے ناپاک گندے خون سے ہاتھ نہ رنگنے پڑیں۔"

گل جاناں ہاتھ پھیلا کر کوسنے دینے لگیں۔ گل خانم کے حواس اک دم ہی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ وہ تیورا کر فرش پر گری تھیں اور لمحے بھر میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی تھیں۔ سخاویہ بری طرح روتی ہوئی ماں کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہونہہ، ماں بیٹی سب ڈرامے باز ہیں۔" وہ نفرت آمیز لہجے میں کہتی ہوئیں راستے میں کھڑی گل خانم کو پھلانگ کر آگے بڑھ گئی تھیں۔

❁ ❁ ❁

سمندر خان، صمد خان کے ساتھ اخروٹ کے درخت کے نیچے بچھی چارپائی پر نیم دراز حقے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہے تھے کہ سامنے سے آتے شمشیر کو دیکھ کر ہڑبڑا کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے چہرے پر یکلخت ہی پریشانی و بدحواسی چھا گئی۔ عموماً ایسا ہی وقت ہوتا تھا جب وہ شدید اشتعال میں ہوتا تو تمام ملازم مالک کے تعلقات ایک طرف رکھ کر چلا آتا تھا۔ اس وقت بھی انہیں یہی محسوس ہو رہا تھا کہ وہ از حد جنون میں ہے۔ اس کی بھاری چپلوں سے اٹھتے مٹی کے غبار جو اس کی ٹھوکروں سے اٹھ رہے تھے۔ سرخ آگ کی طرح دہکتا چہرہ، تنے عضلات، اکڑی چال اس کی حالت کو عیاں کر رہی تھی۔ سمندر خان نے صمد خان کو اور صمد خان نے استفہامیہ نگاہوں سے سمندر خان کو دیکھا۔ جیسے ایک دوسرے کو تنبیہ کر رہے ہوں کہ "ہوشیار رہنا معاملہ گڑبڑ ہے۔"

"سمندر خان... اسلحہ اٹھاؤ اور چلو میرے ساتھ۔" وہ قریب آ کر دہاڑا تھا۔

"بہتر خان...!" سمندر خان نے مؤدبانہ انداز میں کہا اور برق رفتاری سے صمد خان جیپ لے کر اس کے نزدیک آ گیا۔ وہ پھرتی سے اس میں سوار ہو گیا تھا۔ جیپ کی ڈگی کے نیچے بنے خانے میں جدید اسلحہ موجود تھا جو سمندر خان نکال کر سیٹ پر رکھ کر بیٹھ چکا تھا۔

جیپ تیزی سے حویلی کے رقبے سے دور نکل آئی تھی۔ دائیں طرف کھیت تھے، بائیں طرف شفاف پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ موسم نے یکدم ہی پلٹا کھایا تھا۔ تیز ہوا چلنے کے بعد بارش برسنے لگی تھی۔ سیاہ بادلوں نے شام میں ہی رات کا اندھیرا پھیلا دیا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صمد خان نے ڈرتے ڈرتے جیپ روک دی تھی۔ راستے کا اسے معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جانا چاہتا ہے۔ وہ خود میں اتنی ہمت نہیں محسوس کر رہا تھا کہ اس سے منزل کا معلوم کر سکے۔

"کیا ہوا' گاڑی کیوں روکی ہے؟" حسب توقع وہ دھاڑا تھا۔

"خان... خان آگے راستہ خراب ہے اور بارش میں پھسلن بھی بہت ہو جاتا ہے۔ ایسے میں گاڑی کھائیوں میں گر جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ آپ کہاں جاؤ گے؟"

سمندر خان مؤدب و جاں نثار انداز میں گویا ہوا۔ صمد خان نے تشکر بھرا سانس لیا۔

"کہاں جانا ہے' مجھے کہاں جانا ہے؟" وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوا۔ اسے خود معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جائے گا' کس طرح درشا کو تلاش کرے گا؟

وہ جذباتی آدمی تھا۔ فوراً ہی طیش و غضب میں آ جاتا اس کی فطرت ثانیہ تھی۔ اب بھی یہی ہوا تھا۔ جس مسالے دار انداز میں چھوٹی اوے نے درشا کے فرار ہونے کی خبر اسے پہنچائی تھی وہ اسے پوری طرح بھڑکا گئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا درشا کو ڈھونڈ کر اپنے ہاتھوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ پورے خاندان و حویلی میں وہ واحد اس کی حریف رہی تھی۔ اس کی اس سے کبھی نہیں بنی تھی۔ سٹاذیہ اس کے آگے کبھی ٹھہرتی نہ تھی۔ خوفزدہ ہرنی کی مانند اس کے قدموں کی دھمک محسوس کر کے چھپ جایا کرتی تھی مگر درشا وہ واحد لڑکی تھی جو اس سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوئی بلکہ کئی بار اس کے مقابل بھی آئی اور آخر میں اس کی بھرپور مخالفت اور رکاوٹوں کے باوجود اسے شکست دے کر کراچی حصول تعلیم کے لئے چلی گئی اور یہی وہ گھڑی تھی جب اس کے خلاف اس کے دل میں نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہونے کے باوجود حویلی میں ہمیشہ سے اس کی من مانی و حکمرانی چلتی تھی اور کسی نے بھی اس کے مقابل آنے یا اعتراض کی کوشش نہیں کی تھی۔ جو وہ چاہتا وہ حویلی میں' حویلی سے باہر ہوتا تھا۔ اس کی مرضی کے خلاف کوئی کچھ کرنے کی جرات و استطاعت نہ رکھتا تھا۔ درشا جو سب میں چھوٹی تھی اور لڑکی تھی' لڑکی جو اس قبیلے میں کوئی اہمیت و افتخار نہ رکھتی تھی۔ اس نے پہلی بار بابا سے اپنے حق میں فیصلہ کروا کر اسے پہلی شکست سے دوچار کیا تھا وہ جب سے اس کے خون کا پیاسا ہو گیا تھا۔

پہلی فتح...!

پہلی شکست...

پہلی کامرانی...

پہلی ہار...

کوئی نہیں بھولتا' وہ جب ہے اس موقع کی تاک میں تھا کہ درشا کے خلاف ذرا کوئی ثبوت

ملے اور وہ اپنی شکست کا بدلہ لے کر انتقام کی آگ بجھائے۔ انتقام جو اس کے شریانوں میں خون بن کر ہمہ وقت گردش کرتا تھا۔ جو ماں کے دودھ کے ساتھ شیر خوارگی میں ہی پرورش پانے لگا تھا جو اس کی عمر کے ساتھ ساتھ بڑھ کر پختہ ہوتا چلا گیا تھا اور آخر کار اس کی زیست کا حاصل بن گیا تھا۔ اس کو وراثت میں بھی انتقام ہی ملا تھا۔ جب بات بدلے سے' انتقام تک آ جاتی ہے تو پھر ہر رشتے کی پہچان مٹ جاتی ہے۔ تب ایک ہی رشتہ چلتا ہے' یاد رہتا ہے۔

انتقام... انتقام...

اس کے علاوہ کوئی جذبہ' کوئی رشتہ یاد نہیں ہوتا اور وہ بھی یہ بھول چکا تھا کہ درشا اس کی بہن ہے' اس کا خون ہے' وہ یہ سب بھول چکا تھا۔

"خان... کوئی پریشانی ہے؟" سمندر خان اسے خیالوں میں گم صم دیکھ کر گویا ہوا۔

"پریشانی... نہیں' ہاں صمد خان' منصور خان کے ہاں چلو۔" وہ سمندر خان کے سوال کو فطر انداز کر کے ایک نئے خیال کے تحت چونک کر گویا ہوا۔

ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد جیپ منصور خان کے گھر کے باہر کھڑی تھی۔ سمندر خان اس کی بیوی کو بلا لایا تھا۔ اس نے اپنی عام سی بیٹھک میں شمشیر خان کو دیکھ کر سلام کیا اور خود پاس پڑی کرسی کو اپنی چادر سے صاف کرنے لگی۔

"خان یہاں بیٹھنے نہیں آئے ہیں جو پوچھیں اس کا جواب دے۔" سمندر خان تحکم بھرے انداز میں اس سے مخاطب ہوا۔

"میرے تو بخت جاگ اٹھے ہیں لالا' میرے جھونپڑے میں خان نے قدم رکھے ہیں۔"

"بس... بس فالتو بات نہیں جو پوچھا جائے اس کا جواب دو۔" اک دم شمشیر خان کھڑے کھڑے دہاڑا تھا۔ اس کی بھاری و سرد آواز سے مختصر ٹوٹے پھوٹے سامان والی بیٹھک گونج اٹھی۔ منصور خان کی ادھیڑ عمر بیوی یکدم ہی خوفزدہ ہو کر خاموش ہو گئی۔

"منصور خان کب سے گھر نہیں آیا اور گھر سے جاتے وقت کیا کہہ کر گیا تھا؟"

"منصور خان کو بڑے خان کا ملازم تربت خان بلانے آیا تھا۔"

اس عورت نے ہدایت کے مطابق مختصر جواب دیا۔

"کیا کہہ کر گیا تھا وہ' کہاں جا رہا ہے؟"

"وہ کہہ رہا تھا کہ کراچی سے تربت خان درشابی بی کو لینے جا رہا ہے۔ وہ جلد ہی واپس آئے گا پھر ایک دن بعد بڑے خان کا دوسرا ملازم آیا اور کہا کہ شام کو جہاز کے اڈے پر جانا ہے' تربت خان اور درشابی بی آ رہی ہیں۔ وہ پیغام سنتے ہی چلا گیا اور مجھے کہہ کر گیا تھا کہ کھانا گھر آ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کر ہی کھانے گا۔ آج تین دن ہو گئے خان نہ وہ خود آیا اور نہ ہی اس کی کوئی خبر ملی ہر جگہ دیکھ آئی ہوں۔ وہ کہیں نہیں گیا۔" وہ روتے ہوئے بتانے لگی۔

"سن... تو نے کتنے لوگوں کو بتایا ہے کہ منصور خان ورشا کو لینے گیا تھا؟"

شمشیر خان کا لہجہ دھیما تھا لیکن اس میں اتنی درندگی و سفاکیت تھی کہ منصور خان کی بیوی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ رونا بھول کر خوف سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"کسی کو بھی نہیں خان۔"

"سچ سچ بتا' اگر تو نے جھوٹ بولا تو تیری گردن کاٹ کر کتوں پھینک دوں گا۔"

"نہیں... نہیں خان خدا کی قسم میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

اس کے اوپر شدید لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ جبکہ شمشیر خان کی سرخ سرخ نگاہیں اسے آگ کی طرح جلا رہی تھیں۔ گویا وہ اس کی قسم کی تصدیق کرنا چاہ رہا ہو۔

"آپ یقین کرو خان' میں سچ کہہ رہی ہوں۔ منصور خان نے ہمیشہ مجھے منع کیا کہ اس کی کوئی بات کسی کو بھی نہیں بتایا کروں۔ میں نے ہمیشہ اس کا کہا مانا ہے۔"

"سمندر خان...! اس کو ایک معقول رقم دے دو۔ سن اے عورت صبح یہ گاؤں چھوڑ کر چلی جانا۔ پھر کبھی خواب میں اس جگہ کا تذکرہ کسی سے مت کرنا۔ تیرے خاوند کی جب بھی کوئی خبر ملی تجھ تک پہنچا دی جائے گی۔ مگر تو یہاں کا رخ کبھی مت کرنا۔"

وہ فیصلہ کن لہجے میں کہتا ہوا بیٹھک سے باہر نکل آیا۔ پیچھے پیچھے وہ عورت دہائیاں دیتی آ رہی تھی۔ جسے سمندر خان ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کرا رہا تھا۔

"خان جو ایک بار فیصلہ کر لیتے ہیں وہ کبھی واپس نہیں لیتے' شکر کر تیرا خیال کر رہے ہیں۔ اگر یہاں سے تجھے ایسے ہی نکال دیں تو تو کیا کر لے گی؟"

"یہ ظلم ہے لالا' ہمارے خاوند کی خدمتوں کا یہ صلہ ہے؟ کیوں اپنا گھر اپنا گاؤں چھوڑ کر ہم جائیں؟ منصور خان کی وفاداری کا یہ انعام ہے؟"

وہ روتے ہوئے شکوے کر رہی تھی۔ منتیں کر رہی تھی۔

"تیرے خاوند کی خدمتوں کے صلے میں اسے لمبی رقم ملتی ہے۔ بڑا خان بہت خیال رکھتا ہے منصور خان کا' اس لئے چھوٹا خان بھی بہت رعایت کر گیا ہے۔ یہ لو روپیہ کل صبح فوراً یہاں سے چلی جانا۔ خان کی حکم عدولی کرنے والا زیادہ دن زندہ نہیں رہتا۔"

سمندر خان بڑے نوٹ خاصی تعداد میں اسے تھما کر باہر آ کر جیپ میں بیٹھ گیا تھا۔ خان نے اس کے پیچھے ہی جیپ چلا دی تھی۔ شمشیر خان خاموش بیٹھا تھا۔

"خان...! اب کہاں جائیں گے؟" سمندر خان کچھ توقف کے بعد گویا ہوا۔

"تربت خان کے پاس..."

"تربت خان منصور خان کے ساتھ ہی گیا ہوا ہے تو وہ نہیں ملے گا۔"

"اس کے گھر میں کوئی تو ہوگا۔ منصور خان کی عورت کی طرح وہاں بھی خبر ہوگی۔"

"تربت خان تنہا رہنے والا آدمی ہے خان' اس نے ساری زندگی شادی نہیں کی۔ اس کا ماں' باپ' بہن بھائی کوئی نہیں ہے۔ وہاں جانا فضول ہوگا۔" سمندر خان نے رسانیت سے سمجھایا تو اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

"صمد خان' واپس حویلی چلو' صبح پلاننگ کر کے نکلیں گے۔"

❁ ❁ ❁

"خاناں...! تم نے کیوں صارم خان کو لڑکی کے ساتھ جانے دیا؟" طور خان نے برابر کی سیٹ پر براجمان خاموش بیٹھے گلریز خان سے استفسار کیا۔ وہ خود گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

"طور خان... بزرگ کہتے ہیں جہاں بڑے نقصان کا اندیشہ ہو وہاں چھوٹا نقصان برداشت کر کے بڑے نقصان سے بچنا چاہئے۔ صارم کی آنکھوں میں' میں نے وہ جنون دیکھ لیا تھا اگر میں لڑکی اس کے حوالے نہیں کرتا تو وہ میری لاش سے گزر کر بھی لڑکی کو بچا لیتا۔ قصداً میں نے لڑکی خاموشی سے اس کے حوالے کر دی۔ یہ حقیقت ہے کہ میں سبریز کے بعد صارم کی جدائی' اس کی برداشتگی برداشت نہیں کر سکتا۔" گلریز نے ایک طویل و سرد سانس خارج کر کے سیٹ سے ٹیک لگا لی۔

"صارم خان' لڑکی کو کہاں چھوڑے گا؟" کچھ توقف کے بعد طور خان پھر گویا ہوا۔

"اس سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اسے لے کر شہباز خان کی حویلی ہی پہنچ جائے۔"

"اوہ... اگر ایسا صارم خان نے کیا تو بہت برا ہوگا۔ وہ لوگ دشمنوں کے ساتھ ذرا نرمی کرنے کے قائل نہیں ہیں خان' ان کی بندوقیں فوراً شعلے اگلنے لگتی ہیں۔"

مارے خوف و گھبراہٹ کے طور خان اس کی بات قطع کر کے بوکھلا کر بولا۔

"اسی لئے میں اس کی روانگی کے ایک گھنٹے بعد وہاں سے چلا ہوں تاکہ اگر ایسی کوئی بات ہو بھی جائے تو ہم سنبھال لیں گے۔"

"لڑکی ہمارے پاس سے زندہ چلی گئی۔ اسے شاید مرنا نہیں تھا ہمارے ہاتھوں لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ اب اس کے باپ بھائی ہی جان سے مار دیں گے۔ ایسی لڑکی کو کون قبول کرتا ہے۔ چاہے وہ گھر سے بھاگی ہوئی ہو یا گھر سے اٹھائی گئی ہو۔ وہ اب اپنوں کے ہاتھوں قتل ہو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گی۔"

گلریز خان قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔ جیسے وہ پہلے سے آگاہ تھا۔

"میں جانتا ہوں' گاؤں کے رواجوں کو لیکن صارم خان نہیں جانتا۔ وہ زیادہ تر گاؤں سے باہر رہا ہے اور کتابوں کی دنیا کا باسی بن چکا ہے۔ وہ سوچتا ہے باہر کی دنیا میں وہی کچھ ہوتا ہے جو کتابوں کے قاعدے قانون ہیں۔ اگر حالات سے آگاہی رکھتا تو ایسا احمقانہ قدم کبھی نہیں اٹھاتا۔"

"رکو۔ وہ کار صارم خان کی ہی ہے نا؟" سبزے کے قریب کھڑی سرخ کار دور سے ہی نظر آ رہی تھی۔ موسلا دھار برستی بارش کے زور میں اس وقت کمی آ گئی تھی۔

طور خان کو بھی کار نظر آ گئی تھی۔ وہ گلریز کے ساتھ کار خالی دیکھ کر چونک اٹھا تھا۔

"کہاں گیا صارم؟ اور وہ لڑکی بھی غائب ہے۔" طور خان تیز رفتاری سے کار کی طرف بڑھا تھا۔ گلریز ہکا بکا خالی کار کو دیکھ رہا تھا اور بڑبڑا رہا تھا۔

"لگتا ہے خان وہ لڑکی چھوٹے خان کے ساتھ کوئی چال چل گئی۔"

"بہت مکار و چالاک تھی وہ لڑکی لیکن دونوں غائب کہاں ہوئے ہوں گے؟" گلریز خان بے تابانہ نگاہوں سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کار یہیں ہے تو خان' ان کو بھی یہاں ہی موجود ہونا چاہئے۔ ہوا کیا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا خان' چھوٹا خان اتنا پڑھا لکھا ہو کر اس قدر عقل مند و باشعور ہونے کے باوجود یہ کیا کر بیٹھا ہے؟"

"زیادہ پڑھائی انسان کا دماغ خراب کر دیتی ہے کچھ اور نہیں اس لئے میں اس کے خلاف ہوں اب نا معلوم کیا ہوا ہے' کہاں غائب ہیں کیسے معلوم ہوگا؟"

جھنجلاہٹ' غصہ اور پریشانی اس پر سوار تھی۔ علاقہ چٹانی ہونے کے باعث بارش کے باوجود وہاں پھسلن اور کیچڑ نہیں تھی۔ موٹی موٹی بوندیں ابھی بھی برس رہی تھیں۔ فضا میں خنکی کے ساتھ ساتھ اندھیرا بھی بڑھ رہا تھا۔

وہ دونوں دیوانوں کی طرح انہیں تلاش کر رہے تھے۔

گلریز کا دل گواہی دے رہا تھا۔ صارم کسی مصیبت میں پھنس چکا ہے۔ وہ بار بار اپنے اندر میں گونجنے والی اس آواز کو دبانا چاہ رہا تھا لیکن وہ مسلسل اس کے ذہن میں گونج رہی تھی اور وہ جنونی ہوتا جا رہا تھا۔

آخر کار بہت جلد اس کے اندر بولتے وہم کو حیات مل گئی تھی۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے

کی نگاہ نیچے بہنے والے چشمے پر پڑی تو ایک لمحے کو تو زمین و آسمان اس کے آگے گردش کرنے لگے۔ چشمے کے قریب جنگلی پھولوں کی گھنی جھاڑیوں پر اسے کوئی وجود بے سدھ پڑا نظر آ رہا تھا۔ جس کے لباس سے اسے شناخت کرنے میں دیر نہ لگی وہ صارم تھا۔ وہ بدحواس سا چیختا ہوا اس کی طرف دوڑا تھا اسے اس طرح دوڑتے دیکھ کر طور خان بھی اس کے پیچھے لپکا تھا۔

"صارم خان... صارم خان آنکھیں کھولو' کیا ہوا تمہیں؟" گلریز خان نے زخموں سے چور صارم خان کو بہت احتیاط سے ان پھولوں کی نرم جھاڑیوں سے بازوؤں میں اٹھایا تھا۔ وہ شدید زخمی تھا۔ بارش کے برستے پانی سے اس کے زخم گہرے اور صاف نظر آ رہے تھے۔ بارش کے باعث اس کا خون زیادہ نہیں بہا تھا لیکن اس کی بے ہوشی اور زخموں کی حالت تسلی بخش نہیں تھی۔

"گاڑی پوری رفتار سے چلاؤ ہمیں جلدی اسپتال پہنچنا ہے۔" گلریز' صارم کو پچھلی نشست پر آرام سے لٹا کر پریشانی سے بولا۔

"خان... لڑکی؟"

"ارے گولی مارو لڑکی کو۔ یہ اسی کی وجہ سے ہوا ہے۔ وہ فرار ہو چکی ہے۔ لیکن میں اب اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

گلریز خان غصے سے چیخ کر طور خان سے مخاطب ہوا تھا۔ طور خان نے فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ گلریز صارم کا سر اپنی گود میں رکھے بار بار اس کی نبض چیک کر رہا تھا جو بہت تیز رفتاری سے چل رہی تھی اور ساتھ ہی اس کا بھی دل ڈوب رہا تھا۔ صارم کی نازک حالت' اسے یقین تھا اگر وہ آج گھر نہ پہنچے تو کل صبح ہی بابا جانی ان کی تلاش شروع کر دیں گے۔ وہ انہیں کیا بتائے گا؟

❁ ❁ ❁

رات کا آخری پہر تھا۔ ایک عالم محو خواب تھا۔ بڑی حویلی میں چند نفوس تھے جو رات کے اس پر نوٹیشی نیند کا پہر ہوتا ہے نیند سے بیزار آنکھوں سے جاگ رہے تھے۔ بابا جانی صبح سے صارم اور گلریز کی آمد کا انتظار کر رہے تھے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پریشانی و تشویش میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے جاء نماز بچھا کر اللہ کے حضور کھڑے ہو گئے تھے کہ نماز سے بہتر و مضبوط پناہ گاہ اس دنیا میں کوئی نہیں۔ نماز دل کو سکون بھی عطا کرتی ہے۔ اللہ کا قرب بھی حاصل ہوتا ہے۔

گلباز خان کو ایک پل سکون و قرار نہ مل رہا تھا۔ وہ بے قراری و غصے سے ادھر ادھر کمرے میں ٹہل رہا رہے تھے۔ کبھی رک کر دیوار گیر گھڑی دیکھنے لگتے کبھی کھڑکی سے پردہ ہٹا کر باہر پھیلے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اندھیرے کو دیکھنے لگتے۔ ان کی قہر آلود نگاہیں وقفے وقفے سے بستر پر بیٹھی ڈری سہمی خوفزدہ سی گل زیبا پر اٹھ رہی تھیں۔

"آپ بیٹھ جائیں نا خان' ساری رات ہو گئی ہے آپ کو اس طرح ٹہلتے ٹہلتے۔" گل زیبا نے ڈرتے ڈرتے التجائیہ انداز میں گلباز خان سے کہا۔

"میری فکر مت کرو۔ اپنی اور اپنے لاڈلے کی فکر کرو' مجھے صبح کے سورج کا انتظار ہے۔ اسے تو میں نکالوں گا۔ اس بدبخت کو۔ بہت شہہ دے رکھی ہے تم نے تاہوں گا دونوں ماں بیٹے کو۔" وہ بری طرح گرج کر بولے تھے۔

"وہ کہیں چھپا تھوڑی ہے۔ بارش کی وجہ سے نہیں آئے ہیں۔ صبح آ جائیں گے آپ کو تو یونہی عادت پڑ گئی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہونے کی۔"

وہ ڈرتے ڈرتے بھی اپنے دل کی بات کہہ گئی تھیں۔ جواباً انہوں نے ایسی سلگتی نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا کہ وہ گڑبڑا کر آنکھیں جھکا کر بیٹھ گئی تھیں۔

"تم جیسی عاقبت نا اندیش اور بیوقوف عورتیں ہمیشہ سر پکڑ کر روتی ہیں۔ جب اولاد ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو اپنی بے وقوفیاں پچھتانے کے لئے رہ جاتی ہیں۔"

"آپ آرام کریں خان' میرا دل کہتا ہے وہ ٹھیک ہیں صبح تک لوٹ آئیں گے۔"

"لیکن میرا دل کہتا ہے کچھ ٹھیک نہیں ہے' کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ گلریز بے پرواہ نہیں ذمے داری کا مظاہرہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ تمہاری طرح بے وقوف' احمق اور لاابالی ہے۔ مگر صارم بہت سمجھ دار اور ذمے داری کو سمجھنے والا حساس بچہ ہے۔ اس کی طرف سے بھی کوئی اطلاع نہیں آئی ہے اور مجھے تشویش ہو رہی ہے۔ کوئی نہ کوئی خطرناک بات ضرور ہے۔" وہ پریشان لہجے میں گویا ہوئے۔ ان کے چہرے پر پریشانی و فکر کے گہرے رنگ تھے۔ جو اس حقیقت کے غماز تھے کہ وہ گلریز سے زیادہ صارم کو چاہتے تھے۔

"ہونہہ... پہلی بار ایسا باپ دیکھ رہی ہوں جو اپنی سگی اولاد سے زیادہ بھائی کے بیٹے کو [illegible] رکھتا ہو۔" ان کے احمق و بے وقوف کے خطابات دینے پر گل زیبا بری طرح تلملا اٹھی تھیں۔ [illegible] ذرا ہونٹوں پر طاق رکھ کر طنز آمیز لہجے میں بولی تھیں۔ گلباز خان کے بگڑتے تیور دیکھ کر [illegible] نے منہ سختی سے بند کر لیا تھا۔

❁ ❁ ❁

"صارم... رک جاؤ' اتنی بلندی پر مت چڑھو دیکھو گر جاؤ گے۔ صارم... میرا بچہ... میرا [illegible] مت چڑھو اتنی بلندی پر' دیکھ کر... آہ... بچاؤ... میرا صارم گر گیا' میرا بچہ گر رہا ہے۔ پکڑو... بچا

بابا جانی نے فجر کے دو فرض پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر دیکھا اور جاء نماز کا کونہ پائنتی کی جانب سے موڑ کر بی بی جان کی طرف بڑھے جو سوتے میں بدحواسی سے چلا رہی تھیں۔

"شیریں گل... شیریں گل' ہوش کرو' کیا ہوا ہے؟" وہ انہیں جھنجھوڑتے ہوئے پکار رہے تھے۔ چند لمحے بعد انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

"صارم کہاں ہے؟" وہ بے ساختہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی استفسار کرنے لگیں۔

"صارم' وہ شکار پر گیا ہوا ہے' تم کوئی خواب دیکھ رہی تھیں۔"

"خواب... نہیں وہ حقیقت تھی' میرا بچہ پہاڑ سے گرا ہے۔"

"کیا صبح ہی صبح نامحوشگوار باتیں کر رہی ہو' وہ خواب تھا اور خواب کی تعبیر ہمیشہ الٹی ہوتی ہے۔ چلو اٹھ کر فجر کی نماز ادا کرو۔ وہ آتا ہوگا۔" دل ان کا بھی اندر سے لرز رہا تھا لیکن اپنی حالت قابو پا کر ان سے نرمی سے گویا ہوئے۔

"نہیں افضل خان' میری ماں کہتی تھیں صبح کے وقت دیکھے جانے والے خواب سچے ہوتے ہیں۔ اگر یہ جھوٹ ہے تو میرے اندر بے چینی کیوں پھیلی ہوئی ہے۔ ایک آگ ہے جو جلائے دے رہی ہے۔" وہ بری طرح رونے لگیں۔

"یہ سب شیطانی وسوسے ہیں شیریں گل' لاحول پڑھو اور فجر کی نماز ادا کرو۔"

"رب کرے یہ خواب خواب ہی ہو' اب طاقت نہیں ہے اس وجود میں کسی صدمے کو برداشت کرنے کی۔" وہ دوپٹے سے آنسوؤں سے نم چہرہ صاف کرتے ہوئے دعائیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

"اللہ پر بھروسا رکھو نیک بخت' وہ کبھی بھی بندے کو اس کی برداشت سے زیادہ نہیں آزماتا [illegible] کی آزمائش کسی مصلحت سے خالی نہیں ہوتی۔ میں شیر خان کو حکم دے دیتا ہوں کہ وہ بکرے [illegible] گوشت غریبوں میں بانٹ دے۔ صدقہ ہر مصیبت و آفات کے آگے ڈھال بن جاتا ہے۔"

[illegible] سیاہ صافے نما پگڑی سر پر باندھنے کے بعد جوتے پہن کر باہر نکل گئے۔

شیریں گل وضو کے بعد بہت خشوع و خضوع سے نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی تھیں۔

[illegible] افضل خان حویلی سے ملحقہ حجرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ فجر کی [illegible] وہ اشراق کی نماز تک تلاوت قرآن پاک اور تسبیح و وظائف میں مشغول ہو جاتے۔ پھر [illegible] کی نماز سے فارغ ہو کر حجرے میں ہی ہلکا پھلکا ناشتہ کرتے پھر گاؤں کے لوگ اپنی [illegible] اور مسائل لے کر آ جاتے۔ جن کا وہ مناسب طریقے سے حل بتاتے اور ضرورت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مندوں کی ہر ممکن مدد کیا کرتے تھے۔ وہاں کے لوگ ان کی دریا دلی' سخاوت اور انصاف پسندی و
خوش مزاجی کے باعث انہیں بہت چاہتے اور پسند کرتے تھے۔
وہ اشراق کی نماز سے فارغ ہوئے تھے۔ گلباز سلام کر کے ان کے قریب بیٹھ گئے۔ انہوں
نے گہری نظروں سے ان کا جائزہ لیا۔ سرخ آنکھیں' پژمردہ چہرہ' تھکن زدہ انداز گواہ تھا کہ وہ
رات کو ایک پل بھی نہ سو سکے تھے۔
"بہت تھکے تھکے لگ رہے ہو خان' رات سوئے نہیں؟"
"جس پریشانی اور فکر نے آپ کو تمام رات بستر سے دور رکھا۔ میں بھلا کس طرح آرام کر
سکتا تھا۔ بلکہ مجھے افسوس ہے میری اولاد کی وجہ سے آپ بے آرام اور پریشان ہیں۔" گلباز خان
باپ کی پریشانی کے خیال سے رو پڑے تھے۔
"ارے... رے... دے گلباز بچے' کیا کرتے ہو' کیا وہ میری اولاد نہیں ہے؟ اپنی اولاد سے
زیادہ پیاری اولاد کی اولاد ہوتی ہے۔ وہ مجھے تم سے بھی زیادہ عزیز و پیارے ہیں۔ آ جائیں گے
تو جوان ہیں ہر اونچ نیچ سے بے نیاز' دراصل قصوروار ان کا بھی نہیں ہے۔ یہ عمر ہوتی ہے ایسی ہے
ولا ابالی پن کی ہے۔ کل کو گھر بار والے ہو جائیں گے۔ بیوی بچوں کی ذمے داری پڑے گی تو
سنبھل جائیں۔ یہ دوران کی لاشعوری و لاعلمی کا دور ہے۔ جینے دو انہیں اس خوبصورت دور کو۔
پھر کہاں یہ حسین وقت ہاتھ آتا ہے۔" بابا جانی بیٹے کے دلی احساس سے بخوبی واقف تھے۔ وہ
شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو ماں باپ کی خوشی و احترام اپنی زندگی سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے۔
انہوں نے بہت رسانیت سے انہیں سمجھایا تھا۔
"بابا جانی! میں آپ سے اجازت لینے آیا تھا تاکہ ان لوگوں کو دیکھ کر آؤں۔ کیا پتہ وہ
لوگ کل بھی نہیں آئے ہیں۔"
"کہاں دیکھو گے انہیں؟ جنگل مختصر تو نہیں ہے۔"
"میں پہلے ریسٹ ہاؤس جاؤں گا' عموماً وہ لوگ شکار کا گوشت وہاں بھون کر کھاتے ہیں۔"
"کیوں اتنا تردد کرتے ہو گلباز خان' آ جائیں گے آج انتظار اور کر لیتے ہیں۔"
"بہتر بابا جانی... جیسا آپ بہتر سمجھیں۔" ہمیشہ کی طرح انہوں نے اپنی رضا کے
باپ کی منشا کو فوقیت دی تھی۔ اسی اثنا میں ملازم ناشتہ لے آیا تھا۔ ناشتے کو دونوں کا ہی دل
چاہ رہا تھا ایک دوسرے کے اصرار پر دونوں نے ایک ایک کپ چائے پی تھی۔ چائے ابھی
پی ہوئے تھے کہ ملازم شیر خان نے طور خان کے آنے کی اطلاع دی تھی۔
"بھیجو اسے اندر فوراً۔" گلباز خان نے کہا۔ ان کا اضطراب بے اختیار ہی مردانہ

ہال وہ اٹھ کر بے چینی سے چکر لگانے لگے۔
"بیٹھ جاؤ گلباز خان' کیوں اس قدر پریشان ہو رہے ہو۔" بابا جانی نرمی سے گویا ہوئے۔
"بابا جانی' طور خان' گلریز اور صارم کے ساتھ ہی تھا۔ پھر وہ تنہا کیوں آیا ہے اور کس کا
پیغام لایا ہے؟" وہ سخت متوحش و ہراساں تھے۔
"اللہ سے ہمیشہ اچھی امید رکھنی چاہئے بچے۔" بابا جانی ان کے قریب ان کا سر دبانا ہاتھ
اپنے ہاتھوں میں لے کر بردبار لہجے میں گویا ہوئے۔
طور خان اندر داخل ہو کر انہیں سلام کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔
"طور خان! کس کا پیغام لائے ہو؟ گلریز خان اور صارم خان کہاں ہیں؟"
بابا جانی اس کے سلام کا جواب دے کر شفقت و ملائمت بھرے انداز میں گویا ہوئے۔
"بڑے خان...! وہ صارم خان..." وہ از حد گھبرایا ہوا تھا۔
"کیا ہوا صارم خان کو؟" گلباز خان از حد متوحش انداز میں اسے جھنجوڑ کر پوچھنے لگے۔
"خان... وہ پہاڑ سے گر کر شدید زخمی ہو گئے ہیں۔"
"کہاں ہیں وہ؟" بابا جانی کا ذہن سائیں سائیں کرنے لگا۔ شیریں گل کے الفاظ ان
کے کان میں گونج رہے تھے۔ جو لوگ دل سے قریب رہتے ہیں۔ دلی وابستگی' قلبی روابط خود بخود
ان کی آنکھوں میں استوار ہو جاتے ہیں۔ پھر مسرت کا احساس نہ سہی مگر دکھ و تکالیف کا ادراک کسی نہ
کسی طور پر محسوس ہونے ہی لگ جاتا ہے۔ کل سے جو بے نام سی بے چینی و اضطراب انہیں بے
حال و مضطرب کئے ہوئے تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ ان کا چہیتا و عزیز لخت جگر تکلیف میں تھا تو خود
کو وہ بھی انجانی تکلیف میں مبتلا رہے تھے۔ خون کی کشش اور سچی محبتوں کی تاثیر ایسی ہی ہوتی
ہے۔
"بابا جانی...! اسپتال چل رہے ہیں۔ میں ذرا بی بی جان سے کوئی بہانہ کر کے آتا ہوں۔
وہ پریشان رہیں گی۔ ہمیں نامعلوم کتنا وقت وہاں لگ جائے۔ طور خان کہہ رہا ہے۔ اسے
ابھی ہوش نہیں آیا کل شام سے وہ بے ہوش ہے۔"
گلباز خان داخلی دروازے کی سمت بڑھتے ہوئے ان سے مخاطب تھا۔

❁ ❁ ❁

دور سے آتی گاڑی کو دیکھ کر وہ چونکی تھی۔ اس نے سوچا کہ گاڑی جیسے ہی قریب آئے۔
کر مدد مانگے کہ وہ اسے گاؤں پہنچا دے یہاں سے گاؤں کا فاصلہ زیادہ نہ تھا۔ یہ سوچ کر وہ
اٹھ کھڑی تھی اور ایک پتھر کی اوٹ میں چھپ گئی۔ چند لمحوں بعد وہ گاڑی قریب ہی رکی تھی۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسے یکدم ہی کسی خطرے کا احساس ہونے لگا۔ وہ دھڑ دھڑاتے دل کے ساتھ بالکل سمٹ کر پتھر سے لگ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ بارش ویسی ویسی اب بھی برس رہی تھی۔

"یہاں تو کوئی نہیں ہے خان!" کچھ فاصلے سے ایک مردانہ بھاری آواز آئی۔

"ہوں... مجھے محسوس ہوا تھا جیسے یہاں کوئی لڑکی کھڑی ہے۔ میں سمجھا وہ بدبخت ہوگی۔"

"کاش... مجھے مل جاتی تو... ابھی اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہیں دفن کر دیتا۔" شمشیر خان کی عزت اور خاندان' قبیلے کے وقار کو داغ لگانے کی جس نے غلطی کی۔ وہ عبرت ناک موت مرا۔" شمشیر خان کا خونخوار خوفناک لہجہ بالکل غیر متوقع طور پر سن کر اس کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ تو گویا اس کے اغوا کی خبر گاؤں پہنچ چکی تھی اور وہ اسے کسی اور رنگ میں لے رہے تھے۔ دور شا کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ شمشیر خان اسی کے متعلق بات کر رہا ہے اور شاید اسے تلاش بھی کر رہا ہے۔

"چلو... میرا وہم ہوگا یا شاید اس کی زندگی باقی ہے ابھی۔ خیر کب تک؟ کل صبح سے میں گاؤں سے باہر اسے تلاش کروں گا۔ گاؤں میں آنے کی ہمت وہ نہیں کر سکتی۔"

کچھ دیر کے بعد گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور چند لمحوں بعد نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ وہ گھٹنا سر لے کر نیچے پتھریلی زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ آخر وہی ہوا تھا جس کا اسے ڈر تھا۔

وہ بے قصور تھی۔

بے خطا تھی۔

لیکن پھر بھی مجرم ٹھہرائی گئی تھی۔ شمشیر خان اس کے خون کا پیاسا ہوا گھوم رہا تھا۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دفن کر دینے کے درپے تھا۔ جیسے وہ کاغذ کا حقیر ورق تھی یا کسی سستے کپڑے کا بے جان ٹکڑا۔

اس کا تمام حوصلہ' ہمت' عزم' پانی میں کاغذ کی ناؤ کی طرح ڈوب گیا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی حویلی جا کر اپنی بے گناہی ظاہر کرے گی۔

سب کو بتائے گی کہ وہ بے قصور ہے' لاتعلق ہے۔

مگر اسے یقین ہو گیا کہ وہ حویلی میں داخل ہونے سے قبل ہی موت کے گھاٹ اتار دی جائے گی۔ باہر شمشیر خان گھات لگائے بیٹھا ہے تو اندر چھوٹی ادے زبان کے ہتھیار تیار کئے بیٹھی ہوں گی۔ اس کی مظلوم و سادہ مزاج ماں' بے زبان و معصوم بہن بھی اس کے باعث عتاب کا شکار ہوں گی۔ بابا جان کے بھی ہمدردی و شفقت کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔

"پھر کہاں جاؤں میرے مولا' میرے رب' میں یہ کس امتحان میں پڑ گئی؟ میرے اللہ

میری مشکلوں کو دور کر دے۔ رات کے اس اندھیرے میں برستی برسات میں کہاں جاؤں؟ کس کا دروازہ کھٹکھٹاؤں؟ کون میرا ہے اب' میں کہاں جاؤں؟"

وہ روتی ہوئی اپنے رب سے دعا مانگ رہی تھی' پناہ مانگ رہی تھی۔

بارش میں تیزی آتی جا رہی تھی۔ شام رات میں ڈھل رہی تھی۔ بھیگی بھیگی ہوائیں اس کے بھیگے ہوئے وجود سے ٹکرائیں تو سردی کے باعث اس کا جسم سن ہونے لگا۔

شمشیر خان کی گاڑی جانے کے بعد اس کے قدم خود بخود اپنے گاؤں جانے والے راستے کی سمت اٹھنے لگے۔ جیسے کوئی غیر مرئی طاقت اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔ پھیلتی تاریکی اور بڑھتی بارش و سردی کے احساس نے جیسے اس کے حواس منجمد کر دیئے تھے۔ سردی سے کپکپاتے وجود کے ساتھ وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ دور سے گاؤں کی گلیاں اور پتھر سے بنی جھونپڑیاں نظر آنے لگی تھیں۔ جن میں جلتے چراغ و لالٹین کی روشنی رات کی تاریکی کا مقابلہ کرنے کے لئے ناکافی تھی۔ اس نے ایک لمحہ رک کر سامنے نگاہ ڈالی تھی۔ جیسے فیصلہ کر رہی ہو کہ آگے جائے یا نہ جائے۔ مرنا دونوں حالتوں میں تھا۔ حویلی جاتی تو شمشیر خان کی گولی اسے زندگی کی قید سے رہائی دے دیتی اور اگر یہاں رات گزارتی تو سردی و بارش اور بھوک کی شدت سے اکڑ کر مر جاتی۔

ابھی وہ اسی تذبذب میں تھی کہ اچانک ایک عورت اس سے آ کر لپٹ گئی۔ اس ناگہانی آفت پر اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ چیخ نکلی تھی۔ اس نے لاشعوری انداز میں اس کی گرفت سے نکلنا چاہا جو بے سود تھا۔

"کہاں چلی گئی تھی؟ ہاں تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی۔ تجھے کہا بھی تھا لکڑیاں لینے دور مت جانا۔ راستہ بھول جائے گی پھر کون ڈھونڈ کر لائے گا تجھے۔ تجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے لیکن تجھے خیال نہیں ہے۔ دور نکل گئی۔ میں تلاش کر کے تھک گئی۔ لیکن شکر ہے خدا کا آج تو مل گئی۔ چل گھر چل' سارے کپڑے بھیگ گئے۔ بیمار پڑ جائے گی۔ چل میں نے تیرے لئے نئے کپڑے نکالے ہیں۔"

وہ عورت مسلسل بول رہی تھی اور دیوانوں کی طرح اس کے ہاتھوں کو ماتھے کو چوم رہی تھی۔ اس کے بیمار و کمزور لہجے میں از حد مسرت پنہاں تھی۔

اس کی گرفت بہت مضبوطی سے اس کے ہاتھوں پر تھی۔ گویا وہ نہیں گئی تو وہ اسے زبردستی گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے جائے گی۔

دور شا اس غیبی و انوکھی صورت حال سے حیران و پریشان تھی۔ اس عورت کی خود کلامی و گفتگو کا انداز بے شناخت حرکات و سکنات۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کی گرفت سے بڑی گرمجوشی و سرخوشی عیاں تھی۔

اندھیرے میں بھی اس کی آنکھوں میں خوشی سے چمکنے والی روشنی نظر آ رہی تھی۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں وہ نہیں ہوں جسے آپ تلاش کر رہی ہیں۔"

بڑی دقت سے اس کے حلق سے آواز برآمد ہوئی۔

"نہیں... تم میری بیٹی ہو' جھوٹ مت بولو۔" اس نے پہلے سے بھی زیادہ شدت سے اس کے ہاتھوں پر گرفت قائم کر لی جیسے اس کے فوراً فرار ہونے کا احتمال ہو۔

"صابرہ خانم... اے صابرہ خانم' اس وقت گھر سے کیوں نکلا ہے تم؟"

درشانے دیکھا ایک بزرگ دائیں ہاتھ میں چھتری اور بائیں ہاتھ میں لالٹین پکڑے اس طرف آ رہے تھے۔ ان کی نگاہیں درشا پر تھیں۔

"آؤ... آؤ روزی خان' دیکھو ہماری گلفشاں مل گئی۔ تم کہتے تھے وہ کبھی نہیں آئے گی۔ دیکھو میں نے ڈھونڈ نکالا' اپنی گلفشاں کو ڈھونڈ نکالا۔" وہ بڑے زور و شور سے انہیں بتا رہی تھی۔ اس کا جوش و خروش دیکھنے کے قابل تھا۔

"پاگل ہو گئی ہے صابرہ' کس کو پکڑ رکھا ہے؟ کون ہو بی بی تم؟" وہ وقت کے غبار سے اٹی آنکھوں سے اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہے تھے۔

"یہ کون ہیں بابا اور کس گلفشاں کو تلاش کر رہی ہیں؟" درشا نے اس عورت کی محبت سے متاثر ہو کر حوالہ انداز میں استفسار کیا۔

"یہ بدنصیب میری گھر والی ہے بی بی' گلفشاں میری بیٹی تھی' ایک دن کھائی میں گر کر مر گئی اور اس دن سے یہ صدمے سے پاگل ہو گئی ہے۔ جب بھی کسی جوان لڑکی کو دیکھتی ہے اسے اپنی بیٹی گلفشاں ہی سمجھتی ہے۔ گھر میں بند کر کے رکھتا ہوں اسے۔ ورنہ اسی طرح پوری وادی میں ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ میں حویلی میں چوکیدار ہوں۔ آج بھی اپنی ڈیوٹی پر گیا تو جلدی میں دروازے کو باہر سے بند کرنا بھول گیا۔ راستے میں ہی مجھے خیال آیا تو میں گھر آ گیا۔ اسے وہاں نہ پا کر ڈھونڈتا ڈھونڈتا یہاں آیا ہوں۔ کون ہو بی بی آپ؟ اور یہاں کیسے ہو اس وقت؟" بوڑھے چوکیدار کو تفصیل بتاتے بتاتے اچانک اس کا خیال آیا تو وہ بڑی اپنائیت سے استفسار کرنے لگا۔

درشا جو اس کے حویلی میں چوکیدار ہونے کا سن کر کچھ پریشان و فکرمند ہو گئی تھی۔ پھر خود ہی اس نے اس خیال کو جھٹک دیا کہ وہ چوکیدار اسے کیا بھجوائے گا۔ جب وہ خود ہی اسے نہیں جانتی کہ وہ کون ہے' کہاں رہتی ہے' کیا کرتی ہے' کیا ہے اس کا ماضی' حال اور مستقبل۔ اس لئے چوکیدار کی تعداد زیادہ تھی اور کسی کو اجازت نہ تھی کہ زنانہ حصے میں جائے۔ اس

خیال کے آتے ہی وہ بے فکر ہو کر بولی۔

"بابا میں دوسرے گاؤں جا رہی تھی۔ یہاں راستہ بھٹک کر آ گئی ہوں۔"

"آج کل کا وقت خراب ہے بچے' اس طرح جوان لڑکی کو اکیلے گھر سے نہیں نکلنا چاہئے۔ چلو تم ابھی رات ہمارا گھر پر گزارو' صبح ہم ڈیوٹی سے آ کر تمہیں خود تمہارا گاؤں چھوڑ کر آئے گا۔"

اس نے خود کو وقت و حالات کی منشاء پر چھوڑ دیا کہ اس وقت اپنے اس کے جان کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ وارثوں کی موجودگی میں وہ بے اماں اور لاوارث ہو چکی تھی۔ گویا نہ پیروں تلے زمین رہی تھی اور نہ سر پر چھت' ایسے میں اسے بیٹی کی موت سے پاگل عورت کی جنون خیز محبت' بوڑھے چوکیدار کی بے غرض اور پرخلوص سخاوت اسے امداد غیبی محسوس ہوئی۔ وہ شمشیر خان کی گفتگو سن چکی تھی اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اسی گاؤں کے ایک بچے گھر کی چار دیواری میں پناہ گزیں ہو گی۔

گاؤں کے عام گھروں جیسا وہ چھوٹا سا گھر تھا۔ صابرہ کے مارے خوشی کے زمین پر پاؤں نہیں ٹک رہے تھے۔ اس نے آتے ہی اس کے آگے صندوق سے نکال نکال کر کپڑوں کے ڈھیر لگا دیے۔ تمام کپڑے تیز رنگ کے تھے اور سب پر بہترین کشیدہ کاری تھی۔

"بی بی... یہ کپڑے گلفشاں کے جہیز کے لئے یہ بدنصیب بناتی رہتی ہے اسے یقین ہی نہیں آتا کہ گلفشاں... خیر بیٹی اس میں سے کوئی جوڑا پہن لو بھیگ گئی ہو سردی لگ جائے گی۔"

روزی خان افسردہ سا وہاں سے چلا گیا۔

"وہ نہیں ہے... میں نے تیرے لئے بنایا ہے۔ دیکھو اچھا ہے نا؟" درشا نے ان سوٹوں میں سے قدرے ہلکے رنگ اور ہلکی کڑھائی والا سوٹ منتخب کیا تو صابرہ جو خود بھی دوسرا لباس تبدیل کر کے آئی تھی۔ اس کے ہاتھ سے وہ سوٹ اٹھا کر سرخ رنگ کا فراک سوٹ اٹھا کر اسے دیتی ہوئی پوچھنے لگی۔ سرخ ساٹن سوٹ پر شوخ رنگوں کی دیدہ زیب کڑھائی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے شیشے بھی لگے ہوئے تھے۔ وہ کڑھائی فراک کے دامن' چولی' آستینوں کے علاوہ شلوار کے پائنچوں اور دوپٹے پر کی گئی تھی۔ سردی اسے شدت سے لگنے لگی تھی۔ صابرہ کی آنکھوں میں جلتی شوق و اصرار کی مشعلیں اسے مجبور کر گئیں۔

وہ خاموشی سے سوٹ اس کے ہاتھ سے لے کر بدلنے چلی گئی۔ عام حالات میں وہ کبھی اتنے شوخ و شنگ سوٹ پہننا گوارہ نہیں کرتی۔

وہ کپڑے بدل کر بال سکھانے لگی۔ صابرہ کئی بار اس کی بلائیں لے چکی تھی۔

"آ جاؤ بیٹی' کھانا کھاؤ' نا معلوم تمہیں ہمارا کھانا اچھا لگے گا کہ نہیں لیکن بھوکے رہنے سے بہتر ہے کھا لو۔" روزی خان نے نیچے بچھے ٹاٹ کے فرش پر دسترخوان بچھا کر کھانا رکھا تھا اور درشا سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مخاطب ہوا تھا۔

"آ... چل میں تجھے اپنے ہاتھ سے کھلاؤں گی' نا معلوم کب سے کھانا نہیں کھایا۔ سوکھ کر کانٹا ہو رہی ہے۔" صابرہ اسے بٹھا کر اپنے ہاتھ سے کھلانے لگی۔

"تم بھی کھاؤ نا۔" اس نے ایک لقمہ اس کے منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں' میں کھاؤں گی' پہلے اپنی بچی کو کھلاؤں گی۔"

اس کی محبت کی تاثیر تھی یا پچھلے دنوں پیٹ بھر کر نہ کھانے کی وجہ یہ کہ اس نے بالکل سادے انداز میں پکا ہوا چنے کی دال اور لوکی کا سالن تنور کی موٹی موٹی روٹی سے بہت رغبت سے کھایا۔ ساتھ صابرہ اور روزی خان بھی کھا رہے تھے۔

"کھانا بہت مزے کا تھا بابا' آپ تو کہہ رہے تھے مجھے پسند نہیں آئے گا۔"

"دل رکھ رہی ہو بیٹی ورنہ بڑے بڑے لوگ ایسے کھانوں کو دیکھتے بھی نہیں۔" وہ انکساری سے مسکرا کر گویا ہوئے۔

"وہ بڑے لوگ ہوں گے۔" ورشا دسترخوان سے برتن سمیٹتے ہوئے بولی۔

"بیٹی... تم بھی مجھے لگ تو کسی بڑے گھر کی رہی ہو۔"

"ارے نہیں بابا' اچھا تائیں یاور پچی خانہ کدھر ہے؟" اس نے جلدی سے بات گھماتے ہوئے پوچھا۔

"یہ ہم خود رکھ دے گا' تم ہمارا مہمان ہے' ہم مہمانوں سے کام نہیں کرواتا۔ تم آرام کرو ہم رکھ دے گا۔" وہ اس کے ہاتھ سے برتن اور دسترخوان لے گئے۔

صابرہ اب بالکل گم صم و خاموش بیٹھ گئی تھی۔ جیسے اس ماحول سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو۔ کچھ دیر بعد روزی خان ٹرے میں تین کپ گرم گرم قہوے کے لے کر اندر داخل ہوا۔ ورشا اور صابرہ کو دینے کے بعد وہ اپنا کپ لے کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

"قہوہ خاموشی کے درمیان پیا گیا۔ قہوہ پیتے ہی روزی خان اٹھ گیا۔

"میں چلوں گا اب' تم بیٹی دروازہ اندر سے بند کر لینا۔" اس نے چھتری اور لالٹین اٹھا کر باہر کی جانب بڑھتے ہوئے ورشا سے کہا۔ ورشا اٹھ کر ان کی تقلید میں چلتی کمرے سے ملحقہ تھن میں آ گئی۔ صابرہ نے اسے اٹھتے دیکھ کر سختی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ ورشا نے اس سے ہاتھ چھڑانے کی قطعی کوشش نہیں کی بلکہ بہت اپنائیت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"بابا... آپ کا جانا ضروری ہے؟ اتنی سردی ہو رہی ہے صبح چلے جایئے گا' اندھیرا بھی بہت

پھیل گیا ہے۔" بوڑھے اور لاغر سے روزی خان پر اسے بہت ترس آیا۔

"نہیں بیٹے' اوپر والا مالک بخش دیتا ہے۔ نیچے والا مالک رحم نہیں کرتا۔ پیٹ پالنے کے لئے مشقت کرنی پڑتی ہے۔ جانا تو مجھے پڑے گا۔" وہ مدھم انداز میں گویا تھے۔

"بابا... آپ کے اور بچے نہیں ہیں؟" تھن سے دروازے تک جاتے ہوئے ورشا مکمل معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اسے ایک دم ہی ان دونوں سے اتنا جذباتی لگاؤ محسوس ہونے لگا تھا۔

"شادی کے پندرہ سال بعد گلفشاں پیدا ہوئی تھی۔ وہ اکلوتی اولاد تھی۔ اسے مالک نے واپس کر دیا لے بھی لیا۔" وہ ایک غمگین آہ بھر کر گویا ہوئے اور اسے اندر سے کنڈی لگانے کا کہہ کر باہر نکل گئے۔

ورشا نے دونوں دروازے کے پٹ ملا کر بند کرنے کے بعد کنڈی لگائی اور صابرہ کے ساتھ اندر آ گئی۔ کمرے میں دو پلنگ تھے جن پر بستر موجود تھے۔ وہ ایک پلنگ پر لیٹ گئی۔ جبکہ دوسرے پلنگ پر صابرہ لیٹ گئی تھی اور چند لمحوں بعد بے خبر سو رہی تھی۔ وہ کروٹ کے بل لیٹ کر اپنی زندگی کے ان پر پیچ حالات کے بارے میں سوچنے لگی۔ کمرے میں لالٹین کی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی جو خاموش و ویران ماحول کو مزید وحشت ناک بنا رہی تھی۔ سوچیں بن بلائے مہمانوں کی طرح اس پر وارد ہو رہی تھیں۔ وہ اس وقت سب سے فرار چاہتی تھی۔ تین دن کی ذہنی ٹوٹ پھوٹ نے اسے تھکا ڈالا تھا۔

اس وقت وہ کسی کے متعلق کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

الجھنوں و تفکرات سے بچنے کے لئے اس نے آنکھیں بند کر ڈالیں اور نیند جلد ہی اس پر مہربان ہو گئی۔ وہ کچھ دیر بعد نیند سے بے سدھ پڑی تھی۔

❁ ❁ ❁

"صارم خان کیسا ہے؟" گلباز خان' بابا جانی سے پہلے گلریز سے مخاطب ہوئے' پریشانی و بیقراری ان کے ہر انداز سے عیاں تھی۔ گلریز کے سلام کا جواب بھی انہوں نے نہیں دیا تھا

"بہتر ہے... اسے ابھی ہوش آیا ہے۔" گلریز باپ کے بگڑے تیوروں سے خائف تھا۔

"کیسا ہے وہ...؟ چوٹیں زیادہ تو نہیں آئیں۔"

"گلباز خان' چل رہے ہیں صارم خان کے پاس' کیوں اتنے فکر مند ہوتے ہو۔"

بابا جانی نے انہیں گلریز سے سخت لہجے میں بات کرتے دیکھ کر دھیرے سے سرزنش کی۔ وہ اونٹ بھیج کر خاموش ہو گئے اور تیزی سے ان کے ساتھ صارم کے روم کی طرف بڑھنے لگے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ورنے شکل میں نے زندگی کی پہلی اور بھیانک غلطی کی ہے جو لڑکی کی ذات پر اعتبار و بھروسا کیا اور اپنی اور قبیلے کی حرمت کو داغ دار کر ڈالا۔ لیکن تم سچ کر کہیں نہیں جا سکتیں' میرے شکاری کتے تمہیں زمین کی تہہ سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے تمہیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی' کہیں بھی نہیں۔"

شہباز ولی خان زخمی شیر کی سی حالت میں مسلسل ٹہل رہے تھے۔ ہر گزرتا لمحہ ان کے غیظ و غضب میں مسلسل اضافہ کر رہا تھا۔ ان کا چہرہ آگ کی مانند دہک رہا تھا۔

"اس دن کے لئے اسے شہر بھیجا تھا پڑھنے کے لئے بابا جان!" پر وہ بتا کر اسی دم شمشیر خان اندر داخل ہو کر بڑے طنزیہ و کٹیلے لہجے میں ان سے مخاطب ہوا تھا۔

"شمشیر خان! میرے زخموں پر نمک مت چھڑکو۔"

"پھر کیا پھول برساؤں؟"

"اگر خاموش نہیں رہ سکتے تو دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔"

"جوان بیٹے سے کس طرح بات کر رہے ہیں' اس بدذات لڑکی کا کیا ہم کیوں بھگتیں؟" گل جاناں فوراً چیخ کر بولیں۔

"اوے... آواز ذرا نیچی کر کے بات کیا کرو اور یہ بات گھر سے باہر نہیں نکلنی چاہئے۔ سمجھ گئیں نا؟" وہ ان کے چیخ چیخ کر بولنے پر معترض ہوا۔

"یہ بات بھی کوئی چھپنے والی ہے اور کب تک ہم چھپائیں گے۔ سب کو ہی معلوم ہے' وہ آنے والی ہے۔" انہیں بیٹے کی بات قطعی نہیں بھائی۔ وہ ناگواری سے بولیں۔

"کہہ دینا مر گئی وہ۔ وہیں دفنا دیا تھا اس کو۔" بڑے خان نفرت انگیز لہجے میں بولے۔

"مرنا تو اسے ویسے بھی ہے' مل جائے ایک بار زندہ زمین میں دفن نہ کر دیا تو شہباز خان نام نہیں میرا۔"

"میرے ہوتے ہوئے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے بابا جان' جا رہا ہوں میں شام تک ڈھونڈ نکالوں گا۔ اس وادی میں اڑنے والے پرندوں پر بھی ہماری نگاہ رہتی ہے۔ پھر انسان بھلا کس طرح چھپ سکتے ہیں؟" شمشیر خان مخصوص متکبرانہ لہجے میں گویا ہوا۔

"نہیں بچے! اب تم آرام کرو' شاید ساری رات سوئے نہیں ہو۔ ابھی شہباز خان کے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہے کہ..."

"نہیں بابا جان' ایسا ممکن نہیں ہے' کم از کم میری موجودگی میں آپ خوار ہوں۔ میں ڈھونڈ نکالوں گا اسے' پھر آپ کو وعدہ کرنا ہوگا؟"

وہ خوشگوار موڈ میں تھا جو باپ کی سخت سرزنش کو بھی آسانی سے نظر انداز کر گیا تھا۔ ورنہ باپ کا بارعب انداز بھی وہ برداشت نہیں کرتا تھا۔

"یہاں ہماری عزت پر بنی ہوئی ہے خان اور تمہیں وعدے وعید یاد آ رہے ہیں۔" شہباز خان ایک مرتبہ پھر جھنجلا گئے تھے۔ وہ حقیقتاً ذہنی کرب میں مبتلا تھے۔

"ہمارے چہرے سیاہ کر کے فرار ہونے والی جب میرے ہاتھ لگے گی اس کا جو میں حشر کروں گا پھر کوئی مجھے نہیں روکے گا۔"

شمشیر خان نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سرد و خوفناک لہجے میں کہا۔

"کوئی کیا بول سکتا ہے؟ ایسی بدچلن و بدکردار لڑکیوں کا جو بھی انجام ہو۔ بھیانک و عبرت ناک ہونا کہ آئندہ کسی لڑکی کو ایسا سوچنے کی ہمت بھی نہ ہو۔" گل جاناں نے بہت مسرت سے بیٹے کی ہمت بندھائی تھی۔ وہ باپ کو حویلی کے اندر ہی رہنے کا کہہ کر باہر نکل آیا تھا۔

ڈیرے پر سمندر خان اور عمد خان ایک شخص کے ہمراہ موجود تھے۔ اسے دیکھ کر تینوں کھڑے ہو گئے۔ جبکہ ایک انجان شخص کو ڈیرے پر دیکھ کر اس کے تیور بگڑ گئے تھے کیونکہ یہاں صرف خاص خاص لوگ ہی آتے تھے۔

"کون ہے یہ؟" ان کے سلام کے جواب میں اس نے بگڑ کر پوچھا۔

"خان... مخبر ہے ایک خاص خبر لایا ہے۔ اس لئے ہم اسے یہاں لے آئے۔" سمندر خان اس کے مزاج و عادات سے واقف تھا۔ فوراً بولا۔

"کیسی خبر؟ کس کی خبر ہے۔" وہ سہمے ہوئے شخص سے بولا۔

"خان... خان وہ آپ کا نام لیتے تھے۔ آپ کی بہن۔"

"میری بہن' میرا نام؟ کیا جانتے ہو بتاؤ... بتاؤ' جلدی بتاؤ' ورنہ ابھی گردن توڑ دوں گا۔" وہ ایک جست میں اس کے نزدیک پہنچا تھا اور اس کی گردن کچھ اس انداز میں پکڑی تھی کہ اس کی آنکھیں باہر کو نکل آئی تھیں۔

"چھوڑو... چھوڑو کیوں نہیں؟"

"خان' خان... اس کی گردن تو چھوڑو' یہ کس طرح بولے گا۔" سمندر خان نے آگے بڑھ کر تو اس نے جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑ دی۔

"خان... میں جانتا ہوں' آپ کی بہن کہاں ہے۔"

❀❀❀

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"کیا درست کہہ رہے ہو تم؟"

"ہاں خان! میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے۔"

"کیا دیکھا تھا؟ کیا سنا تھا جلدی بتاؤ؟"

"شاہ قبیلے کا گلریز خان اپنے ملازم سے کہہ رہا تھا کہ بابا جانی قبیلے کی رسم و روایات کے خلاف سہریز خان کے خون کا بدلہ لینے کے بجائے جنگ سے بچنے کے لئے قتل کو حادثے کا نام دے رہے ہیں اور وہ ایسا کبھی نہیں ہونے دے گا۔ سرکار! آپ کو نیچا دکھانے کے لئے یعنی بدلہ لینے کے لئے اس نے آپ کی بہن کو اغوا کیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ شمشیر خان سے ایسا بدلہ لے گا کہ وہ غیرت مند ہوگا تو غیرت سے خود ہی ڈوب مرے گا۔" وہ شخص اس کے خوفناک تیوروں سے اس حد تک خوفزدہ ہو گیا تھا کہ بغیر رکے ساری باتیں بتاتا چلا گیا۔

شمشیر خان کے خون میں شرارے دوڑنے لگے۔ معاملہ اس کی توقع کے برعکس نکلا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی اس سے بدلہ لینے کا ارادہ بھی کر سکتا ہے۔ ارادہ ہی نہیں بلکہ یہاں عملی ثبوت پیش ہو چکا تھا اور اس کے مقابل بہت ہوشیار، مکار و شاطر دشمن تھا جس نے دانستہ اس کی عزت و غیرت پر ہاتھ ڈال کر اس کی شہ رگ کو کچل ڈالا تھا۔

بے شک اس نے انہیں اپنے باپ کی بیٹیوں کے رشتے سے منظور کیا تھا مگر کبھی اپنی بہنوں کے رشتے سے قبول نہیں کیا تھا لیکن اب سوال اس کی حمیت، باپ کی غیرت، قبیلے کی عصمت اور برادری کی عزت و ناموس کا پیدا ہو گیا تھا۔ اگر قتل کے بدلے قتل ہو جاتا تو کوئی انہونی یا ناقابل قبول بات نہ ہوتی مگر...

"تو نے یہ سب کہاں سے سنا؟" سمندر خان نے سخت لہجے میں کہا۔

"خان! میں لکڑیاں اکٹھی کرنے گیا تھا۔ جب میں نے گلریز خان اور طور خان کو پتھروں اور درختوں کے تنوں سے سڑک کو بند کرتے دیکھا تو مجھے احساس ہوا کچھ گڑبڑ ہونے والی ہے۔ میں وہاں سے بھاگتا تو ان کی نظروں میں آ جاتا، میں اپنی جان بچانے کے لئے درخت کی [illegible] پھر کچھ دیر بعد سڑک پر بڑے خان کی گاڑی آ کر رکی، راستہ بند دیکھ

ڈرائیور منصور اور تربت خان باہر نکل آئے اور بی بی بھی چادر کا غلاف لے کر سبزے پر بیٹھ گئیں۔ منصور خان اور تربت خان بھاری پتھروں کو ہٹا رہے تھے کہ پہاڑ کے پیچھے چھپے ہوئے گلریز خان اور طور خان نکلے، انہوں نے کوئی کپڑا سونگھا کر بی بی کو سیکنڈوں میں بے ہوش کر دیا پھر منصور خان اور طور خان کو گولیاں مار کر کھائیوں میں پھینک دیا۔ ساتھ ہی گاڑی کو بھی، اور پھر بی بی کو اٹھا کر اپنی گاڑی میں ڈال کر جنگل کی طرف لے گئے تھے۔" وہ جلدی جلدی بول رہا تھا۔ شمشیر خان کی خون آشام نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں۔ اسے اپنا دم نکلتا محسوس ہو رہا تھا جبکہ صبر اور سمندر خان مودب کھڑے تھے۔

"دو دن بعد آ کر بتا رہا ہے تو؟"

"خان! میں اسی وقت آ گیا تھا مگر حویلی سے معلوم ہوا نہ آپ تھے اور نہ بڑے خان، اس لئے میں خاموش ہو گیا تھا۔"

"اچھا، اور کس کس کو بتایا ہے تو نے یہ سب؟" وہ ایک دم اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا کرب دہ لہجے میں استفسار کرنے لگا۔

"نہ جی، میں نے کسی کو نہیں بتایا کس کو بتاتا؟" وہ بوکھلا کر سہمے ہوئے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"میں جانتا ہوں خان! اسے یہ ایسا بندہ نہیں ہے۔ سچ کہہ رہا ہے یہ۔"

"اچھا پھر تو ایسی اطلاع دینے پر "خصوصی" انعام سے نوازنا چاہئے۔" سمندر خان کی یقین دہانی پر وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ مخبر انعام و اکرام کے تصور سے خوش ہو گیا تھا "گویا اطلاع دینے کا ثواب یہی تھا۔ ابھی مسرت سے اس کی باچھیں کھلی ہی تھیں کہ یکدم شمشیر خان کے ہاتھ میں رومال دیکھ کر اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئیں۔ استعجاب سے کھلے ہونٹوں کے درمیان دو [illegible] شعلے یکے بعد دیگرے لپکے تھے اور وہ اسی پل زمین پر اپنے خون میں پڑا تڑپ رہا تھا۔

"جا تجھے زندگی کی قید سے آزاد کیا۔ اس سے بڑا تحفہ تیرے لئے کیا ہو سکتا تھا۔ آزاد کر دیا تجھے زندگی کی مشقتوں سے۔"

❁ ❁ ❁

نہ معلوم کیا وقت تھا جب اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بہت زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑا رہا ہو۔ اس نے نیند سے بوجھل آنکھیں کھول کر خوفزدگی سے باہر صحن کی سمت دیکھا۔ لمحے کے [illegible] میں اندیشوں اور خوف کے ناگ پوری طاقت سے حملہ آور ہو چکے تھے۔ نیند چند [illegible] غائب ہو گئی تھی۔

وہ پٹہ درست کرتی متوحش سی کھڑی ہو گئی تھی لیکن ابھی ایک قدم بھی نہ بڑھایا تھا کہ اسے

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لگا جیسے کسی نے ٹانگ پکڑ کر پوری شدت سے کھینچی ہو۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی وہ اپنے پلنگ پر گر گئی تھی۔ پھر غور کرنے پر معلوم ہوا کہ صابرہ بی بی کو اس کے شاید بھاگ جانے کا خوف تھا۔ وہ اس کی ٹانگ دوپٹے سے باندھ کر اپنی ٹانگ سے دوپٹہ باندھ کر سوئی تھی۔ وہ رات کو اتنی گہری نیند سوئی تھی کہ محسوس ہی نہ کر سکی تھی۔ صابرہ بھی لگتا تھا۔ برسوں بعد سوئی تھی جو اس کی نیند اتنی گہری اور پرسکون تھی کہ زور زور سے دروازہ پیٹے جانے اور درشا کے اٹھنے' گرنے اور دوپٹے سے پاؤں آزاد کرنے کی کارروائی کے باوجود وہ یونہی بے خبر سوتی رہی۔

درشا نے فکرمندی کی نگاہیں اس پر ڈالیں اور دروازہ کھولنے صحن کی جانب بڑھ گئی۔ گھر سے بادل اب بھی چھائے ہوئے تھے۔ موٹی موٹی بوندیں گر رہی تھیں۔

"کون ہے؟" اس نے وسوسوں و خوف کے درمیان پوچھا۔

"دروازہ کھولو' میں ہوں بیٹی' روزی خان۔" باہر سے روزی خان کی آواز سن کر اس کے منتشر حواس ٹھکانے آئے۔ فوراً دروازہ کھول ڈالا۔

"سو رہی تھیں بیٹی' میں کب سے دروازہ بجا رہا ہوں۔" وہ اندر آ گئے۔ ہاتھ میں پکڑی چھتری اور لالٹین' دوسرے ہاتھ میں کاغذ کا لفافہ تھا۔ لفافہ انہوں نے درشا کی طرف بڑھایا۔ چھتری اور لالٹین کمرے سے ملحقہ چھوٹی سی کوٹھری میں رکھ کر وہ کمرے میں آ گئے۔ درشا دروازہ بند کر کے کمرے میں آ گئی تھی اور لفافہ لکڑی کی میز پر رکھ دیا تھا۔

"حیرت ہے صابرہ ابھی تک سو رہی ہے۔ ورنہ جب سے گلفشاں ابدی نیند سوئی ہے اس کا نصیب کی نیند ہی اڑ گئی تھی۔" روزی خان بیوی کو گہری پرسکون نیند سوتے دیکھ کر آزردہ و غمگین لہجے میں گویا ہوا۔ پھر اپنی نم ہو جانے والی آنکھوں کی نمی صاف کر کے میز پر رکھا لفافہ اٹھا کر خاموش بیٹھی درشا سے پوچھنے لگا۔

"بیٹی! تم ناشتے میں کیا کھاؤ گی؟ میں انڈے اور ڈبل روٹی لے آیا ہوں' مکھن گھر میں موجود ہے اگر کچھ اور کھانا ہو تو بتا دو میں لے آؤں گا۔"

"آپ نے اتنا تکلف کیوں کیا بابا! جو گھر میں موجود تھا وہ میں کھا لیتی۔"

"تکلف کیسا بیٹی' آپ مہمان ہو ہمارا' اور مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے بیٹی! اللہ کی رحمت کا نزول نعمتوں پر ہوتا ہے۔"

"ہاں بابا' آپ جیسے لوگ بھی رحمت ہوتے ہیں۔ مجھ جیسے لوگوں کے لئے جو زمانوں سے لاوارث جال اور مہربان کے ہوتے ہوئے بھی بے آسرا اور بے ٹھکانہ ہو جاتے ہیں۔" اس نے دلسوزی سے کہا تھا اور منہ ہاتھ دھونے صحن کی جانب بڑھ گئی تھی۔

کہا تو تھا کہ سرابوں میں پیر مت رکھنا
کہا تو تھا کہ گلابوں سے خار چن لینا
کہا تو تھا کہ سویروں میں دھوپ مت بننا
کہا تو تھا کہ ہواؤں پہ خواب مت لکھنا
کہا تو تھا کہ ستاروں کا ٹوٹنا تکنا
کہا تو تھا کہ اندھیروں سے دوستی رکھنا
کہا تو تھا کہ نہیں زندگی میں مرنا تم
کہا تو تھا کہ محبت کبھی نہ کرنا تم

صارم کو ہوش آ چکا تھا۔ بابا جانی' گلباز خان اس سے چند باتیں کرنے کے بعد اس کے اصرار پر گھر چلے گئے تھے کیونکہ ان کے سامنے اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ کسی طرح بھی انہیں یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ از حد تکلیف میں ہے۔ ان کے پژمردہ چہرے' سرخ و فکرمندی بھالتی نگاہیں اس امر کی غماز تھیں کہ وہ رات بھر سوئے نہیں تھے۔

وہ گلریز خان کو اس کی مکمل دیکھ بھال کرنے اور خیال رکھنے کا کہہ کر مجبوراً گھر لوٹ آئے تھے کہ گھر پر موجود عورتوں کے لئے ان میں سے ایک کی غیر حاضری بھی پریشانی میں مبتلا کر سکتی تھی۔ وہ لوگ گلریز اور صارم کی غیر موجودگی کے باعث ویسے ہی پریشان تھیں۔

ان کے جانے کے بعد ایک مرتبہ پھر صارم نیند اور دوائیوں کے زیر اثر سو گیا تھا۔

پھر رات کے اگلے پہر وہ جاگا تھا۔ کمرے میں ہلکی روشنی تھی۔ اے سی آن ہونے کے باعث خنکی پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ طور خان نیچے ماربل کے فرش پر فوم کا گدا بچھائے بے خبر سو رہا تھا۔ سامنے بچھے سنگل فولڈنگ بیڈ پر گلریز کروٹ کے بل لیٹا ہوا نہ معلوم سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا' صارم کی جانب اس کی پشت تھی۔

صارم نے نگاہ وہاں سے ہٹا کر ڈرپ اسٹینڈ پر ڈالی' اس کی غنودگی کے دوران ڈرپ بدلی گئی تھی۔ وہ خاموشی سے قطرہ قطرہ گرتے اس پانی کو دیکھنے لگا جو توانائی بن کر اس کے جسم میں داخل ہو رہا تھا لیکن اسے اپنا جسم بے جان ہی محسوس ہو رہا تھا۔

آدھی رات کے اس پہر میں سناٹے و ویرانی' خاموشی و وحشت وہ اپنے اندر پوری طاقت سے سرایت ہوتے محسوس کر رہا تھا۔ جسم سے زیادہ گہرے گھاؤ اس کی روح پر لگے تھے۔

اس کا اعتماد' اس کی نیکی نیتی'

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کا جذبہ ایثار و ہمدردی۔

مروت و اعتماد کو ورثا کی اس سفاکی و خود غرضی' احسان فراموشی و بے حسی نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بظاہر از حد معصوم و بے گناہ نظر آنے والی لڑکی' اندر سے اس حد تک بے رحم و بے مروت ہوگی۔

"جاگ گئے؟ کیا سوچ رہے ہو؟" گلریز نے جو سویا نہیں تھا۔ کروٹ بدل کر اس کی طرف رخ کیا تو صارم کو آنکھیں کھولے' سوچوں میں مستغرق دیکھ کر اس کے قریب چلا آیا اور قریب رکھی چیئر پر بیٹھ کر استفسار کرنے لگا۔

"آں... ہاں کچھ بھی نہیں۔"

"کچھ تو سوچ رہے ہو۔"

"یہی کہ تم اگر مجھے اٹھا کر نہیں لاتے تو اب تک میں "اوپر" پہنچ چکا ہوتا۔"

"صارم خان! میں نے بابا جان اور بابا جانی کو مطمئن کرنے کے لئے کہانی بنائی تھی کہ تم شکار کرتے ہوئے پاؤں پھسل جانے کی وجہ سے گر گئے اور میں اسپتال لے آیا۔ اس کہانی سے دونوں مطمئن ہو گئے۔" وہ جھک کر اس کے چہرے پر گہری نظر ڈالتے ہوئے گویا ہوا لیکن میں حقیقت حال جان کر رہوں گا' اور تم مجھے احمق نہیں بنا سکتے سمجھے۔"

"میرے خیال میں سچ بنانے کو بنانا محض حماقت اور وقت کا زیاں ہے۔" وہ مسکرا کر طنزیہ لہجے میں بولا۔

"مجھے باتوں میں مت اڑاؤ خان' ٹھیک ٹھیک بتاؤ' وہ لڑکی کہاں گئی؟ تم پہاڑ سے گرے نہیں بلکہ گرائے گئے ہو اور وہ لڑکی تمہیں گرا کر بھاگ گئی نا؟" گلریز کا لہجہ یقین سے پر تھا۔

"ہوں' کچھ ایسا ہی ہے۔" وہ نگاہیں چرا کر گویا ہوا۔

"لیکن' کس طرح؟ کیسے صارم خان! وہ لڑکی اتنی زور آور تھی کہ تم جیسے مضبوط و توانی آدمی کو گرا کر بھاگ گئی؟"

"زور آور نہیں بخت آور کہو۔ یا شاید میرا نصیب ہی سیاہ ہو گیا تھا۔ اس وقت جو کچھ بھی ہوا میں اس وقت کچھ بھی اس کے متعلق سوچنا یا بتانا نہیں چاہتا۔ تم اب کچھ نہیں پوچھو گے۔" وہ خاصے چڑچڑے و بد مزاج لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے۔ میں نہیں پوچھوں گا مگر سوچنے پر تم پابندی نہیں لگا سکتے' تم جیسے لوگوں سے ایسا ہی ہونا چاہئے اور ہوا بھی یہی چاہئے۔" گلریز غصے سے کھڑا ہو کر بڑبڑا رہا تھا۔ "بہت سمجھا رہا تھا نا تمہیں اس چڑیل پر' دیکھا کہا تھا نا عورت پر کبھی یقین نہ کرنا۔ وہ موقع ملتے ہی اس کو

ہے۔ بندے کو سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ فکر کرو' میں رک گیا تھا۔ مجھے کچھ کچھ احساس تھا کہ تمہاری ہمدرد طبیعت' کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلائے گی۔"

"پلیز' گلریز' سو جاؤ رات بہت ہو چکی ہے۔"

"تم' مجھے اصل بات بتاؤ پہلے پھر مجھے نیند آئے گی۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"گلریز' میں اس وقت جسمانی و روحانی اذیت سے شدید دوچار ہوں۔ فار گاڈ سیک پلیز' مجھ سے اس وقت کچھ معلوم نہ کرو تو بہتر ہے۔"

اس کے بھنچلائے و سرد لہجے میں کچھ ایسا سوز و کرب پنہاں تھا کہ گلریز نے چند ثانیے اس کی جانب تاسف بھرے انداز میں دیکھا پھر اسے اپنی طرف متوجہ نہ پا کر شانے اچکاتے ہوئے اپنے بیڈ کی طرف بڑھ گیا۔ کافی دیر تک بے چینی و اضطراب سے کروٹیں بدلتا رہا پھر آخر کار نیند کی ملکہ اس پر مہربان ہو چکی تھی۔

صارم آنکھیں بند کئے اپنے اندر برپا جنگ سے نبرد آزما تھا۔

"اعجاز روشنی سے زیادہ روشن۔

پانی سے زیادہ شفاف۔

چاندی کرنوں سے زیادہ اجلا۔

ستاروں سے زیادہ منور

اور شیشے کی مانند نازک ہوتا ہے۔ جو قائم رہے تو چٹان کی طرح مضبوط محسوس ہوتا ہے اور اگر ذرا سی ٹھیس لگ جائے تو کانچ کے برتن کی طرح ٹوٹ کر لمحوں میں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتا ہے۔"

اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

اس نے ورثا کو اندھیروں سے نکال کر اجالوں میں لانا چاہا تھا۔

اور اس نے... آہ...

اس نے زور سے آنکھیں بند کی تھیں۔

❁❁❁

"دھیرج دھیرج شمشیر خان' ایک دم اس قدر جذباتی مت ہو جایا کرو' کہ عقل و شعور کی تمام ... بور کر بیٹھو۔" شہباز خان اسے زخمی چیتے کی مانند انتقامی کارروائیاں مکمل کرتے دیکھ کر ہنسی ... گویا ہوئے تھے۔

"ایسا بزدلی کا سبق مت دیا کریں بابا جان' اتنی بڑی بات ہو گئی' وہ ہماری عزت' غیرت'

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قبیلے کی عصمت پر داغ لگا گئے۔ ہماری لڑکی اغوا کرلی' ہماری حمیت و بہادری پر سیاہی پھیلا دی' پھر بھی آپ عقل و دانش کے گھوڑے دوڑانے کی تلقین کر رہے ہیں؟ دشمن ہماری عزت سے کھیل گئے اور ہم..."

"شمشیر خان! زبان کو لگام دو۔ ورشا خان' شہباز خان کی بیٹی اور تمہاری بہن ہے۔ اتنی ہمت وحیا ہے اس میں کہ وہ جان تو دے سکتی ہے لیکن باپ کے شملے اور بھائی کی غیرت پر کوئی داغ نہیں لگنے دے سکتی۔ اتنا مجھے یقین و بھروسہ ہے اس پر۔"

"لیکن اس بات پر کون یقین کرے گا؟ کس کس کی زبان پکڑیں گے؟ کس کس کی انگلیاں توڑیں گے؟ کس کس کا منہ بند کریں گے؟ کس کس کو بتائیں گے؟" اس کا پور پور سلگ رہا تھا۔

"جب میرا دل مطمئن ہے تو مجھے کسی کی بھی پروا نہیں ہے۔"

"آپ کو پروا نہیں ہے بابا جان' لیکن میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

"اس طرح کام نہیں ہوتے خان' یہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ ہمیں جرگے سے فیصلہ کروانا ہوگا۔ شاہ ولی قبیلے والوں کو ہم اس طرح نہیں چھوڑیں گے۔"

"نہیں' میں بات جرگے تک نہیں پہنچنے دوں گا' یہ ہماری کھلی بے عزتی ہوگی' شمشیر خان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر رسوائی و ذلت ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ میں نے صرف دو باتیں ہی ازبر کی ہیں' "مار دو یا مر جاؤ" بس اس کے سوا کوئی تیسرا راستہ میں نے دیکھا ہی نہیں۔ اور میں دیکھنا چاہتا بھی نہیں۔" وہ زمین پر قدم مار کر بہت ضدی و اٹل لہجے میں بولا۔ شہباز خان نے گہری نگاہوں سے بیٹے کے تنے اعصاب و دہکتے چہرے کو دیکھا پھر سر جھٹک کر کرسی پر نیم دراز ہو گئے۔

شمشیر خان نے کچھ دیر قبل آ کر اطلاع دی تھی کہ ورشا فرار نہیں ہوئی بلکہ اسے سہریز کے بیٹے نے سہریز کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اغوا کر لیا ہے۔ ان کے اندر کہیں اطمینان و اعتماد کی معمولی سی طمانیت ابھری تھی۔ ورشا کے فرار کا سن کر انہیں یقین نہ آیا تھا کہ وہ ایسی ہو سکتی ہے۔ بے شک وہ ضدی و خود سری میں بیٹوں سے بھی بڑھ کر نکلی تھی۔

دوسری بیٹیوں سے بالکل مختلف و منفرد

جو اپنا حق چھین کر لینا جانتی تھی۔

حالانکہ وہ اپنے حقوق' اپنی ذات کی اہمیت سے بھی بے بہرہ رہی تھیں۔

وہ خود کو منوانا جانتی تھی۔ اپنے وجود کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھی۔ جائز کو جائز' ناجائز کو ناجائز منہ در منہ کہنے کا حوصلہ رکھتی تھی۔ خلوص و محبت میں گردن کٹوا سکتی تھی۔ مگر کسی کی فرمانبرداری کے آگے سر جھکانا اس نے سیکھا ہی نہ تھا۔

وہ شعلہ بھی تھی' شبنم بھی۔

پھول بھی تھی اور خار بھی۔

لیکن انہیں یقین تھا وہ بدکردار نہیں تھی۔ وہ باپ کے شملے کو زمین بوس کرنے سے بہتر مرنا پسند کرتی مگر اس قدر گھٹیا اور رذیل حرکت کی مرتکب نہیں ہو سکتی تھی۔ وقت نے ثابت کر دیا۔ ان کے گمان غلط نہیں تھے۔ ان کا اعتماد رائگاں نہیں گیا تھا۔ وہ ان کی امید و یقین کی کسوٹی پر کھری ثابت ہوئی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہیں بابا جان؟ میں ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔ وہ انہیں کرسی پر آنکھیں موندے بیٹھے دیکھ کر ہٹ دھرم لہجے میں بولا۔

"ہم جنگل میں زندگی نہیں گزار رہے شمشیر' ہم انسانوں میں رہ رہے ہیں۔ ہمارے قبیلے کے قانون ہیں جن پر عمل کرنا ہمارا فریضہ ہے۔ ہم کچھ حدود' کچھ روایتوں کے پابند ہیں۔ کچھ دستور ہیں جن کو نبھانے کا قانون ہم پر لاگو ہوتا ہے بچے! لڑکی کے معاملے میں ہمیں جرگے کا سہارا لینا ہوگا۔"

"نہیں... نہیں... نہیں بابا جان یہ بات گھر سے باہر جا نہیں سکتی' کہ..." یکدم ہی وہ طیش میں کھڑا ہو گیا تھا۔ آنکھوں سے گویا خون چھلکنے لگا تھا۔ "یہ بات گھر سے باہر نہیں نکلے گی۔" وہ سرد مہری سے کہنے لگا۔

"پھر کیا مقصد ہے؟ بیٹی کو ان کے حوالے کر دوں؟" شہباز خان اس بار خاصے تلخ و ترش انداز میں گویا تھے۔

"یہ میں نے کب کہا؟"

"تمہاری باتوں کا کیا مقصد ہے؟"

"اسے تو مجھے برآمد کر لینا ہے لیکن وہ پھر اس گھر میں نہیں آئے گی۔"

"پھر کہاں جائے گی۔" وہ اس کے انداز پر الجھ کر رہ گئے تھے۔

"قبرستان۔" بھرپور سفاکی و درندگی اس کے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔

"کیوں؟ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا' شمشیر خان' جانتے ہو وہ بے گناہ ہے۔ بے قصور ہے پھر کیوں؟"

"وہ بے گناہ' بے قصور ہے تو بے غیرت و بے حمیت ہم بھی نہیں ہیں۔ کس طرح ہم اسے قبول کر سکتے ہیں۔ جیسے ہمارے دشمنوں نے۔"

"خاموش ہو جاؤ شمشیر خان۔" وہ گرجے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"میں خاموش ہوں' خاموش رہوں گا۔ لیکن وہ اب زندہ نہیں رہے گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے بابا جان! آپ بھول رہے ہیں۔ ہمارے ہاں ایسی لڑکیوں کو قبول نہیں کیا جاتا' لڑکیاں قصوروار ہوں یا بے قصور' سزائے موت انہیں بھگتنی پڑتی ہے۔ ہاں میرا یہ وعدہ ہے۔ میں اپنے دشمنوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا... انہوں نے ہماری عزت پر ہاتھ ڈال کر اپنی آنے والی نسلوں تک کے مستقبل تاریک کر ڈالے ہیں۔"

"پہلے ورشا کا پتہ لگاؤ' پھر بعد میں کرو جو کچھ کرنا ہے' کیونکہ پہل تمہاری طرف سے ہوئی ہے تم نے سبریہ خان کو قتل کیا ہے۔ اس لئے ہوش و حواس سے کام لو۔ دشمنوں کو معاف کرنے کا میں بھی عادی نہیں ہوں۔" وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ملامت سے گویا ہوئے۔

❁ ❁ ❁

کمرے میں پر ہول سناٹا و ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ در و دیوار سے عجیب یاسیت و وحشتیں لپٹی دکھائی دے رہی تھیں۔ دل کو بے جان' دماغ کو مفلوج کر دینے والے وسوسے و پریشانیاں پوری طاقت سے حملہ آور تھیں۔

سکاویہ نے سوجی ہوئی سرخ نگاہوں سے ماں کے سفید پڑتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ "دن گزر رہے تھے یا دو صدیاں؟"

"یا... شاید زندگی ہی اپنا احساس کھو بیٹھی تھی۔

کتنا کٹھن ہوتا ہے مرے ہوئے کو بھلا دینا۔

لیکن اس سے بھی زیادہ اذیت ناک و ناممکن ہوتا ہے' زندہ کو فراموش کر ڈالنا۔ سکاویہ نے ماں کے قریب بیٹھ کر آنکھیں موند لیں۔

زندگی تو پہلے بھی سہل نہ تھی۔

مگر اب تو گویا کانٹوں پر گھسٹتے ہوئے دن گزر رہے تھے۔

ہر آتی جاتی سانس کے ساتھ آنے والے لمحوں کا خوف تھا۔

ایک کند چھری گویا ہر لحظہ شہ رگ کی سمت بڑھ رہی تھی۔

یہ دستور دنیا آخر کب فنا ہوگا؟

قصور ایک کا ہوتا ہے۔

سزا سب کو بھگتنی پڑتی ہے۔

جرم ایک سے سرزد ہوتا ہے۔

بھیانک سایہ سب کا مقدر بنتا ہے۔

کیا ورشا اس حد تک خود غرض و خود پرست ہو سکتی ہے؟

وہ جو ظلم و جبر کے خلاف برسر پیکار تھی۔ کیا اپنے سگوں پر ایسا "سفاک" اور "شرمناک" ظلم کر سکتی ہے؟

کلیوں کی طرح پاکیزہ۔

شبنم کے قطروں کی طرح شفاف۔

شگوفوں کی پتیوں کی مانند نرم و نازک حساس و دل گداز احساسات رکھنے والی میری بہن' کیا ایسا گناہوں سے گرا دینے والا عمل کر سکتی ہے؟

نہیں... نہ دل اس بات کو مانتا ہے' نہ دماغ اقرار کرتا ہے۔

وہ ضدی' نڈر' خود سر سہی' مگر... اس کا کردار بہت مضبوط' ٹھوس' بے لچک اور قابل ستائش تھا۔

پھر... یہ سب کیا ہے؟

میری بہن کہاں گئی؟ کیا حادثہ اس کے ساتھ گزرا؟

وہ ہمارے گرد محیط اندھیروں کو اجالوں میں بدلنے کا عزم لے کر یہاں آ رہی تھی... پھر...

پھر کہاں اندھیروں میں ڈوب گئی؟

"ورشا' میری بہن' میری جان' میری آس' کہاں کھو گئی ہو تم؟ آ جاؤ خدارا چلی آؤ' اوے ہمارے دکھ میں جیتی جاگتی لاش بن گئی ہیں۔ در و بام سے وحشتیں و ویرانیاں لپٹ کر نوحہ پڑھتی نظر آتی ہیں۔ میں بہت تنہا ہو گئی ہوں' بہت دکھی' بہت پریشان' سب دشمن بن گئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے قدموں کے نیچے نہ زمین رہی ہے' اور نہ سر پر آسمان' ہواؤں میں معلق ہو گئی ہوں تم آ جاؤ ورشا تم آ جاؤ۔ سوچوں اور پریشانیوں سے گھبرا کر اس نے رونا شروع کر دیا۔

جب سے ورشا کے فرار کی خبر انہیں ملی تھی گل خانم صدمے سے گم صم ہو کر رہ گئی تھیں۔ گل بابا نے اس دوران ان پر عرصہ حیات تنگ کر ڈالا تھا۔ ان دونوں کو کمرے میں مقید کر دیا تھا۔

شہباز خان پہلے ان سے بے اعتنائی و بے نیازی برتتے تھے' اب تو گویا وہ ان کی صورت دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔ جیسے اس کے اس عمل کی ذمے داری ان پر عائد ہوتی ہو۔

گل خانم اردگرد سے بے گانہ تھیں۔ جبکہ وہ گھٹ کر رہ گئی تھی کوئی بھی اس کٹھن گھڑی میں ان دو پر سان حال نہ رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گزشتہ دو روز سے جاری بارش کا سلسلہ آج تیسرے دن اختتام پذیر ہوا تھا۔ وہ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر روزی خان اور اس کی بیوی صابرہ کے پاس بیٹھی ہوئی' بغور فریم میں جگڑے کپڑے پر مہارت سے رنگ برنگی ریشمی دھاگوں سے دیدہ زیب انداز میں شاہکار بناتے ہوئے صابرہ کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

اسے تیراکی کے ساتھ مسرت بھی ہو رہی تھی وہ گاؤں کی سیدھی' سادی ان پڑھ گنوار عورت کتنی مہارت سے' کتنی ذہانت و لیاقت سے کپڑے پر رنگوں سے پھول تخلیق کر رہی تھی۔ وہ تعلیم شعور سے نابلد تھی۔

باہر کی دنیا کے فیشن و سلیقوں سے بے بہرہ ہونے کے باوجود ان کی پسند وسعت' رنگوں کا انتخاب قابل ستائش تھا۔

ذہانت و قابلیت ڈگریوں کی محتاج نہیں ہوتی' وہ اپنا آپ منوا لیتی ہے۔

"بیٹی! آج موسم صاف ہے۔ اگر جانا چاہو تو میں چھوڑ آؤں گا۔" روزی خان کی آواز نے ماحول کی خاموشی میں ارتعاش پیدا کیا تو وہ بہت محویت سے صابرہ کے چلتے رنگوں کی جادو گری پھیلاتے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی' یکدم ہی چونک کر سیدھی ہو گئی تھی۔

"نہیں' یہ کہیں نہیں جائے گی' میں اپنی گلفشاں کو کہیں جانے نہیں دوں گی۔" صابرہ یکدم ہی تڑپ کر اٹھی تھی اور آگے بڑھ کر پوری طاقت سے درشا کو لپٹا لیا تھا۔ اس کے اس بے ساختہ عمل سے قریب رکھی رنگین دھاگوں کی لچھیاں' شیشے کے چوکور ٹکڑے' فریم' سوئیاں پتھریلے فرش پر بکھر گئے تھے۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی اماں' تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ صابرہ کے سینے پر سر رکھے بھرائے لہجے میں بول رہی تھی۔

"صابرہ! تو تو بالکل پگلی ہو گئی ہے۔ کیوں یقین نہیں کرتی' تمہاری گلفشاں اب اس دنیا میں ..."

"بابا! رہنے دیں' مت کچھ کہیں۔" درشا ان کی بات قطع کر کے بامشکل سے گویا ہوئی۔ صابرہ اس سے اسی طرح شدت سے لپٹی ہوئی تھی۔

"بیٹی! ایسا کب تک کرو گی؟ تمہیں گھر جانا ہے اپنے... صابرہ کی خاطر کب تک رکو گی ہو؟" صابرہ جنگل سے لکڑیاں چننے چلی گئی' تو روزی خان درشا سے مخاطب ہوئے تھے۔ اس وقت سورج کا سنہری رنگ کائنات پر پھیل رہا تھا۔

"بابا! میرا دل نہیں مانتا' اماں کو اس طرح چھوڑ کر جانے کو۔"

"لیکن بیٹی! کہاں سے آئی ہو؟ کیا تمہارے گھر والے انتظار نہیں کر رہے ہوں گے' پیلیاں اس طرح گھر سے باہر رہنے لگیں تو' لوگ نہ صرف ان کا بلکہ گھر والوں کا بھی جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ کیا بات ہے؟ کیوں گھر سے لگی تھیں۔ اور اب گھر کیوں جانا نہیں چاہتی ہو؟"

فہم و فراست' شعور و آگہی کا ادراک ہر ذی ہوش رکھتا ہے۔ روزی خان عمر رسیدہ و تجربہ کار شخص تھا۔ وہ اس کی خاموشی و صابرہ سے محبت' لگاؤ اور اپنائیت کو محسوس کر رہا تھا۔ اس بات نے اسے چونکا دیا تھا کہ تین دن گزرنے کے باوجود اس لڑکی نے گھر جانے کی بات نہیں کی تھی۔ وہ اتنے اطمینان و اپنائیت سے یہاں رہ رہی تھی گویا وہ یہاں کی مکین ہے۔ شکل و صورت' انداز و گفتار سے وہ کسی اعلیٰ و مہذب گھرانے کی لگتی تھی۔ اس کے کسی بھی انداز سے کسی بھی گھٹیا یا سطحی پن کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ وہ بہت پاکیزہ رکھ رکھاؤ رکھنے والی' پروقار لڑکی تھی۔ پھر کیا وجہ تھی کہ وہ گھر نہ جاتی تھی اور نہ کچھ بتانے پر آمادہ تھی؟

"تم نے بتایا نہیں بیٹی!" وہ اسے گم صم دیکھ کر استفسار کرنے لگے۔

"بابا! کیا میں آپ پر بوجھ بن گئی ہوں؟"

"نہیں بچے نہیں' ایسی بات نہیں' انسان بھی بھلا کسی پر بوجھ بن سکتا ہے بلکہ تم تو ہمارے واسطے رب تعالیٰ کی رحمت بن کر آیا ہے بیٹی' صابرہ خانم تمہیں دیکھ کر کیسا بہل گیا ہے۔ اپنا دکھ' اپنا غم بھول گیا ہے۔ تمہارے آنے سے ہمارا گھر روشن ہو گیا ہے۔ ہر جگہ اجالا پھیل گیا ہے۔ صابرہ خانم کو دیکھا تم نے' کتنا خوش رہنے لگا ہے۔ ورنہ وہ سب بھول گیا تھا۔ گھر' خاوند' زندگی' اپنا آپ' اسے صرف گلفشاں یاد تھی۔ ابھی بھی وہ بالکل ٹھیک تو نہیں ہوئی لیکن گھر کو گھر سمجھنے لگی ہے۔ ورنہ اسے گھر میں بند کر کے رکھنا پڑتا تھا۔ وہ رنگ برنگے کپڑے کاڑھنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتی تھی۔"

"میں بتاؤں گی بابا' اپنے بارے میں سب کچھ بتاؤں گی' آپ اب تو ڈیوٹی پر جا رہے ہیں۔ کل میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی' لیکن آپ کو ایک وعدہ کرنا ہوگا۔ آپ کسی کو میرے بارے میں نہیں بتائیں گے۔"

❁ ❁ ❁

جاناں
تجھے دیکھنا چاہوں تو
پیاسے میری پلکیں جھک جاتی ہیں
تجھے سوچنا چاہوں تو دل مرا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قیامت سی دھڑکنوں کے حصار میں آ جاتا ہے
ایک انہونی سی خواہش
دل میں ہلکورے لینے لگتی ہے
میں بھی اپنا ہاتھ تیرے ہاتھوں میں رکھ کر
تجھے دیکھ سکوں سوچ سکوں
مگر پھر میں یہ سب سوچ کر رہ جاتی ہوں
خود سے شرما جاتی ہوں

"اے بی بی... میں کہہ رہی ہوں ذرا تیز تیز قدم بڑھالو۔ اگر اسی چیونٹی کی رفتار سے چلتی رہیں تو رات کہیں ہو جائے گی اور گاڑی بھی نہیں ملے گی' دو دن پہلے ہی عمارت ہو گئے۔ اب یہ بھی ضائع کرنے ہیں؟ ادھر گاؤں کی عورتوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اس کمبخت اچے باپ کا پیغام سنتے ہی ایسی کلینک پر ٹوٹی ہیں جیسے سیاہ چیونٹیاں جس کے مارے اپنے خولوں سے نکل پڑتی ہیں۔"

"افوہ' بوا جان! ایک تو آپ بہت بولتی ہیں۔ دیکھیں کتنا سہانا موسم ہو رہا ہے اور آپ کو احساس ہی نہیں ہے۔" کائنات جو خوشگوار موسم سے خوش تھی' ان کے اکتائے جھنجلائے انداز پر کر گویا ہوئی۔

"واہ... موسم کی بھی خوب کہی بی بی! یہاں کا موسم تو ہوتا ہی سہانا ہے۔ مجھے ڈر ہے اگر ان نہ کرنے کہیں وہ سرخ آنکھوں والا مل گیا تو سہانا موسم' روح فرسا ماحول میں بدل جائے گا ویسے بھی اس کا علاقہ ہے یہ۔"

"میں تو یہی چاہ رہی ہوں' وہ مل جائے۔"

"ارے کیوں بد دعا مانگ رہی ہو بی! اچھی اچھی باتیں سوچا کرو۔ نہ معلوم کون سی گھڑی قبولیت کی ہو۔" حسب عادت وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

"آں... ہاں آپ تو بس یونہی اس ڈیسنٹ مین سے کہیدہ خاطر رہتی ہیں۔ کتنا اچھا دیل آف' چارمنگ اینڈ ہینڈسم ہے وہ۔"

"دیکھو بی امیر کی وجاہت و خوبروئی نہیں دیکھی جاتی' اس کی شرافت و لیاقت' کردار کی بلندی اور ذات کی پختگی دیکھی جاتی ہے۔"

"کیا برائی ہے اس میں؟ اتنا جینٹ تو ہے وہ۔"

"ہے ہو گا آپ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتیں۔ گاؤں کی عورتوں سے میں نے اس

متعلق ایسی ایسی باتیں سنی ہیں کہ پوچھو نہیں تو بہتر ہیں۔" بوا دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتی توبہ کرنے کے انداز میں گویا ہوئیں۔

کائنات کو ان کا یہ انداز بالکل نہ بھایا۔ وہ منہ بنا کر چلنے لگی۔

اونچے لمبے' سرخ و سپید بظاہر پرکشش و وجیہہ پرسنالٹی والے شمشیر خان سے وہ پہلی ملاقات میں ہی متاثر ہو گئی تھی۔ جب اس نے اس سے ہی اس کے متعلق شکایت کی تھی' وہ بھی غصے سخت جملوں میں۔ اور جواباً اس کا پرسکون ردعمل اسے اس کا گرویدہ بنا گیا تھا۔

اب کلینک کھولنے کی اجازت دے کر تو اس نے بالکل ہی اسے اپنا اسیر کر لیا تھا۔

"ناراض ہو گئی ہو بی؟" وہ اس کی خاموشی کو محسوس کر کے کچھ توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

"نہیں' آپ سے ناراض ہو کر کیا کرنا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"میں جانتی ہوں' آپ برا مان گئی ہیں لیکن میں آپ کی بھلائی چاہتی ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے بوا' آپ کی تمام چاہتیں' رفاقتیں' محبتیں' نوازشیں صرف اور صرف میرے لئے ہی وقف ہیں مگر میں اب بالغ ہو چکی ہوں۔ دودھ کے دانت ٹوٹے عرصہ ہو چکا ہے۔ انگلی پکڑ کر چلنے کی عمر سے دور نکل آئی ہوں۔ اچھے اور برے کی تمیز رکھتی ہوں' میں بوا' آپ مجھے کمسن بچے کی طرح گائیڈ کرنا چھوڑ دیں۔" وہ چلتے چلتے ان کی کمر کے گرد ہاتھ لپیٹ کر بولی۔ اس کے لہجے میں شوخی' آنکھوں میں سنجیدگی موجزن تھی۔ بوا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری' اور بالکل خاموش ہو گئیں۔ سمجھ گئی تھیں۔ وہ اس وقت جذبات کے سمندر کی گہرائیوں میں ڈوب چکی ہے۔ اس وقت شعور و دانشمندی کی سطح پر لاابالی حماقت و رعونت تھی۔

ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ سامنے پتلی سی سیاہ ناگن کی طرح بل کھاتی سڑک پر دوڑتی سرخ لینڈ کروزر کو پہچان کر حسب عادت بوا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ یکدم ہی انہیں اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔

"کیا ہوا بوا؟" کائنات ان کا زرد چہرہ دیکھ کر استفسار کرنے لگی۔

"وہی ہونا جس کا ڈر تھا' شیطان کا نام لو وہ حاضر ہوا۔"

"حد کرتی ہیں آپ بھی بوا۔" قریب آتی گاڑی کو وہ بھی دیکھ رہی تھی۔ غیر محسوس انداز میں اس کے دل کی دھڑکنوں کا ارتعاش بدل گیا تھا۔ وہ اپنی اس کیفیت و انداز پر خود بھی حیران تھی۔

"سلام ڈاکٹر صاب' کہاں جاتے ہو آپ؟" گاڑی ان کے قریب آ کر رکی تھی' جس میں سے سمندر خان تیزی سے باہر آ کر غاصے مہذب و مودب انداز میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔ ڈارک گرے کاٹن کے شلوار سوٹ پر آف وائٹ گرم چادر شانوں پر ڈالے... اپنے مخصوص انداز

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں شمشیر خان بھی گاڑی سے باہر آ گیا تھا۔

کائنات نے دھیمے لہجے میں اسے سلام کیا تھا۔ جس کا جواب اس نے اثبات میں سر ہلا کر دیا تھا۔ بوا نے بھی سلام کیا تھا مگر ان کی آواز اندر ہی گھٹ کر رہ گئی۔

"کہاں جا رہی ہیں آپ؟" اس کی سرخ نگاہوں کی تپش اس کے عارضوں پر گلال بکھیرنے لگی۔ پلکیں ایک دم منوں بوجھ تلے جھک گئیں۔

"ارے بھیا! ذرا پشاور تک جا رہے ہیں۔ کلینک میں نرسوں کی ضرورت ہے۔ وہاں یہ لڑکیاں ہیں جنہوں نے نرسنگ ٹریننگ لے رکھی انہیں ہی لینے جا رہے ہیں۔" بوا جو کائنات کی کیفیت سے آگاہ تھیں ہمت کر کے بولیں تو بولتی چلی گئیں۔

"اچھا! صمد خان! گاڑی میں لے کر جاؤ" ان کو جتنا وقت لگ جائے ان کو ساتھ لے کر آنا۔" اس نے فوراً صمد خان کو حکم دیا۔

"ارے نہیں آپ یہ تکلیف نہ کریں تو بہتر ہے۔ ہم کوچ میں چلے جائیں گے۔" کائنات مسکرا کر گویا ہوئی۔

"تکلف آپ کر رہی ہیں۔ گھر میں گاڑی موجود ہے تو آپ کیوں دوسری گاڑیوں میں تکلیف اٹھائیں۔" عادت کے برخلاف وہ نرم لہجے میں بولا تھا۔ اس کے مضبوط گلابی ہونٹوں پر در آنے والی دلکش مسکراہٹ بہت آشنا بھلی لگ رہی تھی۔ اس کے گداز لہجے میں کچھ ایسا اسرار، قطعیت اور اپنائیت تھی کہ وہ مزید انکار نہ کر سکی صمد خان نے دروازہ کھول دیا تھا۔

"کیا کر رہی ہیں؟ نہ معلوم کہاں چھڑوا دے یہ خونی آنکھوں والا۔" بوا نے اسے آگے بڑھتے دیکھ کر سرگوشی کی جو اس نے سنی ان سنی کر ڈالی۔

"ہمارے یہاں کوئی عورت چادر کے بغیر نہیں گھومتی۔ مجھے امید ہے آئندہ آپ خیال رکھیں گی۔" اس نے چار بٹ کے سیاہ کلر کے تنگ پائنچے کرتے پر گلے میں ڈالے چنری دوپٹے کو دیکھتے ہوئے اپنی چادر شانوں سے اتار کر اس کے سر پر ڈالتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں کہا۔

سمندر خان اور صمد خان نے از حد حیران نگاہوں سے شمشیر خان کو دیکھا۔ پھر معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

وہ محض چادریں تبدیل کرنا نہیں اتارنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ آج کس طرح عزت و احترام سے اس نے اس ڈاکٹر کے عریاں سر پر اپنی عزت کی چادر ڈھانپ کر اپنا نیا روپ دکھایا تھا۔

"شکریہ چھوٹے خان! آپ کو آئندہ شکایت نہیں ہوگی۔" اس نے مسکرا کر تشکرانہ انداز میں کہا اور چادر کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ کر گاڑی کے اندر بیٹھ گئی۔

❁ ❁ ❁

بعض اوقات کتنا دکھ دیتے ہیں وہ لوگ جن کو دل چاہتا ہے۔ جن کی دید کی آنکھیں منتظر رہتی ہیں۔

ساعت جن کی آہٹوں پر بڑھ جاتی ہے۔

دل جن کے لئے اپنے تمام در وا کر دیتا ہے۔

دل و دماغ جن کے تصور سے ہی گل و گلزار ہو جاتے ہیں۔

نگاہوں میں زندگی کی شمعیں جل اٹھتی ہیں۔

دھڑکنوں میں حیات افروز بجلیاں مچلنے لگتی ہے۔

پھر اگر کوئی سنگدلی سے سب کچھ چھین لے تو؟

آنکھوں میں دید کی بجائے موت کی نیند دینا چاہے؟

دل کی دھڑکنوں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کرنا چاہے؟

سانسوں میں وحشت ناک سناٹے۔

آنکھوں میں ابدی اندھیرے۔

اور زندگی کو موت کی اندھیری گود میں پھینک دے تو... محبت کہاں ہوتی ہے؟ یہ دھوکہ فریب ہو جاتی ہے۔

محبت انسان کے وجود کی بنیاد ہے۔

محبت ہی انسان کی شناخت ہے۔

پھر کیوں لوگ اتنی خوبصورتی روشنی چاشنی کو چھوڑ کر نفرت کی کڑواہٹ دلکشی سے دوسروں کی زندگی زہر زہر کر ڈالتے ہیں؟

صارم! کیا سوچ رہے ہو؟ گلریز جو مسلسل اسے سوچوں میں گم اور گرد سے بے نیاز لیٹے دیکھ رہا تھا اس کے قریب بیٹھتا ہوا نرمی سے گویا ہوا۔

"کچھ نہیں کیا سوچوں گا سوائے اس کے کہ کب ان زنجیروں سے نجات ملے گی؟ تنگ آ گیا ہوں یہاں لیٹے لیٹے۔"

اس نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے بیزار لہجے میں کہا۔ سوچوں کے اذیت ناک بھنور میں وہ ہر وقت ہی سرپٹ دوڑتا رہتا تھا۔ اس کی بے کلی و بے قراری ہنوز قائم تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

درشہ نے اس کے خلوص' اس کی مروت' اس کی رواداری' اس کے درگزر و اعتماد کو کند چھری سے ذبح کیا تھا۔ اور اتنی سفاکی اور سنگدلی سے کیا تھا کہ وہ ہر لمحہ' ہر آن' ہر ساعت اپنے زخموں میں ٹیسیں برداشت کرتے کرتے نڈھال ہو چکا تھا۔

"بہت جلد اٹھ جاؤ گے تم' بس چند دنوں کی بات ہے۔" گلریز نے تسلی دی۔

"گھر پر بی بی جان اور سورے کو معلوم ہے؟ وہ بہت پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

"نہیں' ان سے بابا جانی نے بہانہ کر دیا ہے کہ ہم دونوں زمینوں کے سلسلے میں شہر گئے ہیں۔ چند دنوں بعد آئیں گے۔ اسی وجہ سے بابا جانی اور بابا جان الگ الگ ٹائم پر یہاں آئے تھے۔"

"کاکا جان آئے تھے؟"

"ہاں۔ وہ صبح ہی آ گئے تھے' تم سو رہے تھے' کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے۔"

"مجھے اٹھایا بھی نہیں؟ کتنے دن ہو گئے ہیں ان سے بات کئے ہوئے۔" وہ نقاہت بھرے انداز میں مخاطب ہوا۔

"تم مجھ پر ناراض مت ہو۔ میں نے بابا سے کہا تھا کہ تمہیں اٹھا دیتا ہوں لیکن وہ کہنے لگے تمہاری نیند خراب نہ کروں۔ وہ کل آ کر مل لیں گے۔"

"ان محبتوں نے ہی تو مجھے زندہ رکھا ہوا ہے۔"

"چائے پیو گے' منگواؤں؟"

"ہاں منگواؤ۔" وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز ہو کر بولا۔

"صارم خان!" انٹرکام پر چائے کا آرڈر دینے کے بعد وہ کرسی گھسیٹ کر بالکل اس کے بیڈ کے قریب رکھ کر اس سے سنجیدہ لہجے میں مخاطب ہوا۔

"ہاں.... کیا ہوا؟" صارم نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے' میرے اندر ہلچل مچی ہوئی ہے۔"

"اوہ.... مگر کیوں؟"

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"مذاق کہاں کر رہا ہوں بلکہ شکر کر رہا ہوں تم جیسے بندے کے اندر بھی ہلچل مچی۔"

"صارم! ہو سکتا ہے تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو جو میں پوچھنا چاہ رہا ہوں۔"

"تمہارے خیال میں' میں علم نجوم جانتا ہوں؟ یا ساحرانہ طاقتیں حاصل کر رکھی ہیں میں نے جو تمہیں آگاہ کر دوں گی کہ تم کیا پوچھنا چاہ رہے ہو؟"

"وہ لڑکی تمہیں پہاڑ سے دھکا دے کر کہاں گئی؟ اور تمہیں اس نے دھکا دیا کیسے؟ بلکہ تم اسے پہاڑ پر لے کر چڑھے کیوں؟"

"تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ وہ لڑکی گھر نہیں پہنچی؟" صارم اس کے دوسرے سوال کو نظر انداز کر کے چونک کر استفسار کرنے لگا۔

"میں نے "خبر" چھوڑے ہوئے ہیں وہاں۔"

"کلیئر رپورٹ ہے؟" صارم کی تمام بدگمانی ہوا بن گئی تھی۔

"ہاں۔ وہاں پہلے یہ رپورٹ پہنچی تھی کہ وہ لڑکی اپنے عاشق کے ساتھ فرار ہو گئی ہے لیکن پھر میرے آدمیوں نے یہ بات ان کے کانوں تک پہنچائی کہ لڑکی کو ہم نے اغوا کروایا تھا سبریز خان کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے۔"

"پھر... پھر کیا ہوا؟" صارم اچانک در آنے والے واہموں میں گھرنے لگا۔

"پھر... وہ لوگ پہلے ہی اس کے جانی دشمن ہو رہے تھے۔ زندہ اب بھی نہیں چھوڑیں گے اسے۔ کیونکہ اس لڑکی کی زندگی ان کی بے غیرتی اور قبیلے کی بے عزتی گردانی جائے گی۔ وہ اسے مارنے کے لئے تلاش کر رہے ہیں۔ تم کن سوچوں میں کھو گئے ہو یار! لو چائے پیو۔" گلریز خان کینٹین سے چائے لانے والے لڑکے سے چائے کے مگ لے کر اور ایک اس کی طرف بڑھا کر بولا۔

"کہیں اس لڑکی نے خودکشی تو نہیں کر لی؟" یہ خیال برق کی طرح کوندا تھا۔

"تمہیں دھکا دینے کے بعد؟" گلریز خان تیزی سے گویا ہوا۔

"ہوں۔ ہو سکتا ہے جب وہ گھر نہیں پہنچی تو کہاں جا سکتی ہے؟"

"تمہیں ضرورت کیا پڑ گئی تھی اسے پہاڑ پر لے کر جانے کی؟"

"وہ پانی پینا چاہتی تھی وہاں سے۔" صارم جھنجلا کر بولا۔

"تم اتنے اس کے فرمانبردار تھے بلکہ سعادت مند تھے۔ اس نے کہا اور تم چل پڑے؟"

"گلریز خان! میں نے تمہارے قتل کی سزا پائی ہے۔"

"میں نے اپنی ذات کی تسکین کے لئے کچھ نہیں کیا تھا' جو کچھ کیا' سبریز خان کی محبت کا [illegible] اتارنے کے لئے کیا۔ میں اپنے بڑوں کی طرح حقیقت پر مصلحت کا نقاب نہیں چڑھا سکتا۔ [illegible] جانے کا نام دے کر اپنے دشمنوں کو مزید من مانی و درندگی کی اجازت دے کر لڑکی کو میں [illegible] کے لئے اغوا نہیں کیا تھا۔"

ایک دم ہی دونوں کی نگاہ دروازے پر پڑی تھی جہاں افضل خان ہاتھ میں براؤن سوٹے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے دستے والی چھڑی پکڑے ساکت و صامت کھڑے تھے۔ گلریز کے ہاتھ سے چائے کا مگ گر گیا۔ صارم خان بھی لمحے بھر کو حواس باختہ ہو گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

"اوہ! آپ بڑے خان کی بیٹی ہو؟" اس نے صبح ان کی واپسی پر ساری بات بالکل اور سے حرف بہ حرف ان کو سنا ڈالی تھی۔ وہ اتفاقاً وہاں صابرہ بی بی کی وجہ سے آ گئی تھی یا اس رات اس کی غیبی مدد ہوئی تھی۔ شاید اسے ابھی زندہ رہنا تھا۔ اس کی سانسیں باقی تھیں۔

جب تک وقت نہ آ جائے "موت خود زندگی کی حفاظت کرتی ہے۔

"اگر صابرہ وہاں نہ آتیں' روزی خان اس پر ترس کھا کر' تنہائی' رات' اندھیرے اور بدھتی بارش کا خیال کر کے گھر نہ لاتا تو وہ تھکن' بھوک اور سردی سے اکڑ کر مر جاتی۔ تین دن وہ صابرہ کے بہانے سے رہی تھی۔ روزی خان کے استفسار کے باوجود اس کو اپنا یوں رہنا پسند نہ تھا پھر وہ روزی خان کو پرکھ چکی تھی کہ وہ یقیناً اس کی مدد کرنے سے انکار نہیں کر سکتے' بات صاف ہونے کے بعد وہ بہ آسانی و بے خوف وہاں رہ سکتی تھی۔

"ہاں بابا! اگر آپ اس رات مجھے نہ ملتے تو شاید میں اب تک زندہ نہیں ہوتی۔"

"ایسا نہیں کہو بیٹی! اللہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ وہ اپنے بیگناہ' بے خطا بندوں کی مدد ضرور کرتا ہے۔ آپ بے فکر ہو کر رہو یہاں' اگرچہ یہ جھونپڑی آپ کے قابل تو نہیں ہے' مگر سر چھپانے کا آسرا ضرور ہے۔" روزی خان اس کی حیثیت جان کر ایک دم ہی مرعوب و مسحور ہو گیا تھا۔

"آپ کی یہ جھونپڑی سونے چاندی کے بے محلوں سے بہت خوبصورت و مضبوط ہے بابا۔ یہاں خلوص' محبت' بے غرض و بے لوث پیار کرنے والے لوگ رہتے ہیں۔ ایسے لوگ جن کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے انسانیت ابھی مری نہیں ہے۔ خود غرضی و ظلم کی حکمرانی پوری طرح سب پر مسلط نہیں ہوئی۔ فرشتوں کی خصلت رکھنے والے لوگ' ابھی اس مکر و فریب' نفسا نفسی و مادہ پرستی کے دور میں موجود ہیں' جبھی یہ دنیا بھی قائم ہے ابھی۔"

"شرمندہ نہیں کرو بیٹی! یہ ہمارا فرض ہے جو ہم نبھا رہا ہے۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر بہت حق ہے۔"

"بابا! آپ کوشش کیجیے گا کسی طرح میں ادے اور سخاوریہ سے ملاقات کر لوں۔"

"بیٹی! ابھی ہمت نہیں ہے۔ شمشیر خان بہت غصہ ور اور غدار آدمی ہے۔ وہ بندوق پہلے چلاتا ہے سوچتا بعد میں ہے۔ ہم بھی آج کل اس کو بہت زیادہ غصے و جلال میں دیکھ رہے ہیں۔ بڑا خان بھی ایسا ہی مزاج میں ہے۔ حویلی کے دروازوں پر پہرہ بھی بہت سخت ہے

گیا ہے۔"

"یہ سب میری وجہ سے ہے۔" وہ شرمندگی بھرے لہجے میں بولی۔

"دکھی نہیں ہو بیٹی تم بے گناہ ہو رب ضرور کوئی راہ نکالے گا۔"

"بابا! آپ کو ایک کام کرنا ہوگا۔" ایک دم ہی اسے خیال آیا کہ صارم کے متعلق معلوم کروایا جائے' اس کی لاش ملی یا نہیں' کیونکہ چھ سات روز گزر چکے تھے۔ اب تک اس کے ساتھیوں تک اطلاع پہنچ چکی ہوگی۔

"شاہ قبیلے میں معلوم کر کے آئیں کہ اس خبیث کی لاش ملی یا نہیں؟" اس نے از حد نفرت و حقارت بھرے انداز میں کہا۔

"وہاں میری ماسی کا بیٹا ہوتا ہے۔ اس سے ملنے کے بہانے سے جاؤں گا پھر باتوں باتوں میں معلوم کروں گا۔"

"ضرور جایئے گا بابا' اس ذلیل شخص کی وجہ سے آج گھر بدر ہوں۔ اپنوں کے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی کتنی دور ہوں۔ نہ معلوم ان پر کیا گزر رہی ہوگی؟ چھوٹی اوے نے تو ان کی زندگی دوزخ بنا ڈالی ہوگی۔ جیتے جی وہ آگ میں جل رہی ہوں گی۔"

اس نے بے اختیار گھٹنوں میں چہرہ چھپا لیا اور شدت سے رونے لگی۔

❁ ❁ ❁

"بابا جانی آ... آ... یے نا..." گلریز خان بوکھلا کر بولا۔

"ہونہہ... جانوروں کا شکار کرنے گئے تھے یا لڑکی کا؟"

وہ دونوں کچھ ایسی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے کہ ندامت و شرمندگی سے ان کی نگاہوں کے ساتھ سر بھی جھک گئے تھے۔

"گلریز جذباتی اور بے عقل انسان ہے لیکن صارم' صارم خان' مجھے تم سے..." بولتے بولتے انہوں نے ملامت آمیز نگاہوں سے صارم کی طرف دیکھا۔ "مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی صارم!"

"بابا جانی' بابا جانی' صارم بے قصور ہے۔ یہ سب میں نے کیا ہے۔ صارم کو تو ریسٹ ہاؤس بھیجا کر معلوم ہوا تھا۔" گلریز ان کے قریب جا کر عاجزانہ لہجے میں بولا۔

"کس طرح یقین کریں ہم؟ آج ہماری تمام تربیت' اخلاق' اعتماد کا خون ہو گیا ہے۔ ہماری سات پشتوں میں کسی نے ایسا ذلیل' گھٹیا اور پست کام نہیں کیا۔ ہمارے بزرگوں کی روحیں بھی تڑپ اٹھی ہوں گی۔ کیا صلہ دیا ہے تم نے؟ واہ! شرم سے ہماری گردن ہی جھکا دی۔ اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دن کے لئے اس وقت اس گھڑی کے لئے ہی ہم زندہ تھے شاید۔" ان کی کانپتی لرزتی دکھوں و صدموں سے بوجھل آواز نم تھی۔

"بابا جانی! پلیز جو کچھ بھی ہوا اس پر ہم شرمندہ ہیں۔"

"تمہارے شرمندہ ہونے سے اس لڑکی کی عصمت مل جائے گی؟ اس کی عزت حیا وہ واپس بحال ہو جائے گا؟" وہ گرج کر بولے۔

"ایسا کچھ نہیں ہوا بابا جانی! آپ کی تربیت اعتماد اتنا کھوکھلا اور کمزور نہیں ہے جو ایک لڑکی کی غلط نفس سے شکست کھا جائے۔" اس بار صارم کے لہجے میں تندی و سرد مہری تھی۔

"کون یقین کرے گا؟ کس طرح وہ لڑکی اپنی بے گناہی و پاک دامنی ثابت کرے گی؟"

"آپ یقین کریں بابا جانی۔"

"ہاتھ مت لگاؤ مجھے' مت گندہ کرو میرے وجود کو۔" انہوں نے بہت طیش میں گلریز کے ہاتھ کو اپنے شانے سے جھٹکا تھا۔ گلریز کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔

"بابا جانی! بات سمجھنے کی کوشش کریں۔" صارم بہت مشکل سے بیڈ سے اٹھا تھا۔ اس میں شدید ترین تکلیف سے اس کی رنگت زرد پڑ گئی۔ سرد موسم کے باوجود اس کا چہرہ پسینے سے گیا۔ اسے اس طرح اٹھتے دیکھ کر وہ اس کی طرف بڑھے تھے۔

"بستر سے کیوں اٹھتے ہو زخموں کے ٹانکے کھل جائیں گے۔" گلریز نے اسے پکڑ کر بیڈ پر لٹا دیا۔ بابا جانی اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

"آپ کی بدگمانی بڑھتی جا رہی ہے بابا جانی!" صارم' گلریز خان کو زیر عتاب دیکھ کر اس کی سائیڈ لیتے ہوئے بولا۔ حالانکہ اس طرح اٹھنے سے اس کے زخموں میں ناقابل برداشت ہونے لگا تھا جس کو برداشت کرنے کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

"آج مجھے اتنا صدمہ ہوا جتنا سبریز خان کے جانے پر بھی نہ ہوا تھا۔"

بابا جانی شکستہ و بھربھری دیوار کی مانند ریزہ ریزہ ہوتے جا رہے تھے۔ "سبریز خان کا بے مول' اس کا خون ارزاں اور اس کی موت کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی؟ جو آپ نے اس کے قاتل کو معاوضے کا نام دے کر معاملہ ختم کر ڈالا؟"

"پھر کیا کرتا؟ ایک قتل کے بدلے ہزاروں قتل کرواتا؟ دشمنی کی آگ جو کئی نسلوں کو خاکستر کرنے کے بعد اب ٹھنڈی ہوئی تھی۔ اسے پھر بھڑکا دیتا؟ سبریز شہید ہوا' اس نے اپنے [illegible] کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہمارا مذہب ہمیں آپس میں دست و گریباں ہونے کا سبق نہیں دیتا۔ نے وہ حدیث نہیں سنی کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کرے گا تو وہ جنت میں نہیں جا

گا۔ معاف کر دینا' درگزر کر دینا بہترین وصف ہیں میرے بچو! میں نے تمہیں ہمیشہ یہی سبق دیا ہے۔ دنیا کی زندگی بہت مختصر ہے۔ سراسر دھوکہ و فریب۔ کیوں شیطان کے شر میں پھنس کر اس کے بہکاوے میں آ کر اپنی آخرت تباہ کر رہے ہو۔ سبریز چلا گیا' تم نے لڑکی اغوا کی' کیا ہوا؟ سبریز واپس آ گیا؟ اپنے بھائی کو بستر پر تکلیف میں پڑے دیکھ کر تمہیں سکون مل گیا؟ تمہارے اس جذبے' جنونی طبیعت کو قرار آ گیا؟ شاید تمہیں سکون مل بھی گیا ہو۔ لیکن ہمارا حلمہ' ہمارا تحمل' ہمارا فخر تم نے پاش پاش کر ڈالا ہے۔ آہ! یہ سوچ بھی شہ رگ کو کچل رہی ہے کہ شاہ افضل خان کے پوتوں نے لڑکی کو اغوا کیا۔"

"بابا جانی یہ سب میرا کیا دھرا ہے۔ یہ غلطی مجھ سے ہوئی ہے۔ صارم بھی بہت خفا ہوا تھا مجھ سے کہ میں انتقام میں اندھا ہو گیا تھا۔ ہر وقت میری نگاہوں میں سبریز خان کی خون سے تڑپتی لاش گھومتی رہتی تھی۔ یہ سوچ' یہ دکھ مجھے چین نہیں لینے دے رہا تھا کہ وہ شادی سے ایک دن پہلے کتنے ارمان لے کر چلا گیا۔ وہ بہت صلح جو اور نرم فطرت رکھتا تھا۔ اگر لڑنے مرنے والا بندہ ہوتا تو میں صبر کر لیتا کہ اس کی بھی غلطی ہو گی مگر وہ اتنا رحم دل اور امن پسند تھا کہ اس نے اپنی زندگی میں کسی کو گالی بھی نہیں ماری ہو گی۔ پھر ایسے بندے کو اس طرح مار ڈالنا' میں برداشت نہیں کر سکا اور اس انتقام' جنون میں وہ کر بیٹھا جس کا تصور اب مجھے شرمسار کر رہا ہے۔ بابا جانی! آپ جو چاہیں سزا دیں' مجھے منظور ہو گی مگر مجھ سے ناراض مت ہوں۔ میں ہر سزا پانے کو تیار ہوں۔" گلریز اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر رو پڑا۔

"تمہارے اسی فعل نے ہمیں ہماری نگاہوں سے گرا دیا ہے۔ اب اس کا ایک ہی حل ہے۔ کر اس لڑکی سے شادی کر لو۔ اس کو اپنی عزت کا آنچل اوڑھا دو۔ اس طرح سے ہم سرخرو ہو جائیں گے۔"

❀❀❀

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بابا جانی! وہ حقیر سا ان کے بارعب و پرعزم چہرے کو دیکھتا رہ گیا اس کا وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس طرح کا حکم بھی دے سکتے ہیں۔

"یہ کس طرح ممکن ہے؟ میں..... اس لڑکی سے شادی کرلوں' جس کے بھائی نے ہمارے خوشیوں سے معمور گھر میں موت کے اندھیرے پھیلا دیئے۔ ہمارے ارمانوں' مسرتوں' خواہشوں کو ہمیشہ کے لیے مٹی تلے دفن کر دیا۔ میں اس بھائی کی بہن سے شادی کروں؟ جس نے ایک ہی وار سے ایک وقت میں دو جوان جنازے اٹھوا دیئے؟" گلریز خان غم و غصے سے لرز اٹھا تھا۔

"جرم بھائی نے کیا ہے۔ سزا بہن کو نہیں مل سکتی گلریز خان! یہ ہمارے قبیلے کا دستور نہیں رہا۔" شاہ افضل نرمائی لہجے میں بولے۔

"قاتل کو سزا کے بغیر معاف کر دینا بھی ہماری روایات نہیں ہیں۔"

"گلریز خان! تم گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہو۔ بابا جانی کے سامنے چھوٹے زبان نہیں چلاتے پھر تم....." صارم خان جو خاموش لیٹا ہوا ان کی گفتگو سن رہا تھا بول پڑا۔ سے خاصے سرد و برہم لہجے میں گویا ہوا۔ اس کے لہجے و چہرے پر کچھ ایسی ہی تپش تھی گلریز خان یکلخت خاموش ہو گیا۔

"میرا مقصد بابا جانی کی توہین نہیں ہے صارم' لیکن جو بابا چاہ رہے ہیں وہ مجھے کسی طرح قبول نہیں ہوگا۔ دشمن کے آگے ہتھیار ڈال دینا مجھے کبھی گوارہ نہیں۔"

"پھر میں بھی تمہیں گھر میں رکھنا گوارہ نہیں کروں گا' نافرمانوں کی میرے دل' میرے میں قطعی گنجائش نہیں ہے۔" فیصلہ سنا کر وہ لمحے بھر بھی نہ رکے تھے۔ ڈرائیور کے ہمراہ وہاں سے چلے گئے۔

گلریز نے مدد طلب نگاہوں سے صارم کی طرف دیکھا۔ اس نے سختی سے لب بھینچ رکھی تھی۔

"بیٹی! تو مجھے چھوڑ کر تو نہیں جائے گی نا؟" ورشا صابرہ کے بالوں میں تیل ڈال رہی تھی کہ وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر بے حد محبت و تشویش زدہ لہجے میں استفسار کرنے لگی۔ اس کی بوڑھی گدلائی آنکھوں میں بچگانہ انداز جھلک رہا تھا۔ جیسے کسی بچے کو اس کا سب سے عزیز و محبوب کھلونا کھو جانے کا خوف ہو۔ بچپن اور بڑھاپے کی سرحدیں ملتی ہیں اور وہ جوان بیٹی کی ناگہانی موت سے گھائل جو اس باختہ و نیم دیوانہ عورت تھی۔ جس کے ذہن و دماغ نے اس حادثے کو قبول نہیں کیا تھا اور اب وہ ہر لڑکی کو اپنی بیٹی سمجھتی تھی۔ بہت جوش و خروش سے جہیز کی تیاری کرتی رہتی تھی۔

"تو بولتی کیوں نہیں؟ کیا تو چلی جائے گی؟ پھر مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی؟"

"نہیں..... نہیں اماں! میں تجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ کبھی نہیں جاؤں گی۔ اس بے مہر بے مروت دور میں تم نے ہی تو مجھے رشتوں کے اٹوٹ بندھن کا احساس بخشا ہے۔ اس بے پایاں و نفسا نفسی کے سحر میں غرق لوگوں کی چالبازیوں و عیاریوں نے مجھے زندگی سے نفرت کا درس دیا تھا۔ تم تو میری مسیحا ہو اماں' میری زخمی روح کی آبلہ پائی کو تمہارے ہی پیار کے مرہم نے شفا دی ہے۔ میری بے روح ہوتی زندگی کو تمہاری وجہ سے ہی حیات نو میسر ہوئی ہے۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ بے اختیار صابرہ کے سینے سے لگ کر سسک اٹھی۔ دل میں چھائے غبار کو آنسوؤں کے سہارے فرار کی راہ ملی تھی۔

"ارے تو کیوں روتی ہے! کیا دکھ ہے تجھے بتا مجھے کیوں رو رہی ہے تو؟" اس نے تڑپ کر ورشا کو سینے سے لگا لیا اور اس کے بالوں کو چومنے لگی۔

"مجھے کوئی دکھ نہیں ہے۔"

"پھر رو کیوں رہی ہے؟" صابرہ نے اپنی چادر کے پلو سے اس کے آنسو پونچھے۔

"کچھ نہیں ہوا بس ایسے ہی' چلو تم پہلے چوٹی بندھواؤ' دو دن سے بال نہیں بنائے ہیں۔ کپڑے بھی میلے ہو رہے ہیں۔ میں کپڑے نکالتی ہوں۔ تبدیل کرتے ہیں۔"

اس نے بمشکل اپنے آنسوؤں پر قابو پا کر دھیرے دھیرے بال سلجھاتے ہوئے صابرہ سے کہا۔

"ہاں... ہاں کیوں نہیں' میری بیٹی کہے گی تو میں چوٹی بھی باندھوں گی اور کپڑے بھی بدلوں گی۔" اس نے خوشی خوشی حامی بھری تھی۔ ورشا مسکرا کر رہ گئی۔

"صارم! تم میری مدد کرو ورنہ بابا جانی جو کہہ رہے ہیں' وہ کر کے ہی چھوڑیں گے۔"

بابا جانی جا چکے تھے۔ جب سے گلریز خان کسی مضطرب و بے قرار روح کی مانند کمرے میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ادھر سے ادھر چکراتا پھر رہا تھا۔ صارم بیڈ پر لیٹا سپاٹ چہرے دبے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں کیا مدد کر سکتا ہوں تمہاری؟ فی الحال تم مجھے تنہا چھوڑ دو تو بہتر ہے۔"

"کیوں بھئی کیا ہوا؟ تم پریشان ہو یا کوئی تکلیف ہو رہی ہے؟"

"کچھ نہیں ہوا مجھے میں اب یہاں سے آزادی چاہتا ہوں۔ تنگ آ چکا ہوں اس قید سے۔" وہ جھنجلائے لہجے میں سائیڈ ٹیبل پر رکھی دواؤں کی بوتلوں کو فرش پر پھینکتے ہوئے بولا۔

"اچھا۔ اچھا۔ میں نے ڈاکٹر سے بات کی تھی۔ تم پرسوں تک ڈسچارج ہو جاؤ گے۔ مت گھبراؤ اتنا۔ میں یہاں تمہاری خاطر ہی رکا ہوا ہوں۔ ورنہ اب تک شمشیر خان سے ٹکرا چکا ہوتا۔"

"تم شمشیر خان سے ٹکراؤ یا اس کے باپ سے' بائے گاڈ' مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"صارم! صارم خان؟ میری طرف دیکھو۔" گلریز نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو نا۔" اس نے زبردستی ہاتھ اس کی آنکھوں کے گرد سے ہٹایا۔

"کیا ہوا؟" صارم نے اپنی سرخ آنکھیں کھول کر اسے گھورا۔

"جب سے بابا جانی نے مجھے حکم سنایا ہے تب سے تم کچھ عجیب سے لگ رہے ہو۔"

"عجیب سا لگ رہا ہوں؟ یعنی میرے سینگ نکل آئے ہیں یا دم؟"

"اگر سینگ نکلتے یا دم تو تم عجیب نہیں عجوبہ لگتے۔" گلریز ہنس پڑا تھا۔ "لیکن تم کچھ پریشان لگ رہے ہو۔"

"نہیں' مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ میں سونا چاہتا ہوں اس وقت یہی پریشانی ہے کہ تم مجھے سونے نہیں دے رہے۔" صارم نے دوبارہ آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ گلریز چند ثانیے اس کی جانب دیکھتا رہا پھر دروازہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

صارم کا عجیب بے معنی سا رویہ اسے فکر مند کر گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

شہباز خان نے کرختگی دبے گالی سے بھرپور نگاہیں خاموش گم صم بیٹھی گل خانم پر ڈالی تھیں۔ مخاطب بہت عجالت کر کے انہیں یہاں لائی تھی۔ ماں کی اس حالت نے اسے متوحش کر ڈالا تھا۔

"کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟ مرنے والوں کو بھی رو کر کھانا پڑتا ہے۔ پھر وہ تو زندہ ہے۔ آپ کس کے سوگ میں نہیں کھا رہی ہو۔" ان کی نگاہوں کی کرختگی چہرے کی بے گانگی نے لہجے میں سختی پیدا کی تھی۔ مخاطب رحم کر ماں سے قریب ہو گئی۔

"میری بچی بے قصور ہے خان' ورشا بے گناہ ہے' وہ جان تو دے سکتی ہے لیکن ایسا کام

کے ٹیلے کو قدموں تلے نہیں روند سکتی۔ یہ کسی دشمن کی چال ہے خانزادہ۔ میری ورشا ایسی نہیں ہے۔" گل خانم ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"میں بہت پریشان ہوں اس وقت... اس لئے کوئی بحث کرنا نہیں چاہتا۔" انہوں نے سخت لہجے میں کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے کمرے سے نکل گئے۔

"ارے! مت روؤ' خاموش ہو جاؤ میرا دل بھی کہتا ہے کہ ورشا بے قصور ہے۔ وہ بہت جلد ہمارے پاس آ جائے گی۔ فکر مت کرو۔" ماں کو تسلی دیتے دیتے وہ بھی سسک پڑی تھی۔

"ایسی دعا نہیں مانگو اسے ہمارے پاس نہیں آنا چاہئے۔ بالکل نہیں آنا چاہئے۔ ورنہ یہ ظالم اسے مار ڈالیں گے' قتل کر دیں گے۔" گل خانم متوحش ہو کر بولی تھیں۔

"پھر کہاں جائے گی وہ ہمارے سوا اور کون ہے اس کا؟"

"اللہ.... وہی ہے جس نے پیدا کیا ہے' میں نے آج سے اسے اللہ کے حوالے کیا۔ یا اللہ! تو ظاہر و پوشیدہ سے واقف ہے۔ دلوں کے حال نیتوں کے حال بخوبی جانتا ہے۔ اپنی بچی کو میں نے آج سے تیرے سپرد کیا۔ یا اللہ! اس کی حفاظت کرنا' اس کو اپنی رحمت کے سائے میں رکھنا۔ بے شک تو' ستر ماؤں سے زیادہ خیال رکھنے والا' حفاظت کرنے والا ہے۔ اپنی ورشا کو میں نے تیری پناہ میں دیا۔"

وہ اپنے رب سے مخاطب تھیں۔ طمانیت' شادو آسودگی غیر محسوس انداز میں ان کی روح میں سرایت کر رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

شاہ افضل خان کی حویلی میں گہما گہمی تھی۔

صارم تندرست ہو کر اسپتال سے گھر آ چکا تھا۔ اسی خوشی میں وہاں جشن کا سا سماں تھا۔ صدقے و خیرات مستحق لوگوں میں تقسیم ہو رہی تھیں۔

صارم کی عیادت کو دور دور سے لوگ آ رہے تھے۔

جن کی رواج کے مطابق خوب خاطر و مدارت کی جا رہی تھی۔

بی بی جان کو اپنے خواب کا سچ ثابت ہونے کا از حد قلق تھا۔ صارم کو اسپتال سے گھر لانے سے قبل بابا جانی نے انہیں بتایا کہ وہ حادثے میں معمولی سا زخمی ہو گیا ہے اور چند دن اسپتال رہ کر گھر آ رہا ہے۔ معلوم ہونے پر وہ اتنی شاکڈ نہیں ہوئی تھیں۔ جو وہ اچانک اسے دیکھ کر ہوتیں۔ اب بھی وہ مسلسل اس کے قریب بیٹھیں مختلف صورتیں پڑھ کر دم کر رہی تھیں۔ دونوں بہوئیں بھی کچھ دیر قبل اٹھ کر گئی تھیں۔ صارم کو نیند نہیں آ رہی تھی مگر بات کرنے کو طبیعت آمادہ نہیں تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سو خاموشی سے آنکھیں بند کیے لیٹا یہی ظاہر کر رہا تھا جیسے گہری نیند میں ہو۔

زخم تمام بھر گئے تھے ماسوائے ایک زخم کے جو ورشا کی سفاکی اور ظالمانہ طرز عمل نے لگایا تھا۔ وہ زخم ناسور بن کر تاحیات اسے اذیت سے دوچار کرتا رہے گا۔

اس کا اسے کامل یقین تھا۔

ورشا کی محبت' چاہت' اسے چاہنے کی خواہش۔

اسے اپنا بنا لینے کا عزم

اسے تسخیر کر لینے کا جذبہ

جیسے کچے رنگوں کی طرح اس کے دل سے اتر گئے تھے۔

وہ اس کی زندگی میں داخل ہونے والی پہلی لڑکی تھی۔ جو اپنی معصومیت' حسن و پاکیزگی کے باعث دل کے ایوانوں پر حکمرانی کرنے لگی تھی۔

اس نے اس سے بہت پاکیزہ' شفاف' سچی محبت کی تھی۔

لیکن جواب میں اس نے اسے پہاڑ سے ہی نہیں اس کی نگاہوں سے بھی گرا ڈالا تھا۔ اب دل اس کا نام بھی سننا گوارا نہیں کر رہا تھا۔

بابا جانی نے گلریز کو ورشا سے شادی کرنے کا حکم دیا تھا۔ جسے سن کر بھی اسکے اندر کوئی ہلچل یا بے چینی نہیں پھیلی تھی۔ صرف اس نے اپنے اندر سناٹے اترتے محسوس کیے تھے۔

ازحد ٹھنڈک کا احساس

بے پناہ تاریکیوں کے ہجوم

بے حد سناٹے و بے حسی کے موسم

کوئی ملال افسوس یا چھن جانے کا دکھ اس نے محسوس ہی نہیں کیا۔

یہ اس کے اندر نیا جنم لینے والی نفرت و انتقام کا نیا روپ تھا۔

وہ بچپن سے ہی ایسا تھا۔ انتہا پسند۔

محبت میں ٹوٹ کر چاہنے والا' جان نچھاور کر دینے والا۔

نفرت میں توڑ دینے والا۔ جان نکال دینے والا۔

"بابا جانی! صارم سو گیا ہے؟" گل باز خان نے کمرے میں آتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں۔ تھک گیا ہے۔ کل سے مہمانوں کی آمد و رفت نے بچے کو بے چین کر ڈالا۔" بی بی جان اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بولیں تو وہ جو انکا جان کی آواز سن کر آنکھیں کھولنا چاہ رہا تھا بی بی جان کی تشفی بھری آواز سن کر وہ ویسے ہی لیٹا رہا۔

"یہ عورتیں بھی عجیب طبیعت کی مالک ہوتی ہیں۔ لوگ اگر عیادت کو نہ آئیں تو انہیں گلوے و شکایات ہو جاتی ہیں کہ فلاں فلاں مزاج پرسی کو نہیں آیا' لوگوں میں محبت نہیں رہی... مروت و خیال ناپید ہو گیا وغیرہ وغیرہ... اور اگر عزیزوں کی محبت جوش دکھائے تو پھر یہ شکوہ ہوتا ہے کہ بے چین کر رکھا ہے۔"

شاہ افضل خان بی بی جان کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولے تو بی بی جان نے خفگی سے رخ پھیر لیا۔

"ہماری بی بی جان ایسی نہیں ہیں بابا جانی! صارم خان کے خیال سے کہہ رہی ہیں۔ ورنہ بی بی جان کی مہمان نوازی و مروت و خوش اخلاقی کا ڈنکا دور دور تک بجتا ہے۔"

"بیٹے ہو نا' ماں کی حمایت تو لو گے ہی' تمہاری ماں اگر اس وقت گرم گرم کافی پلوا دیں تو ہم ان کی مروت و خوش اخلاقی کے گرویدہ ہو جائیں گے۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے خان! کہ میں یہاں سے چلی جاؤں۔ نہ معلوم باپ بیٹے کس گھڑی سازشیں لگے ہوئے ہیں۔ بتاتے کیوں نہیں؟ کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہونے والا ہے؟ کچھ مجھے بھی معلوم ہو' میں کوئی ناسمجھ بچی نہیں ہوں خان۔" بی بی جان خاصے غصے سے اٹھ کر مخاطب ہوئیں۔

"زندگی میں جو بھی کام میں نے کیا' ایسے ہر موقع پر میں نے تمہیں شریک کیا ہے۔ اب بھی اب وقت آئے گا' میں کوئی فیصلہ خاموشی سے نہیں کروں گا۔"

بابا جانی کے لہجے میں تحکم بھری قطعیت تھی۔ بی بی جان خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔ کمرے کی خاموشی میں چند لمحے بعد شاہ افضل کی آواز گونجی۔

"وہ نہیں مانا' چلا گیا گھر سے؟"

"ہاں' آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ جبکہ مجھے بھی ابھی ابھی معلوم ہوا ہے۔"

"بعض باتیں 'چہرے' زبان سے پہلے ہی کہہ دیا کرتے ہیں اور تمہارا چہرہ بھی کہہ رہا ہے کہ ہمارے خدشات درست ثابت ہوئے ہیں۔"

"میں اسے معاف نہیں کروں گا' بابا جانی! سرکش گھوڑوں اور سرکش انسانوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے یہ اچھی طرح جانتا ہوں میں۔" گلباز خان پرتپش لہجے میں بولے۔

"نہیں' ابھی تم خاموش رہو گے' ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ ہم کر کے رہیں گے۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ صارم نے تنہائی پاتے ہی آنکھیں کھول ڈالی تھیں۔

بابا جانی کا عزم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اکا جان کی سعادت مندی
گلریز خان کی سرکشی

وہ کسی بھی صورت دشمن قبیلے کی لڑکی کو شریک حیات بنانے کو راضی نہ تھا۔
بابا جانی بھی حکم کی تکمیل کرانے میں چٹان بنے ہوئے تھے۔
اکا جان جو حقیقت حال معلوم ہونے کے بعد گلریز خان کو جان سے مار دینے کے در
ہو گئے تھے۔ اب بھی باپ کے حکم کے آگے اس کی سرکشی نہیں چلنے دیں گے۔
آپس میں ہی جنگ کی تباہی پھیلنے والی تھی۔ جسے روکنا از حد ضروری تھا۔
اس نے تفکرانہ انداز میں سوچا تھا۔ اسی دم آہٹ ہوئی اور خوشبو کا زبردست جھونکا
داخل ہوا تھا۔ اس نے چونک کر دیکھا اور سمٹ کر لیٹ گیا۔

"کتنی مرتبہ سمجھایا ہے۔ کمرے میں داخل ہونے سے قبل ناک کیا کرو۔"

سرخ و فیروزی کنٹراسٹ پٹھواز سوٹ میں ملبوس نئی مسفوری گلاب کی مانند مہکتی زرگون خانم
کو دیکھ کر اس نے تند لہجے میں کہا۔

"ایسے تکلفات غیروں کے لئے ہوتے ہیں۔ یہاں ایسا کوئی اجنبی و بیگانہ شخص نہیں ہے۔"
وہ بہت بے تکلفی سے اس کے بیڈ کے نزدیک بیٹھ کر اس کی طرف جھک کر بولی۔ "تم ..... سے
ہو۔ اس لحاظ سے یہ کمرا بھی میرا ہے۔"

"شٹ اپ' نکل جاؤ یہاں سے۔ مجھے تمہاری فضول بکواس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔"

"کب تک؟ آخر کب تک مجھ سے پیچھا چھڑاؤ گے صارم خان! آخر کار تمہیں
میرے نزدیک ہی آنا ہے۔ پھر تم سے ....."

"ڈونٹ بی۔" اس نے اس کا اپنے ہاتھ کے اوپر رکھا ہاتھ ایک جھٹکے سے دور کیا تھا۔
"میں تم سے شادی نہیں کروں گا' کبھی نہیں کروں گا۔ یہ تم اچھی طرح سن لو۔" اس نے
لہجے میں کہا اور ساتھ ہی اسے جانے کا اشارہ بھی کیا۔

"کیوں؟ مجھ میں کیا کمی ہے؟ ہائی ایجوکیٹڈ ہوں' ماڈ ہوں' تمہارے ساتھ قدم سے قدم
کر چل سکتی ہوں۔ حسین ہوں' جوان ہوں کیا کمی ہے مجھ میں؟"

وہ نرگس کی ناگن کی طرح بل کھا رہی تھی۔ اس کے چہرے کے ہر نقش سے تفاخر جھلک رہا تھا۔

"اس حیا اور معصومیت کی جو اس قبیلے کی عورتوں دوشیزاؤں کے کردار اور پہچان ہے
چھلک رہی ہے۔ تعلیم انسان کو شعور دیتی ہے۔ غلط اور درست کی تمیز سکھاتی ہے۔ اور جہاں
نکال کر اجالوں کی راہ گزر پر گامزن کرتی ہے۔ بابا جانی نے قبیلے کے رسم و رواج توڑ کر

آگہی کے چراغ اس لئے روشن کئے کہ ہم جاہلوں کی طرح غیر مہذبانہ زندگی نہ گزاریں لیکن تم
نے ثابت کر دیا کہ تم جیسے لوگوں کو تعلیم صرف گمراہ کرتی ہے۔ جو اندھیروں سے نکلنے کی کوشش نہیں
کرتے' وہ تا حیات بھٹکتے رہتے ہیں۔"

صارم نے قہر آلود نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے زہر خند لہجے میں کہا۔

"کیوں ...؟ مجھ میں کیا بے حیائی اور بدکرداری دیکھ لی تم نے' جو اس طرح کہہ رہے ہو۔"

"میں تم سے کوئی بکواس مزید سننا نہیں چاہتا۔ بہتر یہی ہے کہ تم' یہاں سے چلی جاؤ۔ ورنہ
میں اکا جان سے کہہ دوں گا' جو میں کہنا نہیں چاہتا۔"

اس کے خوفناک تیور اور بگڑا ہوا مزاج دیکھ کر زرگون خانم پیر پٹخ کر چلی گئی۔

❁❁❁

شمشیر خان خاموش بیٹھا ہوا گل جاناں کی باتیں سن رہا تھا جو وہ رازدارانہ انداز میں اس
کے نزدیک بیٹھی ہوئی کر رہی تھیں۔

"لیکن ادے! بابا جان کو سب معلوم ہو گیا ہے۔ وہ کسی طرح نہیں مانیں گے۔"

"یہ کام مجھ پر چھوڑ دے خاناں! بڑے خان وہی کریں گے' جو میں کہوں گی۔" ان کے لہجے
میں بلا کی خود اعتمادی اور رعونت پنہاں تھی۔

"یہ بات کسی کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ در شہوار ہمارے دشمنوں کے جال میں پھنسی
ہے۔ وہی بات اٹل رکھو کہ وہ اپنے عاشق کے ساتھ فرار ہوئی ہے۔ اس طرح اس کے لئے کوئی
"رحم" کی گنجائش ہی نہیں نکلے گی۔ کیونکہ وہ ہماری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔"

"ٹھیک ہے ادے! تم بابا جان کو سنبھالنا' باقی کام میرا ہے۔"

وہ اپنے مخصوص انداز میں چادر کا پلو جھٹک کر شانے پر ڈالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو فکر نہیں کر' اس کے بدلے کی جائداد بھی ہمیں ہی ملے گی۔" گل جاناں بھی بیٹے کے
ہمراہ کھڑی ہو کر مسرت افزا لہجے میں بولیں۔

"لیکن ... میری سمجھ نہیں آتا' ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا اسے غائب ہوئے اور میرے
آدمیوں کی جاسوسی کے مطابق وہ اغوا ہونے کے تیسرے دن افضل شاہ کے بیٹے کے ساتھ کہیں
جا رہی تھی اور راستے میں اسے پہاڑ سے دھکا دے کر بھاگ گئی۔"

"ارے' یہ کب ہوا؟ کس نے خبر دی تمہیں؟ بڑی حیرت انگیز بات ہے' پھر کہاں گئی؟ اب تو
اسے ڈھونڈنا اور لازمی ہو گیا ہے۔ اس لڑکے کا کیا ہوا؟ یقیناً مر گیا ہو گا۔"

گل جاناں کے لئے یہ خبر از حد حیرت انگیز تھی۔ وہ بری طرح بوکھلا اٹھی تھیں۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بچ گیا ہے وہ' یہ شاہ قبیلے والے بڑے ڈھیٹ و سخت جان ہوتے ہیں۔ مجھے بھی یہ خبر آدھا ہی ملی ہے۔ تھوڑا روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے ادے! آج کل ناممکن بھی ممکن بن جاتا ہے۔"

"یہ تو بہت اندر کی بات ہے شمشیر خان! یہ کس نے تمہیں بتائی؟"

"ادے! اب لوگوں کا دین و ایمان" دولت و روپے" بن چکے ہیں۔ دولت کی خاطر کیا نہیں ہو رہا اب' لوگ ضمیر بیچ ڈالتے ہیں' ایمان کا سودا کر لیتے ہیں' ملکی راز فروخت کر دیئے جاتے ہیں' وطن کی سلامتی داؤ پر لگا دی جاتی ہے۔ پھر یہ تو بہت چھوٹی باتیں ہیں۔ روپیہ ہر ایک کو خرید سکتا ہے۔"

"لیکن دنیا میں ابھی کچھ غیرت مند اور رشتوں سے محبت کرنے والے روپوں کو ٹھوکر مار کر بہنوں کو حرمت و تقدس کا ہالیوں پہنانے والے زندہ ہیں۔" معاً شہروز خان پرتپش انداز میں گرجتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"شہروز! کب آئے تم؟" گل جاناں چونک کر گویا ہوئیں۔

"اس وقت جب آپ اپنے اس دولت کے پجاری و بے غیرت بیٹے کے ساتھ مل کر شرمناک پروگرام بنا رہی تھیں۔"

"شہروز خان! زبان سنبھال کر بات کرو۔"

شمشیر خان نے فوراً ہولسٹر سے پستول نکال لیا تھا۔

"زبان تو تمہاری کاٹنے کو دل چاہ رہا ہے میرا۔ غیرت مند ہوتے تو بہن کے متعلق ایسے لغو الفاظ استعمال کرنے سے قبل ہی شرم سے مر گئے ہوتے۔"

شمشیر جذبات و سفاکی کا دوسرا نام تھا۔ جسے بچپن سے ہی اس قدر توجہ اور محبت ملی تھی کہ وہ خود سری و خود غرضی کی مثال بن کر رہ گیا تھا۔

وہ جو اپنے عمل کو سراہے جانے اور بلا تنقید سنوانے کا عادی ہو چکا تھا۔

شہروز خان کی کھری و سچی باتیں اسے شرمسار کرنے کے بجائے طیش دلا گئی تھیں۔ اس نے حسب عادت پستول کا فائر شہروز پر کرنا چاہا تھا۔ جسے گل جاناں نے ہاتھ مار کر گولی چلنے سے قبل ہی اس کے ہاتھ سے دور پھینک دیا تھا۔

"اس بدذات لڑکی کی خاطر کیا بھائی بھائی آپس میں لڑو گے؟" گل جاناں ان دونوں کو آپس میں گتھم گتھا دیکھ کر چیخیں۔

"یہ آگ آپ ہی کی لگائی ہوئی ہے چھوٹی ادے' سوتیلے سگے کا زہر آپ نے ہی اس کی رگوں میں اتارا ہے' جو آج یہ اپنی غیرت کو اپنے ہی ہاتھوں نیلام کر رہا ہے۔" شہروز خان نے

شمشیر خان کو زوردار دھکا دے کر خود سے دور کیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ؟ کیا تماشہ لگا رکھا ہے تم لوگوں نے؟"

اسی دم گل جاناں کی چیخ و پکار سن کر شہباز خان اندر داخل ہوتے ہوئے بپھرے طوفان کی مانند بے قابو شمشیر خان کے دونوں بازو مضبوطی سے پکڑ کر گرج کر بولے۔

"چھوڑ دو مجھے بابا جان! میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔"

"دیکھ رہے ہیں بابا جان! یہ آپ کی تربیت ہے۔ یہ بڑوں کی عزت خاک میں ملا سکتا ہے لیکن کوئی بڑا اس کی زیادتی پر اسے چھو بھی نہیں سکتا۔ بڑا' لیکن یہ بڑا سمجھتا کس کو ہے؟ یہ وہ ہے جس کے نزدیک باپ بڑا نہ بھیا' سب سے بڑا روپیہ۔ یہ دولت کو روپے کو ظاہری شان و شوکت کو سب سے بڑا مانتا ہے۔ ان کی خاطر... یہ بہن کو رسوائیوں کی قبر میں دفن کر سکتا ہے۔" شہروز خان کا غصہ بتدریج بڑھ رہا تھا۔

"بابا جان... بابا جان! مجھے چھوڑ دیں' میں اس کی زبان بھی بند کر دوں گا اور سانس بھی' کہتا کیا ہے خود کو۔"

"ہوا کیا ہے؟ مجھے معلوم تو ہو۔"

"اسے یہاں سے لے جائیں خان! خدا کے واسطے لے جائیں' ورنہ کوئی انہونی ہو جائے گی۔" گل جاناں نے دونوں بیٹوں کی آنکھوں میں اترے خون کو دیکھ کر روتے ہوئے کہا۔

شہباز خان بھی ان کی حالت سے ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا چکے تھے۔ وہ شمشیر خان کو زبردستی وہاں سے لے گئے۔

"بچے! ذرا تسلی سے بیٹھ کر بات تو سن... تجھے کیا معلوم کہ وہ بد..."

"ادے! بس' اس سے آگے ایک لفظ نہیں بولیں گی آپ... ورنہ میرے دل میں جو آپ کی عزت ہے وہ بھی کم نہ ہو جائے' حد ہے سنگدلی اور بے حسی کی' ادے آپ کو ترس نہیں آتا' اس سادہ مزاج اور عظیم عورت پر' جو اپنی ملکیت' اپنی بادشاہت آپ کو دے کر بہت خاموشی و شرافت سے اس گھر کے ایک کونے میں فالتو سامان کی حیثیت سے رہ رہی ہیں اور آپ ان کی جگہ حکمرانی کر رہی ہیں۔ وہ اپنی حیثیت و مرتبہ استعمال کرنے کے بجائے' آپ کی خدمت کر رہی ہیں اور آپ بدلے میں انہیں کیا دے رہی ہیں؟ ظلم و زیادتیاں' آنسو و آہیں' آپ کے دل میں ذرا بھی اللہ کا خوف نہیں ہے؟ اس کڑے امتحان میں جب شمشیر خان کے گناہ کی سزا ورثا بھگت رہی ہے ان کو تسلی دلاسے دینے کے بجائے ان کے ہمیشہ کے لئے حواس گم ہو جانے کی پلاننگ کر رہی ہیں' استغفار یہ جن کے روتے روتے آنسوؤں کے نشان رخساروں پر ٹھہر گئے ہیں۔ جسے بہن کی فکر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے بے حال کر رکھا ہے' تو ماں کی حالت نے بے حواس' اس مظلوم و دکھی لڑکی کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھنے کے بجائے اسے زندہ درگور کرنے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ کیسی ماں ہیں آپ؟ جو دوسرے کی اولاد کا دکھ نہیں سمجھتی ہیں اور نہ ہی عورت ہو کر عورت کے درد کو محسوس کر رہی ہیں۔"

"اس عورت کے دکھ کو سمجھوں گی' جو میری اولاد کو میرے ہی خلاف بھڑکا رہی ہے۔ کس نے کہا ہے کسی بھائی کو ماں کے خلاف بھڑکایا ہے؟"

گل جاناں بہت دھرم و غصے کی عورت تھیں۔ وہ بھلا کس طرح بیٹے کے سامنے ہتھیار ڈال دیتیں۔

"مجھے کسی کو بھڑکانے' سکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے' میں نے اور کانوں سے سنا ہے۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے کمرے سے چلا گیا۔

❁❁❁

"میں ذرا بازار تک جا رہی ہوں' اگر کچھ منگوانا ہو تو ابھی بتا دیں۔" فرحت آپا نے چادر اوڑھ کر باسکٹ ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کائنات سے استفسار کیا۔

"ابھی بہت وقت پڑا ہے آپا' چلی جایئے گا بعد میں۔"

"بعد میں کب؟ یہاں کے وقت کا تو آپ کو معلوم ہی ہے۔ شام سے ہی اندھیرا پھیلنے لگتا ہے اور بازار بھی جلدی بند ہو جاتے ہیں۔"

"اچھا... اگر آپ جلدی فارغ ہو جائیں تو پھر شمشیر خان کی طرف چلتے ہیں۔"

شمشیر خان کے نام پر آپا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"کیوں؟ کوئی کام ہے؟" ان کی جہاندیدہ نگاہوں نے بہت باریک بینی سے اس کے چہرے کو ٹٹولا تھا اور اس کے چہرے پر چھائے ملال پوشیدہ نہیں رہے تھے۔

"ہاں مریضوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ ہمیں مزید اسٹاف اور جگہ کی ضرورت ہے۔ اگر ہمیں جگہ مل جائے تو بہت سہولت مل جائے گی' اس سلسلے میں خان ہی ہماری مدد کر سکتے ہیں۔"

"نہیں بیٹے! اب اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔ میں بہت جلد آپ کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ شام میں کچھ لوگ آ رہے ہیں آپ کو دیکھنے۔ اچھے لوگ ہیں۔ لڑکا انجینئر ہے' ایک بہن' ماں اور باپ ہیں۔ مختصر گھرانہ ہے' وہ بہت جلد شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

حیات خان اندر آ کر نرم لہجے میں تمام تفصیل بتا رہے تھے۔

"ابا جان... اتنی جلدی... آپ نے مجھ سے پوچھا بھی نہیں۔"

"ہمارے ہاں بیٹیوں سے پوچھ کر شادی کرنے کا رواج نہیں ہے اور آپ کا کیا خیال ہے؟ میں آپ کے لئے آپ کے مستقبل کے لئے کوئی غلط راہ منتخب کروں گا؟ مجھے آپ کی بہتری آپ سے زیادہ عزیز ہے۔"

"میں نے یہ نہیں کہا انکل! مگر میں اتنی جلدی ایسا کوئی فیصلہ قبول نہیں کر سکتی۔"

"کیوں؟ تم میری بیٹی نہیں ہو اس لئے میرے فیصلے کو نہیں مانو گی' یا تم بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر اسی وقت کو دہراؤ گی۔"

"انکل! آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔" کائنات آہستگی سے بولی۔

"نہیں... میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔ شام میں تیار رہنا۔" وہ غصے میں بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ حیات خان خاموش فرحت آپا سے مخاطب ہوئے۔

"میں عزت دار آدمی ہوں آپا' اس کے باپ نے اپنی مرضی سے شادی کی' اور ساری عمر کے لئے برادری سے علیحدہ ہو کر رہا' وہ مرد تھا یہ پابندی برداشت کر گیا مگر یہ لڑکی ہے' کبھی بھی برداشت نہیں کر پائے گی۔"

"جانتی ہوں بھائی صاحب! میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گی۔"

"شمشیر خان کی روز بروز بڑھتی ہوئی کرم نوازیاں مجھے کسی صورت ہضم نہیں ہو رہی ہیں۔ ان عنایتوں کے پیچھے مجھے کوئی طوفان گرداٹا اپنی عزت و غیرت کی جانب بڑھتا نظر آ رہا ہے۔ قبل اس کے کہ میں اپنی عزت سمیت اس طوفان میں غرق ہو جاؤں۔ میں اس راہ کو ہی ختم کروا دیتا ہوں۔"

❁❁❁

ضبط غم کتنا ہی کاری ہو مگر
صبر اپنی آبرو کھونے نہ دے
آفتوں میں بھی یقیں کی پختگی
حوصلوں کو منہدم ہونے نہ دے

اس کے اندر باہر جیسے ہی حبس تھا۔
آگ ہی آگ برس رہی تھی۔
ناکامی کے انگارے اس کی رگ رگ میں چبھ رہے تھے۔
اتنی شدید گھٹن' اتنی حد شدید تر جلن۔ گویا اس کی ہر سانس میں شعلوں کی لپک تھی۔ خاصے سرد موسم میں وہ کھلے صحن میں پتھریلے سخت یخ فرش پر برہنہ پاؤں برہنہ سر بیٹھی تھی۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کچھ دیر قبل ہی تو روزی خان نے خبر لا کر دی تھی کہ صارم زندہ ہے اور گاؤں میں اس کی صحت یابی پر جشن منایا جا رہا ہے۔ صارم کے زندہ بچ جانے کی خبر نے اس کے اندر یاس و ناکامی کی ایسی آگ بھڑکائی تھی کہ وہ چپل اور چادر سے بے نیاز صحن میں آ کر بیٹھ گئی۔ اسے گھر سے بے گھر کرنے والا اپنے گھر زندہ سلامت پہنچ چکا تھا۔ وہ اپنوں سے نزدیک ہو کر بھی کتنی دور تھی۔ وہ اپنوں کے درمیان مسرتوں کے جشن منا رہا تھا' وہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی نامراد و محروم تھی۔ وہ خطاکار ہونے کے باوجود بھی شادمانیوں کے جھولوں میں جھول رہا تھا۔

یہ سب کیا ہے؟

میری بدبختی؟

یا اس کی خوش بختی؟

تقدیر میرے ساتھ کونسا کھیل کھیل رہی ہے؟

کیا خطا ہے میری؟

لڑکی ہونے کی سزا؟ یا ایک جاہل و پست ذہنیت رکھنے والے گھرانے میں پیدا ہونے کی خطا... جو کچھ بھی ہے۔ انسان اپنی پیدائش پر قدرت نہیں رکھتا۔ اپنے رب کی منشا سے ہی کسی آشیانے میں قدم رکھتا ہے۔

"آپ رو رہی ہو بیٹی!" روزی خان کمرے سے باہر آئے تو اسے روتے دیکھ کر تیز تیز قدم چلتے آئے اور گرم چادر اس کے سر پر ڈال کر استفسار کرنے لگے۔

"مجھے دربدر کرنے والا خود زندگی کے لطف اٹھا رہا ہے بابا! میرے ساتھ کیسا انصاف ہے یہ؟"

آنسو کے شفاف قطرے اس کے سرخ رخساروں سے پھسل رہے تھے۔

"ایسا نہیں کہتے بیٹی! ظالم کی رسی دراز ضرور ہوتی ہے مگر ایک حد سے باہر وہ گزر نہیں سکتا۔ آپ اللہ سے اچھی امید رکھو' وہ لوگوں کی امیدیں کبھی نہیں توڑتا۔ اس کے ہاں دیر تو ہے' پر اندھیر نہیں ہے۔"

"اے... کیوں روتی ہے؟ تیرے بابا نے کچھ کہا ہے تجھے؟"

کمرے سے نکل کر صابرہ باہر آئی اور ورشا کو روتے دیکھ کر تڑپ کر اس کی طرف بڑھتے ہوئے بول رہی تھی' ساتھ ہی قریب بیٹھے روزی خان کو ناراضگی سے گھور بھی رہی تھی۔

"نہیں اماں! بابا کیا کہیں گے۔ بس ایسے ہی دل بھر آیا تھا۔" وہ چہرہ صاف کرتی اور دھیرے سے مسکرائی تاکہ صابرہ کو تسلی مل جائے۔

"آنسو ایسے ہی تو آنکھوں میں نہیں آتے بیٹی! جب کسی دکھ کی چبھن محبتوں بھرے دل کو چاک کرتی ہے تو دل کا خون آنکھوں سے آنسو بن کر بہنے لگتا ہے۔"

"جب تم مجھ سے بچھڑ گئی تھیں نا تو میں بھی یوں ہی خون کے آنسو رویا کرتی تھی۔ جدائی بڑی بری چیز ہوتی ہے لیکن تو کیوں روتی ہے؟ اب ہم جدا تھوڑی ہوں گے۔" صابرہ نے بہت شفقت سے اسے گلے لگا لیا۔

"اچھا نیک بخت! اب نہیں روئے گی۔ تو پیچھا چھوڑ دے۔"

"تیرے لئے چائے بنا کر لاؤں؟ بہت شوق سے پیتی ہے نا تو۔"

"نہیں اماں! میں خود بنا لوں گی۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں' تو چولہے کے پاس بیٹھی ہوئی اچھی نہیں لگتی۔ تجھے اللہ نے شہزادیوں جیسا رنگ و روپ دے کر کہاں اس جھونپڑے میں پیدا کر دیا۔ تجھے تو محلوں میں پیدا ہونا چاہیے تھا۔"

"ایسا کیوں سوچتی ہو اماں! محلوں میں پیدا ہونے سے کوئی تقدیریں نہیں بدل جایا کرتیں۔"

"تو بیٹھ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔ میٹھا کم رکھوں گی' پتی اور دودھ زیادہ ڈالوں گی۔ تجھے ایسی ہی چائے پسند ہے نا۔ اب تو مجھے بنانی آ گئی ہے۔ بس ابھی بنا کر لاتی ہوں فٹافٹ پھر آج تجھے وادی کی سیر کروا کر لاؤں گی۔ کب سے گھر میں بند رہتی ہے۔" وہ مگن سی وہاں سے چلی گئیں۔

"بیٹی! باہر نہیں جانا۔ صابرہ کو میں سمجھا دوں گا' اگر وہ پھر بھی اصرار کرے تو تم منع کر دینا۔ چھوٹے خان کے آدمیوں کا کوئی بھروسا نہیں' کہیں سے بھی آ جائیں پھر..."

"نہیں بابا! میں اب باہر جاؤں گی۔ ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا ہے بھلا کب تک میں یوں چھپ کر رہ سکتی ہوں' اور سچ پوچھیں تو میں اس پردے کو خود توڑ دینا چاہتی ہوں۔" اس کے بھیگے لہجے میں افسردگی و یاسیت تھی۔

"نہیں' نہیں بیٹی' ایسا نہیں سوچو زندگی اللہ کی امانت ہے۔ اس کی حفاظت کرنی چاہئے۔ چھوٹے خان کے تیور اچھے نہیں ہیں۔" روزی خان اس کا عزم سن کر از حد پریشان ہو اٹھا تھا۔ جب سے ورشا نے مکمل بات ان کو بتائی تھی۔ تب سے وہ بڑے محتاط انداز میں شمشیر خان اور شہباز خان پر نظر رکھتا تھا۔ اور اس نے محسوس کیا تھا کہ حویلی کے اندر کوئی ہلچل ضرور ہے۔

شہباز خان کے پاس ان کے پرانے با اعتماد ملازموں کی آمد و رفت رہتی تھی۔

شمشیر خان اپنی گاڑی میں دو نوں ملازموں کے ساتھ زیادہ تر باہر ہی رہتا تھا۔

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ لوگ خاموشی سے درشا کو تلاش کر رہے تھے اور اب اس کا یوں باہر نکلنا گویا اپنی شامت کو آواز دینے کے مترادف تھا۔

"میں اس خوف سے اب چھٹکارا چاہتی ہوں۔ اگر حصے کی سانسوں کی گنتی ختم ہونے پر ہے تو سانسوں کی تعداد کوئی نہیں بڑھا سکتا۔ اگر میری سانسیں باقی ہیں بابا تو ہزار شمشیر خان بھی مل جائیں تو میں نہیں مر سکتی۔ پہاڑ سے گر کر زندہ رہنا ممکن ہے۔ لیکن نگاہوں سے گر کر زندگی موت سے بھی زیادہ اذیت ناک و ناقابل برداشت ہے۔"

"بیٹی! سوچ لو۔"

"سوچا صرف ایک بار جاتا ہے۔ زیادہ سوچنے سے کام بگڑتے نہیں بگڑتے ہیں۔ زندہ رہتے ہوئے بھی میں مردوں کی طرح اپنوں سے ملنے سے ترس رہی ہوں۔ مجھے ایسی تشنہ زندگی سے محبت بھی نہیں ہے۔"

❁❁❁

"کب تک یہ زمینوں' غلوں کے حساب کتاب کرتے رہیں گے؟ کچھ خیال بیٹی کا بھی ہے کہ نہیں؟" گلباز خان جو بہت انہماک سے رجسٹر کھولے کھاتوں میں گم تھے۔ بیوی کی کراری آواز سن کر چونک اٹھے۔

"خیریت.....؟ کیا ہوا ہماری بیٹی کو؟ صبح تک تو ٹھیک ٹھاک تھی۔"

"ابھی بھی ٹھیک ٹھاک ہے لیکن کب تک اسے صبح و شام دیکھتے رہیں گے؟" وہ بیڈ پر بھنک سے بیٹھتے ہوئے استفسار کرنے لگیں۔

"کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو؟ سیدھی بات کرو۔"

"صارم خان شہر سے پڑھ کر آ چکا ہے۔ اب کس بات کی دیر ہے؟ بابا جانی اور بی بی کس بات کی خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں؟ کب رسم ادا کریں گی؟"

"گل' میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ صارم خان کی مرضی کے مطابق سب کچھ ہوگا۔ اگر وہ ہاں کہتا ہے تو ٹھیک ورنہ اس پر کوئی زبردستی نہیں ہے۔"

"ارے واہ..... وہ کس طرح انکار کر سکتا ہے' بچپن سے اس کے کان میں ہم یہ بات ڈال چکے ہیں کہ درگوں ہی اس کی شریک حیات بنے گی اب کس طرح وہ منع کر سکتا ہے۔" وہ تیز و تند لہجے میں گویا ہوئیں۔

"سنو..... ہماری بیٹی کوئی بوجھ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسا ناقابل برداشت وجود کہ جس کو میں زبردستی ڈھول کی طرح کسی کی مرضی کے بغیر اس کے گلے میں ڈال دوں؟" گلباز خان کے خفت

لہجے میں غصہ و قطعیت تھی۔

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے خان! وہ انکار نہیں کر سکتا' اسے شادی ہماری بیٹی سے ہی کرنی ہوگی' ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"کیا اچھا نہیں ہوگا؟ کیا کرو گی؟ کیوں ایک بات کو رٹے ہو بار بار تم' اچھی طرح سے جانتی ہو صارم خان کو میں نے بچپن کر نہیں باپ سے بڑھ کر چاہا ہے۔ اپنے سب بچوں سے عزیز ہے مجھے وہ۔"

"آپ ایک بار تو اس سے بات کر کے دیکھیں' وہ آپ کی بات نہیں ٹالے گا۔" میاں کو غصے میں دیکھ کر انہوں نے ہوشیاری سے پہلو بدلا اور لہجے میں نرمی کے ساتھ کچھ بیویوں والی مخصوص لگاوٹ کا اظہار کر کے بولیں۔

"تم صدی بہت ہو۔ تمہاری ہٹ دھرمی مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ کچھ عرصہ قبل بی بی جان نے صارم سے یہی خواہش ظاہر کی تھی میں اتفاقاً ان کے پاس جا رہا تھا لیکن جب میں نے انہیں صارم سے یہ بات کرتے دیکھا تو میں مصلحتاً دروازے کے پاس پردے کے پیچھے رک گیا کہ کہیں لڑکے سامنے دیکھ کر وہ جھجک کر کھل کر اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکے۔ اس نے بی بی جان سے کہا تھا کہ وہ برادری سے باہر شادی کرے گا۔"

"کیوں کرے گا وہ برادری سے باہر شادی؟ ہماری لڑکیوں میں کیا کیڑے پڑ گئے ہیں۔ غیر برادری میں کون سی حور پری اس کا انتظار کر رہی ہے؟ ارے آپ بھی اچھے باپ ہیں! اس کمبخت عرام نے بیٹی کو ٹھکرا دیا اور آپ ابھی بھی اسے اپنی اولاد پر ترجیح دے رہے ہیں؟ دیکھو تو کی اس احسان فراموش کی بات..... ہمارے احسانوں' ہماری پرورش کا یہ صلہ دیا ہے اس ملوطا چشم نے.....؟"

وہ زور زور سے بولنے لگی تھیں۔ دروازے کے پیچھے کھڑی یاسمین زرگون کا بھی برا حال تھا۔

"خاموش رہو اے بدبخت عورت! تم جیسی عورتوں کی خود غرضی و مطلب پرستی ہی سگی محبتوں کو نفرت میں بدلنے کا انتظام کرتی ہے۔" وہ ہاتھ کر گویا ہوئے۔

"آپ صبر کر سکتے ہوں پر میں کس طرح اپنی بیٹی کے ارمانوں کو جلتا دیکھوں؟" انہوں نے اب بطور ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیئے تھے۔

"بیٹی کا اس قصے سے کیا تعلق؟" ان کے لہجے میں استعجاب تھا۔

"وہ بچپن سے اسے چاہتی آ رہی ہے۔ اب کس طرح وہ برداشت کرے گی۔"

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تم بھی احمق ہو اور تمہاری بیٹی بھی۔ اسے تعلیم ہم نے اس لئے نہیں دلوائی ہے کہ وہ عام ناسمجھ و جاہل لڑکیوں کی طرح ایسے خواب دیکھے۔ سمجھا دینا اسے آج کے بعد اس کے لبوں پر صارم کا نام بھی اس انداز میں نہیں آنا چاہئے۔ بے شک خلاف رواج ہم نے اپنے بچوں کو وہ سب کچھ حاصل کرنے دیا ہے جو صدیوں سے اس قبیلے کا شعار نہ رہا تھا لیکن بابا جانی غلامی و جہالت کو سخت ناپسند کرتے ہیں' اس لئے ہمارے ہاں کی لڑکیوں نے بھی لڑکوں کی طرح آزادی سے تعلیم حاصل کی ہے۔ اپنی مرضی سے زندگی گزار رہی ہیں لیکن آزادی اور بے غیرتی میں اتنا ہی فرق ہے جتنا رات اور دن میں ہے۔ زرگون نے کوئی ایسا قدم اٹھایا جس سے میری عزت و حمیت پر داغ لگا تو سمجھ لینا' میرے اندر کا صدیوں پرانا وہ روایت پسند انسان جاگ اٹھے گا۔ جو اپنی آن پر جان قربان کرنا فخر سمجھتا ہے۔"

ان کے لہجے میں حاکمیت و سفاکی تھی۔ چہرہ آگ کی طرح دہک اٹھا تھا۔

❁❁❁

کائنات نے کمرے میں آتے ہی وارڈ روب سے کپڑے نکال کر سوٹ کیس میں بھرنا شروع کر دیئے تھے۔ اس کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ وہ اس طرح اچانک' اس کی رائے لئے بغیر اس کی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کر ڈالیں گے۔ مزید ستم یہ کہ وہ کچھ سننے کو تیار بھی نہ تھے۔ مکمل آمرانہ انداز تھا ان کا۔

بے لچک'

ٹھوس۔

جیسے کوئی چٹان اپنی جگہ مکمل استحقاق سے براجمان ہو۔

اس نے اس چٹان سے ٹکرانے سے بہتر اس جگہ کو چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"یہ کہاں جانے کی تیاری کر رہی ہیں آپ!" آپا فرحت اندر داخل ہوئیں تو اسے سامان سمیٹتے دیکھ کر وہ اچنبھے سے دریافت کرنے لگیں۔

"میں اب ایک پل بھی ٹھہرنا نہیں چاہتی یہاں پر' آپ بھی اپنا سامان پیک کیجئے۔ ہم یہ جگہ چھوڑ کر۔" وہ ڈریسنگ ٹیبل سے سامان سمیٹ کر بیگ میں بھرتے ہوئے بولی۔

"مگر یہ کس طرح ممکن ہے؟ بھائی صاحب نے مجھے گھر کی صفائی کا حکم دیا ہے۔ خود ابھی گئے ہیں اور آپ یہاں جانے کی تیاری کر رہی ہیں۔"

"آپا! میرے ساتھ جو ہو رہا ہے وہ درست سمجھتی ہیں آپ؟"

"میری بات سنیں' یہاں بیٹھیں ذرا تسلی سے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے رسانیت سے گویا ہوئیں۔

"بھائی صاحب بہت اچھے انسان ہیں۔ عورت کتنی قابل ہو جائے' ہزاروں ڈگریاں حاصل کر لے مگر رہتی عورت ہی ہے۔"

"آپا! یہ اس وقت کیا فضول سا فلسفہ شروع کر دیا ہے آپ نے؟ حیات انکل کی اچھائی سے میں نے کب انکار کیا ہے؟ لیکن جو انہوں نے فیصلہ سنایا ہے۔ وہ میں نہیں مان سکتی۔"

"یہ اچھی بات نہیں ہے آپ کی' مجھے بھائی صاحب کا فیصلہ بروقت اور درست لگ رہا ہے۔ شمشیر خان کی بڑھتی ہوئی مہربانیوں سے مجھے بھی خوف آنے لگا ہے۔"

"آپا! آپ نے خوامخواہ اس شریف و عزت دار بندے کو ہوا کر رکھا ہے۔ میں اس کے خلاف ایک لفظ سننے کی روادار نہیں ہوں عجیب دستور ہیں اس جہان کے۔"

"میں جانتی ہوں' آپ بہت آگے بڑھ چکی ہیں لیکن بتا دوں وہ ایک بھنورا صفت انسان ہے اور بھنوروں کی فطرت میں کلی کلی' پھول پھول منڈلانے کی ہر جائی عادت ہوتی ہے۔ ان کی محبت کی عمر اتنی ہی ہوتی ہے جیسے ایک پھول کھلنے میں تو خاصا وقت لگاتا ہے مگر مرجھا کتنی جلد جاتا ہے۔ بس... اتنا قلیل عرصہ ہوتا ہے ان بھنوروں کی چاہت کا بھی' کیوں سراب پر بھروسا کرتی ہیں؟"

فرحت آپا نے کہا جو اس کے جذبات و احساسات کے تمام رنگوں سے واقف تھیں۔

وہ شمشیر خان کی محبت میں ڈوب چکی ہے۔ اس بات کا احساس بہت پہلے انہیں ہو چکا تھا۔ اب اس کی اس جلد بازی' ایک حد تک محسوس کی جانے والی خودسری نے اس کے محسوسات کو حقیقت کا رنگ دے دیا تھا۔ وہ بہت آگے بڑھ چکی تھی۔

"بس... آپا..... میں اس وقت کچھ سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

اس نے قطعی لہجے میں فیصلہ سنا دیا تھا۔

❁❁❁

گلابی نائلک ریشم کی کڑھائی والی فراک اور شلوار میں ملبوس سر پر نیلا چادر نما دوپٹہ جس پہ فراک کی ہم رنگ کڑھائی تھی سر پر ڈالے وہ صابرہ کے ساتھ گھر سے نکل آئی تھی۔ باہر کا منظر بہت سہانا تھا۔ چار سو سبزہ ہی سبزہ تھا۔ جنگلی پھولوں کی مہک طبیعت کا بوجھل پن زائل کر رہی تھی۔ پہاڑوں کی کوکھ سے پھوٹتے جھرنے ماحول میں طلسماتی حسن پھیلا رہے تھے۔ صابرہ بڑے جوش و خروش سے اس کا ہاتھ پکڑے اونچے نیچے راستوں پر چل رہی تھی۔ ساتھ ہی اس کی زبان بھی بڑی

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

روانی سے چل رہی تھی۔ وہ نہ معلوم کس دور کے قصے اسے سنا رہی تھی۔ ورشا کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی محض غائب دماغی سے ہوں ہاں کر رہی تھی۔ اس کے اندر اضطراب و بے چینی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔

روزی خان نے اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ لیکن وہ اب بیزار ہو چکی تھی۔ ان دو ہفتوں میں اس قدر ذہنی و دماغی اضطراب سے گزری تھی کہ خوف' فکر' ڈر بے معنی سا ہو کر رہ گیا تھا۔

موت کا خوف' ہر فکر اور ڈر کا باعث بنتا ہے۔

اگر انسان موت کو قبول کر لیتا ہے تو پھر ہر خوف' پریشانی و غم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ وہ بھی سمجھ رہی تھی کہ اس کا ہر اٹھتا قدم اسے موت سے قریب کر رہا ہے۔

اور اس آنے والے لمحوں کے انتظار نے اس کے اندر اضطراب و بے چینی پھیلا دی تھی۔

"بیٹی! کیا ہوا؟ جواب کیوں نہیں دے رہی؟" صابرہ جو اس سے کچھ پوچھ رہی تھیں اسے خاموش و غیر متوجہ دیکھ کر حیرانگی سے بولیں۔

"ک... کیا؟... میں نے سنا نہیں۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"بہت خوب! یہ تو وہی بات ہوئی تمام کہانی سن کر پوچھا جا رہا ہے کہ زلیخا عورت تھی کہ مرد؟" صابرہ نے خاصا دلچسپ تبصرہ لگایا تھا۔

"میں نے سنا نہیں اماں' بتاؤ نا کیا بول رہی تھیں؟"

"میں کہہ رہی تھی۔ یہاں سے کچھ دور غائب شاہ بابا کا مزار ہے۔ وہاں چل کر چادر چڑھاتے ہیں پھولوں کی' جب تم گم ہوئی تھیں نا تو میں نے منت مانی تھی۔"

"عورتوں کا مزارات پر جانا جائز نہیں ہے۔ یہ بات آپ کو کسی نے نہیں بتائی؟"

"میں اندر نہیں جاتی' بس باہر سے ہی دعا مانگ لیتی ہوں۔"

"یہ نام کیسا ہے اماں! غائب شاہ بابا؟" اس نے پہاڑ کے قریب لگے درخت سے امرود توڑ کر پانی سے دھوتے ہوئے حیرانگی سے استفسار کیا۔

"یہ ایک واقعہ ہے۔ جو ہمارے بڑے یہاں کے متعلق بتایا کرتے تھے۔" صابرہ بیگم کہیں کھو سی گئی تھیں۔

"کیسا واقعہ اماں؟" وہ امرود کھاتی ہوئی ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"یہ اس وقت کی بات ہے جب میرے دادا چھوٹے تھے اور دادا کی اماں بھی زندہ تھیں، جب بہت اچھا وقت تھا۔ سادے لوگ تھے' خالص جبتیں تھیں۔ بجلی کہیں بھی نہیں آئی تھی۔ غریب

کسان کی جھونپڑی ہو یا سرداروں کے محل' سب جگہ تیل کے چراغ جلا کرتے تھے۔ کچھ دنوں سے گاؤں میں عصر کے بعد سے بہت اچھی مہک ہر جگہ پھیل جاتی جو رات کے آخری پہر تک محسوس ہوتی... پھر یہ مہک آہستہ آہستہ بڑھتی گئی۔ لوگوں نے ایک دوسرے سے ذکر کیا تو سب نے یہی کہا' ان کے گھروں میں بھی ایسی مہک آتی ہے۔ پھر کچھ لوگوں نے ایک چراغ کو ہوا میں اس طرح لہراتے ہوئے دیکھا جیسے کوئی چراغ کو ہاتھ میں لے کر چلتا جا رہا ہو۔ چلنے والا نظر نہیں آتا تھا۔ وہ چراغ ایک جگہ جا کر خود بخود رک جاتا اور اسے رکھنے والا نظر نہیں آتا۔"

"یہ تو خاصی پراسراری بات لگ رہی ہے اور ناقابل یقین بھی۔"

وہ جو خاصی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ ان کے خاموش ہوتے ہی بے یقینی سے بولی۔

"ہاں بیٹا! یہاں تو ایسی داستانیں بہت ہیں۔ ہماری ماں تو ہمیں ایسے ایسے قصے سناتی تھیں کہ تم تو سرے سے یقین ہی نہیں کرو گی۔" اس واقعے سے اس کی عدم دلچسپی محسوس کر کے وہ خاموش ہو گئی تھیں۔ ورشا نے بھی اصرار نہ کیا کہ وہ بات مکمل کریں۔

وہ پھر عام انداز میں باتیں کرتی آگے بڑھنے لگیں۔

❁ ❁ ❁

یہ عجیب فصلِ فراق ہے
کہ نہ لب پہ حرفِ طلب کوئی
نہ اداسیوں کا سبب کوئی
نہ ہجومِ درد کے شوق میں
کوئی زخم اب کے ہرا ہوا
نہ کماں بدست عدو ہوئے
نہ ملامتِ صفِ دشمناں
نہ یہ دل کسی سے خفا ہوا
کوئی تار اپنے لباس کا
نہ ہوا نے ہم سے طلب کیا
سرِ رہ گزارِ وفا بڑھی
نہ دیا جلانے کی آرزو
بے چارۂ غمِ دو جہاں
نہ مسیح کوئی نہ چارہ گر

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہ کسی خیال کی جستجو
نہ خلش کسی کے وصال کی
نہ تھکن رہ مہ و سال کی
نہ دماغ رنج جہاں
نہ تلاش لشکر ناگہاں
وہی ایک جال ہے ضبط کا
وہی ایک چال ہے دہر کی
وہی ایک رنگ ہے شوق کا
وہی ایک رسم ہے شہر کی
نہ نظر میں خوف ہے رات کا
نہ فضا میں دن کا ہراس ہے
بے غرض حال کن دوراں
وہی ہم سخن ہے رفیق جاں
وہی ہم سخن جسے دل کہیں
وہ تو یوں بھی کب کا اداس ہے

"کن سوچوں میں گم رہتے ہو صارم خان! ہنسنا بولنا' شرارتیں' شوخیاں سب جیسے کہیں گم ہو کر رہ گئی ہیں۔ کیا ہوا ہے؟ کیوں اداس رہتے ہو؟"

وہ جو سوچ کے مہیب جنگلوں میں بھٹک رہا تھا۔ بی بی جان کی آواز سن کر چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر اس کے قریب آ بیٹھی تھیں۔

"کچھ نہیں بی بی جان! یہ ٹانگ کا زخم ٹھیک ہو تو باہر نکلوں۔"

اس نے ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے اکتائے لہجے میں کہا۔

"انشاء اللہ تعالیٰ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے شفقت سے اس کی پیشانی چومی۔

"بابا جانی کہاں ہیں۔ صبح سے نظر ہی نہیں آئے؟"

"معلوم نہیں' کن چکروں میں آج کل لگے ہوئے ہیں' گلباز بھی باپ کے ساتھ ہی ہے۔"

"گلریز کہیں گیا ہوا ہے کیا؟ جو نظر نہیں آ رہا۔"

"معلوم نہیں بچے! اندر ہی اندر یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ گلریز بھی صبح سے ان کے ساتھ ہی [illegible] لے کر گئے ہیں وہ آئے۔"

"بی بی جان میں جا رہا ہوں۔ میرا جانا ضروری ہے۔" وہ ایک دم ہی بیڈ سے نیچے اترنے لگا تھا۔ بابا جانی اتنی جلدی اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی سعی کریں گے۔ بے شک ان کا ارادہ صلح کرنے کا تھا۔ وہ اپنی ملنسار طبیعت کی باعث فضول لڑائی جھگڑے پسند نہیں کرتے تھے لیکن شہباز خان کے متعلق جو اسے بتایا گیا تھا۔ وہ کبھی بھی اس صلح دامن کی پیشکش کو قبول نہیں کرے گا۔

اس سے بعید نہ تھا کہ وہ جوش انتقام میں کچھ بھی کر ڈالنے کو تیار ہو جاتا۔ گلریز کو یقیناً بابا جانی زبردستی ساتھ لے کر گئے ہوں گے لیکن جذباتی و جلد باز وہ از حد تھا۔ وہ کوئی بات برداشت کرنے کے بجائے وہاں لڑنے کو تیار ہو جائے گا۔

ایسے میں اس کا وہاں جانا ضروری تھا۔ نہ معلوم کیوں اور کس مصلحت کے تحت بابا جانی اسے وہاں لے کر نہیں گئے تھے اور جاتے وقت مطلع بھی نہ کیا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟ کیا ہوا اس قدر پریشان کیوں ہو گئے ہو؟"

"بی بی جان مجھے روکیے مت۔ میں جلد آ رہا ہوں۔"

اس نے عجلت میں کہتے ہوئے اسٹک اٹھائی' جس کے سہارے وہ آج کل چل رہا تھا۔

ابھی اس نے قدم بھی نہیں بڑھائے تھے کہ بے تحاشہ بھاگتی ہوئی گل زیبا اندر آئی تھیں ان کے پیچھے زرگون اور چھوٹی بھابی بھی خاصی متوحش سی اندر داخل ہوئی تھیں۔

"الٰہی خیر! ارے کیا ہوا؟" بی بی جان نے دہل کر سینہ پکڑا تھا۔

"بی بی جان' ہم لٹ گئے' برباد ہو گئے... ہمارا..."

"کیا ہوا ہے؟ جلدی بتاؤ؟" صارم سنجیدگی سے بولا تھا۔

"بابا جان اور گلباز خان' گلریز خان کو ساتھ لے کر گئے ہیں۔ دشمن قبیلے کے سردار کی لڑکی [illegible]..." ان کی پاٹ دار آواز پورے کمرے میں گونج اٹھی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو زیبا! کس نے کہا یہ...؟" بی بی جان نے آگے بڑھ کر کہا۔

"یہ مت پوچھیں مجھ سے' میرے بھی کچھ خاص لوگ ہیں اس حویلی میں۔ جو میرے خلاف [illegible] والی سازشیں مجھے بتاتے رہتے ہیں۔ کتنی معصوم بن رہی ہو جیسے کچھ معلوم ہی نہیں؟"

"دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا کس انداز میں بات کر رہی ہیں آپ بی بی جان سے؟" صارم ان کا انداز برداشت نہ کر پایا تو سرد لہجے میں بولا۔

"ارے دماغ تو میرا اب درست ہوا ہے۔ کتنی بے وقوف تھی میں' جو تم لوگوں کو اپنا سمجھا [illegible] کیا صلہ ملا مجھے؟ تم نے میری محبت کا یہ صلہ دیا کہ میری بیٹی کو اپنانے سے انکار کر دیا۔ ذرا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی لحاظ و مروت نہیں دکھائی تم نے اور آج تو حد ہی ہو گئی... میرے بیٹے کو میری مرضی جانے بغیر دشمنوں کی بیٹی سے بیاہنے پہنچ گئے۔ ایسے ہوتے ہیں اپنے؟ میرے سارے ارمان خواہشیں تمنائیں خاک میں ملا دیں۔"

انہوں نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا۔

"بلا غرض محبتیں کبھی دکھ نہیں دیتیں۔ آپ نے اپنی محبتوں میں غرض شامل کر لی اور آج ہمیں مورد الزام ٹھہرا رہی ہیں۔ اللہ گواہ ہے میں نے ہمیشہ آپ کا احترام کیا اور ماں کی طرح سمجھا ہے۔"

"ارے رہنے دو... سب جانتی ہوں.... اگر اس گھر میں میرے بیٹے کی بیوی میری مرضی کے خلاف آ گئی تو کبھی اسے بسنے نہیں دوں گی اور اس حویلی کی کبھی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی میں بہت بری عورت ہوں... ابھی میرا اصلی روپ دیکھا نہیں ہے تم لوگوں نے۔"

وہ لہراتے بل کھاتے وجود کو لے کر کمرے سے چلی گئی تھیں اور پیچھے زرگون خانم بھی ان کے تیور بھی ماں کی طرح ہی تیکھے تھے۔

"بی بی جان! خیال نہیں کریں۔ بھابی غصے میں ہیں۔ اس لئے انہیں خود بھی نہیں معلوم کہ وہ کیا بول رہی ہیں۔ بعد میں خود آ کر معافی مانگ لیں گی۔"

چھوٹی بہو نے جوان کی گم صم حالت دیکھی تو ملائمت سے سمجھانے لگیں۔

"نہیں... مجھے کچھ نہیں ہوا۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

بی بی جان جو بڑی بہو کی سفاک و بدلحاظ فطرت سے کسی حد تک واقف تھیں۔ آج ان کی زبان کے شعلوں نے سمجھایا تھا کہ وہ از حد بدتمیز و خود غرض عورت ہیں۔ ایسی ترلیں عورت جس کا ہر قدم صرف اور صرف اپنے مفاد کی جانب اٹھتا ہے۔ ان کی بدگمانی اور بدظنی نے انہیں چکرا کر رکھ دیا تھا۔

دوسرے انہوں نے جو انکشاف کیا تھا وہ کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔ چھوٹی بہو دھیرے دھیرے ان کا سر دبانے لگیں۔ صارم کمرے سے نکل گیا۔

❁ ❁ ❁

"ڈاکٹر صاحبہ! کہیں جا رہی ہیں آپ؟" شمشیر خان جیپ سے اتر کر اس کے نزدیک آیا۔ آپا کائنات سوٹ کیس ہاتھ میں پکڑے سڑک کے کنارے چل رہی تھی۔ ساتھ اس کے فرحت آپا بیگ اٹھائے چل رہی تھیں۔

"جی... میں کراچی جا رہی ہوں۔" کائنات نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں...؟ کوئی کام ہے کیا؟" شمشیر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہمیشہ کے لئے جا رہی ہوں۔"

"ہمیشہ کے لئے؟ کیوں...؟ کوئی شکایت ہو گئی؟"

"آپ سے کیا شکایت؟ انکل میری شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"اور آپ کرنا نہیں چاہتیں۔ یہی بات ہے نا؟ جائیے واپس آپ امیل حیات خان سے بات کریں گا۔ میری مرضی کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔"

"آپ کس طرح منع کر سکتے ہیں انکل کو؟" کائنات نے حیرانگی سے کہا۔

"آپ دیکھ لیجئے گا۔ کس طرح منع کرتے ہیں ہم انہیں۔"

اس کے لہجے میں رعونت و پختگی تھی۔ ساتھ ہی ایسی قطعیت کہ کائنات نے مزید کچھ نہیں کہا۔ فرحت آپا کھول کر رہ گئی تھیں۔ وہی ہوا تھا جس کا ان کو خوف تھا۔

"میرا انتظار کرنا۔ میں جلد آؤں گا۔" شمشیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے کہا تھا۔

اس کی آنکھیں

اس کا چہرہ

اس کے ہاتھوں کے لمس نے وہ اقرار محبت کر لیا تھا جس کی وہ منتظر تھی۔

اس نے بھی بے قراری سے اس کی سرخ آنکھوں میں لمحے بھر کو جھانکا تھا۔ وہاں جذبات و محبت کے اتنے رنگ تھے کہ اس نے نگاہیں جھکا لی تھیں۔ یہ سب فرحت آپا سے مخفی رہا تھا کیوں کہ وہ آگے چل رہی تھیں۔ کائنات نے اسے خدا حافظ کہتے ہوئے آگے قدم بڑھا دیئے تھے۔ کیوں کہ گھر سے وہ دور نہیں تھیں۔

شمشیر خان ان کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد گاڑی میں بیٹھ گیا تھا اور صمد خان نے گاڑی چلا دی تھی۔ کائنات کو دیکھ کر جو اس کے چہرے پر سرور چھایا تھا۔ وہ غائب ہو گیا تھا۔ اس پتھریلا پن اس پر چھا گیا تھا۔ "خان جی! کہیں ایسا تو نہیں کہ چھوٹی بی بی واپس کراچی چلی گئی ہوں۔ یہاں ہم نے ہر جگہ دیکھا ہے وہ کہیں نہیں ہے۔"

"نہیں سمندر خان! وہ یہیں کہیں ہے۔ وہ کراچی نہیں گئی۔ معلومات کروائی ہیں میں نے۔"

"تو پھر کہاں جا سکتی ہیں؟"

"خان...! آج کل روزی خان گھر میں بہت سامان لے کر جاتا ہے۔ میں نے اس سے معلوم کیا تھا تو اس نے مجھے کچھ ایسے قصوں میں الجھایا کہ میں دوبارہ اس سے پوچھنا بھول گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب یاد آ رہا ہے مجھے اور آج کل اس کی پاگل بیوی بھی باہر نظر نہیں آتی۔"

"کب کی بات ہے؟ پہلے کیوں نہیں بتایا تو نے...؟" شمشیر خان دھاڑ کر بولا۔

"خان میرے کو ابھی یاد آیا ہے۔" صمد نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"چل... گاڑی اس کے گھر کی طرف موڑ لے۔" اس کا حکم پاتے ہی صمد خان نے گاڑی دوڑانا شروع کر دی تھی۔ روزی خان کے گھر کے دروازے پر تالا لگا دیکھ کر شمشیر خان نے روزی خان کو موٹی موٹی گالیوں سے اس کی غیر موجودگی میں بھی نوازا تھا۔

"خان! وہ سامنے گلابی پھولوں کے جھنڈ میں کوئی بیٹھی نظر آ رہی ہے۔" سمندر خان نے اپنی عقابی نگاہوں سے خاصے فاصلے پر بھی بالکل درست دیکھا تھا۔

"ایک عورت بھی ہے۔ ارے یہ تو روزی خان کی بیوی ہے۔ اور وہ؟ ہاں وہی ہے۔ مل گئی ہاہاہا... کب تک چھپ سکتی تھی؟ شمشیر خان سے کوئی چھپا ہے آج تک؟"

شمشیر خان نے درشا کو پہچان کر فاتحانہ انداز میں قہقہے لگائے تھے۔

لینڈ کروزر بہت تیزی سے اس جانب بڑھ رہی تھی۔

❁❁❁

"کیا ہوا؟ جیپ کیوں رک گئی ہے؟"

شاہ افضل خان ایک دم جیپ رک جانے کی وجہ دریافت کرنے لگے۔

"ہم بال بال بچ گئے بابا جانی! اگر چند سیکنڈ بعد یہ تودہ گرتا تو ہم گاڑی سمیت پس گئے ہوتے۔" گلباز خان نے سڑک کے درمیان میں پڑے بھاری بھرکم چٹانی پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ جو ابھی گرا تھا۔

"او اللہ کا بڑا احسان ہے۔ میری آنکھ لگ گئی تھی۔ اس لئے میں نے محسوس نہیں کیا۔"

"چلو آؤ گلریز خان اسے ہٹانے میں میری مدد کرو۔"

گلباز خان گلریز سے مخاطب ہوئے۔ جو خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا۔

❁❁❁

تو وہ بہت بھاری تھا۔ جسے ہٹانے میں انہیں خاصا وقت صرف کرنا پڑا تھا۔ راستہ صاف ہونے کے بعد گاڑی پھر اپنی منزل کی جانب گامزن ہو چکی تھی۔

شاہ افضل خان اور گلباز خان کی کبھی کبھی کی جانے والی گفتگو ماحول میں چھائے جامد و پر اسرار سناٹے کو لمحوں کے لئے توڑ دیتی۔ پھر ایک پُر ہیبت خاموشی چھا جاتی۔ گاڑی طور خان ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ گلباز خان بیٹھے تھے۔ پیچھے کی سیٹوں پر افضل خان اور گلریز خان بیٹھے تھے۔

"کچھ بولو بچے۔ کیوں اسقدر خفا خفا نظر آ رہے ہو؟"

بڑے خان نے بڑا سپاٹ چہرہ لئے از حد خاموش بیٹھے گلریز خان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"کیا بولوں...؟ کچھ بولنے کے لئے بچا ہی کیا ہے بابا جانی۔"

اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ دھیمے لہجے میں تفکر و خفگی کی تلخی تھی۔

"رہنے دیجئے بابا جانی۔ اس وقت اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ یہ ابھی اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے۔" گلباز خان نے رخ موڑ کر بیٹے کو تشفی بھری نگاہوں سے گھورتے ہوئے باپ سے کہا۔ طور خان ان کی موجودگی میں بہت مودب و محتاط انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"مجھے احساس ہے میرے بچے جو کچھ میں تمہارے ساتھ کرنے جا رہا ہوں ایک طرح سے تمہارے ساتھ ظلم و زیادتی ہی ہے۔ لیکن بچے! اگر سیلاب کی آمد سے پہلے احتیاطی تدابیر اختیار کر لی جائیں یا اجتماعی مفاد کی خاطر انفرادی قربانی دے دی جائے تو یہ "ظلم" "عدل اور "زیادتی" "عدالت" بن جاتی ہے میرے بچے سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"

"پہل ہم نے نہیں کی پھر کیوں ہم بزدلوں کی طرح..."

"گل... ریز... خان! زبان کو لگام دو۔" اس کی بات قطع کر کے ایک دم گلباز خان دہاڑ کر بولے تھے۔ انہوں نے آج تک اپنی کسی بات سے اختلاف نہیں سنا تھا۔ پھر بیٹے کی سرکشی و دھیمے لہجے میں کی گئی گستاخی کس طرح برداشت کرتے۔

"گل باز خان! مت طیش میں آیا کرو اتنی جلد" کہنے دو اسے جو یہ کہنا چاہتا ہے۔"

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"نہیں بابا جانی! جس کی ہمت رات اس کے باپ نے آج تک نہیں کی' وہ یہ کس طرح کر سکتی ہے' میں لمبی زبانیں قطع کرنا خوب جانتا ہوں۔"

"چھوڑو خاناں! تمہارا وقت گزر گیا ہے' جو گزر جاتا ہے' کبھی پلٹ کر نہیں آتا' یہ وقت دور ان بچوں کا ہے۔ جو مصلحت نہیں سمجھتے ہیں۔ مفاہمت کرنا ان کا شیوہ نہیں ہے۔ جو گہرائی کو نہیں سطح کو پسند کرتے ہیں۔"

"جب ہی تو سطحی و گھٹیا ذہنیت ہے ان لوگوں کی۔ ہونہہ' جو گہرائی میں جانا پسند نہیں کرتے' وہ تاحیات عقل و دانشمندی کے گوہر نایاب سے محروم رہتے ہیں۔ پھر ان کی زندگی یوں ہی سرسے بارنے میں گزرتی ہے۔"

گلباز خان کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ نگرین خان کو مسلسل لتاڑ رہے تھے۔ جو سر جھکائے ہونٹ دانتوں سے کاٹ رہا تھا۔ بڑے خان کی مداخلت نے انہیں خاموش کیا تھا۔

موسم خاصا گہرا آلود تھا۔ دوپہر کے اس وقت میں بھی شام کا احساس ہو رہا تھا۔ جس سے ٹھنڈک محسوس ہو رہی تھی۔

راستہ ابھی کچھ باقی تھا کہ گاڑی ایک دم دھماکوں کی زد میں آ کر لہرانے لگی۔

بڑے خان جو کچھ دیر قبل نیند کے جھونکوں کی زد میں تھے ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ گاڑی بری طرح لہرا رہی تھی۔ ایک طرف پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ دوسری طرف گہری کھائیاں کے لامحدود دائرے تھے۔

❁ ❁ ❁

"اماں! کیا ہوا؟ خاموش کیوں ہو گئی ہو؟"

ورشا نے یکدم خاموش و گم صم صابرہ پر نظر ڈال کر کہا۔ جو بات کرتے کرتے یکلخت چپ ہو گئی تھیں۔

"کیا بات کروں بیٹی! تجھے میری کوئی بات ہی سمجھ نہیں آتی۔ پہلے تو... تو ایسی نہیں تھی۔"

"کیسی اماں؟ کیا ہوا مجھے؟" اس نے چونک کر ان کے کمزور چہرے کو دیکھا۔

"پتہ نہیں؟ مجھے کبھی کبھی ایسا کیوں لگتا ہے جیسے میں پاگل ہو گئی ہوں۔" ان کے کھوئے کھوئے انداز میں الجھن و سراسیمگی چھائی ہوئی تھی۔

گزشتہ وقت سے بھی آنکھوں میں ایک یاسیت و بے چارگی تھی۔ وہ ورشا کو دیکھ رہی تھی یک ٹک جیسے پہلی مرتبہ دیکھ رہی ہوں۔

"نہیں... نہیں اماں! آپ پاگل نہیں ہیں۔" ورشا نے اپنائیت سے کہا۔ "جن دلوں میں

محبت کے جھنڈے چھوٹتے ہوں' آنکھوں میں مروت و خلوص کے چراغ روشن رہتے ہوں' جو سراپا ایثار و وفا' شفقت ہوں' ایسے لوگ پاگل نہیں ہوتے اماں! نہیں ہوتے۔"

"ایک بات بتاؤں تجھے' کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے' جیسے..."

انہوں نے بہت گہری نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے تذبذب سے کہا۔

"تو... میری گلفشاں نہیں ہے۔"

"اماں! کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"ہاں... جبھی تو میں کہہ رہی ہوں کہ میں پاگل ہو گئی ہوں۔ ارے تو برا مان گئی؟ چھوڑ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔ چل آگے چلتے ہیں۔ دوپہر ڈھلنے کو ہے پھر اندھیرا پھیل جائے گا تو تیرا ابا فکرمند ہو جائے گا۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانا ہی چاہتی تھی کہ سامنے دور سے آتی ہوئی لینڈ کروزر دیکھ کر چونک گئی۔ ورشا ایک دم ہی حواس باختہ سی ہو کر اٹھی تھی۔

موت سے پہلے موت آنے کا خوف ہر ذی شعور کو مضطرب و خوفزدہ کر ڈالتا ہے۔

وہ جو موت کو گلے لگانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ پوری رفتار سے اس طرف آتی گاڑی کو دیکھ کر سراسیمگی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ قریب آتی گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی۔

ہاتھ میں بندوق لئے شمشیر خان بڑے غیض و غضب کے انداز میں باہر آیا تھا۔

"لالہ..." ورشا کے ہونٹوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

اس کی نگاہوں میں ایسی تپش تھی جس کے آگے الاؤ بھی سرد محسوس ہوں۔ چہرے پر ایسی کرختگی اور سفاکی چھائی ہوئی تھی کہ اس کے ساتھ ساتھ صابرہ بھی کانپ اٹھی تھی۔ وہ ورشا کا ہاتھ پکڑ کر خوفزدہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاں... میں! کیا سمجھتی تھی؟ ہمارے چہروں پر سیاہی مل کر ہم سے بچ جائے گی؟" اس نے آگے بڑھ کر ورشا کے بال چادر سمیت مضبوطی سے پکڑ لئے تھے۔ اس کی اس وحشی حرکت پر صابرہ بپھرے ہوئے انداز میں شمشیر خان کے بازو سے لپٹ گئی اور ساتھ ہی چیخنے لگی۔

"لالہ... اسے کچھ نہ کہو... یہ بے قصور ہے..." ورشا نے اسے صابرہ کو جھٹکے سے دور پھینکتے ہوئے کہا۔ شمشیر خان نے پوری طاقت سے اس کے رخسار پر تھپڑ دے مارا تھا۔

"خاموش... تیری ناپاک زبان پر میرا نام بھی نہیں آنا چاہئے۔"

اس نے گالی دیتے ہوئے ورشا کے دوسرا تھپڑ بھی مارا۔ جس کی ضرب اتنی شدید تھی کہ اس کے منہ سے خون کا فوارہ سا چھوٹ پڑا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"کیوں مارتا ہے؟ کیوں مارتا ہے میری بچی کو؟ میں تجھے جان سے مار دوں گی۔ کمینے بے غیرت۔" صابرہ زمین سے اٹھ کر غصے سے چیختی ہوئی اس کی طرف بڑھی تھی۔ شمشیر خان نے اس بار بھرپور لات قریب آتی صابرہ کے ماری تھی۔ جو پوری طاقت سے اس کی پسلیوں پر لگی تھی۔ صابرہ جس کی حالت دیمک خوردہ لکڑی کی مانند تھی۔ شمشیر خان جیسے توانا و وحشی سانڈ جیسی طاقت رکھنے والے وجود کی ایک طاقتور لات کی تکلیف وہ کیسے برداشت کر پاتی۔ ایک اذیت ناک چیخ مار کر وہ نیچے گری تھی اور کچھ دیر تڑپ کر ساکت ہو گئی تھی۔

اسے اس طرح زمین پر گرتے دیکھ کر ورشا بری طرح اس کی گرفت سے نکلنے کو مچلنے لگی۔

"لالا... تم ابھی تک ایسے ہی ہو۔ ظالم سفاک بے رحم کیا بگاڑا ہے اس مظلوم عورت نے تمہارا؟" منہ سے بہتے خون چہرے پر پھیلتی جلن اور کسی فولادی شکنجے میں پھنسے بالوں کی اذیت و تکلیف سے زیادہ صابرہ کے اس طرح گرنے نے اسے تڑپا کر رکھ دیا تھا۔

"خاموش... اگر ایک لفظ اور کہا تو زبان کھینچ لوں گا بدذات... اس لئے گئی تھی تو پڑھنے یہی سیکھنے گئی تھی کہ ہماری عزت شان و شوکت رعب و دبدبہ سب کو غلام کرنے کا پلان بنایا تھا تو نے؟ یہی سیکھنے گئی تھی؟ اس قبیلے کی لڑکیوں کو اس طرح جہالت کے اندھیروں سے نکالنے کی۔ انہیں ایسی راہیں دکھائے گی؟"

اس نے ایک زوردار جھٹکے سے بال پکڑ کر اسے دھکا دیا تھا۔

ورشا کا سر پتھر سے ٹکرایا تھا۔ درد سے اس کی جان سی نکلنے لگی مگر اس نے ضبط و برداشت کا دامن نہیں چھوڑا چکراتے سر کو پکڑ کر رہ گئی۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کیا سمجھتی ہے مجھے؟ کیا سوچ کر بھاگی تھی؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔ پہلے میری بات تو سن لو۔" وہ اسے رافعل سیدھی کرتے دیکھ کر التجائیہ انداز میں گویا ہوئی۔

"نہیں... مجھے کچھ نہیں سننا میں تیری صورت دیکھنے تیری آواز سننے کا بھی روادار نہیں ہوں۔" شمشیر خان کے لہجے میں حقیقی کڑواہٹ و نفرت تھی۔

"مجھے معلوم ہے... یہ کوئی نئی بات نہیں ہے مگر میں اس طرح نہیں مروں گی کہ مرنے کے بعد دعاؤں سے بھی محروم ہو جاؤں۔ میں بے قصور ہوں جو کچھ بھی ہوا اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"بس میں کوئی فالتو کو اس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتی۔ اس لئے کہ میں گناہ گار نہیں ہوں اور لالا... میں اس طرح

بدنامی و رسوائی کی سیاہی اپنے کردار پر لگوا کر ہرگز نہیں مروں گی۔" اسے اپنے فیصلے پر اٹل دیکھ کر اس کے اندر کی ورشا دوبارہ سے بیدار ہونے لگی۔

"مرنا تو تجھے ہوگا ہر حال میں بے غیرت لڑکی۔"

"اس طرح نہیں لالا میں اپنی ماں کے شفاف آنچل پر کمزور چھپنے لگا کر نہیں مروں گی۔ جب تک میں اصل حقیقت نہیں بتاتی... اس وقت تک تم تو کیا موت کا فرشتہ بھی مجھے نہیں مار سکتا۔" اس کا پرعزم لہجہ غرور و بے خوف تھا۔

شمشیر خان کچھ دیر تک قہر آلود و نفرت انگیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا رہا۔

"اگر تم میں کچھ غیرت باقی ہے۔ بابا جان کی عزت کا تھوڑا بھی احساس باقی ہے تو مجھے گھر لے چلو۔"

"وہاں کوئی تیرا سر امنہ دیکھنے کو بھی راضی نہیں ہے۔ تجھ کو اسی دن بھلا دیا تھا۔ جب تو گھر سے بھاگی تھی۔"

"لالا! ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ میں کہیں نہیں گئی تھی۔"

"پھر پندرہ دن سے اپنے کس باپ کے گھر تھی؟"

"لالا! شرم کرو کچھ!" شمشیر خان کے استہزائیہ انداز نے اسے انگاروں پر لا پٹخا تھا۔

"شرم میں کروں میں؟ ہاں گھر سے بھاگے تو؟ ہماری عزت پر رسوائی کی کالک پھیلائے تو؟ گھر سے ہفتوں غائب رہے تو؟ پھر شرم میں کروں؟" شمشیر خان نے جنونی انداز میں آگے بڑھ کر اس کے چہرے پر تھپڑ برسانے شروع کر دیئے۔

سمندر خان اور عمر خان کو وہ ادھر ہی چھوڑ کر آ گیا تھا۔ جانتا تھا اپنی فطرت کو ورشا کو دیکھ کر خود پر قابو نہ پا سکے گا۔ ملازموں کے سامنے اسے یہ گوارہ نہیں تھا۔

"چل تیری یہ آخری آرزو بھی پوری کر دیتا ہوں۔ پھانسی کے مجرم کی آخری خواہش کا احترام ہماری روایت بھی ہے لیکن بتا دوں تیری ماں کے سامنے ہی تجھے چھری سے ذبح کروں گا۔ میرا ہاتھ کوئی روک نہیں سکتا۔"

وہ بے دردی سے اس کے بال پکڑ کر کھینچتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

❁ ❁ ❁

"یہ دھماکے کیسے ہیں طور خان!" جیپ بڑی جدوجہد کے بعد رکی تو بابا جانی نے گھبرا کر دریافت کیا۔ وہ چاروں گاڑی سے باہر آ گئے تھے۔

"ٹائر پھٹ گئے ہیں بابا جانی! ان کے دھماکے تھے وہ۔" گلباز خان نے جواب دیا۔

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چلنا سیکھو۔"

"جی خوب درست فرمایا آپ نے۔ انہوں نے کی تو ہے اپنی مرضی پوری' چلے تو ہیں یہ اپنی خواہش کی شاہراہ پر' کیا ملا؟ کیا حاصل کیا؟ ایک بے قصور کو بستر پر ڈال دیا اور ہمارے لئے پریشانیوں و وسوسوں کے کانٹوں سے وجود لہولہان کر ڈالا۔ مجھے ایسی مرضی' ایسی خواہش نہیں چاہئے۔" انہوں نے قہر آلود نگاہوں سے گلریز خان کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں اپنی غلطی پر از حد نادم ہوں بابا جان! آپ مجھے معاف کیوں نہیں کرتے؟" گلریز نے ہاتھ جوڑتے ہوئے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"کیا ہوگا؟ کیا ہوگا تمہاری معافی' تمہاری ندامت سے؟"

"ابا جان! پلیز اگر کوئی اپنی غلطی پر پریشان ہے تو آپ اسے معاف کر دیں۔ غلطی پر نادم ہونا اعلیٰ ظرف لوگوں کی سرشت ہوتی ہے اور معاف کر دینا معتبر لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے۔"

"فی الحال تو حویلی چلو وہاں جا کر فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا ہے؟"

بابا جانی بغور صارم کا چہرہ دیکھ رہے تھے جو تکلیف کی شدت سے سرخ پڑتا جا رہا تھا۔ لیکن وہ بالکل ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ اس کا حوصلہ' عزم دیکھ کر انہیں محسوس ہو گیا کہ انہیں آگے بڑھنے نہیں دے گا۔ وہ شروع سے ہی اپنی منوانے کا عادی رہا تھا۔ اور ٹھنڈے دماغ سے اس کی باتیں سننے کے بعد انہیں بھی محسوس ہوا کہ وہ جو کرنے جا رہے ہیں' وہ ایک لحاظ سے جذباتی و خطرناک اقدام ہے۔

"بابا جانی! حویلی واپس چل رہے ہیں؟" گلباز خان نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

"ہوں... بعض اوقات چھوٹے بھی بڑی دانشمندی کی بات کر جاتے ہیں۔ ہم حویلی جا کر سوچیں گے پھر فیصلہ کریں گے۔"

❁❁❁

کائنات اور فرحت آپا گھر میں داخل ہوئیں تو یہ دیکھ کر مطمئن ہو گئیں کہ حیات خان ابھی واپس لوٹے نہیں تھے۔ وہ ان کی غیر موجودگی میں گھر سے نکل آئی تھیں۔

فرحت آپا نے اسے روکنے اور سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ ابھی وہ حیات خان کا انتظار کر لیں۔ ان کی واپسی کے بعد ان کی موجودگی میں گھر سے جانا درست ہوگا۔ لیکن کائنات اپنے پروپوزل کا سن کر ان سے اس حد تک بدگمان ہو گئی کہ اس نے فوراً اپنی سامان پیک کر کے لے جانے کی ٹھان لی تھی۔ مجبوراً انہیں بھی اس کا ساتھ دینا پڑا تھا۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے بی بی بھائی صاحب ابھی واپس نہیں لوٹے ہیں۔" فرحت آپا

جلدی جلدی سامان بیگ سے نکال کر ان کے ٹھکانوں پر از سر نو طریقے سے رکھتے ہوئے تشکرانہ انداز میں اس سے مخاطب ہوئیں۔

"ہوں۔" کائنات نے اس طرح مختصر جواب دیا' گویا وہ اس وقت ماحول سے' کمرے کی فضا سے کہیں اور پہنچی ہوئی ہو۔ فرحت آپا نے اس کی طرف رخ کیا' وہ آنکھیں بند کئے کئے شاید تصور جاناں میں مستغرق تھی۔ ہونٹوں پر دھیمی دھیمی گداز سی مسکراہٹ تھی۔

وہ چند ساعت اس کی جانب پرسوچ انداز میں دیکھتی رہی تھیں۔

"مجھے شمشیر خان کا اس طرح حق جتانا کچھ بہتر محسوس نہیں ہوا۔"

"کیوں آپا! مجھے تو بہت اپنائیت و تحفظ کا احساس ہوا ہے۔"

"خوب کہی آپ نے بھی' ایک غیر مرد اس طرح حق جتانے کا ہم پر کیا اختیار رکھتا ہے؟ یہ کھلی غنڈہ گردی ہے۔"

"آپ خوامخواہ اس سے بدگمان رہتی ہیں۔ حق کوئی کسی کو اپنا سمجھتا ہے' تبھی جتاتا ہے۔ ورنہ آج کل تو سگے رشتے بھی اپنی غرض پر صرف اپنی من مانی کرتے ہیں۔ صرف اپنے حقوق کی اولیت اور اہمیت سمجھتے ہیں۔ دوسروں کے حق سے قطعی بے خبر و بے فکر۔"

اس کے لہجے میں طنز و تنفر کی بھرپور آمیزش تھی۔

فرحت آپا اس کے بدلتے تیور اور لہجے کی تلخی و تندی سے اس کی ہٹ دھرمی پہچان کر خاموش ہو گئیں۔

"وہ لوگ کسی وجہ سے نہیں آ رہے آپا! آپ مہمانوں کے لئے کوئی اہتمام مت کیجئے گا۔" وہ سامان سیٹ کرنے کے بعد کچن کا رخ کر رہی تھیں۔ جب حیات خان نے آ کر اطلاع بہم پہنچائی۔

"کیوں بھائی صاحب! خیریت تو ہے نا؟ اچانک کیا بات ہو گئی؟"

آپا حقیقتاً پریشان ہو گئیں ان لوگوں کے نہ آنے کا سن کر۔

"ان کے رشتے داروں میں سے کسی کے ہاں کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ وہ لوگ فوراً چلے گئے ہیں' ملازم آیا تھا میرے پاس پیغام پہنچانے۔"

"بھائی صاحب! چائے بنانے جا رہی ہوں' دوں آپ کو بھی ایک کپ؟"

"ہاں دے دینا۔ اب تو مجھے بھی عادت سی ہو گئی ہے۔"

وہ خوشدلی سے کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

❁❁❁

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دادی نے شب کی تاریکی کی دبیز چادر اوڑھ لی تھی۔

برفیلی چوٹیوں سے آتی سرکش ہواؤں کے جھکڑوں نے سردی کو بام عروج پر پہنچا دیا تھا۔ ماحول پر ایک پرہول پراسراریت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

وحشت اور دہشت کا عالم تھا' بری طرح دھڑکتے دل' لرزتے کانپتے وجود کو سنبھالے سکندر اماں کے قریب بیٹھی ان کا سر دبانے میں مصروف تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟ ادے سو گئیں؟" پردہ کھسکا کر شہروز نے اندر داخل ہوتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی لالہ! آپ کی کھلائی ہوئی گولی نے اب اثر کیا ہے۔"

"تمہیں کیا ہوا؟ چہرہ کیوں زرد ہو رہا ہے۔؟"

شہروز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا' وہ جو تنہائی کے باعث اپنے دل کا غبار دل میں ہی چھپائے بیٹھی تھی۔ بھائی کے ہمدردو مہربان لہجے پر وہ ضبط کھو بیٹھی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"سکندیہ! کیا ہوا؟ چھوٹی ادے نے کچھ کہا ہے؟ بتاؤ تو سہی کیا ہوا؟"

"لالہ! میرا دل بہت گھبرا رہا ہے' ایسا لگ رہا ہے' جیسے کچھ ہونے والا ہے۔" اپنے سر پر رکھے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر وہ وحشت زدہ انداز میں گویا ہوئی۔ "رات میں نے خواب بھی بہت ڈراؤنے دیکھے ہیں۔"

"بہت... یہ توف' ابھی بھی خوابوں کی دنیا میں راتی ہو' خوابوں پر یقین نہیں رکھتے' وہ وقت گزر گیا' ہر وقت کمرے میں بند رہتی ہو' جب دل و دماغ کو تازہ ہوا نہیں ملے گی تو طبیعت تو گھبرائے گی۔ چلو میں تمہیں باہر لے کر چلتا ہوں۔ باغ میں ٹھنڈی و تازہ ہوا میں ٹہلو گی تو طبیعت ایک دم فریش ہو جائے گی' ساری وحشت' خوف' گھبراہٹ دور ہو جائے گی۔ آؤ چلو۔ اندر بیٹھ کر باہر میں باغ کے باب آن کروا دوں گا اگر تم کہو تو؟"

"نہیں لالہ' ادے سو رہی ہیں' کتنے دنوں بعد تو گہری نیند سوئی ہیں۔ اور شمشیر لالا پسند نہیں کرتے گھر کی عورتوں کا باغ میں گھومنا۔"

"وہ بے فکر رہو' میں بات کر لوں گا نیند کی گولی کے زیر اثر سو رہی ہیں۔ صبح تک سوتی رہیں گی' اور شمشیر خان سے میں خود بات کر لوں گا' اس وقت وہ گھر میں نہیں ہے۔ اگر آ بھی گیا تو خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے' تم اپنے بڑے بھائی کے ساتھ جا رہی ہو۔" شہروز خان پہلے ہی انکی شفیق بھائی کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اب اصل صورت حال جاننے کے بعد وہ ماں اور شمشیر خان

از حد بدگمان و بدظن ہو چکا تھا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اب عزید شمشیر خان کو من مانی نہیں کرنے دے گا۔

"لالہ! ورشا ایسا نہیں کر سکتی نا؟ وہ مزاج کی تیز ضرور ہے مگر کردار اس کا مضبوط ہے۔ اس کے بارے میں جو کہا جا رہا ہے وہ غلط اور جھوٹ لگتا ہے لالہ!"

اس نے موتیا کے مہکتے پھولوں کے قریب بیٹھتے ہوئے یاسیت زدہ لہجے میں استفسار کیا۔

"ہاں' بالکل مجھے اپنی بہنوں کی پاک دامنی و شفاف کردار پر اس طرح ہی یقین و اعتماد ہے جس طرح اللہ کی ذات پر پھر وہ ایمان رکھتا ہوں۔ بے شک اسے دیکھا نہیں ہے لیکن اپنی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب محسوس کیا ہے' اور تم دونوں تو بچپن سے میری نگاہوں کے سامنے شعور کی منزل پر پہنچی ہو' بھلا میں اپنی بہنوں کے مزاج و اخلاق کو نہیں سمجھوں گا۔"

شہروز نے پیار بھری پیت دھیرے سے اس کے سر پر لگاتے ہوئے اپنائیت سے کہا۔

"میں کبھی سوچتی ہوں' اگر آپ اور بڑے لالا ہم سے محبت نہ کرتے تو ہم تو بہت پہلے مر جاتے۔" اس کی آواز پر پھر آنسو غالب آنے لگے۔

"سکندیہ! میں تمہیں اس لئے باہر نہیں لایا کہ تم رونے بیٹھ جاؤ پھر سے۔"

"لالہ! ماحول اور موسم کا احساس دل کی آسودگی و طمانیت کے تابع ہوتا ہے۔ یہاں آ کر میری ظاہری گھٹن و وحشت کچھ کم ہوئی ہے مگر میرے اندر سکون و قرار جب ہی ہوگا جب تک ورشا کے متعلق پتہ نہیں چلے گا۔" اس نے چادر کے پلو سے آنسو صاف کرتے ہوئے آزردگی سے کہا۔

"میں صبح ہی حویلی سے نکلوں گا' اصل صورت حال معلوم کرنے کے لئے۔ شمشیر خان کی ہٹ دھرمی و من مانی بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر اب بھی اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا تو بہت نقصان ہو جائے گا۔ ایک ناقابل تلافی نقصان' جس کا خمیازہ کئی نسلوں کو بھگتنا پڑے گا۔"

"لالہ! اندر چلیں۔ یہاں ٹھنڈ بڑھتی جا رہی ہے۔"

"ہوں... چلو... لیکن وعدہ کرو اب روؤ گی نہیں۔"

"جس شے پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے' اس کے متعلق میں بے اختیار ہوں۔ رونا اور ہنسنا بے اختیاری عمل ہیں۔ اور میں کس طرح آپ سے وعدہ کر لوں۔" اس نے خاصے بے بس لہجے میں کہا۔

"اچھا وعدہ نہیں' لیکن کوشش ضرور کرنا۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی جانب بڑھتا ہوا سمجھا رہا تھا۔

دروازہ کھلا اور شمشیر کی جیپ طوفان کی سی رفتار سے اندر داخل ہوئی اور خوفناک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چہ چاہٹ کے بعد جیپ رکی تھی۔

شمشیر خان کی جیپ دیکھ کر سفاویہ کے حواس گم ہونے لگے۔ شہروز خان نے بھی چونک کر سر کو گھما کر دیکھا تھا۔

شمشیر خان برق رفتاری سے جیپ سے اتر کر پچھلی سیٹ کے دروازے کی طرف بڑھا' دروازہ کھول کر نہایت بے دردی سے ورشا کے بال پکڑ کر نیچے گھسیٹا تھا۔ باوجود ضبط کے ورشا کے ہونٹوں سے گھٹی گھٹی اذیت بھری کراہ نکلی تھی۔

"شمشیر خان انسان بنو' کیا ہو رہا ہے یہ؟ چھوڑو۔" شہروز چند لمحے تاسف بھرے انداز میں دیکھتا رہا تھا پھر جب اس نے ورشا کو بری طرح بالوں سے پکڑ کر شمشیر خان کو لے جاتے دیکھا تو وہ صورت حال سمجھا تھا۔

"میرے راستے میں مت آنا شہروز خان' ورنہ چیونٹی کی طرح مسل دوں گا۔" وہ غضبناک انداز میں دہاڑا تھا۔

"تم ورشا کو چھوڑو' ورنہ میں تمہارا لحاظ نہیں کروں گا۔"

شہروز خان نے اس کے ہاتھ کی گرفت ورشا کے بالوں سے ہٹاتے ہوئے غصے سے نیچ کر کہا۔ اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی ورشا شہروز خان کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔ سفاویہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ورشا کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر نافہم سے تاثرات تھے۔

"میری راہ میں مت آؤ شہروز خان۔ میں تمہیں بار بار سمجھا رہا ہوں۔"

"اندر جاؤ تم! تم ہوتے کون ہو۔ اس کو اس طرح سے گھسیٹ کر جانوروں کی طرح اندر لے جانے والے؟ شرافت سے تو تم نے رشتہ توڑا ہی تھا۔ اب انسانیت سے بھی دور ہو گئے ہو۔ میں تمہیں اب من مانی نہیں کرنے دوں گا۔"

"شہروز خان! شہروز خان! تم میرے حوصلے اور ضبط کا امتحان مت لیا کرو۔ اور اس بے غیرت لڑکی کی حمایت مت کرو' جانتے نہیں اس نے کیا کیا ہے؟ ہماری عزت و ناموس کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اس نے پھر بھی تم۔"

"سب جانتا ہوں۔ مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔" وہ زخموں سے چور ورشا کو بازو کے گھیرے میں لے کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"یہ اس گھر کی دہلیز ان ناپاک قدموں سے عبور نہیں کر سکتی۔"

شمشیر خان گرجتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے خون سا چھلکنے لگا تھا۔ اور بھاری لہجے میں بارود کی سی تپش گھل رہی تھی۔

سفاویہ فضا میں آنے والے طوفان کی گرد دیکھ کر اندر کی جانب سرپٹ دوڑی تھی۔ اور لمحے بھر میں شہباز خان کو بلا کر وہاں لے آئی۔ جہاں وہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے کینہ توز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

ورشا بے ہوش ہو کر شہروز خان کے بازو کے حلقے میں لٹک رہی تھی۔

شمشیر خان نے یکدم جیکٹ کی اندرونی جیب سے پستول نکال لیا۔

"شمشیر خان! دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟" شہباز خان ان کے ہاتھ سے پستول چھیننے کی کوشش کرتے ہوئے دہاڑے۔

"نہیں بابا جان! درمیان میں مت آؤ۔" وہ بری طرح بپھرے لہجے میں چیخا۔

"شہروز خان! تم اندر جاؤ۔" وہ بپھرے ہوئے شمشیر خان کو بازوؤں میں جکڑتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں اس سے مخاطب ہوئے۔

"نہیں بابا جان! اسے اپنی طاقت پر بہت گھمنڈ ہے دیکھتا ہوں میں یہ کیا کرتا ہے؟"

"میں ابھی زندہ ہوں' اور اپنی زندگی میں تم لوگوں کو آپس میں دست و گریبان نہیں ہونے دوں گا۔ چلو اندر جاؤ' جاؤ۔" شہباز خان غیض و غضب کے عالم میں گویا ہوئے۔

شہروز خان جو باپ کے مقابل آنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا خاموشی سے اندر ورشا کو اٹھا کر چلا گیا۔

شہباز خان' شمشیر خان کو سمجھا رہے تھے۔

❁❁❁

"میں زیادہ وقت ضائع کرنے کے حق میں نہیں ہوں گلباز خان۔ ایک ہفتہ بہت ہوتا ہے' سوچ بچار کے لئے۔ قبل اس کے کہ ہمارا راستہ روکا جائے' ہمیں دانشمندی سے قدم اٹھا دینا چاہئے۔"

ان کی مخصوص بیٹھک میں اس وقت حویلی کے تمام مکین موجود تھے۔ ماسوائے تیک پارٹی کے۔ صارم اور گلریز اصل معاملے میں بنیاد ہونے کی وجہ سے اندر موجود تھے۔ ورنہ انہیں بھی اس میٹنگ میں شامل ہونے کی اجازت نہ ہوتی۔

"بجا فرمایا بابا جانی! جو آپ مناسب سمجھیں وہ کریں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" گلباز خان نے کھڑے ہو کر احترام سے کہا۔

"بڑے خان! میں کچھ کہنا چاہوں گی؟" معابی بی جان کی نحیف مگر فیصلہ کن آواز گونجی۔

"ہاں... کہو... کیا کہنا چاہتی ہو؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شاہ افضل کے لئے یہ حیران کن بات تھی۔

"خان! آپ نے اپنی مرضی اور اختیار لامحدود حد تک وسیع کر لیا ہے آپ نے قبیلے کی فرسودہ اور جاہلانہ رسوم و رواج کو تاراج کیا ہے۔ مگر ایک رسم کو ابھی تک اپنے ہاتھ کا عصا بنا کر پکڑ رکھا ہے۔ میری خواہش ہے آج اس رسم کو بھی دوسری رسموں کی طرح ختم کر کے نئی رسم کی بنیاد رکھیں تاکہ ہمارے بچوں کے دلوں میں ہمارا احترام اور عزت آخری دم تک برقرار رہے۔"

بی بی جان کے لہجے میں اس گھاؤ کی کسک تھی جو گلباز خان کی بیوی نے اپنی زبان سے لگائے تھے۔ وہاں بیٹھے تمام لوگ بی بی جان کے بھرپور بھرے چہرے کو بغور دیکھ رہے تھے۔ گویا ان کے چہرے سے ان کے سپاٹ لہجے میں کہے گئے لفظوں کے معنی اخذ کر سکیں۔

صارم جو ابھی تک ہانی کی بدکلامی و بدتمیزی نہیں بھلا پایا تھا۔ بی بی جان کے لہجے نے اس کے اندر آگ سی دہکا ڈالی تھی۔ وہاں سو جود گل زیبا کے چہرے پر بھی ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا۔

"جو کچھ بھی کہنا ہے صاف لفظوں میں بیان کرو گل شریں!"

"بڑے خان! ہم اپنے بچوں کی شادی بیاہ کے فیصلے خود کرتے آئے ہیں۔ لیکن اب وقت بدل گیا ہے اور ہر بدلتا وقت اپنے اندر بہت تمنائیں تبدیلیاں لے کر آتا ہے۔ وقت کا تقاضا اور آگہی کا اصول بھی یہی ہے کہ ہم بدلتے وقت کے ساتھ خود کو بھی بدلیں اپنے بچوں کو اپنے فیصلے کرنے کا حق ملنا چاہئے۔" بی بی جان کا لہجہ بے لچک دھوس تھا۔

"آپ کی باتیں بچوں کو بغاوت پر اکسا رہی ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" بابا جانی کا لہجہ سرد و ترش تھا۔

"میں بغاوت پر اکسا نہیں رہی بلکہ قبل اس کے کہ بغاوت اس در و دیوار کے اندر سر اٹھائے میں ہمیشہ کے لئے اس کا سر کچل دینا چاہتی ہوں۔"

"ہیر پھیر کے گرداب میں بات کو الجھانے سے اس کی اصلیت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ شیریں گل! جو اصل بات ہے وہ سیدھی طرح بتا دی جائے۔ ہمارے گھر میں کون سا فی پیدا ہو گیا ہے؟ کس کی بغاوت کا خوف آپ کو مضطرب کر گیا ہے جو آپ پریشان ہو گئی ہیں؟"

"کہیے بی بی جان! آپ کی موجودگی میں ہمارے فیصلے کس میں کرنے کی جرات اور سکت ہے؟ سب کریم آپ کا اور بابا جانی کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔" گلباز خان کدورت ہو کر دکھتے لہجے میں گویا ہوئے۔

"ہمیشہ قائم رہنے والی ذات تو صرف اور صرف اللہ کی ہے بیٹے! انسانی جسم تو خاک میں مل جانے کے لئے ہے۔ کتنا جی سکتا ہے بندہ؟ پچاس سال' ستر سال' سو سال یا اس سے

سال مزید' کب تک موت سے بھاگے گا کوئی؟ آخر کار جانا اندھیری کوٹھری میں ہی ہے۔ جہاں نہ ہوا ہے' نہ پانی ہے اور نہ ہی دنیاوی عیش و نشاط کا کوئی سامان' وہاں صرف اعمال کی روشنی ہے۔ نیکیوں کی بہار' عبادت کے گل و گلزار میں زندگی کی اس منزل پر پہنچ چکی ہوں جس کے آگے اب تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ ہواؤں کی زد پر رکھا وہ ٹمٹماتا چراغ ہوں' جس کی مدھم لو کو سرکش ہوا کا کوئی زور آور جھونکا گل کر سکتا ہے۔ اس مقام پر میں کوئی بوجھ' کوئی بے انصافی اور کسی کا حق اپنے سینے پر رکھ کر نہیں جا سکتی' اس لئے آج میں یہ اعلان کرتی ہوں' میں اپنے تمام اختیارات بڑی بہو کو سونپتی ہوں۔"

"بی بی جان! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" گلباز خان' صارم' گلریز اور شاہ گل سراسیمہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دوسری خواتین کے چہروں پر بھی تحیر جاگا تھا۔ جس میں دکھ و تکلیف کی چھاپ تھی۔ جبکہ برعکس اس کے گل زیبا کا چہرہ کھلا کھلا سا پاٹ تھا۔ جیسے وہ ماحول سے لاتعلق ہوں' البتہ ان کی نگاہوں سے مسرت و طمانیت جھلک رہی تھی۔ گویا وہ اسی فیصلے کی دلی طور سے منتظر تھیں۔

"بیٹھ جاؤ بچو! میں فیصلے بہت کم کرتی ہوں' اور کبھی کرتی ہوں تو اس میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتی۔ تم لوگوں کو بھی میرا فیصلہ ماننا ہوگا۔"

ان کے لہجے میں کچھ ایسی ہی بات تھی کہ وہ ہونٹ بھینچ کر اپنی جگہ دوبارہ بیٹھ گئے۔

"ادھر آؤ گل زیبا!" انہوں نے بڑی بہو کی طرف اشارہ کیا تو وہ اٹھ کر خاموشی سے ان کے قریب جا کر کھڑی ہو گئیں۔ شاہ افضل خان نے یکلخت خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ان جہاندیدہ نگاہوں نے وہ سمجھ لیا تھا جو بی بی جان چھپا گئی تھیں۔ ماحول میں گمبھیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

بی بی جان نے کھڑے ہو کر اپنے گلے میں پڑا اصلی ہیروں سے جڑا خوبصورت و قدرے وزنی لاکٹ گل زیبا کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہ وہ ہار ہے' جو نسلوں سے ہماری خاندانی بہوؤں کے گلوں کی زینت بنتا رہا ہے۔ بظاہر یہ ایک قیمتی و نایاب زیور ہے لیکن درحقیقت یہ ایک ایسا عہد' ایک ایسی زنجیر ہے جو پابند کر ڈالتی ہے۔ ذاتی مفاد' ذاتی خواہش' سب فنا ہو جاتے ہیں۔ ہماری مسرتیں' خواہشیں' خواب' ہمارا ہنسنا' رونا' جینا مرنا' ہمارا ہر اٹھتا قدم' ہر گزرتی سانس' اپنے بزرگوں کی عزت و احترام اور چھوٹوں کی تعلیم و تربیت و شفقت و فلاح و بہبود کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔ ہماری زندگی ہماری نہیں' ہم سے وابستہ لوگوں کی امانت بن جاتی ہے۔ آج سے تم اس گھر کی سربراہ ہو' تمام سیاہ و سفید کی مالک' مجھے امید ہے تم میرے انتخاب و اعتبار کو ٹھیس نہیں لگنے دو گی۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بی بی جان نے تمام گواہوں، کمروں اور تجوریوں کی چابیوں کا گچھا انہیں پکڑانے کے بعد سیاہ کرم کڑھائی والی شال اوڑھاتے ہوئے گلوگیر لہجے میں کہا۔

گل نریانے ہوں ہاں کچھ نہ کہا۔ بڑی مضبوطی سے چابیوں کو تھاما تھا۔

"بچو! مجھے امید ہے بڑی بہو کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دو گے۔ میری آخری خواہش ہے۔" باوجود ضبط کے ان کے آنسو رخساروں پر پھسل گئے۔ وہ سب ہی آگے بڑھے تھے۔ صارم نے تیزی سے انہیں بازوؤں میں بھر لیا تھا۔ ان پر جو بیت رہی تھی ان کے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے وہ بخوبی سمجھ رہا تھا۔ بڑی نرمی سے اس نے ان کے آنسو صاف کیے تھے۔

"آپ کہیے بی بی جان! آخری کیوں؟ آپ کہیں تو سہی لاکھوں خواہشیں پوری کروں گا آپ کی۔"

"لاکھوں نہیں... صرف ایک خواہش ہے بچے!"

"آپ بولیے تو سہی؟"

"اس لڑکی سے شادی کرلو۔" انہوں نے گویا دھماکہ کیا تھا۔

"بی بی جان! وہ لڑکی؟"

"ہاں۔ وہ لڑکی مظلوم اور بے گناہ ہے اور مظلوم کی آہ اور بددعا سے بچنا چاہیے۔ یہ شعلوں کی طرح آسمانوں پر پہنچتی ہے۔ اور قبل اس کے کہ کسی کی بددعا میرے آشیانے کی طرف بڑھے میں دعاؤں کے پھن کچلنا چاہتی ہوں۔" بی بی جان اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولیں۔

"لیکن بی بی جان! بابا جانی نے گلریز خان کا انتخاب کیا ہے۔" وہ متذبذب لہجے میں گویا تھا۔

"تمہارے بابا جانی کا انتخاب غلط ہے۔ گلریز خان بچپن سے ہی اپنے ماما کی بیٹی سے منسوب ہے۔ ہمارے یہاں رشتے پر رشتہ نہیں ہوتا۔"

"بی بی جان! اگر آپ مجھ سے خفا ہیں تو میں دشمن کی بیٹی بیاہ کر لاؤں گا۔ آپ کی خاطر میں ہزاروں ایسے رشتے توڑ سکتا ہوں۔"

گلریز خان ان کے قدموں میں گر کر رو پڑا۔

"بھائی... اٹھو گلریز خان! کیوں مجھے گنہگار کرتے ہو۔ میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ تم مجھے صارم کی طرح عزیز ہو۔"

انہوں نے اسے بھی گلے سے لگا لیا تھا۔

"کہو صارم خان! میری آخری خواہش کی تعمیل کرو گے یا انکار؟"

بابا جانی اٹھ کر اس کے قریب چلے آئے تو اس نے سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ طمانیت و آسودگی کی لہر ان کے چہرے پر دوڑ گئی۔

"ہم آج ہی کچھ معزز لوگوں کو پیغام دے کر بھیجتے ہیں۔"

❁ ❁ ❁

ہجر کے سمندر میں
آرزوں کی کشتی ہے
آنسوؤں کی تختی میں
خواہشوں کی بستی ہے
ایسے سخت موسم میں
جانے کیسی جلدی ہے
دھیرے دھیرے تیرتا ہے
وصل کا گھڑا کچا
دور اس کنارے پر
ایک شمع جلتی ہے
شمع جو محبت کی
جستجو میں پلتی ہے
قطرہ قطرہ وہ خوں سے
داستان جس میں صرف
ایک ہی تو ہستی ہے
دل میں جو چبھتی ہے
زندگی کی مستی ہے

وادی رات کے اندھیرے میں گم تھی۔ ایک سرد سکوت روح کو منقبض کر دینے والا سناٹا اور ویرانی اپنے سیاہ پروں کو پھیلائے ہوئے ماحول پر محیط تھا۔

کھیتوں کے سبزے اور پھولوں کی خوابیدگی سے گہری پر تاثیر مہک پر اسراریت پھیلی ہوئی تھی۔ فضا میں برف کی سفیدی و ٹھنڈک رگوں میں جمتی محسوس ہو رہی تھی۔

حویلی کے اندر مدھم روشنی میں وہ وجود سسکیوں کی زد میں کانپ رہے تھے۔ خاموش و بھیانک ساعتوں میں کبھی کبھی بے قرار و بے اختیار سی آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آنکھیں جھانکتی تو... وہ

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گھبرا کر ہونٹوں پر چادر رکھ دیتی تھیں۔ گویا آواز کمرے سے باہر گئی تو ناقابل معافی جرم سرزد ہو جائے گا۔

"ادے! اس طرح کب تک گھٹ گھٹ کر روئیں گے ہم؟ جا کر بابا جان سے بات تو کرو کہ وہ ہمیں ایک نظر ورشا کو دیکھنے دیں۔ نہ معلوم ظالموں نے کیا حال کیا ہوگا اس کا؟ چھوٹی ادے تو اس کے بے ہوش ہونے کے باوجود بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی اندر لے کر گئی تھیں۔ بابا جان نے زبردستی تسلیمیں دے کر شمروز لالا کو شہر بھیج دیا ہے۔" سکاویہ نے منت بھرے لہجے میں ماں سے التجا کی جو پہلے ہی دہرے عذاب میں مبتلا تھیں۔ خاوند کی زیادتیوں اور سوکن کے ظلم سہہ سہہ کر ادھ موا ہو گئے تھے۔ ستم بالائے ستم انہیں بیٹی کی ایک جھلک دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ شہباز خان اس کی شکل دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ گل جاناں کی منت وسماجت کر کے وہ ہار گئی تھیں۔ مگر وہ اس وقت مکمل حیوانیت کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ دھکے دے کر انہیں وہاں سے نکال کر دروازہ اس نے بند کر لیا تھا۔

"میں کیا کر سکتی ہوں؟ میں بہت لاچار و بے بس عورت ہوں۔" انہوں نے بری طرح روتے ہوئے کہا۔

"ہمارے حق کے لئے لڑ نہیں سکتی تھیں تو ہم بیٹیوں کو جنم ہی کیوں دیا؟"

"حق؟ یہ اندھیر نگری ہے۔ یہاں حق کے لئے لڑنے والے کا انجام دیکھ رہی ہو نا؟ پہلے اس سے گھر کے اپنے جدا ہوئے تھے۔ اب زندگی سے اسے جدا کیا جا رہا ہے۔ یہ دنیا ظالموں اور لٹیروں سے بھری ہوئی ہے۔ یہاں جو شیطانی دماغ رکھتا ہے' مکر و فریب' جھوٹ و عناد' خود غرضی شر پسندی' جس کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر شمائل کی گئی ہو' وہ یہاں کا سکندر ہوتا ہے۔ ہم جیسے سادہ مزاج و صابر لوگ آخری دم تک بوجھ کی طرح گھسیٹے جاتے ہیں۔ گھٹ گھٹ کر مرنے ہیں۔"

"ادے! میں جا رہی ہوں۔ اپنی لختِ جگر کو ایک چھت کے نیچے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتی' میں جا رہی ہوں' اس کے پاس۔"

سکاویہ بے قرار سی ہو کر ایک دم اٹھی تھی۔ مگر گل خانم نے اسے پکڑ لیا۔

"نہیں۔ ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤ' جس سے میں تمہیں کھو دوں' میرے پاس زندہ رہنے کا کوئی تو سہارا باقی رہے۔"

"میں ایسے اس طرح رو رو کر' سسک سسک کر زندہ رہنے سے بہتر ہے مر جاؤں۔ ذلت کی طویل زندگی سے عزت کی ایک دن کی موت بہتر ہے۔ مجھے مت روکو' ادے مجھے جانے دو۔"

کے پاس جانے دو۔"

وہ بری طرح تڑپ اٹھی تھی۔

شہباز خان اپنے کمرے میں بستر پر دراز سوچوں میں گم تھے۔ جبکہ گل جاناں قریب بیٹھی ہوئیں مسلسل ان کو بھڑکانے میں مصروف تھیں۔

"خان! جواب نہیں دیا میری بات کا؟" انہیں ہنوز خاموش دیکھ کر وہ بولیں۔

"ہوں' کیا کہہ رہی ہو؟"

"واہ بھئی واہ۔ یہاں بات ختم ہو گئی' اور آپ پوچھ رہے ہو کیا!"

"گل جاناں! اس وقت میرا دماغ کھپانے پر نہیں ہے۔ بہتر ہوگا اگر مختصر بات کرو تو۔" وہ خشک لہجے میں گویا ہوئے۔

"ہاں' ہاں جانتی ہوں میں' سمجھ رہی ہوں میں' جس باپ کی بیٹی کے سیاہ کرتوت ہوں اس کے دل پر کیسی قیامت ٹوٹتی ہے۔ ارے' اسی وجہ سے تو میں بھی پریشان ہوں۔ آج گھر والے واقف ہوئے کل سارا گاؤں جان جائے گا' اف... کیا عزت رہ جائے گی ہماری! سرداری' قبیلے کی آن سب خاک میں مل جائے گی۔"

"گل جاناں! بس... خاموش رہو' اچھی طرح جانتی ہو جھوٹ اور سچ پھر بھی..." غصہ کے باوجود وہ اپنے لہجے پر قابو نہ پا سکے تھے۔

"بھول جائیں' سچ اور جھوٹ کو' سچ پر ہم یقین کر لیں گے' مگر لوگ جنہوں نے ولیوں کو نہیں بخشا' ہم کو معاف کر دیں گے؟ میں کہتی ہوں خاموشی سے اسے یہاں سے نکال کر کہیں ایسی جگہ چھوڑ آؤ جہاں وہ خود ہی بھوک پیاس سے مر جائے۔"

ان کے لہجے میں بلا کی سفاکیت در آئی تھی۔

"نہیں' ایسا نہیں کر سکتا میں۔ جیسا بھی ہوں باپ ہوں اس کا۔"

"اوہ' بیٹی کے لئے محبت جاگی بھی کب' جب وہ اس قابل رہی نہیں۔" وہ استہزائیہ انداز میں غرائیں۔

"زبان کو لگام دو گل!"

"اب نہیں' اب گل جاناں کی زبان کو کوئی لگام نہیں ڈال سکتا۔ مجھے اس لڑکی کو زندہ نہیں رکھنا' یہ میرا فیصلہ ہے۔"

"تم میرے مقابل آ رہی ہو؟"

"جو سمجھیں' مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔" انہوں نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بیر کی جوتی کو ذرا ڈھیل دو تو وہ سر پر آ ٹھہرتی ہے۔ شاید تمہیں بھی اس قدر ڈھیل مل گئی ہے لیکن یاد رکھنا' جو جوتی کاٹنے لگتی ہے وہ گھر کی نہیں کباڑ خانے کی زینت بنتی ہے۔"

"خان! میرے اچھے خان! اس بدذات کے لئے کیوں اپنی ہنستی مسکراتی زندگی میں زہر گھول رہے ہیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں' یہ معاملہ میرا اور آپ کا نہیں ہے' بلکہ شمشیر خان کا ہے' اور اس کے معاملے میں کوئی نہیں بول سکتا' یہ ہم دونوں کو ہی بخوبی معلوم ہے۔ پھر کیوں ہم اپنے دل خراب کریں۔"

شمشیر خان کا حوالہ لے کر بہت چالاکی سے انہوں نے بات بدل ڈالی تھی۔ جس کا "تیہ خاطر خواہ نکلا تھا۔ شہباز خان بیٹے کی فطرت سے واقف ہونے کی وجہ سے خاموش ہو گئے تھے۔

❁❁❁

"ورشا!" ٹھنڈے فرش پر بت کی مانند بیٹھی ورشا کو گل داد نے پکارا۔ اس کی سوجی ہوئی آنکھیں' الجھے بال' چہرے پر جا بجا چوٹوں اور نیل کے نشان اس امر کی گواہی تھے کہ گل جاناں کے دل کی تمام حسرتیں نیل و زخموں کی صورت میں اس کے چہرے اور جسم پر در آئی تھیں۔

شمشیر خان کی مضبوط بھاری انگلیوں کے نشان اس کے زخمی رخساروں پر ثبت ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ اردگرد سے بے نیاز دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔ گل داد کے بار بار پکارنے پر بھی اس نے آنکھیں نہیں کھولیں تو وہ گھبرا کر قریب چلے آئے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پکارنے لگے۔

"ورشے... ورشا! مجھ سے ناراض ہو بیٹا؟"

"لا... لا..." آنکھیں کھولتے ہی آنسو اس کی آنکھوں سے جھر جھر بہنے لگے۔ وہ روتی ہوئی ان کے سینے سے لگ گئی۔

"میں بے قصور ہوں لالہ! میں نے ایسا کچھ نہیں کیا' جس سے بابا کی' اس قبیلے کی بدنامی ہو۔"

"ہاں مجھے یقین ہے۔ میری بہن ایسا ہرگز نہیں کر سکتی۔ چلو اٹھو تمہیں بڑی اماں کے پاس لے کر چلوں' وہ رات بھر روتی رہی ہیں۔ مخاویہ بھی تم سے ملنے کو بے چین ہے۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"میرے لئے سارے رشتے ختم ہو گئے' میں جیتے جی مر گئی ہوں سب کے لئے۔"

"نہیں ایسے نہیں کہتے' کسی کے کہنے سے رشتے نہیں ٹوٹ جاتے' خون کے رشتے کبھی ناپائیدار نہیں ہوتے۔" تبھی بھابی جو ابھی اندر داخل ہوئی تھیں' اسے سینے سے لگاتی ہوئی گلوگیر لہجے

میں بولیں اور اسے اسی انداز میں لئے ہوئے اس کوٹھڑی سے باہر لے آئیں۔ جو اس کے لئے قید خانہ تھا۔ گل داد نے اپنی گرم چادر اس کے سر پر ڈال دی تھی۔

حالات نے اسے اس قدر بے حس کر ڈالا تھا کہ بلا کی سردی میں بھی وہ بغیر گرم شال و سوئٹر سردی سے بے نیاز تھی۔

"ارے! یہ کیا؟ کہاں لے جا رہے ہو اسے؟ کس کی اجازت سے کوٹھری سے نکالا ہے اس بدذات کو؟" گل جاناں جو ناشتے سے فارغ ہو کر کمرے سے نکل رہی تھیں' ورشا کو ان کے ہم راہ دیکھ کر غصے سے استفسار کرنے لگیں۔

"میں نے نکالا ہے اسے وہاں سے۔" گل داد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیوں؟ جانتے نہیں ہو اس نے کیا کیا ہے؟"

"جی' جو آپ جانتی ہیں وہ میں بھی جانتا ہوں۔" گل داد کا لہجہ ذومعنی تھا۔

"گل داد! اس بدفطرت لڑکی کی خاطر مجھ سے زبان چلا رہا ہے؟" انہوں نے آنکھیں دکھاتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"میں آپ کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کرنا چاہتا اوے! آپ راستے سے ہٹ جائیں' ورنہ یاد رکھیے ظلم حد سے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔" گل داد ورشا کا ہاتھ پکڑ کر ان کے سامنے سے گزر گیا۔ پیچھے نرمل بھی۔

گل جاناں غصے میں تلملاتی ہوئی شہباز خان کے پاس پہنچ گئیں۔

"میرا دماغ مت کھاؤ گل! اپنی اولاد پر اختیار نہیں رکھتی ہو تو مجھے دھونس مت دکھاؤ۔" انہوں نے سرد و سپاٹ لہجے میں کہا۔

قبل اس کے کہ کوئی بات ہوتی ملازمہ اجازت لے کر اندر آئی۔

"خان جی! برابر کے گاؤں سے کچھ لوگ آئے ہیں۔" اس نے مودب لہجے میں اطلاع دی۔

"برابر کے گاؤں سے؟ شاہ افضل خان کے گاؤں سے؟" وہ ایک دم کھڑے ہو کر گرجے تھے۔

"جی خان! چوکیدار نے انہیں اندر نہیں داخل ہونے دیا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں ہم صلح و امن کا پیغام لے کر آئے ہیں۔"

"کیسی صلح؟ کیسا امن؟ اب صرف جنگ ہو گی جنگ۔ تو جا کر ان لوگوں کو بیٹھک میں بٹھا۔" گل جاناں کا اشارہ پاتے ہی ملازمہ چلی گئی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟" شہباز ولی خان انتہائی مشتعل تھے اس لمحے۔

"ٹھنڈے دماغ سے غور کرو خان! میرا دل کہتا ہے وہاں سے کوئی اچھی خبر ہے۔ پہلے سن تو لو کیا بات ہے؟ کیا پیغام لائے ہیں وہ لوگ۔ جو گڑ سے مر رہا ہو۔ اسے زہر سے کیوں مارو؟ چلے جا کر ان کی بات سن لیں۔" گل جاناں کے چالاک و عریض ذہن نے لمحے بھر میں کامیاب منصوبہ بنا ڈالا تھا۔

شہباز ولی خان چند لمحے کچھ سوچتے رہے پھر اپنا دائیں کڑکڑاتا ہوا اونچا شملہ سر پر باندھ کر بڑے شاہانہ انداز میں بیٹھک کی طرف بڑھے۔ گل جاناں بھی بلی کی سی چال چلتی ہوئی مردانہ بیٹھک سے ملحقہ کمرے میں آ گئیں۔ اور اندرونی بند دروازے سے چپک کر وہاں ہونے والی گفتگو سننے لگیں۔ جہاں رسمی علیک سلیک کے بعد اس طرف سے آنے والے لوگوں میں سے ایک اپنی آمد کا مدعا بیان کر رہا تھا۔

"شہباز ولی خان! سردار افضل شاہ خان نے دوستی کا پیغام بھیجا ہے۔ ان کا پیغام ہے پچھلی تمام دشمنی کو بھلا کر دوستی اور امن و خیر سگالی کو اپنائیں۔ اس کے لئے وہ آپ سے رشتہ استوار کر کے دوستی کو مضبوط اور پائیدار بنانا چاہتے ہیں۔" فتح خان بولے جو شاہ افضل خان کے دوست اور سگے خالہ زاد تھے۔ انہیں قبیلے میں بزرگ کی حیثیت حاصل تھی۔ کافی صلاح مشورے کے بعد یہ طے پایا تھا کہ وہ پیامبر بن کر جائیں گے۔ ساتھ ان کے صارم اور گلباز بھی تھے۔

فتح خان نے اپنا مدعا بہت نرمی و خوش کلامی سے بیان کر ڈالا تھا۔

"اس کے پوتوں نے جو گھناؤنی حرکت کی ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ ہم سے دوستی کی توقع رکھتا ہے؟" شہباز خان کا گھن گرج لہجہ کمرے میں گونج اٹھا۔

"ابتدا تمہاری طرف سے ہوئی رہی ہے شہباز خان۔ یہ مت بھولو شاہ قبیلے والے تمہارے بیٹے کی ہر من مانی اور سرکشی کو فراخدلی سے معاف کرتے رہے ہیں۔" گلباز خان نے جواب دیا۔

"لیکن جو حرکت انہوں نے کی ہے۔ وہ معاف کرنے والی نہیں ہے۔ شاہ افضل خان سے کہہ دینا۔ شہباز ولی خان اپنی روایات و اصولوں کے خلاف گھر آئے بدترین دشمن کو زندہ واپس بھیج رہا ہے۔ وہ خدا کا شکر ادا کرے تم دل تو کر رہا ہے تمہاری کھالوں میں بھس بھروا کر اسے بھیجوں۔" قہر سے ان کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔

"اگر تمہارے بیٹے کی آگ و خون کی انتہا یہاں ختم ہوتی ہے۔ تو ہم تیار ہیں لیکن تمہیں بھی ختم کرنی ہوگی۔" غصے سے سرخ پڑتے صارم خان کو وہ نگاہوں سے پرسکون رہنے کا اشارہ کرتے

ہوئے بہت ملائمت و شیریں لہجے میں ان سے مخاطب ہوئے۔

"مجھے نہیں کرنی دوستی میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔"

"سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو شہباز خان! اس وقت تم جذباتی ہو رہے ہو۔ اندر جا کر گھر والوں سے مشورہ کرو۔ کچھ سوچو۔ سمجھو پھر جواب دینا۔ جب تک ہم یہاں انتظار کرتے ہیں۔ تم اطمینان سے فیصلہ کرو۔ ہمیں جانے کی کوئی جلدی نہیں۔"

شہباز خان نے قہر آلود نگاہ ان تینوں پر ڈالی اور وہاں سے چلے گئے۔

"بابا جان! آپ نے اس کی بکواس کیوں سنی؟" صارم اس کے باہر نکلتے ہی سرد مہری سے فتح خان سے مخاطب ہوا۔

"بچے! یہ بال تجربے سے سفید ہوئے ہیں۔ کب کس وقت کونسی گوٹ پھینکنی ہے' اس سے واقف ہوں' اگر ایک حماقت کا تاج پہن کر بے وقوفی کی حکمرانی کر رہا ہو تو اسے داد نہیں دی جاتی' نہ ہی اس کی وزارت قبول کی جاتی ہے۔ اس کی حماقتوں میں پھنس کر ہم شاہ قبیلے کے لوگوں کو موت میں نہیں دھکیل سکتے۔"

"بابا جان! کیا ہم چوڑیاں پہن کر بیٹھ جائیں گے؟ مزہ نہ چکھا دیں گے ان بزدلوں کو جو شیر کی کھال میں گیدڑ ہیں۔"

"کیا ہوگا پھر؟ گھر ویران اور قبرستان آباد ہو جائیں گے۔ پہلے کیا کم خون بہا ہے؟ کم معصوم جانیں خاک نشین ہوئی ہیں؟"

"صارم خان! تمہیں بی بی جان نے حکم دے کر بھیجا تھا کہ تم خاموش رہو گے۔" اکا جان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے سمجھایا۔

❁ ❁ ❁

"کیا ہوا ہے؟ کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے لگتا ہے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" شہباز خان جھنجلا کر گل جاناں سے مخاطب ہوئے۔

"میں بالکل درست کہہ رہی ہوں بڑے خان! میری بات سمجھو تو سہی۔ ورثا کو اب کوئی نہیں اپنائے گا۔ تم اس کا رشتہ دے دو اور بدلے میں سرحدی پہاڑوں والی زمین اپنے نام لکھوا لو۔ کیوں ہے نا سمجھداری کی بات۔ یعنی سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

گل جاناں جو تمام تر باتیں سن چکی تھیں۔ انہوں نے فوراً ہی منصوبہ تیار کر لیا۔

"یہ... یہ کس طرح ممکن ہے گل؟" وہ ہکا بکا رہ گئے۔

"اب تو اصل وقت آیا ہے۔ اپنی بات منوانے کا۔ اگر وہ یہ شرط مانتے ہیں تو رشتہ دے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دلیا۔ ورنہ اعلان جنگ ہے۔"

"لیکن بچے؟ بچے نہیں مانیں گے۔" وہ گویا مان گئے تھے۔

"سب مان جاتے ہیں۔ مان جائیں گے سب ہی۔ پہلے تم ان سے بات کر کے آؤ۔" گل جاناں نے خوش خوش انہیں وہاں دھکیلا۔

ان کی شرط سن کر تینوں ہی حیران رہ گئے تھے۔

"نہیں آپ کی یہ شرط قبول نہیں کی جائے گی۔" صارم خان کھڑے ہو کر سخت و فیصلہ کن لہجے میں بولا تھا۔

"تو پھر اعلان جنگ ہے ہماری طرف سے۔" جواباً وہ بھی غرائے تھے۔

"صارم خان! خاموش رہو ہم تمہیں بزرگ بنا کر نہیں لائے۔" اکا جان نے صارم کو ڈانٹا تھا۔

"گستاخی معاف اکا جان! میں کسی صورت سرخی پہاڑوں والی زمین کا کبھی سودا نہیں کروں گا۔ جس کی خاطر سہریز کی جان گئی' اس کا سودا میں کبھی نہیں کروں گا۔ ہاں اگر یہ اپنی بیٹی کا سودا ہی کرنا چاہتے ہیں تو اس کے وزن کے بدلے میں سونا اور روپیہ دینے کو تیار ہوں' مگر زمین نہیں۔"

"کیا تم سونا اور روپیہ دو گے؟" شہباز خان کے اندر مسرت کی پھلجھڑیاں سی پھوٹنے لگیں۔ یہی حال دروازے کے پیچھے یہاں کی باتیں سنتی ہوئی گل جاناں کا تھا۔ کیونکہ وہ سب زمین سے بہت زیادہ تھا۔

"ہاں' شہباز خان! بتاؤ اپنی بیٹی کا وزن' ہم سونا منگواتے ہیں۔ اور یہ بلینک چیک ہے۔ جتنی چاہو رقم لے سکتے ہو۔"

"لیکن نکاح اور رخصتی ابھی اسی وقت ہوگی۔" صارم نے سرد لہجے میں کہا۔

❀❀❀

"ٹھیک ہے خان! نکاح اور رخصتی ابھی ہوگی' لیکن مال بھی ابھی دینا ہوگا' یعنی اس ہاتھ دیتے ہیں' اس ہاتھ لیتے ہیں۔" صارم کی بات کے جواب میں انہوں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔

"اس بات کی فکر مت کرو۔ شہباز خان! ہماری زبان یہی ہے جو قول ہم نے دیا ہے' وہ ضرور پورا ہوگا۔ تم جب تک نکاح و رخصتی کی تیاری کرو' تب تک پیسہ اور سونا پہنچ جائے گا۔" انہوں نے پروقار لہجے میں کہا۔

گل باز خان نے باہر موجود طور خان کو بابا جانی کے پاس بھیج دیا۔

ان سے موبائل پر وہ پہلے ہی صورت حال پر بات چیت کر چکے تھے۔

بابا جانی نے صارم خان کے فیصلے کو سراہا تھا۔ اور طور خان کے ہاتھ سونا اور پیسہ بھیجنے کا آرڈر دیا تھا۔

طور خان جلد ہی سب کچھ لے کر واپس آ گیا تھا۔

❀❀❀

"تجھے کہا تھا نہ بچے جس راستے پر تم نے قدم بڑھائے ہیں وہ راستہ روشنیوں کی جانب نہیں جاتا بلکہ ذلت و رسوائیوں کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔" گل خانم نے زخموں سے چور' تکالیف سے نڈھال ورثا کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بے تحاشہ آنسوؤں کے درمیان کہا۔

کتنے ہی لمحے وہ ان کے ممتا بھرے لمس کی ٹھنڈک محسوس کرتی ان کے سینے سے لگی رہی۔ وقت جیسے اس کے تھم گیا تھا۔

وہ نوزائیدہ بچے کی مانند ہر پریشانی و فکر سے بے نیاز ماں کی پرسکون چھاؤں میں تھی۔ ماضی کی سختیاں' تلخیاں' حال کی تمام مشکلات اور اذیتیں اور آنے والے وقت کے ظالم و خوفناک پنجوں سے انجان بنی وہ اس وقت ماں کی آغوش میں تھی۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

روح کے تمام داغ
جسم کے سارے زخم
سسکتی ہوئی خودداری
ماں کے وجود نے جیسے سارے کانٹے ایک ایک کر کے چن لئے تھے۔
اس کا وجود ایک دم ہلکا ہو گیا۔ روئی کے گالے کی مانند شفاف و ہلکا پھلکا۔
ہوا کے سبک جھونکے کی مانند نیلے گگن پر تیرتا ہوا۔
شریر ہواؤں کی زد پر ادھر سے ادھر' ادھر سے ادھر ڈولتا ہوا۔
الاؤ کی طرح بھڑکتے' دہکتے ذہن پر یکدم ہی فرحت انگیز پھوار سی پڑنے لگی۔
اس نے سوجی ہوئی آنکھیں بمشکل کھول کر دیکھا۔
وہ مہربان' ممتا بھرا چہرہ ابھی بھی اشکبار تھا۔
بہت پیار سے وہ اپنے ایک ہاتھ سے اس کے چہرے کو سہلا رہی تھیں۔
دوسرا ہاتھ بہت نرمی سے اس کے گرد آلود الجھے بالوں میں دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کی تمام تھکن اپنی پوروں میں سمیٹ کر اسے سکون دے رہا تھا۔
تھکاوٹ تندہی سے اس کے پیر دبا رہی تھی۔
وہ ایک کٹھن سفر طے کر کے اپنے گھر اپنے لوگوں میں آئی تھی۔
آج ماں اور بہن کے درمیان تھی' ان کی چاہتیں سمیٹ رہی تھی۔ ان کو وہ عزیز اور پیاری اتنی ہی اب بھی تھی' جتنی یہاں سے جانے سے پہلے تھی۔ ان کی نظروں میں اس کے لئے پیار اور محبت کا سمندر موجزن تھا۔ یہ احساس اتنا طمانیت و آسودگی سے بھرپور تھا کہ وہ نیند کی وادی میں گم ہو گئی۔

❁❁❁

''ان سرکی پہاڑ والوں کے پاس کتنا مال و زر ہے؟ مجھے یقین ہی نہیں آ رہا کہ یہ سونا اصلی ہے؟ نوٹ تو میں پہچانتی ہوں کہ سو فیصد اصلی ہیں۔'' کل جاناں بڑے نوٹوں کی ڈھیروں گڈیوں کو الٹا الٹا کر سیف میں منتقل کرتی ہوئی پرمسرت لہجے میں گویا تھیں۔
ان کے پرمسرت چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔
مسرت و سرشاری ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔
یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ جس کو کھونا سکہ سمجھتی رہی تھیں۔ ایک دن ان کے لئے خزانے کی بھی نابت ہو گی۔

ان کی حریصانہ اور زر پرست ذہنیت عروج پر تھی۔
''کم تو ہمیں بھی نہیں ملا تھا مگر یہاں سب ہی رنگین مزاج تھے۔''
''کچھ کہا ہے مجھ سے؟'' شہباز خان کی بڑبڑاہٹ ان کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے سیف کو لاگ کرتے ہوئے پلٹ کر استفسار کیا۔
''نہیں... فالتو اپنا کام نمٹاؤ' جا کر وہاں سمجھاؤ' وہ لوگ جلدی کر رہے ہیں۔'' شہباز خان ماضی کے کسی ورق کو اپنے ذہن کی کتاب سے پلٹتے ہوئے بولے۔

❁❁❁

فضا بہت خوابناک و دلکش تھی' ہر سمت پھول ہی پھول مہک رہے تھے۔ ہلکی پھلکی پھوار من میں عجیب ترنگ و سرمستی پھیلا رہی تھی۔
وہ تتلی کی مانند پنکھ پھیلائے ڈال ڈال' پھول پھول منڈلا رہی تھی۔
کس قدر فرحت انگیز و مسرور کیفیت تھی۔
ہواؤں کے دوش پر آوارہ بادل کے ٹکڑے کی مانند محو گردش تھی۔
معاً اس کے جسم کو زوردار جھٹکا لگا۔ خوابناک فضا میں یکلخت ہی آگ بھڑک اٹھی' گل و گلزار یکدم ہی آتش فشاں بن گئے۔
خراماں خراماں چلتی ہوا میں آتش ٹپکنے لگی۔
رم جھم پڑتی پھوار میں انگاروں کی بارش ہونے لگی۔
حبس و گھٹن تھی ہر جگہ' ہر سو شعلے ناچ رہے تھے۔
آگ برس رہی تھی اور اس کا وجود شعلوں سے بھڑکتے الاؤ کی سمت بڑھ رہا تھا۔ از حد سرعت سے' کسی کٹی پتنگ کی مانند... وہ الاؤ کی جانب بڑھتی جا رہی تھی' گرتی جا رہی تھی' خود کو سنبھالنے کی بچانے کی وہ ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔ مگر بے سود' لاحاصل جستجو اور تگ و دو اس کے کہ وہ اس الاؤ میں گر کر جہنم ہوتی۔ کسی مہربان ہاتھوں نے اس کے وجود کو سنبھال لیا تھا۔
اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ سانس خوب چل رہی تھی۔ آنکھیں ابھی بھی خواب کی دہشت کے زیر اثر باہم پیوست تھیں۔
ان مہربان' نرم و اپنائیت بخشتے ہاتھوں کو اس نے ابھی بھی شدت سے تھام رکھا تھا۔ حالانکہ کانوں میں کچھ نامانوس سا شور گونج رہا تھا۔
''تم..... آخر چاہتی کیا ہو؟''
''وہی جو تم سگی ماں ہو کر نہیں چاہ رہی ہو۔'' سخت و کھردری آواز اس کے کانوں میں گونجی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تو وہ خواب کے ساگر سے بیداری کے کنارے پر گری تھی۔

"سگی ماں ہوں اس لئے بیٹی کو دشمن کے حوالے نہیں کروں گی۔"

"دشمن؟ یہ تم کہہ رہی ہو۔"

"گل جاناں! چلی جاؤ یہاں سے میرے صبر کا امتحان مت لو میں نے بہت خاموشی اختیار کر رکھی تھی کبھی اپنے حق کے لئے میں نے آواز نہیں اٹھائی تمہاری ہر جا و بے جا بات کے آگے سر تسلیم خم کیا ہے۔ مگر آج بیٹی کی خاطر میں کوئی جبر و زیادتی برداشت نہیں کروں گی چلی جاؤ کوئی نکاح وکاح نہیں ہو رہا۔" بیٹی کو زخم زخم دیکھ کر گل خانم کی برسوں کی بند زبان اس لمحے کھل گئی تھی۔ وہ غیض و غضب سے گویا ہوئی تھیں۔

"ہوش کے ناخن لو گل! تم بیٹی کی طرفداری نہیں موت کا سامان کر رہی ہو۔ اچھی طرح جانتی ہو شمشیر خان اسے زندہ نہیں چھوڑے گا یا اگر بچ بھی گئی تو گھر میں نہیں رہ سکتی۔ اور پھر کوئی اسے اپنائے گا بھی نہیں آج کل کے وقت میں "عزت دار" لڑکیاں بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہیں۔ اس "بھیجی" سے کون شادی کرے گا؟ یہ تو احسان مانو ان لوگوں کا جو باسی پھول کو سیج پر سجا رہے ہیں ورشہ....."

"گل جاناں!" وہ چیخ پڑیں۔

"میرا منہ بند کروانے سے حقیقت چھپ نہیں جائے گی دو ہفتے گھر سے رات دن لاپتہ رہنے والی لڑکی کبھی باعصمت واپس پلٹ سکتی ہے؟"

"خدا کے واسطے! گل جاناں خاموش ہو جاؤ۔ مت زخموں پر نمک چھڑکو کہیں ایسا نہ ہو میرے دکھی دل سے کوئی آہ نکل جائے۔"

گل خانم ورشا کو سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

ورشا جو جاگ گئی تھی ساکت نگاہوں سے گل جاناں کے بگڑے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"اوئے نکلے آہ... ایک بار نہیں ہزار نکلے۔ لگے گی اس ڈائن کو برباد ہو گی یہ جو اس گھر کی خوشیوں عزت کو نگل گئی۔"

وہ بلند آواز میں بین پیٹتے ہوئے چیخیں۔

"چپ ہو جاؤ ورشا کی بھی تمہارے ساتھ جذباتی اور بیوقوف بن رہی ہوں۔ سوچو... جب سے کام لو اچھا بتاؤ... آخر ہم کیا کریں...؟ وہاں جبرے میں شاہ قبیلے والے بیٹھے انتظار کر رہے ہیں۔ یہ ان کا جوا پن ہے جو لڑکی نکاح کر کے عزت سے لے کر جا رہے ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ان کے دل میں کوئی کھوٹ بھی نہیں لگتا وہ ورشے کو کوئی دکھ نہیں دیں گے۔"

گل جاناں نے صورت حال بگڑتے دیکھ کر ہوشیاری سے چاپلوسی و حلاوت کا پینترا بدلا تھا۔ اور ان کی یہ چال کامیاب رہی تھی۔ جو لوگ شفاف دل اور پرخلوص فطرت رکھتے ہیں وہ ہار سے نہیں "پیار" سے بازی جیت کر بھی ہار قبول کر لیتے ہیں۔ نفرتوں عداوتوں کے سودا گر لمحاتی مسرتیں حاصل کر کے ابدی عذاب خریدتے ہیں محبتوں کے پیامبر دونوں جہاں میں کامیاب ہوتے ہیں۔

گل خانم جو پیار و محبت سخاوت و خلوص کی مٹی سے بنی تھیں خوب سمجھ رہی تھیں گل جاناں کے چاپلوسانہ رویے کو پھر بھی انہوں نے خاموشی سے بت بنی ورشا سے نکاح نامے پر سائن کروا لئے تھے۔

وہ جو محض (اس وقت) سانس لیتا وجود تھی۔ اپنے ہر دعوے عہد اپنے سے غافل ماں کی التجاؤں آنسوؤں سسکیوں سے پاک وجود کو نگاہوں میں سموئے اس شخص کی زندگی کی ساتھی بن گئی جس کی پرچھائیں سے بھی بچ کر چلنا فخر سمجھتی تھی جس کے ذکر سے اسے نفرت تھی اس کا نام بھی سننا اسے ناگوار گزرتا تھا۔ آج تا حیات اس کے نام سے منسوب ہو گئی تھی۔

گل جاناں مسرت سے جھومتی ہوئی سائن کروا کر نکاح نامہ لے کر چلی گئیں۔

"اوئے! آج میں نے آپ کے دودھ کا قرض چکا دیا ہے۔ روز محشر میں آپ کی قرض دار نہیں ہوں گی... میں نے بچپن سے آج تک آپ کو دکھ ہی دکھ دیئے ہیں۔ مجھے معاف کر دیجئے گا۔ اب شاید ہم خوابوں میں ہی ملیں گے۔" ورشا نے بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولتے ہوئے کہا۔

صدمے در صدمے نے اس کو حقیر پتھر کی مانند ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا تھا۔ پھر یہ صدمہ سب سے بھاری تھا کہ وہ اس شخص کی ملکیت بن گئی تھی جس نے کبھی بہت فخر و غرور سے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اسے حاصل کر کے دکھائے گا۔ اپنا نام اس کے نام کے ساتھ ضرور جوڑے گا۔ اسے اپنائے گا۔

آج وہ جیت چکا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی با مراد اور تہی داماں رہی تھی۔ قسمت بھی وقت کی طرح مطلب پرست ثابت ہوئی تھی ہمیشہ ان لوگوں کا ساتھ دیتی ہے جو چالباز و فریبی ہوتے ہیں۔ جنہیں اپنی طاقت پر گھمنڈ زور آوری پر غرور ہوتا ہے۔ کمزور اور حالات کی چکی میں پسے لوگوں کو یہ بھی زچ کرتی ہے۔

"صارم خان آفریدی! تم مجھے کبھی نہیں جیت سکو گے۔ کبھی نہیں۔"

"ورشا! میری جان مجھے معاف کر دینا۔ میں بہت بدنصیب ماں ہوں۔ میں نے تمہیں جنم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تو دیا مگر وہ تحفظ نہیں دیا جو ایک ماں دیتی ہے۔"

"اوے ایہہ بے ہوش ہو گئی ہے۔" سخاوت نے بہتے آنسوؤں سے اس کی پیشانی چومی۔

"رہنے دو یہ بے ہوشی میں رخصت ہونا ہی بہتر ہے۔"

❁❁❁

دروازے پر دستک بھرپور انداز میں ہوئی تھی۔

"آہ.... مجھے لگ رہا ہے یہ ہونہ ہو یہ اسی سرخ آنکھوں والے کی دستک ہے۔ اس کمبخت کے ہاتھ میں ہی بلا کی طاقت ہے۔"

سبزی کاٹتی فرحت آپا خوفزدہ لہجے میں قریب بیٹھی کائنات سے مخاطب ہوئیں۔

"آپ جا کر دیکھیں تو سہی۔ بنا دیکھے ہی شروع ہو جاتی ہیں۔"

وہ جس انداز میں شمشیر خان کا ذکر کرتی تھی وہ اسے چڑا کر رکھ دیتا تھا۔

"میرا دل گواہی دے رہا ہے۔ وہی ہے آدم خور بلاؤ۔"

"میں جا رہی ہوں۔ خود دروازہ کھول دوں گی۔ آپ یوں ہی اس شریف آدمی کو گالیاں دیتی رہیے گا۔ باہر کوئی مریض ہوگا۔"

وہ برش نیچے رکھ کر جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا' اچھا بیٹھی رہو آپ میں دیکھ رہی ہوں۔" اس کا سوڈ آف دیکھ کر وہ دروازہ کھولنے چلی آئیں۔

"ارے کون ہے؟ کھول رہے ہیں دروازہ' کیا اماں بابا نے دستک دینا بھی نہیں سکھایا؟ ایسے دروازہ بجایا جا رہا ہے جیسے سارے علاقے کے کتے پیچھے لگے ہوں یا دروازہ توڑنے کی قسم کھا کر آئے ہو بھیا؟"

حسب عادت قدموں سے تیز ان کی زبان چل رہی تھی۔

لمحہ بہ لمحہ دستک بڑھتی جا رہی تھی۔

"ارے کون بدحواس ہے بابا' آ رہی ہوں۔ کوئی مستقل مزاج بندہ ہے۔ بلکہ مشتعل مزاج بندہ' جسے دم بھر کو صبر نہیں۔ آپ؟" دروازہ کھولتے ہی سامنے کھڑے شمشیر خان کو دیکھ کر مارے گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ کے ان کا منہ لیٹر بکس کی طرح کھل گیا' آنکھیں حلقوں سے ابھر آئیں۔

"ڈاکٹر کو بلاؤ۔" شمشیر خان جو دروازہ دیر سے کھولنے پر از حد مشتعل ہو گیا تھا ان کی خوفزدہ صورت دیکھ کر ان سے ڈانٹنے کا پروگرام موقوف کر کے سخت لہجے میں حکم دیا۔ اور وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں پستول سے نکلی گولی سے بھی تیز رفتار میں اندر دوڑی تھیں۔

"یا اللہ خیر' کون ہے آپا؟" کائنات گھبرا کر بولی۔

"وہی ہے' جس کا میرا دل گواہی دے رہا تھا۔ اب کیا ہوگا؟ حیات بھائی گھر میں نہیں۔" وہ تشویش زدہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

"اوہو... آپ اس قدر پریشان کیوں ہو جاتی ہیں؟ وہ انسان ہے کوئی درندہ تو نہیں ہے۔" کائنات کے چہرے پر بہار کے تمام رنگ دمکنے لگے۔

"بعض انسان درندہ صفت طبیعت پاتے ہیں۔ اور جب وہ درندگی پر اترتے ہیں تو درندوں سے زیادہ بربریت و ظلم پھیلاتے ہیں۔"

"آپ اپنے خدشے اپنے پاس رکھئے۔ کافی اور ساتھ کچھ مزے دار اسنیکس تیار کر کے جلدی سے لائیں۔" بالکل اجنبیت و لاتعلقی سے وہ اس وقت ان سے مخاطب ہوئی۔ آئینے کے سامنے اس کے ہاتھ سرعت سے محو حرکت تھے۔ پانچ منٹ میں ڈارک لپ اسٹک اور بلش آن سے اس کا چہرہ شگفتہ لگنے لگا تھا۔ کانوں اور گلے کو نازک سی جیولری سے مزین کرنے کے بعد کھور کن پرفیوم کا اسپرے کرنے سے فارغ ہو کر چادر اوڑھ کر وہ شمشیر خان سے ملنے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

"کیسے ہیں آپ؟" سلام کے بعد وہ اس کے مقابل صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیسا نظر آ رہا ہوں؟" خلاف مزاج اس نے مسکرا کر دھیمے لہجے میں الٹا سوال کر ڈالا۔ اسے سامنے دیکھ کر اس کی دہکتی آنکھوں میں محسوس کی جانے والی ٹھنڈک سی اتر آئی تھی۔ تنے ہوئے اعصاب کسی سحر انگیز کیفیت کے باعث نشاط آور کیف سے پرسکون ہونے لگے۔ نگاہوں میں لہجے میں سرور آمیز خمار چھانے لگا تھا۔

بے اختیار'

بے خود

وہ اس کی سمت کھنچنے لگا تھا۔ کائنات اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی نہیں تھی۔ تیس سالہ زندگی میں اس کے پہلو میں بے شمار لڑکیاں آئی تھیں۔ کچھ اس کی دولت پر ریجھ کر اس کی آغوش میں گری تھیں اور کچھ لڑکیوں کو اس نے جبراً حاصل کیا تھا۔ جن میں سے کچھ رو دھو کر اس کے خوف سے خاموش ہو گئی تھیں' جن کی شادیاں اس نے خود گاؤں کے ان مردوں سے کروا دی تھیں جو اس کی حویلی میں ملازم تھے۔

ان میں سے کچھ لڑکیاں گلفشاں روزی خان کی بیٹی کی طرح ضدی اور ہٹ دھرم تھیں جو عصمت کی بربادی کے بعد اس کے کسی بہلاوے' کسی حربے سے شادی کرنے پر راضی نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتی تھیں۔ گاؤں والوں کو اس کی اصلیت بتانے کے درپے ہو جاتی تھیں۔ ایسی بہادر و پرعزم لڑکیوں کو وہ خاموشی سے نگلے دیا کرتا تھا جن کی لاشیں کبھی کھائیوں یا پہاڑوں سے ملتیں تو حادثہ سمجھا جاتا تھا۔

کائنات واحد لڑکی تھی جس کی طرف اٹھنے والی اس کی نگاہیں احترام سے بوجھل ہوتی تھیں۔ اس کے لئے دل میں کبھی بھی کوئی غلط جذبہ نہیں جاگا تھا۔

بلکہ اس سے مل کر اس کے اندر ایک مسرور سی کیفیت چھانے لگتی تھی۔

اسے بار بار دیکھنے اور دیکھتے رہنے کی تڑپ دل میں جاگنے لگی تھی۔

"آج بھی ورشا کو چھوٹی ادے کے حوالے کرنے کے بعد وہ ہاتھ لینے کے بعد سیدھا یہاں چلا آیا تھا۔ اور اسے سامنے دیکھ کر ساری تھکن و پژمردگی دور ہو گئی تھی۔

"ویری اسمارٹ' ویری چارمنگ!" وہ دلکشی سے مسکرائی تھی۔

"رئیلی؟" اس نے جھک کر مسکراتی نگاہوں سے پوچھا۔

"آف کورس۔ میں جھوٹ کیوں بولوں گی۔"

"تھینکس فار دا کمپلی منٹ۔ آج پہلی بار مجھے اپنی تعریف اچھی لگی۔"

"اوہ... مجھ سے پہلے بھی کسی نے آپ کی تعریف کی ہے؟" کائنات نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"جانے دیجئے' اگر نام گنوا دیئے تو آپ برا مان جائیں گی۔"

شمشیر خان مسکراتا ہوا شوخی سے گویا ہوا۔ اس کے مسکراتے لب' مسرت سے کھلتا چہرہ' جذبے و شوخیاں لٹاتی مخمور نگاہیں' اگر کوئی دوسرا دیکھ لیتا تو یقین نہیں کرتا' یہ وہی جابر اور ظالم شمشیر خان ہے جو انسانی خون سے کھیلتا ہے۔

"میں کیوں برا مانوں گی؟ میرا آپ سے کیا تعلق؟" اس نے آہستہ سے کہا۔

"آج آپ سے تعلق ہی تو جوڑنے آئے ہیں۔ نیا اور مضبوط رشتہ استوار کرنے۔"

"کیا... کیا... کہہ رہے ہیں آپ؟" اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔

"حیات خان سے شادی کی بات کرنے آیا ہوں۔"

"لیکن... اتنی جلدی؟ انکل گھر پر نہیں۔"

"آپ بتا دیں کہ وہ جلد از جلد آپ کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میں بھی جلدی چاہتا ہوں۔ اب فاصلے برداشت نہیں ہوں گے۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔

کائنات ارد گرد کھلا ہونے کے باوجود حیا سے سمٹ کر رہ گئی۔

"آپا ابھی تک کافی نہیں لائیں' میں دیکھ کر آتی ہوں۔" اس کی نگاہوں کی وارفتگی اسے بوکھلا رہی تھی۔ خیالوں میں اس نے بارہا اس کے ساتھ تنہا وقت گزارا تھا لیکن اس وقت تمام حوصلے و اعتماد بھاپ بن کر اڑ گیا تھا۔

وہ اس لمحے اس کی نگاہوں سے چھپ جانا چاہتی تھی۔

"مجھے کافی کی نہیں' تمہاری ضرورت ہے۔" شمشیر خان نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور اسی لمحے حیات خان اندر داخل ہوئے تھے۔

شمشیر خان کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دیکھ کر ان کا خون غیرت سے کھول اٹھا اور قبل اس کے کہ وہ جوش غیرت میں کوئی انتہائی روپہ اختیار کرتے کائنات ہاتھ چھڑا کر سرعت سے اندر کمرے میں غائب ہو گئی۔ جبکہ شمشیر خان کے انداز میں کوئی سرمو فرق نہیں آیا تھا۔ وہ ایسے ہی پرسکون انداز میں انہیں دیکھ رہا تھا۔

"چھوٹے خان! بے شک آپ یہاں کے قبیلے کے سردار کے بیٹے ہیں۔ یہاں کے زمین و پہاڑوں کے آپ مالک ہیں' لیکن یہاں شریفوں کے گھر میں بسنے والی بہن' بیٹیاں آپ کی ملکیت میں شمار نہیں ہوتیں کہ جب' جہاں چاہے آپ بے دھڑک اس طرح گھروں میں گھس کر اپنی من مانی کرتے رہیں۔"

وہ پرتپش انداز میں شمشیر خان سے مخاطب ہوئے تھے۔

"خوش قسمت ہو حیات خان! جو اتنا کچھ کہنے کے باوجود زندہ کھڑے ہو۔ ورنہ شمشیر خان کے آگے گردن اٹھانے والا دوسری سانس نہیں لے سکتا۔"

"مجھے میرے ہی گھر میں دھمکی مت دو خان! تم بھی یہاں زندہ اس لئے نظر آ رہے ہو کہ میرا سکہ کھوٹا نکلا' ورنہ خدا کی قسم میں موت سے نہیں ڈرتا۔ ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو فوقیت دینا شریف انسان کے لئے سعادت ہے۔"

"انکل... پلیز' آپ غلط مت سمجھیں۔ یہ یہاں کسی غلط مقصد سے نہیں آئے ہیں۔" کائنات جو پردے کے پیچھے کھڑی ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ بات حد سے بڑھتی دیکھ کر تیزی سے اندر داخل ہو کر حیات خان کے قریب جا کر عاجزی سے بولی۔

"تم؟ تم میرے سامنے مت آؤ' میرے وقار' میرے اعتماد کو تم نے ریزہ ریزہ کر ڈالا ہے۔ بہتر یہی ہو گا کہ تم میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔"

"میں زیادہ باتیں سننے کا عادی نہیں ہوں حیات خان' تمہارے لئے بھی بہتر یہی ہو گا کہ میری بات سنو' میں تمہاری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں' ابھی اور اسی وقت' اور تمہیں یہ بات

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"چھوٹی دلہن! دلہن کو ہوش آ گیا ہے۔ بڑی دلہن کو بلاؤ" تاکہ وہ آ کر دلہن کا منہ میٹھا کروائیں۔ کوئی رسم نہیں ہوئی ایک اس رسم کو تو کر لیں۔"

اس نے چونک کر دیکھا' سرخ و سپید نازک سے وجود والی وہ خاصی ضعیف خاتون اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر قریب بیٹھی لڑکی سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"بچی! گھبراؤ نہیں۔ ہم تمہارے اپنے ہیں۔ منہ ہاتھ دھو لو۔ بڑی بہو تمہارا منہ میٹھا کروا دیں تو کھانا کھانا۔ بھوک لگ رہی ہوگی۔"

بہت اپنائیت سے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

اس نے سر جھکا لیا۔ دھمنوں میں مٹھیاں پھر اٹھنے لگی تھیں۔

ڈھیروں آنسوؤں کی برسات اس کے دل میں ہونے لگی' ماں اور بہن سے جدائی کی شدت سے سلگنے لگی۔ کتنا کم... از حد مختصر سا ساتھ تھا ان کا۔

"جب میں نے کہہ دیا میں اس ڈائن کی صورت دیکھنا نہیں چاہتی' جس نے میری ماں کی سیج پر قبضہ کیا ہے' پھر بار بار کیوں مجھے پریشان کیا جا رہا ہے۔" کمرے کے کھلے دروازے سے باہر کسی عورت کے چیخنے کی آواز آنے لگی۔

اس کے سوئے ہوئے حواس بیدار ہونے لگے۔ جبکہ وہ بزرگ خاتون ایک دم پریشان سی ہو گئیں۔

"بھابی جان! آہستہ بولیں۔ اندر آواز جائے گی۔" رات کے گہرے سناٹے میں اس کا اندازہ میں کہا گیا یہ فقرہ بھی اندر صاف سنا گیا۔

"ارے آواز جاتی ہے تو جائے۔ میں ڈرتی نہیں ہوں کسی سے۔ اور نہ ہی پروا ہے مجھے کسی کی بھر بھی۔ واہ بھئی واہ' خوب صلہ ملا ہمیں۔"

وہ کڑک اور گرج دار آواز' خاصی دیر تک سنائی دیتی رہی۔ اس کے حواس پوری طرح بیدار ہو چکے تھے۔ وہ لڑکی خاموشی سے اندر آ گئی۔

ورشا نے آنکھیں بند کر لیں' اسے یقین ہو گیا کل جاناں جیسی ہستی یہاں بھی موجود ہوگی اور نہ معلوم کن جابر و ظالم ہستیوں سے سامنا ہوگا؟

میری عزت' وقعت' حیثیت کچھ بھی تو نہیں رہی۔

سب اس ظالم بھیڑیے کی مکاری تلے روندھ گئی۔ کتنا گھٹیا اور رذیل پلان بنایا ہے اس شیطان صفت نے پہلے اغوا' پھر جبر کی صورت میں شادی کا منصوبہ' اب اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے بعد مجھ پر تسلط جمانے کی سعی کرے گا۔"

اس کے خیالوں کا سلسلہ ان معمر خاتون کی شفقت بھری آواز نے توڑا۔ جو اسے مٹھائی کھلانا چاہ رہی تھیں۔ لیکن وہ اس وقت جس غم و غصے اور اہانت کی آگ میں جل رہی تھی۔ اس کے دھوئیں میں اسے کچھ بھی اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

وہ لڑکی جسے چھوٹی بہو کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا۔ اس نے بھی از حد اصرار کیا کہ وہ مٹھائی نہ سہی' وہاں موجود کھانے اور پھل کھا لے مگر وہ اس وقت بپھری ہوئی تھی۔ ان کی مشفق شکلیں' پرخلوص مسکراہٹیں' چاہ بھرے انداز سب بناوٹی اور دھوکہ لگ رہے تھے۔ اس نے کچھ بھی نہیں کھایا۔

"رہنے دیں بی بی جان! صارم خود آ کر کھلا لے گا۔" اس کی شوخ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ اس کے اندر تنفر کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے لیکن یہ سوٹ اسے ضرور پہنا دینا اور یہ زیور بھی۔ آہ بڑے ارمان تھے میرے دل میں صارم کی دلہن کے لئے' اس کی بارات لے جانے کے مگر تقدیر دل کے ارمانوں کی کب پروا کرتی ہے؟ اسے جو کرنا ہوتا ہے وہ کر کے رہتی ہے۔ مجھے گلہ نہیں ہے کسی سے.... یہ بھی اللہ کا احسان ہے میں نے اپنی زندگی میں یہ چاند چہرہ دیکھ لیا۔ دل میں لگی سالوں پرانی آگ آج کچھ سرد ہوئی ہے۔ اللہ جوڑی سلامت رکھے۔ صدا خوش و خرم رہیں۔" وہ اپنی نم آنکھیں صاف کرتی ہوئیں اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ورشا آنکھیں بند کئے یوں ہی نیم دراز تھی۔ بی بی جان کے جانے کے بعد چھوٹی بھابی بہت بے تکلفی سے اس کے قریب بیٹھی تھیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولیں۔

"مجھے معلوم ہے' تم جاگ رہی ہو' دیکھو تم یہاں جیسے آئیں جس طرح لائی گئیں' اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہمیں یہ خوشی ہے کہ تم صارم کی بیوی بن کر اس گھر میں آئی ہو اور صارم کے حوالے سے ہمیں اتنی ہی عزیز ہو جتنا وہ ہمیں ہے۔ اٹھو باتیں بعد میں ہوں گی' رات ہو گئی ہے۔ نہا کر یہ کپڑے بدلو' پھر میں تمہیں تیار کروں گی۔" اس نے قریب بیٹھ کر دھیمے لہجے میں کہا۔

"میں صارم کی کزن بھی ہوں اور اس کے کزن کی بیوی بھی۔ یعنی میں اس کی پھوپو کی بیٹی ہوں اور میرے شوہر اس کے چچا کے بیٹے ہیں۔ میرا نام رانی گل ہے۔ لیکن مجھے سب چھوٹے گل بھابو کہتے ہیں۔ تم بھی یہی کہنا' چلو اٹھو نا۔ کپڑے بدلو' صارم آتا ہوگا۔ وہ بہت رومانٹک بندہ ہے۔ نئی نئی دلہن بیوی پسند کرے گا وہ۔" رانی گل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانا چاہا تو ہاتھ پر لگے زخموں سے اس کا ہاتھ ٹکرایا۔ ورشا کی سسکی نکل گئی۔

"پلیز' مجھے ڈسٹرب نہیں کریں۔" اس نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اوہ تم زخمی ہو آہ تمہارے تو دونوں ہاتھ زخمی ہیں۔" اس نے آستین پلٹ کر دیکھا تو زخم کافی اندر تک تھے۔

ورشا نے چادر مضبوطی سے لپیٹ لی تھی۔ مبادا شمشیر خان کی ٹھوکروں اور گل جاناں کے پتھروں سے ادھڑی ہوئی کھال اسے نظر آ جائے۔

"آپ کی بڑی مہربانی ہوگی یہاں سے یہ سب ہٹا لیں اور مجھے سونے دیں۔" اس نے بستر پر رکھے زیورات کے ڈبے اور بھاری بھرکم سوٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں کچھ ایسی ہی قطعیت و سرد مہری تھی۔ رانی گل نے مزید کچھ نہیں کہا۔ زیورات اور سوٹ اٹھا کر ڈریسنگ روم میں رکھ کر کمرے سے نکل گئی۔ پھر پانچ منٹ بعد ہاتھ میں بھاپ اڑاتا مگ اور ٹیبلیٹ لئے داخل ہوئی۔ اس بار اس نے اس کی ایک بھی نہیں سنی' زبردستی کافی کے ساتھ ٹیبلیٹ کھلائی تھیں۔ تاکہ اس سے درد میں کچھ افاقہ ہو۔

❁ ❁ ❁

شام کے سائے پر
عکس پڑا تنہائی کا
یادوں کی پڑی پھوار
اور برستی رہی بوند بوند
کبھی اندر تک دکھ برس گیا
کبھی خوشیوں کی پڑی پھوار

یہ یادیں ہی ہیں
جو رلاتی اور ہنساتی ہیں
اور یاد کراتی ہیں

قبرستان سے وہ واپس لوٹا تو بابا جانی کو بے چینی سے اپنا منتظر پایا۔

"صد شکر تم آ گئے۔ ورنہ میں ابھی تمہیں ڈھونڈنے کے لئے نکلنے والا تھا۔ ایک ذمہ داری' ایک فرض کا بوجھ اپنے کاندھے پر ڈالنے کے باوجود حقیقت سے فرار کہاں کی دانشمندی ہے۔"

بابا جانی کا لہجہ اس کے کمرے میں قدم رکھتے ہی وہ سخت فہمائشی لہجے میں گویا ہوئے۔

"بابا جانی! جو آپ چاہتے تھے' جو آپ کا حکم تھا' وہ میں نے مان کر آپ کے وقار کو اونچا ہی کیا ہے۔ حالانکہ یہ موقع بالکل بھی اس صورتحال کے موافق نہ تھا۔" وہ ان کے قریب آ کر

سنجیدگی سے بولا تھا۔

"مجھے فخر ہے تم پر میرے بچے' تم نے میرا اعتماد' میرا مان' میرا فخر بلند ترین کر ڈالا ہے۔ میری برسوں پرانی آرزو آج پوری ہوئی ہے۔"

بابا جانی نے اس کی پیشانی چوم کر پرمسرت لہجے میں کہا تو وہ تاسف اور حیرانگی سے انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

"گستاخی معاف بابا جانی! ہم گھاٹے میں رہے ہیں۔ جیت ہماری نہیں' ان کی ہوئی ہے۔"

"کس طرح؟ وضاحت تو کرو۔" وہ مبہم سا مسکرائے۔

"اوہ... اسیریز خان کی جدائی وہ عظیم نقصان ہے جس کی تلافی کبھی نہیں ہو سکتی۔" اس نے سنجیدگی سے آہ بھر کر کہا۔ پھر بھی آپ نے اس کی موت بلکہ قتل کا بدلہ یا قصاص لینے کے بجائے اس قبیلے کی لڑکی کو اس خاندان کی عزت بنایا اور اس کی بھاری قیمت ادا کر کے' آپ مجھے بتائیں یہ دانشمندی ہے؟"

"ہاں' اس لئے جو میں نے ابھی کیا ہے۔ وہ تم سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے' اور نہ ہی ابھی وہ وقت آیا ہے کہ میں تمہیں سمجھاؤں' لیکن یہ بات ذہن سے نکال دینا کہ ہمیں شکست ہوئی ہے' دشمنوں کی بیٹی گھر آ گئی ہے اور یہ شکست نہیں فتح ہے۔"

"ہونہہ' جو جانور اور انسان میں تمیز نہیں رکھتا' ایسے آدمی سے کسی اچھائی و بہتری کی امید ہی عبث ہے۔ جس شخص نے سونے کے سکوں اور نوٹوں کی گڈیوں کی خاطر اپنی آن' عزت' غیرت' انا اور خودداری بیچ ڈالی ہو' ایسے گھٹیا اور زر پرست بندے سے کسی خیر کی توقع رکھنا فضول ہے۔ زیادہ پیسے کی ہوس میں جیسے کوئی لالچی اپنے پالتو جانور فروخت کر ڈالتا ہے اس طرح' اس بے حمیت شخص نے اپنی بیٹی کو فروخت کر ڈالا تھا... میں ایسے شخص سے دوستی تو کجا دشمنی کرنا بھی غیرت اور مردانگی کے خلاف سمجھتا ہوں۔ باحمیت' بہادر اور خوددار دشمن ہو تو' دشمنی میں بھی لطف آتا ہے۔ ایسے لالچی اور بدفطرت لوگوں سے تو میں ہاتھ ملانا بھی پسند نہیں کرتا۔"

"درست ہے۔ جو تمہارے دل میں آئے وہ کرو۔ مگر اس لڑکی کے ساتھ تم ایسا کوئی رویہ اختیار نہیں کرو گے' جس میں اس کی دل شکنی اور ہتک کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ وہ لڑکی ہمیں عزیز ہو گئی ہے۔" انہوں نے بارعب و پرتحکم لہجے میں کہا۔

صارم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن اس کے چہرے کے تاثرات سپاٹ تھے۔

"ہم جانتے ہیں بچے' تم یہ سب اتنی جلدی قبول نہیں کر پا رہے ہو' اور یہ کوئی انوکھی اور نہ تسلیم کرنے والی بات نہیں' یہ ایک معمولی سا حادثہ سمجھ لو کہ تم کل تک تنہا اور آزاد تھے' دوسرے فرد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی ذمے داری کا بوجھ تم پر نہیں تھا' مگر آج تم آزاد نہیں رہے تم ذمے دار ہو گئے ہو۔ جو کہ ہر مرد کو ہونا پڑتا ہے۔ گھر چلانے کی ذمے داری اٹھانی پڑتی ہے۔ ہاں اس امر کا مجھے افسوس رہے گا کہ تمہارے ساتھ یہ سب بہت جلدی بازی میں ہوا' روایتی انداز' رسم و رواج سے مختلف۔"

"مجھے اس بات کا غم نہیں ہے۔ مجھے صرف سبریز خان کا دکھ ہے۔" وہ ان کی بات قطع کر کے بھرائے لہجے میں بولا۔

"کب تک سوگ مناؤ گے؟ کیا چاہتے ہو؟ آج سبریز خان کی جدائی کا زخم نہیں بھرا تو کل گلریز خان کی جدائی کا زخم دل پر کھاتے؟ اور پھر زخموں کا لامحدود سلسلہ چل نکلتا' جو شاید دو میں قبیلوں میں سے ایک کی بربادی پر ختم ہوتا۔"

انہوں نے اس کی نم آنکھوں کو اپنی چادر سے صاف کرتے ہوئے ملامت سے سمجھایا۔

"جا کر آرام کرو' ایک ہفتے بعد ولیمہ کریں گے۔ اور دل کے سارے ارمان اور خواہشیں پوری ہوں گی' جاؤ جا کر آرام کرو۔"

انہوں نے اس کے شانے تھپتھپاتے ہوئے محبت سے کہا اور اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئے۔ صارم کے چہرے پر چھائی افسردگی کو جان کر نظر انداز کیا تھا۔

"بابا جانی پلیز! جو کچھ آج ہوا' وہ آپ کی مرضی سے ہوا لیکن اب جو ہوگا اس میں میری بھی منشا ہوگی' فی الحال ایک ہفتہ نہ ایک ماہ میں کوئی خوشی منانے کی خواہش نہیں رکھتا۔ آپ اب خاموش رہیے گا۔" اس نے مضبوط و اٹل لہجے میں کہا۔

"کیا اس حویلی کے در و دیوار کبھی مسرتوں کے رنگ نہیں دیکھیں گے؟ کیا اس آنگن میں موت کے نوحے پڑھے جاتے رہیں گے؟ ہم خوشیوں اور خواہشوں کی چاہ سے دستبردار ہو گئے؟"

"اگر آپ نے زبردستی کی بابا جانی' تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔" اس کے انداز میں بچگانہ ضد کا عنصر غالب تھا۔

اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں' تیز تیز قدموں سے چلا گیا۔ شاہ افضل خان جو اس کی سرشت سے واقف تھے بخوبی محسوس کر رہے تھے کہ وہ اس وقت جذبات کے کس بحرِ اذیت میں غوطہ زن ہے۔ اس کی شخصیت کا بکھراؤ' لہجے کا الجھاؤ' شکست چال سے ظاہر تھا وہ اس وقت سبریز خان کی جدائی کے دکھ سے نہ نکلا' بکھرا ہوا ہے۔ انہوں نے فیصلہ کیا وہ کچھ عرصے تک خاموشی اختیار کریں گے۔

ایک ندی ہے یادوں کی
مجھے وحشتوں کے پانی سے
بغیر بھیگے نکلنا ہے
ایک صدیوں کی مسافت ہے
مجھے لہولہان جسم کی تھکن کو بھول کر
نئے منظروں کی تلاش میں نکلنا ہے
کچھ نئی وادیوں کی تلاش ہے
سات سمندر پار چلنا ہے
کیا پتہ پھر کہاں بھول جاؤں میں
مجھ کو کس جگہ پر رکنا ہے
بہت لمبا سفر ہے راستے ہیں اجنبی
ڈر ہے کہ بھٹک نہ جاؤں میں کہیں

"ارے نوشے میاں! ذرا تیز تیز قدموں سے آؤ۔ یہ چیونٹے کی رفتار سے کیوں آ رہے ہو؟" رانی گل جو خاصی دیر سے اس کی آمد کی منتظر تھی۔ اسے سوچوں میں گم آہستہ آہستہ آتے دیکھ کر شوخی سے چہک کر بولی۔

"آپ کا خیال ہے مجھے اڑ کر آنا چاہیے؟" اسے سوا چیخ کرنا پڑا۔

"ہاں... ہاں کیوں نہیں۔ کوئی انہونی نہیں ہوگی۔"

"آپ کے لئے بے شک نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ آپ کو لینے کے لئے تیرتے ہوئے گئے تھے۔ اس دن ابرِ رحمت کے تمام شاورز 'نل' اسپیڈ سے کھل گئے تھے۔ سڑکیں بھی دریا بن گئی تھیں۔ اللہ کو باراتیوں سمیت تیر کر جانا پڑا تھا۔"

"ہاہاہا... تیر کر جانے کے باوجود ان کا حلیہ بہت شاندار اور بہتر تھا تم سے... کم از کم حلیہ تو درست کر لو۔"

"بھابو جانی! مرد کا حلیہ نہیں جیب دیکھی جاتی ہے۔ سو ہماری جیب خاصی بھرپور' شاندار اور وزنی ہے۔ اس لئے برائے مہربانی آپ یہ فضول کی چوکیداری چھوڑیے اور جا کر آرام کیجیے۔"

وہ اسے اپنے کمرے کے دروازے پر ڈٹا دیکھ کر عاجزانہ انداز میں بولا۔

"ایسے ہی تھوڑی؟ پہلے کچھ جیب یہاں ہلکی کرو پھر اندر جاؤ گے۔" رانی گل نے اپنی پھیلی ہوئی ہتھیلی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"یہ لیجئے اور پلیز راستہ چھوڑ دیجئے۔" اس نے جیب سے والٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

"او... ہو! اتنی جلدی ہے اندر جانے کی۔؟"

"بھائیو! ہمارے دان کا تھکا ہوا ہوں' کچھ خیال کیجئے۔"

"اچھا' جاؤ یاد کرو گے میری سخاوت۔ لیکن میری بات سنو۔" اس نے چند بڑے نوٹ والٹ سے نکال کر والٹ اسے واپس کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ شدید زخمی ہے۔ اسے ڈسٹرب نہیں کرنا۔ اس نے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔ خیال رکھنا۔"

"جی بہتر۔ کوئی اور حکم؟" اس کے لہجے میں فطری شوخی عود کر آئی۔

"میں نے اسے نیند کی گولیاں دیدی ہے تاکہ اس کے زخموں کی تکلیف کچھ کم ہو۔ اسے تب تک وہ خود بیدار نہ ہو' سوتے رہنے دینا۔"

"واہو! بہت خوب! زخموں پر ڈریسنگ کی جاتی ہے یا سلایا جاتا ہے۔؟" وہ بے ساختہ مسکرا اٹھا۔

"ڈریسنگ والا کام تم کرتے ہوئے اچھے لگو گے۔" جواباً انہوں نے اس بے ساختگی سے کہا تھا کہ وہ لمحے بھر کو جھینپ کر رہ گیا۔

"معذرت آئی تھنس؟" یکلخت اس کے لہجے میں سنجیدگی عود کر آئی۔

"نہیں بی بی جان نے بلوایا تھا۔ مگر تم جانتے ہو ان کی عادت' زرگون بھی اس وقت پاگل بنی ہوئی تھی' جب سے تم گئے تھے' اسے دیکھ کر بھابی کا مزاج مزید بگڑا ہوا تھا۔ گھر میں جو اس وقت اس قدر سکون پھیلا ہوا ہے یہ سب تمہارے لالا کی چالاکی کی وجہ سے ہے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ ماں بیٹی ضرور کوئی نہ کوئی فساد کھڑا کریں گی۔ اس لئے ان کے کہنے پر میں نے گاجر کے حلوے میں نیند کی گولیاں ڈال کر انہیں کھلا دی ہیں۔"

"ایسا کب تک چل سکتا ہے؟ وہ غلط فہمی کا شکار رہتی ہیں میری طرف سے۔"

"کل کی فکر میں آج کیوں برباد کر رہے ہو' جاؤ شب بخیر۔"

وہ مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں اور وہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

کمرے میں نیلگوں خواب ناک دھیما اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

دیر آن ہونے کے باعث لطیف سی گرماہٹ میں تازہ رکھے گلاب کے پھولوں کی مہکار سے فضا میں ایک انوکھی سرشار کر دینے والی کیف آور نشاط آمیز کیفیت تھی۔ جو خود سے بیگانہ اور

بے خود کر ڈالے۔

اس نے طویل سانس لے کر مہکاروں کو اپنے اندر جذب کیا۔ پھر حسب عادت دروازہ لاک کرنے کے بعد سینڈل سے پیروں کو آزاد کیا۔ جیکٹ اتار کر صوفے پر اچھالی۔ بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا اپنے کمرے میں اچانک در آنے والی اس تبدیلی کو بغور دیکھنے لگا۔ جس نے آ کر اس کے بیڈ روم پر قبضہ کر ڈالا تھا۔

نیلے ریشمی بیڈ کور پر گلابی کمبل میں سر تا پا دراز وہ بے خبر سو رہی تھی۔

وہ خود سرو مغرور حسینہ' جس نے اپنے سحر طراز حسن کی تجلیوں سے اسے خاکستر کیا تھا۔ وہی دہکتے رخساروں اور بھیگتے گیسوؤں والی اپسرا' جس کے بے تحاشہ حسن نے اسے ایک ہی نظر میں گھائل کر ڈالا تھا۔ جس نے قدم قدم پر اسے تڑپایا اور جلایا تھا۔ اس کی چاہت' جذبوں اور عشق کی بار بار توہین کی تھی۔

اس کے پیار کو ٹھوکر ماری تھی۔ ہر گام پر ٹھکرایا تھا۔

اب وہ مکمل طور پر اس کی تھی۔

اس کی ذاتی ملکیت۔

اس کی زر خرید ہستی۔

وہ اسے اب چھو سکتا تھا' اپنے عشق کی شدتوں' وحشتوں کا احساس دلا سکتا تھا۔

اب وہ اس کی مکمل دسترس میں تھی۔

اس کی قربتیں وہ اپنے نام وقف کروا چکا تھا۔

لیکن.... وہ اب بھی تو جذبے برف بن گئے تھے۔

خواہشوں کے چراغوں کی راکھ فضا میں بکھر کر گم ہو چکی تھی۔

آرزوؤں کے تمام کنول مرجھا کر کیچڑ بن گئے تھے۔

وہ نائٹ سوٹ بدل کر ڈریسنگ روم سے باہر آیا تو اس نے نیند میں کروٹ بدلی تھی۔ جس سے اس کا گلاب چہرہ کمبل سے باہر آیا تھا۔ اس کے سرخ رخساروں سے جھلکتی زردیاں' بند آنکھوں پر سایہ فگن دراز پلکوں کی سیاہ رنگت خاصی نمایاں تھی۔ اونچی ستواں خوبصورت سی ناک پر کسی چوٹ سے پیدا ہونے والا خلل تھا۔ گلابی ہونٹوں سے نیچے گہرے زخم تھے' جیسے کسی جوتے کی نوک گڑھ کر رہ گئی ہو۔ بائیں رخسار اور پیشانی پر بھی ایسے ہی زخموں سے سرخی مائل نشانات تھے۔

جائزہ لینے کے بعد اس نے اس انداز میں شانے اچکائے جیسے اسے اس کی کوئی پروا نہ ہو۔ اسٹک وہ بیڈ کے سہارے کھڑی کر کے لیٹ گیا۔ کمبل کا ایک حصہ اس نے خود پر ڈالا تھا۔ بے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اختیار اس کا شانہ ورشا کے بازو سے ٹکرایا تھا' نہ معلوم اس کا شانہ ٹکرانے سے درد کی تکلیف کا احساس تھا یا اس کے مردانہ پر حدت لمس کی حدت اس کی خود آگہی کھل گئی تھی۔ اور نگاہیں سیدھی اور حد قریب دراز صادم کی سرخ و سرد نگاہوں سے ٹکرائی تھیں۔ ایک لمحہ لگا تھا اسے نیند سے واپس کھینچ لانے میں۔

"تم!" وہ اس طرح بدک کر پیچھے ہوئی' جیسے وہ انسان نہیں کسی موذی جانور کے پہلو میں ہو۔"

"ہاں میں۔ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو؟ نکاح نامے پر سائن کرتے وقت میرا نام نہیں سنا تھا؟" اس نے استہزائیہ انداز میں جواب دیا تھا۔ "جا کہاں رہی ہو؟ میرے بیڈ پر تسلط قائم کر کے مجھ سے دور بھاگ رہی ہو۔"

اس نے بیڈ سے اترتی ورشا کا بازو پکڑ کر کھینچا تھا۔ درد کی شدت برداشت کرتی وہ بے توازن ہو کر اس پر گری تھی۔ مستزاد اس نے بازو کا گھیرا ڈال کر اسے بے بس کر ڈالا۔

"چھوڑو مجھے' نفرت ہے مجھے تم سے... شدید نفرت۔"

"جہاں تمہاری نفرتوں کی حد ختم ہوتی ہے۔ وہاں سے میری ضد کی حد شروع ہوتی ہے۔ بہت تم نے میری نرمی و خلوص سے ناجائز فائدہ اٹھا لیا ہے۔ لیکن میں اب برداشت نہیں کروں گا اب تم سیدھے راستے پر آ جاؤ۔ ورنہ میری ہٹ دھرمی و خود سری سے پناہ مانگو گی۔" وہ اسے اپنی گرفت سے آزاد کر کے بولا۔

"تم!"

"شٹ اپ' مجھے مخاطب کرنے سے پہلے یہ ذہن نشین کر لو کہ تم میری "بیوی" ہو۔ یہ خود سری میں پڑھنے والی وہ بے وقوف 'احمق' خود سر لڑکی نہیں ہو' بیوی ہو بیوی' منکوحہ' تم سے نکاح کیا ہے میں نے' تمہارے باپ کی جاگیر کا کوئی اونی ملازم نہیں ہوں میں۔" اس نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"نکاح... منکوحہ... بیوی... یہ الفاظ ہرا دہرا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس نکاح پر تم اکڑ رہے ہو' وہ محض مجبوری ہے اور اس مجبوری میں میری مرضی ایک فیصد بھی نہیں ہے۔ میں نے صرف اپنی ماں کے صدمے میں یہ جہنم قبول کیا ہے' تم کیا سمجھتے ہو تم نے مجھے فتح کیا ہے؟ جیت لائے ہو مجھے؟ میں تو زندہ لاش بن ہی گئی ہوں' لیکن زندگی تمہاری بھی موت سے بدتر کر ڈالوں گی۔" وہ غم و غصے سے بپھری ہوئی اصل صورت حال سے بے خبر تھی۔ وہ صادم کو مجرم سمجھ رہی تھی۔

"ورشا! میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔" وہ بری طرح کھول اٹھا تھا۔

"اتنا حوصلہ نہیں ہے تو کیوں نکاح کیا ہے؟" اس نے طنز سے تیغ کر کہا۔

یہ لمحہ اس پر بھاری پڑا تھا۔ صادم کا مضبوط ہاتھ اس کے دائیں رخسار پر اپنی انگلیوں کے نشان واضح کر گیا تھا۔

"میں سمجھتا تھا تم ایک احمق' بے وقوفی کی حد تک خود سر لڑکی ہو' مگر... نہیں تم صرف بیوقوف و احمق ہی نہیں بلکہ اول درجے کی بدتمیز' گستاخ اور بدزبان لڑکی ہو۔" اس نے پرطیش لہجے میں کہا۔

"مارو... مارو مجھے' بلکہ ایک بار ہی گلا دبا کر جان چھڑا لو۔" اس نے پہلے ہی تہیہ کر لیا تھا وہ اس کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے گی۔ اپنی کمزوری ظاہر نہیں کرے گی' بلکہ اس کی زندگی اجیرن کر ڈالے گی۔ سو اپنی طبیعت کے برخلاف وہ برسرپیکار تھی۔

اس کا بھرپور تھپڑ اس کے چودہ طبق روشن کر گیا تھا۔ مگر وہ ضبط سے برداشت کر گئی۔

"جان سے ماردوں! اوہ... اتنا ہی بیوقوف سمجھا ہوا ہے مجھے؟" اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے دوبارہ بازو کے گھیرے میں لے لیا۔ "تم میری بیوی ہو بیوی' میرے کچھ حقوق ہیں ان کی ادائیگی کے بغیر ہی تمہیں جان سے ماردوں؟" صادم نے ایکدم ہی پینترا بدلا تھا۔

اس کی آنکھوں میں خمار اترنے لگا تھا لیکن لہجہ ولی سرخوشی و جذباتی تلاطم سے خالی تھا۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت میں ورشا کسمسانے لگی تھی۔

"کاش کہ تم مجھے اس وقت مل جاتیں جب میں تمہیں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تو یہ رات' یہ لمحات' یہ وقت بہت دلکش و سہانا ہوتا۔ میں تمہاری ہر ادا پر نثار ہوتا' تمہارے ایک اشارے پر جان لٹاتا۔ تمہاری اسقدر ناز برداریاں کرتا کہ ناز بھی خود پر "ناز" کرتا۔ لیکن جب جذبے مر جائیں' ارمانوں کا قتل ہو جائے' تمنائیں کند چھری سے ذبح کر دی جائیں' پھر تقاضے بھائے جاتے ہیں۔ محبت و اپنائیت سے بے بہرہ ہو کر میں نے تمہیں خریدا ہے' تمہاری قیمت دی ہے۔ دام دے کر تمہیں لایا ہوں۔ آئندہ یہ بات ذہن میں رکھنا۔" اس نے اس کے چہرے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں... ایسا نہیں ہو سکتا' یہ جھوٹ ہے۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

وہ اس کی گرفت میں مچل اٹھی تھی۔

"وہ کیسٹ پلیئر موجود ہے۔ اس میں سب ریکارڈ ہے۔ مجھے معلوم تھا تمہیں یقین نہیں آئے گا' اس لئے میں جیب میں مٹی کیسٹ پلیئر رکھ کر لے گیا تھا۔"

اس نے ٹیبل پر رکھے کیسٹ پلیئر کی طرف اشارہ کیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"چھوڑ دو مجھے..... ہاتھ نہ لگاؤ... وحشی مجھے تم سے نفرت ہے۔"

"میں نے تمہیں چھوڑنے کے لئے نہیں خریدا ہے۔"

اس کا انداز سو فیصد تمسخرانہ و استہزائیہ زچ کر دینے والا تھا۔

اس نے درشا کے بازو مضبوطی سے پکڑنے چاہے تھے۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی۔

صارم کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ آنے کے بجائے آستین آ گئی' جو خون سے تر تھی۔

"اوہ' کیا ہے؟ کیا ہوا؟" لمحے بھر کو اس کی وحشت معدوم ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں... مجھے تنہا چھوڑ دو۔" اس کی آواز میں تکلیف کے ساتھ وہم و خوف بھی شامل ہو چکا تھا۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ اگر حد سے گزر گیا تو اس کی زور آوری و دہشت وہ کس طرح خود کو بچا پائے گی؟

اس کے سامنے وہ خود کو بہادر اور پراعتماد ثابت کر رہی تھی۔

لیکن زبان سے کب تک اپنا دفاع کر سکتی تھی۔

وہ مرد تھا اس کے بازوؤں کی فولادی طاقت۔

خود کو منوانے کے خطرناک عزائم

"کیوں مقابلہ کرنے کا حوصلہ ختم ہو گیا؟ میری زندگی جہنم بنانے کے ارادے کیا ہوئے؟"

"صارم خان! اگر تم میرے وجود کو زبردستی حاصل کر کے خود کو فاتح سمجھتے ہو تو تم سے بڑا بزدل کوئی نہیں۔"

"میری سب سے بڑی بہادری یہ ہے کہ میں تمہیں فتح کر کے لے آیا ہوں۔ اب تمہارا چیلنج کرنا فضول ہے۔ ابھی جو کچھ تھا صرف ڈرامہ تھا۔ مجھے تمہاری طلب نہیں ہے۔ تم جیسی دھوکے باز' بے حس لڑکی' میری قربتوں کے حسین لمحات کی ساتھی نہیں بن سکتی۔ سمجھیں تم؟ تم اس گھمنڈ میں رہنا کہ میں نفس کے کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آ کر تمہیں..." اس نے کچھ کہتے کہتے اپنے ہونٹوں کو بھینچ لیا۔

اس کا یہ روپ اس قدر بے لچک' ٹھوس اور مضبوط تھا کہ درشا ہکا بکا اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

"میری باتیں کان کھول کر سن لو۔ آج سے تمہارا شہباز خان سے' اس سے وابستہ ہر شے سے' زندگی بھر کے لئے ناتا ٹوٹ چکا ہے۔ آج سے تم ان کے لئے مر گئی اور وہ لوگ تمہارے لئے کبھی غلطی سے وہاں سے کوئی تعلق تم نے دکھایا تو دیکھ لینا' تمہارا کیا انجام کروں گا۔ یہاں ان جائی ہیں' بی بی جان ہیں' ان کی خدمت تمہیں کرنی ہے۔ یہاں رہنے والے سب لوگوں سے تم

رویہ بہترین ہونا چاہئے۔ اگر اپنی زبان کی سلامتی چاہتی ہو تو اس کا استعمال برائے نام ہی کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے ورنہ....."

سارے ہدایات دے کر وہ ٹیبل لیمپ آف کر کے کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

اس کے اندر خودداری و انا کی نہ بجھنے والی آگ جل اٹھی۔

صارم کے ہتک آمیز جملے' توہین و ذلت بھرا سلوک' مستزاد اس پر یہ احساس کہ وہ خریدی گئی تھی۔ کسی جانور یا بے جان اشیاء کی طرح۔ اس احساس نے اسے بالکل ہی حقیر و بے وقعت کر ڈالا تھا۔ اس کی نگاہ میں زخموں سے زیادہ تکلیف اس کے اندر احساس کے زخموں پر ہو رہی تھی۔

انسان کتنا بھی حوصلہ مند بن جائے۔

وہ تقدیر کے وار سے نہیں بچ سکتا۔

بھاگتی' دوڑتی' ساعتوں کو نہیں پکڑ سکتا' یہیں آ کر انسان بے بس ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی اس کے ساتھ ہوا تھا۔ اس نے جس شخص سے بے حد نفرت کی تھی' آج اس کے نام سے منسوب' اس کے بیڈ روم میں اس کے قریب بیٹھی گھور اندھیرے میں اپنے اندر بوھتی ہوئی آگ سے نبرد آزما تھی۔ صارم کی نگاہوں میں اس سے وابستہ لوگوں کی نگاہوں میں اس کا کیا مقام ہو گا؟ سوچ رہی تھی۔

صارم نے لفظوں کے خنجر سے اس کی انا و وقار کو مجروح کر ڈالا تھا۔

اس کے گھر والے بھی اسے کوئی اچھا معتبر مقام کیوں دیں گے؟

"درشا! قبل اس کے کہ ذلت و تحقیر بھری صبح طلوع ہو اپنے آپ کو فنا کر ڈال' مٹا دے خود کو۔ تو اب خود مختار نہیں خریدی ہوئی کنیز ہے۔"

وہ خود سے مخاطب ہوئی تھی۔ اور آہستہ آہستہ بیڈ سے نیچے اترنے لگی۔ زخموں سے اٹھنے والی ٹیسوں کی وہ عادی ہو گئی تھی یا خود کو اس نے پتھر کر لیا تھا۔ کمرے میں مہکا مہکا اندھیرا تھا۔ وہ شاید مکمل تاریکی میں سونے کا عادی تھا اس لئے ٹیبل لیمپ بھی آف کر کے سویا تھا۔

اس کی آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہو گئی تھیں۔ اس لئے اسے اب اندھیرے میں بھی دھندلا دھندلا نظر آنے لگا تھا۔

وہ غم و غصے' انا کی ایسی آگ میں جل رہی تھی کہ سوچنے سمجھنے کی سب حسیں گویا مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آتش دان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جہاں الیکٹرک ہیٹر دہک رہا تھا۔ ویٹر قالین کے باعث اس کے قدموں کی آہٹیں بھی نہیں ابھری تھیں۔ اس نے خاموشی سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیٹر آف کر کر ہولڈر سے اس کا پلگ نکالا۔ چند لمحے کھڑی وہ ساکت نگاہوں سے الیکٹرک بورڈ کو دیکھتی رہی۔ موت کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آخری وقت میں اپنے تو یاد آتے ہیں۔

اس کی نگاہوں میں بھی وہ چند مہربان چہرے گھوم رہے تھے۔ جن سے زندگی میں واسطہ رہا تھا۔ اور جو اب ہمیشہ کے لئے اس سے چھوٹ رہے تھے۔ بچھڑ رہے تھے۔ بے تماشہ بہتے آنسوؤں کے درمیان اس نے ہولڈر کا پن آن کر کے دونوں انگلیاں سوراخوں کی طرف بڑھا دی تھیں۔

دوسرے لمحے اس کے جسم کو زوردار جھٹکا لگا تھا۔ اس کی دردناک چیخ خاموش کمرے کے تاریک ماحول میں گونج اٹھی۔

❀❀❀

کیا خبر اس کے تعاقب میں ہوں کتنی سوچیں
اپنا انداز تو اوروں سے جدا رکھنا تھا
چاندنی بند کواڑوں میں کہاں اترے گی
اک دریچہ تو بھرے گھر میں کھلا رکھنا تھا

"اسٹوپڈ..... ایڈیٹ' خودکشی کرنے چلی تھیں لیکن یاد رکھو میری نگاہیں ہر لمحہ' ہر ساعت' ہر گھڑی تمہاری نگرانی کرتی رہیں گی۔ پہلی اور آخری بار معاف کر رہا ہوں۔ آئندہ ایسی کوئی حماقت کرنے سے پہلے ہزار بار سوچ لینا۔"

صارم جو اس سے ایسی ہی کسی حرکت کی توقع رکھتا تھا' وہ بیڈ پر آنکھوں پر ہاتھ رکھے اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

اور آخرکار اس نے اس کی توقع کے مطابق خودکشی کا اذیت ناک پروگرام ترتیب دے ڈالا تھا۔ اگر وہ فوراً ہی دبے قدموں سے چل کر اس تک پہنچ کر عین موقع پر اسے کھینچ کر دور نہ اچھال دیتا تو۔ تو شاید وہ شکست کھا بیٹھتا۔

"میں اپنی مرضی سے جی نہیں سکتی' اپنی مرضی سے مرنے کا اختیار مت چھینو مجھ سے۔"

صارم کے اچانک اچھالنے اور اپنی ناکامی کے شدید احساس نے اسے روہانسا کر ڈالا تھا۔

"تمہارے سارے اختیارات میں خرید چکا ہوں' تمہاری ایک ایک سانس کو میں خرید چکا ہوں' لہٰذا آئندہ خیال رکھنا۔"

اس نے اس کی بھیگی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

❀❀❀

روتے' سسکتے رات کے آخری پہر سعادیہ کی آنکھ لگی تھی۔

ورشا کا ملنا' پھر یوں بچھڑنا' پھر اس طرح ہوا تھا کہ دل کی بے قراریاں روح کی بے چینیاں مضطرب تھیں۔ بالکل اس طرح جیسے کسی بھیانک خواب کی تعبیر بھی بھیانک ہو۔ جیسے کوئی شخص اذیت سہہ کر بھی روح کا ساتھ نہ چھوڑے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کا جدا ہونا بھی کچھ ایسی ہی اذیت و کرب سے دوچار کر گیا تھا کہ زندگی و موت بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔

"سفاویہ! اٹھو فجر کی نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ جلدی سے وضو کر کے نماز ادا کرو ورنہ قضا ہو جائے گی جو اچھی بات نہیں ہے۔" اوے کی رنجیدہ لیکن کچھ حد تک پرسکون آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ بھرپور انداز میں چونک کر تیزی سے اٹھ بیٹھی تھی۔

دائیں جانب بیڈ سے دور اپنی مخصوص چوکی پر نماز سے فارغ ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کی تیاری کرتی ہوئی ماں کو قدرے بہتر حالت میں دیکھ کر اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی۔ کل تک وہ بغیر سہارے کے قدم بھی نہیں بڑھا سکتی تھیں۔

"اوے... اوے! آپ ٹھیک ہو گئیں؟ آج خود آپ نے بغیر سہارے کے وضو کیا' نماز ادا کی' مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ بہت خوشی۔"

مسرت و دکھ کے انوکھے سنگم پر وہ ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر رو دی۔

"اولاد کے دکھ سے بڑا دکھ کوئی نہیں ہوتا ماں کے لئے' اولاد کے حوالے سے ملنے والی طمانیت آسودگی و قرار کے مقابل کسی کا پلڑا بھاری نہیں ہو سکتا' ورشا کی طرف سے ملنے والی پریشانیوں نے مجھے بیمار کر ڈالا تھا۔ اس کی جانب سے اب میں بے فکر ہوں' تو رات بھر میں تندرست ہو گئی ہوں۔ اولاد سے وابستہ رشتے بھی انہونیوں سے واقف کرواتے ہیں۔" سفاویہ کے آنسو صاف کرتے ہوئے انہوں نے دلار سے کہا۔

"آپ' ورشا کی طرف سے مطمئن کیوں ہیں؟ جبکہ مجھے رات بھر اس کے خیال سے نیند نہیں آئی کہ نہ معلوم وہاں اس کے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟ وہ لوگ ایک قاتل کی بہن کو کس طرح برداشت کریں گے؟"

"وہاں خلوص اور مروت کی فصل اگتی ہے۔ درگزر' فراخ دلی' بڑے ظرف و بلند حوصلے رکھنے والے لوگ ہیں وہاں' جو دشمن کو بھی گلے لگانا فخر سمجھتے ہیں۔ یہی خصلتیں زندہ ہیں وہاں' وہ لوگ بہرا بچی کو محبت دیں گے۔ مجھے بھروسہ ہے۔ گل جاناں یا تمہارے بابا کے آگے یہ بات نہ نکلے کہ شہروز نے ہمیں سب بتایا ہے۔ جو حقیقت ہے۔"

"جی میں دھیان رکھوں گی' لیکن مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔ یہ سوچ کر کہ جب بڑے ہو کر اور شہروز لالا کو ورشا کا معلوم ہو گا تو پھر کیا ہو گا؟"

"میں سمجھا دوں گی انہیں' ماں باپ سے بدتمیزی و گستاخی گناہ ہوتی ہے' کیوں وہ اپنی عاقبت خراب کریں۔ میرے اور میری بیٹیوں کے نصیب میں جو لکھا ہے وہ تو ہر حال میں

پورا ہو کر رہے گا۔ کیوں سوتیلے رشتوں کی خاطر اپنے دلوں میں فرق ڈالیں۔ جو نصیب میں لکھا ہوتا ہے' وہ ہو کر رہتا ہے۔"

❁ ❁ ❁

دروازہ نہ معلوم کب سے پیٹا جا رہا تھا۔ نیند سے بوجھل آنکھیں اس نے بمشکل کھول کر اس نامانوس شور کو سنا تھا۔ جس نے گہری نیند سے اسے بیدار کر ڈالا تھا۔

ورشا نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا تھا جو اس سے کچھ فاصلے پر بے خبر سو رہا تھا۔ اتنی پرسکون و گہری نیند کہ باہر سے بجتے دروازے کا بے تحاشہ شور بھی اس کی نیند میں کوئی خلل پیدا نہ کر سکا تھا۔ دوسری جانب جو کوئی بھی تھا وہ دروازہ نہ کھلنے کی صورت میں دروازہ توڑ ڈالنے کا تہیہ کر چکا تھا' یعنی دونوں جانب ضد و ہٹ دھرمی تھی۔ وہ شش و پنج میں مبتلا کبھی دروازہ دیکھتی اور کبھی صارم کی گہری نیند کو۔ خود اٹھ کر دروازہ کھولنے میں وہ عجیب محسوس کر رہی تھی۔

"سنیں... سنیں؟ باہر کوئی ہے؟" باہر سے بڑھتے شور سے گھبرا کر اس نے اسے متوجہ کرنا چاہا مگر اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔

"اٹھیں نا' باہر کوئی ہے۔" اس نے ہمت کر کے اس کا بازو زور سے جھنجھوڑا۔

"کیا ہے؟ سونے دو یار!" اس نے بند آنکھوں سے جواب دیا۔

"باہر کوئی ہے۔" اسے بے پروائی سے کروٹ بدلتے دیکھ کر ورشا زچ ہو کر بولی۔

"جو کوئی بھی ہے' بور ہو کر چلا جائے گا اگر تمہیں ہمدردی محسوس ہو رہی ہے تو خود اٹھ کر دروازہ کھول دو۔ مجھے سونے دو۔" اس نے بے پروا انداز میں کہتے ہوئے کمبل منہ تک تان لیا۔

"مجھے کیوں تمہارے گھر والوں سے ہمدردی ہونے لگی۔ ہونہہ! میری طرف سے دستک دینے والا مر ہی کیوں نہ جائے۔ میں کیوں دروازہ کھولوں؟" اس نے کبیدگی سے سوچا اور کانوں میں انگلیاں ڈال کر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر تک دروازے پر دروازہ توڑ دستک ہوتی رہی' آخر کار باہر والا ڈھیٹ اندر والے "اعصاب" سے شکست کھا کر چلا گیا تھا۔ شور ختم ہوتے ہی کمرے میں چھایا سکون و وحشت اسے بھلا محسوس ہوا۔ کانوں سے انگلیاں نکال کر وہ کچھ دیر کسی بے معنی سی سوچ میں گم رہی۔ رات میں صارم نے اسے زبردستی ٹیبلٹس کھلائی تھیں۔ جس سے اسے اب اپنا آپ بہتر لگ رہا تھا۔ زخموں کی ٹھیس و تکلیف بالکل محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ سر کا بھاری پن بھی غائب تھا۔ اس نے مزید لیٹے رہنے کا ارادہ ترک کر کے باتھ کا رخ کیا تھا۔

چہرہ دھونے کے بعد اس نے جیسے ہی آستین فولڈ کی' اس کی نگاہ ڈریسنگ پر پڑی یکدم ہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کے اندر ہلچل سی مچ گئی۔ رات کو اس نے اس کے زخموں پر ڈریسنگ کرنے کے لئے کہا تو اس نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔

اس نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کانپتے ہاتھوں سے اپنے زخموں کا معائنہ کیا اور ہر زخم پر نفاست و مہارت سے کی گئی ڈریسنگ دیکھ کر وہ لمحے بھر کو سن ہو کر رہ گئی۔ اندر کہیں حشر بپا ہو کر رہ گیا تھا۔ شرارے اس کی رگ رگ میں دوڑنے لگے۔ یقیناً اس نے اسے ایسی کوئی تکلیف کھلائی تھی جس نے اسے ہوش و خرد سے بیگانہ کر ڈالا تھا اور اس نے... از حد ہتک و توہین کے احساس سے اس کے اندر نایہ آگ بھڑک اٹھی۔ اس کے ہاتھ اسے اپنے جسم پر کسی سوزنی کی طرح محسوس ہونے لگے۔ وہ اپنی عیاش فطرت پر اک رات بھی قابو نہ پا سکا تھا۔

درشا گویا آگ میں کھولتی ہوئی باتھ روم سے باہر آئی تھی۔

جب وہ کمبل میں سر تا پا دراز چھوڑ کر گئی تھی وہ اس کی جانب پشت کئے انٹر کام پر جانے کس ناگواری سے کسی سے مخاطب تھا۔ وہ رک کر اس کی پشت گھورنے لگی۔

"میں نے آپ سے کہا بھی تھا' جلد نہیں اٹھائیے گا پھر بھی آپ نے نیند خراب کر ڈالی ہے۔ سمجھ گیا تھا' مورے سے بولیں' سمجھائیں اسے میں ایسی فضول حرکتیں قطعی برداشت نہیں کروں گا۔" بہت خراب موڈ کے ساتھ اس نے انٹر کام آف کیا تھا۔ "خیریت؟ تم کیوں اٹھے ہو' کھڑی ہو؟" رخ پھیرنے پر اسے دیکھ کر وہ بولا۔

"میں... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی تم! اتنی جلدی اپنی اصلیت ظاہر کر دو گے۔ تمہارے قول و فعل میں اتنا تضاد ہو گا؟"

اس کے لہجے' آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔ صارم دم بخود رہ گیا۔

"میں سیدھا اور کھرا بندہ ہوں۔ سیدھی و کھری بات کہتا ہوں اور سننا پسند کرتا ہوں' وضاحت کرو۔ سیدھے طریقے سے کیا ہوا ہے؟"

وہ ایزی طریقے سے لیٹتا ہوا بے تاثر انداز میں گویا ہوا تھا۔

اوہ گاڈ! اپنے منہ سے کس طرح میں وہ بیہودہ بات کہہ سکتی ہوں؟ کیا کہوں؟ کس طرح بتاؤں؟ کیسے بے عزتی کا احساس لوں؟ اپنے احساسات کو اظہار گویائی کی طاقت کس طرح دوں؟

"کیا ہوا؟ مجھ پر کیا فرد جرم عائد کرنے کا پلان بنا رہی ہو؟" اسے شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر وہ چڑانے والے لہجے میں بولا۔

"تم... تمہیں میری قربت نہیں چاہیے تھی؟ تم مجھے اس قابل نہیں سمجھتے تھے تو پھر... کیوں مجھے ٹیبلٹ کھلا کر میری مدہوشی سے فائدہ اٹھایا اگر..."

"شٹ اپ' تم حد سے گزر رہی ہو۔ قبل اس کے کہ میرے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو جائے' اپنی گھٹیا و پست ذہنیت کو یہیں دفن کر دو۔"

جواباً وہ بھی گرج اٹھا تھا۔ تیزی سے گردش کرتے خون سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تم نے ہمت کیسے کی مجھے چھونے کی؟"

"رسی جل گئی' بل نہیں گیا۔ تم اس بات پر اکڑ دکھا رہی ہو' بلکہ الزام لگا رہی ہو میں نے تمہارے زخموں پر ڈریسنگ کر دی' اس لئے مجھے لوز کریکٹر سمجھ رہی ہو؟"

"کیا حق تھا آپ کو میری بے خبری میں ڈریسنگ کرنے کا؟"

"حق؟ اب سارے حق میرے پاس منتقل ہو چکے ہیں تمہارے' یہ بات کتنے دن میں از بر کرو گی تم۔ تمہارا بگڑا مزاج اور تیکھے چتون دیکھ کر تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔ مجھے تمہارے زخموں پر مرہم لگانے کے بجائے نمک چھڑکنا چاہئے تھا۔ تم کسی ہمدردی و نرمی کی مستحق نہیں ہو۔"

وہ چند لمحے اس کے چہرے کو خشمگیں نگاہوں سے گھورتا رہا۔

"کسی خوش گمانی میں نہیں رہنا۔" وہ اٹھ کر اس کے مقابل چلا آیا تھا۔ "مذہبی' معاشرتی' اخلاقی سب تقاضے نبھا کر تمہیں یہاں لایا ہوں۔ کوئی چور راستہ نہیں اپنایا ہے میں نے' جو چوری سے تمہیں حاصل کروں گا۔"

اس کے لہجے میں' آنکھوں میں نہ معلوم کیسی وحشت تھی کہ وہ نگاہ نہ اٹھا سکی۔

صارم کچھ دیر اسے گھورنے کے بعد باتھ کی طرف بڑھ گیا۔

وہ چادر میں لپٹی صوفے پر بیٹھ گئی۔

زندگی عجیب موڑ پر آ کر ساکت محسوس ہو رہی تھی' بھلا ایسی بھی کوئی زندگی جیتا ہے جسے اپنے آپ پر کوئی اختیار' کوئی مرضی کا حق نہ ہو؟

کتنی سرعت سے وقت گزرتا ہے اور انسان کو لمحوں میں کیا سے کیا بنا ڈالتا ہے۔ کل تک وہ جس شخص کی موت کی دعائیں مانگ رہی تھی' آج اسی کے نام سے منسوب اس کی خوابگاہ میں بیٹھی تھی۔

انسان جس راہ سے فرار چاہتا ہے' وہی راہ اس کے لئے وقف کر دی جاتی ہے۔ اس پر چلتے چلتے پاؤں فگار ہوں یا جسم زخم زخم ہو جائے گا' اس امر سے تقدیر کو کوئی دلچسپی و تشویش نہیں ہوتی۔

روزی خان اور اس کی بیوی نہ معلوم کیسے ہوں گے؟ شمشیر لالا نے انہیں زندہ چھوڑا بھی ہو گا یا؟ مجھے پناہ دینے کی سزا میں ابدی نیند سلا دیا ہو گا۔ کتنے مخلص و بے غرض محبت کرنے والے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لوگ ہیں وہ۔ جنہوں نے بغیر کسی لالچ و غرض کے مجھے گھر میں پناہ دی۔ بیٹی کی طرح خیال رکھا' محبت دی۔ شاید دنیا ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے قائم ہے۔ ورنہ شیطان صفت و مطلب پرست و خود غرض ریاکاروں سے جہان بھرا پڑا ہے۔

دعا سوچوں میں گم تھی' صارم کو باتھ روم سے برآمد ہوتے دیکھ کر وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ دائیں ہاتھ میں اسٹک' بائیں ہاتھ سے گیلے بالوں کو رگڑتا ہوا وہ سیٹی پر کوئی شوخ دھن گنگناتا ہوا آ کر اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

اس کے ہاتھ کا ڈن سے نکلتی کلون کی مہک نے فوراً ہی اسے احاطے میں لے لیا تھا۔ شاید کئی ہفتوں بعد اس نے شیو کیا تھا جس سے اس کا چہرہ بہت وجیہہ و تر و تازہ لگ رہا تھا۔ آنکھوں میں وہی الوہی چمک تھی' چہرے پر جیت کا نشہ' سرخی بن کر پھیلا ہوا تھا۔ سرخی مائل ہونٹوں پر چھائی مسکراہٹ میں طاقت و گھمنڈ کا احساس نمایاں تھا۔

"کیا نامحرموں کی طرح چوری چوری دیکھ رہی ہو؟ شوہر ہوں تمہارا' آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو۔" وہ ایک نمبر کا کایاں شخص تھا' اس کی نگاہ محسوس کر کے گویا ہوا۔ وہ کچھ نہیں بولی اس کی طرف سے رخ پھیر کر بیٹھ گئی۔

قفس کو آنچ پہ اور وہ بھی عمر بھر رکھنا
بڑا کمال ہے ہستی کو معتبر رکھنا ...

صارم نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے شوخی سے شعر پڑھا تھا۔

"پلیز .... میں تنہائی چاہتی ہوں۔" اس کی قربت' نگاہوں کی تپش' ہونٹوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ اسے کوفت و جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔

"تنہائی؟ اب مزید کتنی تنہائی چاہتی ہو؟ ہمارے سوا یہاں اور کون ہے؟"

"نہیں بالکل تنہائی چاہتی ہوں' تنہا رہنا چاہتی ہوں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔ میرے گھر کا یہ ماحول نہیں ہے۔ یہاں سب مل جل کر' ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک رہتے ہیں۔"

"اپنے گھر کے طور طریقے مجھے سمجھانے کی کوشش مت کریں۔" وہ ایک دم ہی بپھر کر کھڑی ہوئی اور ناگواری سے بولی۔

"کیوں...؟" اس کا مزاج بھی یکدم سرد ہوا۔

"اس گھر کے یہاں کے رہنے والوں سے مجھے کوئی دلچسپی و انسیت نہیں ہے۔ اور نہ ہی میں ان سے کوئی تعلق رکھنا چاہتی ہوں۔"

"تعلق تمہارا ان سے قائم ہو گیا ہے۔ جس ساعت تم نے میرے ساتھ تعلق بندھنے کا اقرار کیا تھا۔ اسی ساعت خود بخود مجھ سے وابستہ تعلق' تم سے منسلک ہو چکے تھے۔"

"تمہارے ساتھ تعلق میں نے کوئی دل سے نہیں قبول کیا ہے۔ جب میں اس تعلق کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تو..."

"خاموش رہو' تمہارے ساتھ گزرے مختصر سے وقت میں ہی مجھے احساس ہو گیا۔ تم نہایت بدتمیز و خود سر لڑکی ہو۔ بلکہ از حد زبان دراز و بے مروت بھی ہو۔ میرا نام بھی صارم خان آفریدی ہے۔ میں ضد بہت کم کرتا ہوں' مگر جب ضد پر اترتا ہوں تو بڑوں بڑوں کے دماغ ٹھکانے پر لگا دیتا ہوں۔ صرف چند یوم کی مہلت دے رہا ہوں تمہیں' پھر تم وہی کرو گی جو میں چاہوں گا۔" وہ پرعزم و سرد لہجے میں کہتا ہوا اٹھ کر ہال عبور کرنے لگا۔

❀❀❀

مجھے تم سے محبت ہے
ہاں تم سے ہی محبت ہے
محبت بھی ستاروں سی
گلوں سی' آبشاروں سی
صبح دم کھلتے پھولوں کی مہک جیسی
گھر و نگر پھرنے والی دیوانی تتلی سی
گلوں کی چاہ میں پھرنے والے آوارہ بھنورے سی
مجھے تم سے محبت ہے!
کنارے سے گلے ملتی ہوئی لہروں کے پانی سی
بدلتے موسموں کی خوبصورت سی روانی سی
ستاروں سی چاندنی سی
اسی پاگل چکوری سی
مجھے تم سے محبت ہے
سروں کے رقص پہ جیتے ہوئے سنگیت پریمی سی
کسی آزاد پنچھی کے پنکھوں سے اڑانوں سی
رنگیلے موسموں کے پھولوں سی اور نظاروں سی
مجھے تم سے محبت ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رم جھم پیار برساتی ساون کی بارش سی
آسمان پر رنگ بکھراتی دھنک رنگوں کے جیسی سی
کسی دلہن کے جوڑے پر سجے جھلمل ستاروں سی
کسی نازک کلائی میں چھنکتی چوڑیوں سی
مجھے تم سے محبت ہے!!

کاشانت نے شاکنگ پنک خوبصورت کڑھائی والا سوٹ زیب تن کیا تھا' ساتھ اس کے میچنگ موتیوں کا جڑاؤ نیکلس سیٹ پہننے کے بعد اس نے چہرے پر ڈارک میک اپ کیا تھا۔ اس کی چمکتی آنکھوں میں چاہت خمار بن کر چھائی ہوئی تھی۔ چہرہ مسرتوں سے سرشار دمک رہا تھا۔ ہونٹوں پر بڑی خوبصورت و آسودگی بھری مسکراہٹ تھی' اسے شمشیر خان کی زندگی میں داخل ہوئے دو دن گزر چکے تھے۔ اس کے ساتھ گزرے ہر دن کی ایک ایک ساعت اسے از حد عزیز و پیاری تھی۔

شمشیر خان.... اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد!
جس نے حیات میں گل و گلزار کھلا ڈالے تھے۔
اس کے آنے سے قبل کیا تھی زندگی....؟
"خلا...
بے رنگ....
بے نور....
سیاہ سلیٹ کی مانند' وہ بہار بن کر میری بے کیف و بے سرور زندگی میں آیا۔ رنگ' روشنی' خوشبوؤں سے میرے انگ انگ کو مہکا ڈالا تھا۔

وہ ملا ہے تو زندگی طویل تر ہونے کی دعائیں ہر لمحہ میرے ہونٹوں پر رہنے لگی ہیں۔ اس کی چاہت' اس کی رفاقت' اس کی سنگت میں مجھے محسوس ہوا' زندگی کس قدر حسین و منور ہے۔

"کیا سوچا جا رہا ہے؟ خاصی گہری سوچ ہے۔" معاً پیچھے سے آ کر شمشیر خان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر معنی خیزی سے پوچھا۔

"آپ کے علاوہ کسی اور کی طرف میری سوچ جا سکتی ہے؟"

"ہمیں کیا معلوم؟ ویسے بھی سنا ہے عورت تو وہ پہیلی ہے' جسے کوئی بوجھ نہیں پایا ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"ہمیں کسی ایک عام سی عورت ہوں' عام سی خواہشات ہیں۔ عام سی سوچیں ہیں' اور عام

سے ہی خواب ہیں میرے۔

"یہ آم اور انار کی باتیں ہم پھر کرتے رہیں گے' پہلے پیکنگ مکمل کرو فلائٹ کا ٹائم ہونے والا ہے۔" اس کا بازو چھوڑ کر وہ قطعیت بھرے انداز میں گویا ہوا۔

"پیکنگ میں نے کر لی ہے' اور تیار بھی ہو گئی ہوں' اگر... آپ اجازت دیں تو میں انکل اور آپا فرحت سے مل آؤں۔" اس نے جھجکتے ہوئے منت بھرے لہجے میں اس سے کہا۔

"اگر تمہارا دل ان سے ملنے کو چاہ رہا ہے تو تم جا سکتی ہو۔" خلاف امید اس نے اجازت دے دی تو خوشی سے جھوم اٹھی۔

"آپ... آپ ناراض تو نہیں ہیں؟"

"ارے نہیں بھئی' تم تو میری جان ہو۔ اور اپنی جان سے ناراض ہو کر کیا جان سے ہاتھ دھونے ہیں۔" شمشیر خان گویا یکدم ہی بدل کر رہ گیا تھا۔

شمشیر خان کے حکم پر سکندر خان اسے انکل کے گھر لے آیا تھا۔ کیوں کہ اس سے نکاح کے بعد وہ اسے اپنے ڈیرے پر لے گیا تھا۔

"آپا... آپا۔" گھر میں پھیلے سناٹوں میں اس کی آواز گونج اٹھی۔

اندر کمرے سے وہ برآمد ہوئی تھیں۔ ان کی متورم آنکھیں' حنا ہوا چہرہ اس بات کی گواہی تھا کہ وہ گزشتہ دو دن سے روتی رہی ہیں۔

اسے سامنے دیکھ کر وہ خود پر قابو نہ پا سکیں۔ ساری ناراضگی' کدورت' بدگمانی آنسوؤں میں بہہ گئی۔ کافی دیر اسے سینے سے لگائے کھڑی رہیں۔

"آپا! آپ تو اس قدر جذباتی ہو رہی ہیں جیسے میں دو دن بعد نہیں' دو صدی بعد آپ سے مل رہی ہوں۔" وہ جو مسرتوں کے بحر بیکراں میں ان دونوں غرق تھی ان کی محبتیں' ان کی جدائی کو قطعی محسوس نہ کر سکی تھی۔

"مجھے تو ایسا ہی لگا ہے۔ جیسے آپ سے بچھڑے صدیاں گزر گئی ہوں۔"

"انکل کہاں ہیں؟"

"وہ تو جمعے پرسوں سے ہی گھر میں نہیں آئے' مسجد میں رہ رہے ہیں۔ میں بھی کل صبح کی گاڑی سے چلی جاؤں گی۔ کراچی جا کر کہیں ملازمت تلاش کروں گی... اس طرح کیسے زندگی گزر سکتی ہے؟"

"آپ کیوں جا رہی ہیں آپا؟ یہاں رہیے آپ کو ملازمت کی کیا ضرورت ہے؟ انکل کو زمینوں سے اچھی آمدنی ہو جاتی ہے۔ آپ آرام سے رہ سکتی ہیں یہاں پر۔ انکل کو ہر کام وقت پر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تیار مل جائے گا" آپ کو گھر اور ملازمت دونوں۔ کیوں یہاں سے جا رہی ہیں؟"

وہ ان کے برابر بیٹھی ہوئی حیرانگی سے استفسار کرنے لگی۔

"آپ یہاں موجود تھیں تو بات دوسری تھی۔ میں تنہا کس طرح بھائی حیات کے ساتھ رہ سکتی ہوں؟ لوگوں نے اچھے' نیک لوگوں کو نہیں چھوڑا' بہتان تراشی سے۔ پھر بھلا ہم تو گناہ گار بندے ہیں۔ بے شک ہمارے دل صاف ہیں' لیکن لوگ اپنی نظر اور اپنی فطرت کے مطابق دیکھنے اور سوچنے کے عادی ہیں۔ ہم بہن بھائی کے پاک و صاف رشتے کو وہ اپنی آلودہ زبانوں و گندی نگاہوں سے بے اعتبار کر ڈالیں گے۔ جو مجھے قطعی منظور نہیں۔ بھائی حیات بھی اسی وجہ سے گھر میں نہیں آئے ہیں۔"

"اچھا... کراچی جا کر ایڈریس بھیجیے گا۔ میں اور شمشیر آج ہنی مون کے لئے یورپ جا رہے ہیں۔ میں نے سوچا چل کر آ جاؤں' شاید انکل کا غصہ اتر چکا ہو۔"

فرحت آپا نے اس کے چہرے پر ملامت آمیز نگاہ ڈالی جو وہ کر کے گئی تھی۔

اسے ذرا رتی بھر بھی اپنے طرز عمل پر ندامت یا ملال تک نہ تھا۔

حیات خان کی محبت' اعتماد اور عزت و غیرت سب اپنی آرزوؤں کے قدموں تلے روندھ کر چلی گئی تھی۔ شمشیر خان اس کا اقرار سنتے ہی چار آدمی اور نکاح خواں کو لے کر آ گیا تھا اور گھنٹے بھر میں وہ ہنستی مسکراتی اس کے سنگ روانہ ہو گئی تھی۔ اس سے چند دنوں کی ملاقاتیں ان کے سالوں کی محبت پر حاوی ہو گئی تھیں۔ شمشیر خان کی چاہ میں وہ سب فراموش کر بیٹھی تھی۔

حیات خان کو ایک گہری چپ لگ گئی تھی۔ اس کا باغی رویہ اور ہٹ دھرمی دیکھ کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے کہ بچے ہتے دریا پر بند باندھنا حماقت تھی۔ مرحوم بھائی کی محبت تھی' خیال تھا کہ اس کی من مانی کے باوجود انہوں نے اس پر گھر کے دروازے بند نہیں کئے تھے۔ اس سے رشتہ قائم رکھا تھا۔

کائنات دونوں اس کی پرجوش بھرپور محبت کی چھاؤں میں مگن' اس کی قربت' اس کے پیار کے ہر ہر انداز کو انمول موتیوں کو سمیٹتی رہی۔

اپنی خوش بختی' اپنی محبت پر مسرور و شاداں ہوتی رہی کہ ان انوکھے و رنگ بھرے دنوں میں کسی تیسرے فرد کے متعلق سوچنے کا وقت ہی نہ تھا۔

ادھر انہوں نے ہر لمحہ اسے بھی خوشیاں ملنے' سدا سہاگن رہنے کی اس کے لئے دعائیں مانگی تھیں۔ اس کی یاد میں اشک بے اختیار ہی آنکھوں سے چھلکنے لگتے۔ وہ آج آئی تھی' بالکل ہی اجنبیت و بیگانگی بھرے انداز میں۔

"آپ بے فکر ہو کر جائیے گا۔ بھائی صاحب کا غصہ اتر جائے گا۔ انگلی سے ناخن کبھی جدا نہیں ہوتے' وقتی طور پر رویوں میں تبدیلی آ جاتی ہے۔"

"ہاں۔ میں نے بھی سوچا تھا۔" اس نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔

"خان نے اپنے گھر والوں سے آپ کو ملوایا؟ وہاں لے کر گئے وہ آپ کو؟"

"ابھی نہیں' ہنی مون ٹرپ سے واپسی آ کر وہ مجھے اپنے گھر والوں سے ملوائیں گے۔ ابھی وہ کوئی بدمزگی نہیں چاہتے۔"

"بھائی صاحب کو خان کی یہی بات ناگوار گزری ہے۔ پورے قبیلے کے سردار کا بیٹا اپنے چار ملازموں کے ساتھ آ کر آپ کو نکاح کر کے لے گیا۔ اس کی حویلی میں کیا رشتوں کی کمی تھی؟ پھر منع بھی ہمیں کر دیا کہ باہر کسی کو معلوم نہ ہو۔ بس ان کے اس مشکوک طرز عمل سے بھائی صاحب کے علاوہ میرا دل بھی ڈرتا ہے۔ کہیں کوئی نیت میں کھوٹ ہی نہ ہو۔" آخر کار انہوں نے وہ بات کہہ ڈالی جس کا انہیں ڈر تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے آپا! وہ شادی جلدی کرنا چاہ رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے گھر والوں کو بھی آگاہ نہیں کیا' واپسی میں آ کر سب درست کر لیں گے۔ آپ فکرمند مت ہوں' وہ مجھ سے دھوکہ نہیں کریں گے۔ وہ ایسے نہیں ہیں اگر انہیں مجھ سے دھوکہ کرنا ہوتا' تو میرے حوالے اپنا تمام بینک اکاؤنٹ نہ کرتے۔" کائنات نے ہنستے ہوئے پراعتماد لہجے میں تسلی دی تھی۔

"رب کرے ایسا ہی ہو۔ آپ ہمیشہ سکھی و آباد رہو۔"

"میں چلتی ہوں آپا!"

"ارے ایسے ہی نہیں جانے دوں گی۔ ابھی چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"نہیں آپا! دیر ہو رہی ہے۔"

"ابھی لانی دیر نہیں ہو گی۔" وہ پھرتی سے کچن کی جانب بڑھی تھیں۔

❁ ❁ ❁

"دلہن بی بی! آپ کیا کھاؤ گی رات کھانے میں' بی بی جان کا حکم ہے۔ آپ جو بولیں گی وہ پکا دوں گی۔"

ورشا بال بنا رہی تھی' ملازمہ نے آ کر دریافت کیا۔

"کچھ نہیں۔"

"ایسا کب تک چلے گا دلہن بی بی! آپ کچھ کھاتی نہیں ہو۔ بی بی جان کو بہت فکر رہتی ہے آپ کی طرف سے۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اپنی بی بی جان کو بولو اپنی فکر و ہمدردی اپنے پاس رکھیں۔ مجھے ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ یہاں سے۔" اس نے خاصی بدمزاجی و چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔ ملازمہ جو مزید اصرار کرنے کا ارادہ رکھتی تھی' اس کے بگڑے تیور دیکھ کر خاموشی سے پلٹ گئی۔ وہ خاموشی سے بال سلجھاتی رہی۔

گزشتہ چار روز سے اس کے یہاں ناز نخرے اٹھائے جا رہے تھے کہ کبھی اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ اتنی معتبر عزیز بھی جائے گی۔

لیکن بعض اوقات وقت سیدھی چال چلتا ہے تو بندہ اس کی مخالف سمت چلنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ جن حالات میں اور جس طرح یہاں لائی گئی تھی' اس کے دل میں صارم کی طرف سے بدگمانی و بے اعتمادی کا بیج پہلے سے ہی موجود تھا۔ جواب بڑھتے بڑھتے گھنے درخت کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس کو بھی غلط فہمی و غلط گمانی ابھی بھی تھی کہ صارم نے اسے اغوا کروایا' اس کی وجہ سے وہ گھر بدر ہوئی اور اسی کی وجہ سے گھر والوں کی نگاہوں میں غیر معتبر ٹھہرائی گئی تھی اور گھر سے کسی ناگوار بوجھ کی طرح پھینکی گئی تھی۔ جس شخص کی طرف سے دل بدگمان و بداعتمادی کا شکار ہو جائے پھر اس کے حوالے سے ہر شے زیر عتاب آ جاتی ہے۔ کتنی پرخلوص مروتیں' پراثر احسان جتائیں بھی دل کے شیشے پر چھائے اس کثیف غبار کو صاف نہیں کر سکتیں۔

یہی اس کے ساتھ ہو رہا تھا۔ صارم کی ذات اور اس کی ذات کے حوالے سے ملنے والے کسی رشتے' پیار' مروت' لحاظ کسی کو بھی کوئی اہمیت دینے کو تیار نہ تھی۔ ان کی تمام محبت' اپنائیت اسے دھوکہ و بناوٹ لگتی تھی۔ جبکہ وہ اتنے اعلیٰ ظرف و کشادہ دل لوگ تھے کہ اس کی پیشانی پر بڑی ناگواری کی شکنیں' لبوں پر خاموشی کے قفل' ہر انداز و جنبش سے عیاں ہونے والی نفرت و سرد مہری کو نظر انداز کر کے اپنی محبت و پیار کے سائے اس پر نثار رہے تھے۔

علاوہ ازیں وجود کے جو اس کی جھلک دیکھنے کے روادار نہ تھے۔

بڑی بھابی' جو اس کی موجودگی میں کمرے میں قدم رکھنا پسند نہیں کرتی تھیں۔

زرگون خانم کو کہ اس کے تعاقب میں رہا کرتی تھی مگر اس نے محسوس کیا تھا کہ اسے بہت محسوس انداز میں اس سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا۔ البتہ اس کی چیختی چلاتی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکراتی رہتی تھی۔

لیکن اس نے کمال بے اعتنائی سے کبھی غور کرنا گوارہ نہیں کیا تھا۔

زخم اس کے ٹھیک ہو گئے تھے۔ اس شب کے بعد سے صارم نے دوبارہ ڈریسنگ کرنے کی کوشش نہ کی تھی اور نہ ہی اس نے اسے موقع دیا تھا۔

آج کل ویسے بھی ان کے درمیان خاموشی و سرد مہری کی دیوار حائل تھی۔

ورشا کی زبان درازی و گھر والوں سے بیگانہ و تلخ رویے نے اس کو ہرٹ کیا تھا۔

ابھی بھی ملازمہ سے اس کی گفتگو سن کر اسے سخت طیش آیا تھا۔

ملازمہ سے اس نے کہہ دیا تھا بی بی جان سے کہہ دیں جو کھانا بنے گا وہ کھانے لگی۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کا مزاج از حد بگڑا ہوا تھا۔

وہ ایک باضمیر اور روشن خیال مرد تھا۔ اس کا مزاج' تیور' گستاخ لب و لہجہ یہ سوچ کر درگزر کرتا رہا تھا کہ خود بھی اس اچانک در آنے والی تبدیلی حیات کو وہ قبول نہ کر سکا تھا' دو ماہ کے عرصے میں یکے بعد دیگر حادثات اس کی زندگی میں ہوئے تھے۔

سریز سے جدائی....

ورشا سے ملن.....

دونوں باتیں ہی ایسی تھیں کہ وہ شش و پنج میں پھنس کر رہ گیا۔

لیکن اس وقت ورشا کے لہجے میں بی بی جان کے لئے جو تحقیر و گستاخی تھی' اس نے اس کے سراپا میں انگارے سے دہکا دیئے تھے۔

"ادھر آؤ۔" صارم نے بیڈ پر دراز ہو کر اسے پکارا' جو اس کی کمر کے میں موجودگی نظر انداز کئے بالوں میں کلپ لگا رہی تھی۔

"سنا نہیں تم نے؟" اس کی غراہٹ سن کر وہ چونکی تھی۔ لیکن نہ کوئی جواب دیا اور نہ ہی اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

"ورشا! مجھے وحشی بننے پر مجبور مت کرو۔ ورنہ پناہ مانگو گی۔"

"حیرت ہے! آپ ابھی بھی خود کو انسان سمجھتے ہیں؟"

"حیرت نہیں مجھے فخر ہے۔ میرے اندر ابھی انسانیت اور انسان زندہ ہے۔"

"ہونہہ....." ورشا کی بات دھڑی نے اسے سلگا ڈالا' وہ خونخوار نگاہوں سے اسے گھورنے لگا۔ اور شاید اس کی نگاہوں کی تپش اسے کچھ باور کرا گئی۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر بیڈ سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہو گئی تھی۔

"شوز اتارو میرے۔" اس نے آنکھیں بند کر کے بڑے رعب سے حکم دیا تھا۔

"میں... میں؟"

"ہاں... تم! جلدی کرو۔"

"سوری' میں ایسا کام نہیں کروں گی۔" وہ قطعیت سے جھلا کر بولی۔

"تم کرو گی' اور ضرور کرو گی' تم ہو کیا؟ خود کو سمجھتی کیا ہو؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"میں کچھ بھی ہوں مگر کنیز نہیں ہوں آپ کی۔"

"کنیز ہو تم! سونے اور رنگین نوٹوں کے عوض خریدی ہوئی ملازمہ' میرے بیڈوں کی شرافت و عزت نے تمہیں ایک معتبر رشتہ دے ڈالا ہے۔ ورنہ تمہارا گھٹیا اور ذلیل خاندان منٹیوں کی دلالی کرتا ہے۔"

"صارم... خان!"

"شٹ اپ' میں نے تمہیں پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ... میری نگاہوں میں تمہاری کوئی وقعت و اہمیت نہیں رہی ہے۔ آئندہ سوچ سمجھ کر میرے اور دوسرے لوگوں کے متعلق منہ سے الفاظ نکالنا' خصوصاً اپنی بی جان اور بابا جانی کی شان میں کوئی نازیبا لفظ کہنے سے پہلے ہزار بار سوچ لینا۔"

اس کے منہ سے لفظ نہیں گولیاں نکل رہی تھیں۔

اس سے اس کی نگاہوں میں کس قدر نفرت و تحقیر تھی۔

بھرپور بیگانگی و بے تعلقی' جیسے وہ کوئی انسان نہیں' خریدی ہوئی بے زبان بکری ہو؟ بلکہ اس سے بھی حقارت و تحقیر سے۔

جسے وہ جب چاہے ایک ٹھوکر مار کر دور پھینک دے۔

پہلی بار اسے اپنی بے بضاعتی و بے حیثیت ہونے کا احساس ہوا۔ وہ بت بنی کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔

اور نہ معلوم وہ کب تک زبان کی دھار سے اس کی روح پر زخم لگاتا رہتا کہ معاً انٹر کام کی بیل نے اس کی زبان کو بریک لگائے تھے۔

"امید ہے تمہارے دماغ نے کام کرنا شروع کر دیا ہوگا؟"

وہ خشمگیں نگاہوں سے دیکھتا ہوا سرد لہجے میں کہتا اسٹک کے سہارے کمرے سے نکل گیا۔

وہ جو اتنی دیر سے صبر و ضبط کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ اس کے جاتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

درست کہا ہے کسی سیانے نے کہ ہاتھ کی مار کے گھاؤ بھر جاتے ہیں' مگر زبان سے لگنے والے زخم تاحیات رستے ہیں۔

صارم کے بے رحم' سفاک و سنگدل لفظوں نے لمحے بھر میں اس کے اندر کے عزم و حوصلوں کو پانی میں نمک کی طرح بہا ڈالا تھا۔

بھلا اس کی کیا حیثیت تھی؟

جو وہ اس کے انتقام لیتی۔ اس کے اپنوں نے اسے بے زبان جانور کی طرح فروخت کر

کے اس کی انا' خودداری' عزت نفس کا احساس سب کچھ ہی تو فنا کر ڈالا تھا۔

اب وہ کیا تھی؟

زر خرید لونڈی!

خدمت گزار کنیز!

چلتا پھرتا مجسمہ!

جس کا کام صرف اور صرف آقا کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے۔

ہر احساس سے بے بہرہ مالک کے حکم کی تعمیل کرنا ہوتا ہے۔

کون کہتا ہے؟ عورت کی تجارت بند ہو گئی ہے۔

عورت ہر دور میں فروخت ہوتی ہے۔

کہیں رشتوں کو قائم رکھنے کے بھرم کے لئے۔

تو کبھی محبتوں کے فریب میں پھنس کر۔

یا پھر اس طرح کہ اپنی پرورش سود سمیت وصول کرتے ہیں۔

حوا کی بیٹی کو نہ معلوم کب امان ملے گی؟"

❁❁❁

کیا کہہ رہے تھے تمہارے دوست؟" وہ جو کراچی سے باسط اور آفتاب کی کال سن کر ابھی بیٹھا تھا' انہیں اس نے فرضی حادثہ بتایا تھا کہ اس میں سبریز خان کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے شادی نہ ہو سکی۔

انہیں بھی اس خبر نے ساکت کر دیا تھا۔ جبکہ اس کے اندر از سر نو سبریز خان کی جدائی کا درد بیدار ہو چکا تھا۔ اس کی یاد کی شدت کو وہ مشکل سے کم کر پایا تھا۔ وہی بیقراری پھر جاگ اٹھی تھی۔

اور وہ بے کل سا بیٹھا سوچ رہا تھا کہ بابا جانی کی آواز اسے سوچوں کے صحرا سے کھینچ لائی۔

"سبریز کی شادی کی مبارکباد دے رہے تھے۔" اس نے کرب سے آنکھیں بند کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"تم نے اپنی شادی کی مبارکباد وصول نہیں کی؟" دل تو ان کا بھی اندر سے رو اٹھا تھا مگر ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی انہوں نے برداشت و حوصلہ مندی سے کام لیا۔

"پلیز بابا جانی! میں بہت ڈسٹرب ہوں اس وقت۔"

"کیوں؟ کیا ہوا ہے؟" ان کی نگاہوں میں فکر مندی جھلکنے لگی۔

"کچھ نہیں۔ بابا جانی کچھ بھی نہیں۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"میں نے انتظام کر دیا ہے۔ تم کچھ عرصے کے لئے دلہن کو لے کر کہیں پرسکون جگہ گھوم پھر آؤ۔ اس طرح تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔ دونوں ساتھ رہو گے تو تنہائی میں ایک دوسرے کو سمجھنے کا بہترین موقع ملے گا۔ ہم چاہتے ہیں' ہماری چھوٹی بہو کو کوئی تکلیف و پریشانی نہ ہو۔ وہ ہمیں بہت عزیز ہے۔ بہت پیاری ہے۔"

"آپ اپنی بے لوث و بے غرض محبتیں اس طرح مت کسی پر لٹایا کریں۔ ہر کوئی اس قابل نہیں ہوتا۔" صارم کی نگاہوں میں درشتا کا روپ گھوم گیا۔ ابھی تو وہ اسے بے نقط سنا کر آیا تھا۔ جس کا اسے کوئی ملال و افسوس بھی نہ تھا۔

"کون کس قابل ہے؟ یہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں بچے؟ کل تمہارا پلاسٹر کھل جائے گا۔ اسی ہفتے سے تم جانے کی تیاری کر لینا۔ زرین گل بتا رہی تھی۔ وہ کچھ کھا پی نہیں رہی ہے۔"

"وہ کچھ کھا پی نہیں رہی تو زندہ کس طرح ہے اب تک؟" انہیں متفکر و پریشان دیکھ کر وہ بے ساختہ مسکرا کر بولا تھا۔

"مذاق میں مت ٹالو بات کو خان! اگر ایسی بات ہے تو یہ ہمارے لئے شرم و ذلت کا مقام ہے کہ ہم پیٹ بھر کر سوئیں اور وہ بچی جو پہلے ہی غموں سے نڈھال ہے اور اپنوں کی غلطیوں کا خمیازہ بھگت رہی ہے' اسے مزید بھوک کی آزمائش سے بھی گزرنا پڑے۔"

"بابا جانی! اس پر یہاں کوئی ظلم نہیں کر رہا' نہ ہی بھوکا اسے رکھا جا رہا ہے۔ وہ خود ہی ایسا بچگانی بھرا رویہ اختیار کئے ہوئے ہے' تو ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔" وہ جو اس کے رویے سے پہلے ہی تپا ہوا تھا' اب ان کو بھی اس کی طرفداری کرتے دیکھ کر بری طرح کھول اٹھا تھا۔

اس کے اس انداز کو انہوں نے بغور دیکھا پھر مبہم سا مسکرا کر گویا ہوئے۔

"صارم خان! عورت کانچ سے بھی زیادہ نازک و حساس ہے۔ اور پتھر سے زیادہ سخت و بے مہر بھی۔ یہ مرد کا کام ہوتا ہے کہ وہ اسے کس انداز میں سنوارتا ہے۔"

"مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں ابھی اس کے متعلق کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا۔ میں بکھر کر رہ گیا ہوں۔" اس کے لہجے میں عجیب جھنجلاہٹ و بے چارگی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ تم کیا بول رہے ہو بچے؟"

بابا جانی نے بہت باریک بینی سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ لائٹ اسکائی کلر شلوار سوٹ پر ہم رنگ واسکٹ میں ملبوس' براؤن گھنے بالوں کو سلیقے سے سنوارے' وجیہہ چہرے پر تازگی تھی۔ لیکن اس کی جیتی آنکھوں میں ہر دم موجود رہنے والی وہ چمک جو اسے سب سے منفرد بناتی تھی' ہونٹوں پر چھائی رہنے والی شوخ مسکراہٹ غائب تھی۔ وہ جو اپنی باتوں اور حرکتوں سے روتے ہوئے لوگوں

کو ہنسا دیتا تھا۔ آج خود ان چہروں کی نمائندگی کر رہا تھا جن سے اسے چڑ رہی تھی۔

"صارم! میرے بچے! کیا میرے فیصلے نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا ہے؟ تم اس فیصلے سے خوش نہیں ہو؟" ان کے لہجے میں لرزش تھی۔

"اب... اس سوال کا جواز کیا ہے؟"

"یعنی' ہمارا فیصلہ غلط تھا۔ ہم نے اپنی خود غرضی میں تمہارا مستقبل خراب کر دیا۔"

"خود غرضی؟ کیا مطلب بابا جانی؟" وہ چونک کر گویا ہوا۔

"کچھ نہیں' پہلے ہماری بہو کو اس گھر سے دور باہر کی دنیا دکھا کر لاؤ' پھر فرصت سے تم سے بات کریں گے۔" بروقت انہوں نے خود کو سنبھالا تھا۔

"میں کہیں بھی جانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ آپ پروگرام کینسل کر دیں۔"

"تم نے سوچ لیا ہے کہ ہماری ہر بات سے اختلاف کرو گے؟"

اس بار وہ پرتپش و پررعب لہجے میں مخاطب ہوئے تھے۔

"اگر میں ایسا نافرمان ہوتا تو آپ میری زندگی کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔"

"پھر بات کیوں نہیں مان رہے ہو؟"

"میں کراچی جانا چاہتا ہوں' اور وہیں بزنس اسٹیبلش کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس سارے سیٹ اپ کے لئے مجھے انتھک محنت اور وقت کی ضرورت ہے۔ اور جب تک میں بزنس اسٹارٹ نہیں کرتا تب تک آپ مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔"

❁ ❁ ❁

"کب تک پلنگ توڑو گی؟ مہارانی' اٹھ کر اب ہانڈی چولہے کی فکر کرو۔ نوکروں نے پوری حویلی کا بیڑہ غرق کر دیا ہے۔ بس ختم کرو اپنے ڈرامے' بہت ہو گئی' وہ سردار تو دفع ہو گئی' کب تک اس کی وجہ سے بیٹھ کر روٹیاں ٹھونسو گی؟"

صبح گل جاناں کو من پسند ناشتہ نہیں ملا تو وہ غصے سے بل کھاتی خانم گل کے پاس جا پہنچی کہ گھر کے کاموں کی ذمے داری انہوں نے اٹھائی ہوئی تھی۔

پھر درشتا کی وجہ سے وہ بیمار ہو کر بستر پر پڑ گئی تھیں۔

حکاویہ ان کی تیمارداری میں مصروف رہتی اور اس طرح ملازماؤں پر نظر رکھنے والی کوئی نہ رہی تو وہ اپنی مرضی سے سیاہ و سفید کرنے لگیں۔

"خبردار' جو میری معصوم اور بے قصور بچی کو کسی غلط نام سے پکارا۔" گل خانم کے لہجے میں زخمی شیرنی جیسی للکار تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اوہ... ہو آج سورج کس سمت سے نکلا ہے؟ یا بیٹی کے دکھ میں تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ جو اس لہجے میں مجھ سے بات کر رہی ہو۔" گل جاناں چند لمحات ان کے انداز پر ششدر رہنے کے بعد تیز لہجے میں بولیں۔

"دماغ تو میرا اب درست ہوا ہے گل جاناں' بہت عرصہ میں بیٹیاں پیدا کرنے کے جرم کی سزا بھگت چکی ہوں۔ وہ عمل جو میرے اختیار سے باہر تھا' جس کو سرانجام دینے کے لئے میں بے بس و لاچار تھی۔ اس بے بسی و بے کسی کی بہت سزائیں کاٹ چکی ہوں۔ میری بیٹیاں بھی برداشت کر چکی ہیں۔ اب تمہارے ظلم و ستم کا بازار تباہ کر دوں گی۔"

ان کی تیز و تلخ آواز نے گل جاناں کے چھکے لگا دیئے تھے۔

"تم... سچ مچ پاگل ہو گئی ہو۔ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا' اوقات بھول گئی ہو تم اپنی ہو میرے آگے بول رہی ہو۔"

"اوقات...؟ ہونہہ' اوقات تو میں تمہیں یاد دلاؤں گی تمہاری۔"

"ادے! کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہو گیا ہے آپ کو آج؟"

سخاویہ جو خاموشی و حیرانگی سے ماں کا نیا روپ دیکھ رہی تھی' بات بڑھتے دیکھ کر گھبرا کر ان سے مخاطب ہوئی تھی۔

"قتل شمشیر خان نے کیا اور قصاص میں میری بیٹی کو دیا گیا' پھر اس پر گھٹیا الزام لگایا گیا کہ وہ گھر سے فرار ہوئی ہے' گل جاناں! اللہ کے قہر سے ڈر' اس کے غضب سے خوف کھا' کیوں اپنی سیاہ کاریوں سے اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کر رہی ہے؟ ابھی بھی وقت ہے' توبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ قبل اس کے کہ توبہ کا وقت گزر جائے' معافی مانگنے سے معافی نہ ملے۔ توبہ کر لے اللہ سے۔ گناہوں کی معافی طلب کر لے۔ سانس کی نازک ڈوری نہ معلوم کب ٹوٹ جائے؟ کس وقت قضا آ کر دبوچ لے؟ بس مال و زر رشتے ناتے انسان یہیں چھوڑ جاتا ہے۔ کچھ بھی ساتھ نہیں جاتا' ماسوائے اعمال کے' پھر کیوں دامن کو گناہوں سے بھر رہی ہے؟"

گل خانم زیادہ دیر اپنی فطرت پر قابو نہ پا سکیں۔ چند لمحوں بعد ہی اسے خیر کا پیغام دینے لگیں' لیکن جو لوگ خود کو سنوارنے کی خواہش نہیں رکھتے' ان پر کسی کی اچھی باتیں' حق و صداقت کی روشنی بھی ان کا نفس اجلا نہیں کرتی۔ گل جاناں کی حریصانہ و لالچی طبیعت نے ان کی کسی بات پر کان نہ دھرا تھا۔ بلکہ وہ گل خانم کو آج پہلی مرتبہ اپنے مقابل دیکھ کر غم و غصے سے بپھر اٹھی تھیں۔

"خوب سمجھتی ہوں میں تجھ جیسی چالاک و مکار عورت کی چالاکیاں و مکاریاں' مگر میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں' اگر میری راہ میں آنے کی کوشش کی تو۔" وہ غصے سے اکڑتی بل کھاتی وہاں سے

چلی گئیں۔

"ادے! یہ کیا کیا آپ نے؟ جانتی ہیں چھوٹی ادے کا دماغ کیسا ہے؟" ان کے جانے کے بعد سخاویہ نے پریشان لہجے میں کہا۔

"ذرومت' یہ ہماری ہی غلطی ہوتی ہے جو ہم ایسے بے ضمیر و بے ایمان لوگوں کو سر پر چڑھاتے ہیں جو درحقیقت پاؤں کے قریب بٹھانے کے قابل بھی نہیں ہوتے لیکن میں اب کوئی ایسا سمجھوتہ نہیں کروں گی۔ جس سے میری یا میری بیٹیوں کی حق تلفی و خودداری پر حرف آئے۔"

❁❁❁

آج عجیب سی بات ہوئی
تمہاری بے رخی سے
نہ جانے میں نے اپنے
آنسوؤں کے سچے موتی
اپنے آنچل کے پلو سے باندھے
نہ جانے صدیوں سے
بے خواب آنکھوں نے
تم سے کوئی شکوہ کیا
آج بس یوں لگا
میرا اپنا آپ
کہیں کھو گیا ہے
آس پاس دور تک
صرف اور صرف
گمبھیر لامحدود
اور گہرا سناٹا ہے

رات کا گہرا سناٹا ماحول پر طاری ہو چکا تھا۔

جب وہ کمرے میں داخل ہوا گمبھیر خاموشی و نیم اندھیرے نے اس کا سواگت کیا تھا۔ اس نے شوز سائیڈ میں اتارے اور ارد گرد نگاہ ڈالے بغیر ڈریسنگ روم کی سمت بڑھ گیا۔ وہاں سے نائٹ سوٹ میں برآمد ہوا تھا۔ کمرے کی پراسرار سی خاموشی نے اسے کچھ گڑبڑ کا احساس دلایا تھا۔ آگے بڑھ کر اس نے کھٹ کھٹ کئی بٹنز آن کئے اور یکلخت کمرہ تیز دودھیائی روشنیوں سے جگمگا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اٹھا۔ اس نے سراسیمگی سے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔

ہر شے سلیقے سے اپنی جگہ موجود تھی۔ بیڈ پر موجود پنک بیڈ کور بے شکن تھا۔

پھر وہ کہاں تھی؟

اس کے اندر کچھ "خطرے" کی گھنٹی بجنے لگی۔

ڈریسنگ روم' باتھ روم اور بیڈ روم اس نے ہر جگہ اسے دیکھ ڈالا۔ مگر وہ کہیں نہیں تھی۔ وال کلاک کی سوئیاں بارہ کے ہندسے پر ہم آغوش تھیں۔ اس کی فراخ پیشانی پر شکنوں کا جال پھیل گیا۔ اضطرابی انداز میں اس نے کئی چکر کمرے کے لگا ڈالے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہاں گئی؟ اور کہاں جا سکتی ہے؟ معاً دبی دبی سسکیوں کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اور وہ چونک اٹھا۔ سسکیوں کے تعاقب میں اس کی نگاہ بیڈ کے عقب میں جا کر رک گئی۔

بے ساختہ اس کے لبوں سے تشکرانہ طویل سانس خارج ہوئی تھی' وہ چلتا ہوا اس طرف آ گیا جو بیڈ اور دیوار کے فاصلے کے درمیان چند فٹ کے فاصلے کی وجہ سے روپوش ہونے کے لئے بہترین جگہ تھی۔ بیلے گارمنٹ سائیڈ لائٹ اور ہیوی ہونے کی وجہ سے بندہ آرام سے چھپ سکتا تھا۔ بے خبری میں کوئی بھی اسے ڈھونڈ نہ پاتا' وہ بے آواز چلتا ہوا اس کے قریب آ کر رک گیا۔

اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر لمحے بھر کو اس کے اندر کے اچھے نرم خو انسانیت سے پیار کرنے والے اخلاقیات کا جھنڈا بلند رکھنے والے صارم کا دل پسیج گیا۔

اس کے دل پر ملال و شرمندگی کے بادل چھا گئے۔

معاملہ جو بھی رہا ہو.... وہ اپنا ذاتی افتخار' انا و خودداری سب گنوا کر آئی تھی۔ یہ.... وہ جان جاناں تھی' جس نے پہلی بار محبت کا امرت اسے چکھایا تھا۔

جس کی چاہ میں۔

جس کی طلب میں۔

وہ پروانوں کی طرح راتوں کو بھسم ہوا کرتا تھا۔

جس کی ایک نظر التفات کی خاطر۔

جس بلا خیز کی ایک جھلک کی خاطر.....

دیوانوں کی طرح سر گرداں رہا کرتا تھا۔

بے شک اب بن مانگی دعا کی طرح وہ اسے ملی تو.....

وہ خطا..... اور خطا' عظیم نے ملامت کی' حواس بھی ذرا ٹھکانے لگے تو اسے اپنے کہے کے

جملوں کی کاٹ و بے رحمی کا احساس جاگا تو لہجے میں نرمی و حلاوت خود بخود ہی پیدا ہو گئی۔ خاصی آہستگی سے اس نے اسے پکارا تھا۔

لیکن اس کے کئی بار پکارنے پر بھی اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اسی طرح گھٹنوں میں چہرہ چھپائے روتی رہی تھی۔ دھیرے دھیرے ہلتا وجود اس امر کی شہادت تھا کہ وہ دبے سے رو رہی ہے۔

"بات سنو' یہ کیا حرکت ہے؟ یہاں چھپ کر بیٹھ گئی ہو میں پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہا ہوں تمہیں۔" اسے چہرہ اوپر کرتے دیکھ کر گویا ہوا۔

"کیوں ڈھونڈنے کی کوشش کی؟ بلکہ زحمت اٹھائی؟ حکم دیا ہوتا' کنیز ہوں آپ کی' زر خرید لونڈی ہوں' آپ کے اشارے پر حاضر ہوتی۔" اس کے لہجے میں وہی تفکر و کاٹ تھی۔

صارم اسے تاسف بھری نگاہوں سے دیکھ کر رہ گیا۔

"تم کیوں اپنے لئے نجات کی تمام راہیں مسدود کر رہی ہو؟ کیوں اپنی بدزبانی سے مجھ پر ثابت کر رہی ہو کہ میرا جو رویہ تمہارے ساتھ روا ہے وہ حق بجانب' تمہارے شایان شان ہے۔" اس کا موڈ بگڑنے لگا۔

"میں نے کیا گستاخی کر دی؟" وہ آنسو صاف کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم..... مجھے گستاخی کرنے پر مجبور کر رہی ہو۔" یکلخت اس کا انداز بدلا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اسے اس نے ہاتھ پکڑ کر خود سے قریب کر لیا۔

ورشا ایک دم ہی بوکھلا اٹھی۔

اس کی آنکھوں میں امڈتے خمار آلود جذبات کی سرخیاں۔

اس کے سرد ہاتھوں پر رکھے اس کے گرم و مضبوط ہاتھوں کا لمس۔

وہ لمحے بھر میں تمام تیزی و طراری بھول گئی۔ دل کی دھڑکنیں بے قابو ہونے لگی تھیں۔

"پلیز' اس وقت آنچل نہ چھیڑو مجھ سے' میں بہت بکھرا ہوا ہوں' ریزہ ریزہ ہو رہا ہوں۔ اپنی گداز بانہوں میں سمیٹ لو مجھے۔"

اسے دائیں بازو کے گھیرے میں لے کر جذباتی لہجے میں گویا ہوا۔

اس سرد موسم میں بھی ورشا کے مارے گھبراہٹ کے پسینے بہہ نکلے۔ بالکل عجیب و انوکھی کیفیت سے وہ اس وقت دوچار ہو رہی تھی۔ اس کی فولادی گرفت' اس کے سرخی مائل ہونٹوں سے نکلتی گرم گرم سانسوں سے اسے اپنے رخسار دہکتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

دل کی دھڑکنیں تھم سی رہی تھیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"چھوڑیں' چھوڑیں مجھے۔" اس کی فولادی گرفت نے اسے متوحش کر ڈالا۔

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" اسے بہلانا چاہا۔

اور وہ اسے بازو کے گھیرے میں لئے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"آج میں یہ سوچنا نہیں چاہتا کہ تم کون ہو؟ میں کون ہوں؟ اس وقت ہمارے احساسات' جذبات صرف یہی چاہتے ہیں کہ ہم سب بھلا کر ایک نئی' خوبصورت' البیلی حسین زندگی کا آغاز کریں۔ جہاں چاہت کے رنگ روشنی پھیلائے ہمارے منتظر ہیں۔

جس چمن میں محبت کے گلاب مہکتے ہیں۔

وفاؤں کی شمعیں جلتی ہیں۔

خوبصورت پرندے امن کا ترانہ گنگناتے ہوں۔

جہاں فقط محبت ہی محبت....

کیفیت و مستی کے ساگر بہتے ہیں۔

اس نے بہکے بہکے لہجے میں کہتے ہوئے اسے آغوش میں لینے کی کوشش کی۔

اسی لمحے اس نے بھرپور کوشش کر کے اس کی گرفت سے خود کو آزاد کر لیا۔

"صارم خان آفریدی! اتنی جلدی اپنے نفس کے آگے آپ نے سرنگوں کر دیا؟ آپ کو تو خود پر فخر تھا' بلکہ بلا کا غرور و گھمنڈ تھا کہ آپ کو میری طلب نہیں ہے' بہت ناز تھا آپ کو اپنی غیرت و مردانگی پر....."

"ز...ر...شاہ" کے حقارت سے ہاتھ جھٹکنے پر وہ دہاڑا تھا۔

"چلا کر مجھ پر رعب جمانے کی کوشش مت کرو۔"

چند لمحے تو وہ ساکت و صامت اس کے حسین اور طنز کی کاٹ لئے مسکراتے چہرے کو دیکھتا رہا۔ ہر سانس کے ساتھ وہ اپنے سے وابستہ رشتوں کے لئے' ان کی خوشیوں کے لئے' ان کی مسکراہٹوں کی خاطر کوشاں رہا تھا۔

اس کی طرف بڑھنے والا قدم بھی نفس کا تقاضا تو ہرگز نہ تھا۔

بلکہ... اس کی صلح جو امن پسند درگزر کر دینے والی طبیعت کا عمل تھا۔ جس کو اس نے کس انداز میں لیا تھا؟

وہ حسین صورت....

عجائبوں کا گزار قاتل حسینہ۔

اس نے ثابت کر دیا تھا۔ کہ وہ ہرگز سمجھوتہ نہیں کرے گی۔

اس کے اندر ایکدم ہی کھولن ہونے لگی۔

فرحت.....

راحت.....

ترنگ.....

کیف و مستی گویا یکلخت آگ بن کر اس کے وجود میں سرایت کر گئی۔

اضطراب.....

انتظار.....

وحشت.....

آگ بن کر اس کی رگ رگ میں لہو بن کر دوڑنے لگی۔

وہ بے احساس و بے ضمیر لڑکی کب اس قابل تھی کہ اس کی رفاقتوں کی ساتھی بنتی' اس کے من کی روشنی' اس کے تن پر جگمگاتی۔

اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھوں کو جھٹک کر اس نے اس کے خلوص کی ہی توہین نہیں کی تھی۔

بلکہ مردانگی کو بھی چیلنج کیا تھا۔ نفس پر سنگ باری کی تھی۔

"میں اس قدر بے غیرت اور بزدل مرد نہیں ہوں کہ تم نے گالیاں سنوں گا' تم میرے نفس پر تابڑ توڑ حملے کرو؟ میرے کہنے میں نہ ہونے کی بے عزتی و بزدلی کے طعنے دو؟ تمہارا تو میں اب دماغ درست کر دوں گا۔"

اس نے شدید طیش میں بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

❀❀❀

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ خطرناک تیور اور جارحانہ انداز میں دور شا کی سمت بڑھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت کی سرخی بادلوں کی طرح چھا گئی۔ چہرے کے ہر نقش سے غصہ و جنون عیاں تھا۔ کچھ لمحہ پہلے کی تمام شگفتگی' اپنائیت' رفاقت کی چاہ' مہکتی باتیں' بہکتی آنکھوں کے رنگ' لہجے کی سرخوشی' لگاوٹ' جذبات یکلخت ہی بھاپ بن کر اڑ گئے تھے۔

اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ مزاحمت کے باوجود ایک جھٹکے سے اس کے سینے سے آ لگی۔

"چھوڑو۔ چھوڑو مجھے۔" اس کی فولادی گرفت' چٹانی سینے سے نکلتی تپش' لباس سے پھوٹتی عطر یا خوشبو اسے بدحواسی کے آخری درجے پر لے گئی۔

"مجھے بچالیاں دے کر کیا سمجھتی ہو' بخش دوں گا تمہیں؟"

اس وقت اس کی شریانوں میں گویا خون کے سنگ شعلے دوڑ رہے تھے۔

اس نے اس کے ساتھ ہر ممکن رعایت کی تھی۔

دل کے تقاضوں کے برخلاف۔ اسے عزت' احترام و تحفظ فراہم کیا تھا۔

وہ نفس کا غلام نہیں تھا۔

فطری تقاضوں سے شکست اسے قطعی منظور نہیں تھی۔

وہ اسے باوقار طریقوں سے اپنی ترجیحات کا شریک بنانے کا عزم کیے ہوئے تھا۔

اسے اس وقت' اس ساعت' اس لمحے کا انتظار تھا جب وہ خود اس کی چاہ میں سرتاپا ڈوب کر' اسے دل و جان سے قبول کر کے اس کی طرف بڑھے۔

پھر وہ بھی اس کے لئے اپنی بانہیں وا کر دیتا۔

"چھوڑو ورنہ میں شور مچا دوں گی۔" اس کی وحشتیں بتدریج بڑھتے دیکھ کر وہ متوحش ہو کر چیخی۔

"چلاؤ' شور مچاؤ میں تمہیں چیختے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ اذیت پسند نہیں تھا لیکن اس لمحے اس کی اذیت اسے سرور بخش رہی تھی۔

وہ مغرور اور سنگ دل حسینہ۔ جو اپنے حسن کے شعلوں سے بھسم کر دینا حق سمجھتی تھی۔ اس کی گرفت میں ذبح ہوتے کبوتر کی طرح پھڑ پھڑا رہی تھی۔

"اس کمرے سے باہر تمہاری آواز جا نہیں سکتی' بالفرض محال اگر چلی بھی جائے' تو آنے والوں کو شور کی وجہ کیا بتاؤ گی۔"

صارم نے اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے اس کی خوف و تحیر سے پھٹی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے خاصے استہزائیہ و تمسخرانہ لہجے میں لفظ لفظ چبا کر کہا۔

"مم' میں' میں ....." خود کو اس کے مقابل بالکل بے بس و لاچار محسوس کر کے اس کی تمام اکڑ' طنطنہ مزاج درست ہو گئے۔

اپنی ہتک کا احساس تھا؟

انا و نسوانیت داغدار ہو جانے کا احساس۔

شکست خوردہ' پامال ہو جانے کا خوف۔

وہ بھی اس شخص کے ہاتھوں' جس کو وہ ابھی تک قبول نہ کر پائی تھی۔

ذلت ہی ذلت تھی۔

ٹپ ٹپ کئی آنسو اس کی آنکھوں کے ساگر سے چھلکے' صارم کی مضبوط انگلیوں والے ہاتھ پر شفاف قطرے بارش کی طرح برسنے لگے۔

"اوہ' بس' صرف اتنا حوصلہ تھا؟"

اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا۔

"مائی ڈیئر سویٹ ہارٹ! جب جنگ لڑتے ہیں تو حوصلے بھی بلند رکھتے ہیں۔ یہ آنسوؤں سے فائرنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ چلو چپ ہو جاؤ۔ میں اپنی جیت' اپنی مردانگی' اپنے نفس کا امتحان لے رہا تھا۔ بلکہ دے رہا تھا۔ اب تو یقین آ گیا ہو گا تمہیں۔ ہماری جیت و مردانگی پر؟ نفس کا غلام نہ ہونے پر۔ کوئی شوہر اتنا فراخ دل و صابر نہیں ہو گا کہ تم جیسی حسین و جمیل بیوی کی موجودگی' رات بھر تنہائی کے فسوں خیز بہکانے والے لمحات کو نظر انداز کر کے اپنے جائز حقوق سے نظریں جھکائے' چپ چاپ' نفس کو تھپک تھپک کر سلا دے۔ تمہیں تو میرے حوصلے' ہمت و وقار کو داد دینی چاہئے۔ تم پر ہر طرح کی سبقت و استطاعت رکھنے کے باوجود میں نے تمہیں ان جذبوں سے چھونا تو درکنار' نگاہ بھر کر دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا ہے۔ کیونکہ نفس کی تابعداری' جذبات کی غلامی تو چوپائے بھی کرتے ہیں۔ میں کم از کم اپنے آپ پر اختیار رکھتا ہوں۔ جبر اور زبردستی کا تو میں قائل ہی نہیں ہوں۔ محبوب کو اس کی چاہ سے چاہنا ہی محبوبیت کی معراج ہے۔ ورنہ انسان اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حیوانوں میں کیا فرق رہ جائے گا؟"

وہ شانے اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی پھر جھکا کر وہ ماتھوں کو مسلنے لگا تھا۔ اس کا رنگ بدلتا یہ تغیر اسے پہلی بار عجیب لگا تھا۔

"کیا تھا وہ؟"

کبھی کانٹوں کے راستوں پر گھسیٹا ہوا

کبھی پھولوں کے قالینوں میں بہکتا ہوا

کبھی سنگ باری کر کے زخم زخم کرتا ہوا

کبھی زخموں پر مرہم لگاتا سیجا

تیری چاہت کے بھیگے جنگل میں

میرا تن مور بن کے ناچتا ہے

"اوہ تو... فلائٹ کو بھی اب ہی لیٹ ہونا تھا؟" کائنات نے جھلاتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا پرس بیڈ پر اچھالا تھا۔ ابھی موبائل فون پر شمشیر خان کو اطلاع ملی تھی کہ موسم کی خرابی کے باعث فلائٹ دو دن بعد روانہ ہوگی۔ وہ ائرپورٹ کی جانب روانہ ہونے کے لئے کمرے سے نکل ہی رہے تھے۔ جب اطلاع ملی تھی۔ شمشیر خان سکون سے آ کر کمرے میں بیٹھ گیا تھا جبکہ وہ بری طرح جھلا گئی تھی۔ کل سے تیاری میں بڑے جوش و خروش سے مگن تھی۔

شمشیر خان اس کی بچگانہ محبت... پہلی چاہت...

وہ حسین خواب جس کی تعبیر بھی حسین ترین تھی۔ جس کو پا کر وہ اپنی خوش نصیبی پر نازاں رہنے لگی تھی۔ جس کو پانے کی خاطر وہ اپنے جان سے زیادہ عزیز رکھنے والے چاچا سے بغاوت کر چکی تھی۔ اس کو سنگ پا کر اسے کسی دوسرے رشتے کی تمنا بھی نہ رہی تھی۔ اب زندگی کا ہر لمحہ گزرنے کے وقت کی ہر ساعت وہ اس کے ساتھ بتانا چاہتی تھی اور پہلے ہی سفر میں تاخیر نے اس کا موڈ آف کر دیا تھا۔

"کیوں ہوا جان کیوں آف ہو گیا ہے چہرے کی تمام لائٹس بجھ گئیں فلور ہو گئی ہیں؟" شمشیر خان نزدیک آ کر اس کے بکھرے بالوں کو سمیٹتے ہوئے خوشگوار موڈ سے استفسار کرنے لگا۔

"فلائٹ بھی ابھی لیٹ ہونی تھی کل سے کس قدر ایکسائٹڈ تھی میں لیکن میں موقع پر

بیماری مسرت کافور ہو گئی۔"

"دو دن کی تو بات ہے۔ پھر ہم روانہ ہو جائیں گے۔"

"بس یہ عجیب سی عادت ہے میری جو بات دل میں ٹھان لوں پھر جب تک وہ بات مکمل نہ کر لوں تب تک مجھ پر جھنجلاہٹ و بیزاری طاری ہو جاتی ہے۔" اس کے شانے پر سر ٹکاتے ہوئے اس نے اپنی کیفیت بیان کی۔

"گڈ ویری گڈ! خاصی میری ہم خیال ہو۔ میرا مزاج بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ تمہیں دیکھا پسند آ گیں اور حاصل کر لیا۔"

"اوہ حاصل کر لیا۔" کائنات نے اس کے بال بکھیرتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ "اس عمل خیر میں صرف آپ کے ہی مزاج کا عمل دخل نہ تھا۔ بلکہ جناب ہماری بھی مرضی شامل تھی اگر ایسا نہیں ہوتا تو آپ ہمیں کبھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔" اس نے شاہانہ لہجے میں کہا۔

"ابھی تم نے میرا اصل رنگ نہیں دیکھا ہے۔ شمشیر خان کے لئے ناممکن بھی ممکن بن جاتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" اس کے چہرے کا بدلتا رنگ اسے چونکا گیا۔ وہ بوکھلا کر بولی۔

"ارے بابا کچھ نہیں۔ چلو تمہیں جب تک سیف الملوک جھیل کی سیر کرا کر لاتا ہوں۔"

"اوہ ویری گڈ آئیڈیا۔ سنا ہے وہاں پریاں آتی ہیں اور شاید کسی شہزادے اور کسی پری کی داستان عشق بھی اس جھیل سے منسوب ہے۔ نگاہوں کو مبہوت کر دینے والے نظارے قدرتی حسن کے بہترے موتی وہاں بکھرے ہوئے ہیں۔" وہ جھوم اٹھی تھی۔

"ہم ایسی داستانوں سے دور ہی رہتے ہیں۔ ایک پری جو ہماری جان بن گئی ہے۔ اس کے حسن کے نظاروں کے آگے ہمیں اب کوئی حسن... حسن مکمل نہیں لگتا۔" اس کے آگے دبے وجود... بے باک چمکاتی نگاہوں میں ایسی کوئی زد آوری ضرور تھی کہ ازحد یولڈ کائنات لجا کر رہ گئی۔

"اونہہ باتیں بنانا کوئی آپ سے سیکھے۔"

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ شمشیر خان اسے چھوڑ کر باہر آیا تو جواں ہمت و پرجوان سکندر خان کو کھڑے پایا۔

"بے وقت مداخلت کی معافی چاہتا ہوں خان لیکن بات ہی کچھ ایسی تھی میں نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔"

کائنات سے شادی کرنے کے بعد وہ اسے لے کر اس خفیہ کانج میں آ گیا تھا جو حال ہی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں اس نے خریدا تھا۔ اور بابا جان اس سے لاعلم تھے۔ وہ شادی کی خبر ان تک پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔

سمندر خان اور صمد خان کو اس نے سختی سے منع کر رکھا تھا کہ وہ اس سے کسی طرح بھی رابطہ کرنے کی کوشش نہ کریں اور اس سے لاعلمی کا اظہار کریں۔ سو اس کا سرعت سے بگڑتا موڈ دیکھ کر اس نے فوری وضاحت پیش کی۔

"کیا عذاب پڑ گیا تجھ پر جلدی بک۔" وہ تیوری چڑھا کر بولا۔

"سرکار! آپ یہاں سے باہر چلے چلو تو زیادہ بہتر ہوگا۔" سمندر خان نے نیم وا دروازے کی سمت نظر ڈال کر دھیمے لہجے میں کہا۔

شمشیر خان نے چند لمحے ہونٹ بھینچ کر اس کی سمت دیکھا' اس کے چہرے کے بگڑتے نقوش کسی گہری گڑبڑ کا احساس دلا رہے تھے۔ اس نے دروازہ بند کیا اور اسے لے کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔

"غضب ہو گیا ہے بڑے خان نے ورشا بی بی کا نکاح شاہ افضل خان کے پوتے سے کر کے انہیں رخصت کر دیا ایک ہفتے پہلے۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا؟ کیا بکواس کر رہا ہے؟" پہلے تو اسے یقین ہی نہیں آیا پھر یکلخت اس کی حسیات جاگ اٹھیں تو وہ دھاڑتے ہوئے اس کا گریبان پکڑ کر غضب ناک انداز میں چیخا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں خان! پہلے کبھی غلط خبر دی ہے آپ کو؟"

"اتنے دن بعد کیوں خبر دی ہے؟ کہاں مر گیا تھا؟" بھرپور تھپڑ کھا کر سمندر خان جیسا بھاری بھرکم جسامت کا آدمی لڑکھڑا گیا تھا۔

یکدم ہی وحشت و جنون اس پر طاری ہو چکا تھا۔ سمندر خان کا انکشاف تھا یا ایک قیامت اس پر ٹوٹ پڑی تھی' اپنے پور پور سے اس نے غم و غصے کی چنگاریاں اٹھتی محسوس کیں۔

"خان! آپ کی اجازت سے میں گاؤں سے باہر چلا گیا تھا۔ واپس آتے ہی خبر ملی تو میں سیدھا آپ کے پاس چلا آیا ہوں۔" سمندر خان نے سہمے ہوئے لہجے میں وضاحت کی۔

"چل گاڑی نکال۔" اس نے جھٹکے سے سر پر کی چادر کا پلو دائیں شانے پر ڈالتے ہوئے حکم صادر کیا۔

"خان! وہ حویلی میں اکیلی ہوگی۔"

"خان! وہ حویلی میں.... تنہا...."

"چوکیدار سے کہہ دے وہ دلہن (چوکیدار کی بیوی) کو یہاں چھوڑ دے گا۔"

❁ ❁ ❁

فروری کے وسط سے موسم بدلنا شروع ہو گیا تھا۔

مارچ کے اوائل دن تھے' برف نے ہر سو پھیلے اپنے سفید نورانی وجود کو دھیرے دھیرے موم بنانا شروع کر دیا تھا۔ پہاڑوں' میدانوں' چھتوں اور گلیوں سے برف پگھل کر بہنے لگی تھی۔ برفیلے موسم سے پناہ کی تلاش میں جانے والے رنگ برنگے خوبصورت پروں اور حسین آنکھوں والے پرندے اپنے آشیانوں کی طرف لوٹنا شروع ہو چکے تھے۔ گو کہ سرد ہوا کے جھکڑ ابھی بھی چل رہے تھے۔ لیکن ان میں وہ شدت نہیں رہی تھی جو لہو کو منجمد کر ڈالتی تھی۔

رات کے کسی پہر اس کی آنکھ کھلی تھی۔

صارم اپنے دل کا غبار نکال کر پرسکون ہو کر سو گیا تھا۔

اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا اس شخص کا رویہ۔

پہلے اسے پانے کی جستجو۔

پھر اغوا

اور نکاح کے بعد وہ اس کی دسترس میں تھی تو پھر اس سے گریز اور لاتعلقی کیا معنی رکھتی تھی؟

وہ اس پر کیا ثابت کرنا چاہ رہا تھا؟

یہ وہ سوال تھے جنہوں نے اسے رات کے کئی پہروں تک بے چین و بے سکون رکھا تھا۔

آخر کار سوچتے سوچتے کسی پہر وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔

جب دل و دماغ انتشار و اضطراب کا شکار ہو تو نیند بھی بھرپور طریقے سے وارد نہیں ہوتی۔ جسم کا نظام سکون و طمانیت کے زیر اثر چلتا ہے۔

اگر کسی عضو میں کوئی تکلیف اور پریشانی ہوتی ہے تو پورا وجود ہی اس کا اثر قبول کرتا ہے۔

اور اس کی بے کلی و اضطراب ہی تھا۔ جو وہ خود بخود اتنی جلدی بیدار ہو گئی تھی۔ چند لمحات تک وہ یونہی کسلمندی سے آنکھیں کھولے پڑی رہی۔ پھر وال کلاک پر نگاہ پڑی تو احساس ہوا فجر کا وقت ہو رہا ہے۔

نماز کے خیال سے وہ فوراً کمبل سے نکل آئی۔ صارم تکیے سے لپٹ کر محو خواب تھا۔ ورشا وضو کے بعد نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اسے کمرے میں گھٹن و حبس کا احساس ہونے لگا تو اس نے سامنے کھڑکی سے دبیز پردہ سرکایا تھا۔ رخصت ہوتی رات' بیدار ہوتی صبح کا سنہرا سنہرا سا اجیار اور اندھیرا دلکش منظر پیش کر رہا تھا۔ یہ کمرے کا پچھلا حصہ تھا۔ حویلی کی حد یہاں سے ختم ہوتی تھی۔ یہاں سے باہر نظر بہت دور تک جاتی تھی۔ اس نے شیشے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے چہرہ نکالا دیا' بلند و بالا پہاڑوں پر نگہری دھند ایسی لگ رہی تھی گویا کسی بیوہ کا ملبوس نم اندھیرے میں نظر آتا ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اداسی و خاموشی کی ردا اوڑھے ہوئے تھا اس کے شانے پر ہاتھ کا دباؤ پڑا تھا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ صارم اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ بھرپور مکمل چند لینے کے بعد اس کی سیر آنکھوں میں خمار آلود سرخی اس کے وجیہہ چہرے کو مزید پرکشش بنا رہی تھی۔

"تنہا تنہا ہی عبادت کر لی؟ مجھے بلایا نہیں؟ عبادت تو نکل گئی۔ اب مجھے گھر میں ہی نماز ادا کرنی ہوگی۔"

وہ جانتا تھا اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آئے گا اس لئے اس کے شانے سے ہاتھ ہٹا کر وہ اٹیچڈ باتھ کی سمت بڑھنے لگا۔

وہ رات کی تھکی ہارا اس کے چہرے و لہجے میں ہلکا سا شائبہ بھی نہ تھا۔ اس کی اس عادت نے اسے متاثر کیا تھا کہ وہ بات ختم کرنے کے بعد پھر کبھی اس ناخوشگوار بات کو زبان پر نہیں لاتا تھا اور موڈ بھی بہتر اور خوشگوار ہوتا تھا۔ وہ ایسی معمولی معمولی باتوں کو لوگ نہیں بھلاتے اور عمر بھر تک منہ بنائے رکھتے ہیں۔

"مجھے باہر جانا ہے۔ میرا اسٹوڈیو ہے لیزر پر جانا چاہتی ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے صارم سے اجازت طلب کی۔

"کیوں؟" اس کی سبز نگاہوں میں استعجاب کے تمام رنگ جھلملانے لگے۔

"میرا یہاں دم گھٹ رہا ہے۔ باہر نکلنے پر پابندی تو نہیں ہے نا؟"

"نہیں' تمہیں یہاں قیدی بنا کر نہیں رکھا گیا ہے۔"

"شکریہ تو گیا ہے۔" بے ساختہ لبوں سے نکلا تھا۔

"جاؤ مگر یہ بات کان کھول کر سن لو اگر تم نے کسی احمقانہ اقدام کے متعلق سوچ بھی رکھا تو اس کی ہر عمل کی ذمے دار خود ہوگی۔" اس کی بات نظر انداز کر کے وہ خاصے تحمل و سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"تم تعلیم مکمل کرو یا نہ کرو لیکن اس حویلی کے وارث کی شریک حیات ہونے کی حیثیت سے اس گھر کے بچے بچے پر تمہاری حکمرانی ہے۔ یہاں گھومنے پھرنے کے لئے تمہیں کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے باتھ روم میں گھس گیا۔

وردشا اس کی ہدایات بخوبی سمجھ گئی تھی۔ اس کا اشارہ خودکشی کی طرف تھا۔ سیاہ کشمیری کڑھائی والی چادر اوڑھ کر وہ باہر نکل آئی۔ ہیٹر سے گرم شدہ ماحول سے نکل کر اوپر ٹیرس پر کھلی فضا سرد ہوا کے مست جھونکوں نے لمحے بھر کو اس کے جسم میں کپکپی پیدا کر دی تھی۔ اس نے بے اختیار گرم چادر کو احتیاط سے سر پر اوڑھ کر جسم کے گرد لپیٹ لیا تھا۔ لیکن چہرے سے ٹکراتے سرد جھونکوں نے اس کے خون میں روانی تیز کر دی تھی۔ وہ منہ کھول کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اس عمل سے اس کو اپنے اندر کی گھٹن' پژمردگی و بیزاری باہر نکلتی محسوس ہوئی۔ خوشگوار سی طمانیت اس کو اپنے اندر دور تک اترتی محسوس ہوئی۔ آنکھوں سے نمکین پانی کسی احساس کے تحت بہنے لگا۔ اس نے بہتے آنسو ہتھیلیوں سے صاف کئے اور اردگرد دیکھنے لگی۔

چاروں طرف سبزہ و ہریالی تھی۔ برف پوش پہاڑ تھے۔ جن کی چوٹیاں آسمان کی وسعتوں میں گم تھیں۔ شہتوت و انگور کی بیلیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

گاؤں کے پہاڑی پتھروں سے بنے مکانات میں صبح حیات کی چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ کچے مکانوں کے باورچی خانوں میں بنی چمنیوں سے نکلتا سیاہی مائل دھواں کس قدر حیات افروز و دلفریب لگ رہا تھا۔ اب فضا میں جنگلی پھولوں' سبزے کی مہکار کے ساتھ دیسی گھی کے پراٹھوں اور تازہ دم تیار ہوتی چائے کی فرحت بخش خوشبو میں اسے بھی محسوس ہوئیں۔ وہ کافی دیر تک کبھی ٹہل کر کبھی بیٹھ کر موسم کی دلکشی محسوس کرتی رہی۔ اسی اثناء میں ملازمہ اسے چائے کا مگ دے کر چلی گئی تھی۔ جو پہلی بار اس نے کسی حیل و حجت کے بغیر ملازمہ سے لے کر پی لی تھی۔

سورج دھیرے دھیرے اپنے مسکن سے برآمد ہو رہا تھا۔ اس کی تابناک روشنی سیاہ رات کی بھیگی سیاہی کی نقاب کو چیرتی ہر شے کو منور کر رہی تھی۔

سورج خاصا بلند ہو چکا تھا۔ سبزے پر اس کی روشنی' سنہری شعاعوں کا عکس از حد سحر انگیز و دلفریب لگ رہا تھا۔

"صبح بخیر دلہن رانی' آج تو صبح کی سیر ہو رہی ہے۔" شیریں گل وہاں آ کر مسکرا کر بولی۔ اسے دیکھ کر وردشا کے لبوں پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ خلوص اور وفا کی مٹی سے بنے یہ لوگ کس قدر کشادہ دل و مہربان تھے۔ اس کی ہر زیادتی و بدتمیزی کے جواب میں ان کے خلوص و مروت میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔

"کیا سوچنے لگیں؟" شیریں گل اس کے قریب آ کر استفسار کرنے لگی۔

"کچھ نہیں' بس ایسے ہی کمرے میں گھٹن کا احساس ہوا تو میں یہاں چلی آئی۔"

"گھٹن؟ صارم کی موجودگی میں گھٹن کا احساس؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کے لہجے میں بناوٹی نہیں اصلی حیرانگی و تعجب تھا۔

"چلیں۔ خاصی دیر ہو گئی ہے مجھے یہاں آئے ہوئے۔" قبل اس کے کہ صارم کے متعلق اس کی گفتگو مزید آگے بڑھتی وہ جلدی سے بولی۔

"ہاں' میں تمہیں بلانے ہی تو آئی تھی۔ تم کھانے پینے کے معاملے میں بہت بے پروا ہو' اس لئے بابا جانی نے حکم دیا ہے آج سے تم ہم سب کے ساتھ کھانا' ناشتہ وغیرہ وغیرہ کیا کرو گی۔" شیریں گل نے سیڑھیاں اترتے ہوئے کہا۔

"یہ کمرہ کس کا ہے؟" راہداری میں براؤن لاکڈ دروازے کی طرف اس نے اشارہ کرتے ہوئے استفسار کیا۔ جواب میں شیریں گل کے چہرے پر سایہ سا لہرایا تھا۔

"سیریز خان کا۔" اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی دکھ کی نمی تھی۔

"کہاں ہیں وہ؟"

"وہاں' جہاں ہم سب کو ایک دن جانا ہے۔"

"اوہ تو' کیا ہوا تھا انہیں؟ وہ تو ینگ تھے۔"

اس کی نگاہوں میں اونچے لمبے خوبرو سے سیریز خان کا سراپا گھومنے لگا۔ جو کراچی میں ایک دن چیراڈائزر سی پوائنٹ پر پہاڑ سے پھسل جانے کے بعد اسپتال میں صارم کے ساتھ آیا تھا۔ کئی مرتبہ صارم کے ہمراہ اس نے اسے جامعہ میں بھی دیکھا تھا۔ اس کی موت کا انکشاف اس کے حساس دل کو ملول کر گیا۔

شیریں گل کی آنکھوں میں بھی آنسو چمکنے لگے تھے۔

وہاں سے ڈائننگ روم تک کا فاصلہ پھر خاموشی سے طے ہوا تھا۔

بی بی جان نے بہت پرتپاک طریقے سے اس کا استقبال کیا تھا۔ اس کے سلام کے جواب میں بڑے جوش سے اسے لپٹا کر ماتھا چوما تھا۔ اپنے قریب کرسی پر اسے بٹھایا تھا۔ میز انواع و اقسام کی نعمتوں سے بھری ہوئی تھی۔

وہ خاموشی سے بی بی جان کی برابر والی کرسی پر جیسے ہی بیٹھی' اس کے برابر میں براجمان گل زیبا ایک جھٹکے سے اٹھی تھیں۔ ساتھ ہی ان کی کڑک' باوقاری و برہمی سے بھرپور آواز وہاں کے پرسکون ماحول میں گونج اٹھی۔

"تو وہاں ناشتہ میرے کمرے میں لے کر آؤ۔"

"بڑی بہو کیا ہوا اچانک؟"

"آپ کو پتا چلنا چاہئے کہ کوئی بدمزگی نہ ہو تو خاموشی سے ناشتہ کریں۔" ان کے تڑخ دینے

لہجے میں گستاخی کا عنصر نمایاں تھا۔

ملازمہ خاموشی سے ناشتے کے لوازمات ٹرالی میں رکھ کر ان کے پیچھے چلی گئی۔

ماحول میں محسوس کی جانے والی تلخی و سناٹا پھیل گیا۔ وہ تینوں ہی اپنی جگہ پر دم بخود تھیں۔ بی بی جان کو ان سے اس قدر تلخ نظری کی توقع نہ تھی۔ شیریں گل بہت شرمسار سے انداز میں ورشا کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جس کی متعجب و ہراساں نگاہیں بار بار کمرے کے دروازے کی سمت اٹھ رہی تھیں۔

"بسم اللہ کرو بچے!" بی بی جان کو جلد ہی خیال آ گیا کہ ورشا محسوس نہ کرے کہ گل زیبا کی موجودگی کے باعث گئی ہیں۔ مصلحت پسندی سے انہوں نے خود پر قابو پا کر چنے کا دھواں اور گرما گرم پوریاں اس کی جانب بڑھاتے ہوئے پرشفقت لہجے میں کہا۔

"وہ میری وجہ سے گئی ہیں؟" بچی نہیں تھی وہ۔ اور نہ ہی اس قدر کند ذہن و ناسمجھ کہ ان کے چہرے پر نفرت' آنکھوں میں اپنے لئے حقارت کے رنگ نہ پہچان سکے۔ اور جس انداز میں وہ اٹھ کر گئی تھیں اسے بیٹھے دیکھتے ہی ان کی اس ناپسندیدگی نے بہت کچھ اس پر منکشف کر ڈالا تھا۔

"اس کی فکر چھوڑو بچے! تم ناشتہ کرو' گھر کے مرد جلدی ناشتہ کرنے کے عادی ہیں۔ صرف صارم ہے جو دیر سے ناشتہ کرتا ہے۔ مگر آج اس نے بھی جلدی کر لیا ہے۔ کیونکہ وہ پلاسٹر کھلوانے اپنے بابا کے ساتھ اسپتال گیا ہے۔" ماحول کے تناؤ کو ختم کرنے کے لئے بی بی جان بے تکان بول رہی تھیں۔ اسے ان کا بولنا بھا رہا تھا۔ کیونکہ وہ صارم سے' اس کی ذات' اس کی تکالیف سے نابلد تھی۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ آج اسپتال جائے گا' یا ناشتہ کیا یا نہیں؟

❁ ❁ ❁

"کیا بات ہے خان؟ بہت سوچوں میں گم رہنے لگے ہو۔"

گل جاناں کلائی میں موجود موٹی موٹی چم چم کرتیں طلائی چوڑیوں سے کھیلتی ہوئی شہباز خان سے استفسار کرنے لگیں۔ جو ورشا کی رخصتی بلکہ "فرودخت" کے بعد سے کچھ مضطرب و الجھن کا شکار رہنے لگے تھے۔ عجیب بے نام سی بے کلی و بے چینی ان کے سراپا میں سرایت کر گئی تھی۔ ان کے اس طرز عمل کو ان کے دونوں بیٹوں نے سخت ناپسند کیا تھا۔ بڑا بیٹا تو مارے غصے کے بدظن ہو کر اپنی بیوی کو لے کر یہاں سے چلا گیا تھا۔ اس سے چھوٹا شہروز جو دو دن بعد گھر آیا تھا۔ جب اس پر اس بات کا انکشاف ہوا کہ ورشا کو اس گھر سے نکال کر دشمنوں کی امان میں دے دیا گیا ہے پہلے تو وہ شاکڈ رہا پھر گل خانم کی گود میں سر رکھ کر رو دیا۔ اور ان سے ملے بغیر حویلی سے نکل گیا تھا۔

گل جاناں کی کوکھ سے پیدا ہونے والے' گل خانم کی گود میں پرورش پانے والے دونوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھائیوں نے مزاج دول سوتیلی ماں کے جیسے پایا تھا۔

محبت سے لبریز!

مہربان و نرم خو!

ہمدردی و اپنائیت سے بھرپور!

رشتوں کا خلوص اور اپنوں کا درد ان کی ممتا کے لمس سے ہی انہیں ملا تھا۔ پھر کیسے ان کا دل تڑپ کو محسوس نہ کرتے؟

لازوال و لامحدود محبت کے بحر بیکراں میں وہ ان کی ذات کے تفصیل ہی تو غرق ہوئے تھے۔ اس دکھ کی کٹھن گھڑی میں بھلا وہ کس طرح اس دلفگار ماں کو تنہا چھوڑ سکتے تھے جو بیٹیاں پیدا کرنے کے جرم کی سزا سالوں سے بھگتتی آ رہی تھی۔ دکھ کی اس سنگین گھڑی میں ہی تو اپنے ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ خوشیوں کی نایاب ساعتوں میں غیر بھی دشمن بھی ساتھ قہقہے لگانے آ جاتے ہیں۔ لیکن... جو دل کی پاکیزگی سے اپنا کہتے ہیں۔

روح کی گہرائیوں سے چاہتے ہیں

جن کی محبت بے لوث ہوتی ہے

جن کی تڑپ میں دکھاوا نہیں ہوتا

جن کے قلب ریا و فریب کی دھوپ سے محفوظ رہتے ہیں۔

جن کے ضمیر روشن اور ایمان پختہ ہوتے ہیں۔

ان کے قدم راہ حق پر چلنے سے لڑکھڑاتے نہیں۔

راست گوئی و مظلومیت کا ساتھ دینے پر انہیں کوئی اندیشہ و فکر دامن گیر نہیں ہوتی۔ ماں اور باپ کے اس سفاک اور بے رحم فیصلے نے انہیں از حد بدظن و دکھی کر دیا تھا کہ شہروز نے ان کی شکلیں دیکھنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب شہباز خان کو کچھ کچھ اپنے فیصلے کی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ جبکہ گل جاناں نے یہی کہا کہ وہ کل خاتم کی چڑھائی میں آ کر گھر چھوڑ کر گئے ہیں۔ خود ہی واپس آ جائیں گے لیکن شہباز خان عمر کے اس دور میں بیٹوں کی جدائی و ناراضگی پر پشیمان سے ہو گئے تھے۔

"تم نے ہمیں بھری گیا پروا؟ زر پرست عورت۔ تم اپنے من پسند مشغلوں میں ہی مگن رہو۔" غصے سے چیخے دھاڑے آمیز لہجے میں گویا ہوئے۔

"خان جی! کیا خطا ہو گئی مجھ سے؟"

"چھوڑ دو اب ساٹھ سال کی عمر میں سولہ سالہ لڑکی کی طرح اٹھلانا۔ سخت زہر لگتا ہے۔"

بازاری عورتوں کی طرح ناز و ادا دکھلانا۔"

"ان کے ہاتھ کی آخری غلطی زبان کا سہارا لیا تو کل جاناں دیر تک آنسو بہاتی رہیں۔"

"کس بات پر اس قدر غصہ کھا رہے ہو خان۔ کوئی بات بھی تو ہو۔"

"عورت کسی بھی طبقے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتی ہو عمر کے ساتھ سب ہی حواس و قویٰ کمزور ہو جاتی ہیں۔ گو کہ وہ خود کو اس قدر اپ ٹو ڈیٹ رکھنے کی ماڈرن تھیں کہ عمر کے ساتھ بال سفید کرنے کے باوجود بھی وہ سیاہ بال دکھائی دیتی تھیں۔ اس وقت مجھے شوہر کے منہ سے عمر کا طعنہ انہیں بازاری عورت کی گالی سے بھی بڑھ کر لگا تھا۔ شہباز خان کی بات پر ان کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ گیا تھا۔

"تم جیسی عورت میں نے پہلی بار دیکھی ہے گل جاناں۔ جو اولاد جو بڑھاپے کی لاٹھی ہوتی ہے جو بیٹی چھوڑ کر جا چکی ہے۔ اور تمہیں رتی بھر بھی پریشانی و پروا نہیں ہے۔"

"ایسی نافرمان و ناخلف اولاد کی پروا کرتی ہے میری جوتی۔ جو ہے ان دونوں سیاہ بختوں نے کب مجھے ماں سمجھا ہے؟ کب میری پروا کی ہے۔ وہ تو ان کمینوں نے آج تک انہیں میرے خلاف کرتی رہی ہے۔ وہ اس کی سکھائی میں ہیں۔ جو وہ کہتی ہے وہی وہ کرتے ہیں۔ شیر خان کو اس چڑیل کی گود میں میں نے نہیں ڈالا۔"

"اس تمہارے لاڈلے کی بھی خبر نہیں ہے کہاں غائب ہے ایک فون تک نہیں کیا۔ جاہل یاد نہیں آئے گی لیکن اس حویلی کے تین وارث کی یاد تو بے کل رکھے گی انہیں۔ آج نہیں تو کل یہاں آئیں گے خود ہی۔ خلوص دل میں رہنے والے صرف کتابوں میں ہی گزارا کرتے ہیں۔"

"نہ معلوم کیوں مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے جیسے میں نے شاہ تیلے والوں سے لین دین کر کے کچھ اچھا نہیں کیا۔ میرے دل میں ایک عجیب سی گرہ پڑ گئی ہے۔" شہباز خان تاسف سے ہاتھ ملتے ہوئے پریشان کن لہجے میں گویا ہوئے۔

"کیسی گرہ؟ سب فضول سوچیں ہیں بڑے خان۔ ہم نے جو بھی کیا درست کیا ہے۔ کیوں خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں۔ بلکہ میں تو سوچ رہی ہوں ستارہ بیگم کے بھی ہاتھ پیلے کر دیتے ہیں۔ منیش کی ماں کو میں پیغام بھجوا دوں گی۔"

"خاموش رہو۔ شہروز کی مرضی نہیں ہے وہاں پڑا اس نے خود مغیث کو پوری بچوں کے ہمراہ کئی بار کراچی میں دیکھا ہے۔"

"اس نے شادی کر لی تو کیا ہوا۔ کئی شادیاں کرتا تو یہاں کے مردوں کا مشغلہ رہا ہے۔ اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے شادی کر لی تو کوئی انہونی بات نہیں ہوئی' آپ نے بھی تو دوسری شادی کی یا نہیں۔"

"وہ تو وقت اور تھا۔ اب جتنا وقت گزرتا جا رہا ہے اتنی ہی تیزی سے خیالات و اذہان بھی تبدیل ہو رہے ہیں۔ اور فی الحال میں ان کی غیر موجودگی میں ورشا کے متعلق فیصلہ کر کے الجھن کا شکار ہو گیا ہوں۔ مزید الجھنوں سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ و طاقت نہیں ہے اب۔" انہوں نے مسہری پر نیم دراز ہوتے ہوئے تھکن زدہ لہجے میں کہا۔

"یہ سب اس جادوگرنی کے جادو کا کمال ہے۔ نہ معلوم کیا منتر پڑھتی ہے کہ ہر کسی کو اپنا بنا لیتی ہے۔ ماں' سگی ماں ہو کر میں ان سے اپنی نہیں منوا سکتی۔"

"اپنے اندر وہ اوصاف و وقار پیدا کرو۔" شہباز خان گویا آج انہیں طنز کی بار مارنے پر کمر بستہ تھے۔

تعریف و توصیف کے پھول ہر کوئی اپنا حق سمجھ کر فخر و افتخار سے سمیٹ لیتا ہے۔ انا کی خامیوں و نفس کی شر پسندیوں پر اعتراض کسی کو گوارہ نہیں ہوتا۔ اس معاملے میں سچ زہر سے زیادہ کڑوا' خنجر سے کاری محسوس ہوتا ہے۔

گل جاناں جو میاں کو انگلیوں کے اشاروں پر چلانے کی عادی تھیں اس وقت زبان کی تلوار لہجے کی کڑواہٹ' آنکھوں کی برہمی وہ قطعی برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔ در پردہ گل خانم کی تعریف ان کی زبان سے انہیں بھسم کرنے کے لئے کافی تھی۔ ابھی تلملا کر وہ کچھ کہنا ہی چاہ رہی تھیں کہ دروازے کو بھرپور ٹھوکر سے وا کیا گیا تھا۔ بھاری لکڑی کا بلیک و براؤن شیڈ والا منقش دروازہ پوری طاقت سے دیوار سے ٹکرا کر کمرے میں دھماکہ سا کر گیا تھا۔

گل جاناں اور شہباز خان اپنی اپنی جگہ پر بے اختیار اچھل پڑے تھے۔

"یہ کیا طریقہ ہے گھر میں داخل ہونے کا؟" اندر داخل ہوتے شمشیر خان سے شہباز خان نے تیز لہجے میں کہا۔

"ورشا کہاں ہے؟" اس نے اس کا سوال نظر انداز کر کے ان سے بھی زیادہ تیز و سرد لہجے میں سوال کیا۔

"تم پوچھنے والے کون ہوتے ہیں؟"

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ اس کا جواب چاہئے مجھے۔"

"شمشیر خان! باپ سے کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟" گل جاناں اس کی آنکھوں میں نادیدنی درندگی و سفاکیت دیکھ کر دہل کر بولیں۔

"تمہاری گود میں پرورش پائی ہے اس نے' تمہاری تربیت بول رہی ہے' اس کے لہجے

میں۔" شہباز خان نے ایک اور طنز کا تیر پھینکا تھا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے بابا جانی!"

"تمہارے پاس گھر میں ٹھہرنے کا وقت کب ہوتا ہے بچے تمہیں گھر اور گھر والوں کی بہ نسبت سے زیادہ عزیز' رنگ برنگی' ذلیل و گھٹیا عورتوں کی قربت پسند ہے۔ جن کے سنگ رہ کر تمہیں نہ دن کا معلوم ہوتا ہے نہ رات کی فکر اور نہ ہی یہ احساس کہ گھر میں بھی کوئی تمہارا منتظر ہے یا نہیں' اب آ کر وقت کا احساس دلا رہے ہو ہمیں۔" ان کا گستاخ و بے لحاظ رویہ انہیں پہلی مرتبہ مشتعل کر گیا تھا۔

"منتظر؟ ارے اس گھر میں میری کوئی حیثیت ہے' کوئی کچھ کہتا ہے مجھے؟ بہر حال میں اس وقت کسی ایسی الجھن و بحث میں پڑنے نہیں آیا۔ میں یہ پوچھ رہا تھا' ورشا کہاں ہے؟" اس کا لہجہ ہنوز اکھڑ و بدلحاظ تھا۔

"ارے بیٹھو تو سہی' میرے بچے' میرے لال' زبردست خوشخبری ہے میرے پاس۔ پہلے یہاں بیٹھو تو سہی۔" گل جاناں نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے رازدارانہ انداز میں کہا تو وہ ان سے بازو چھڑا کر مسہری سے فاصلے پر رکھی ایزی چیئر پر بیٹھ گیا۔ موڈ اس کا پہلے ہی بگڑا ہوا تھا۔ جلتی پر تیل ڈالنے کا کام شہباز خان کی باتوں نے کیا تھا۔

گل جاناں مسرور سے انداز میں اسے بتا رہی تھیں کہ کس طرح انہوں نے چالاکی سے بلکہ سمجھ داری سے ورشا کے وجود سے چھٹکارا پایا اور ساتھ ہی "لیا" ہاتھ بھی مارا تھا۔ وہ ماں تھیں' بخوبی جانتی تھیں وہ مال و زر پر جان لٹانے والا بندہ ہے۔ اور ان کی فطرت بیٹے کو ان کی تربیت و خون سے ورثے میں ملی تھی۔ وہ خوش تھیں کہ ان کی اس عقلمندی کو سراہے گا خوش ہو جائے گا۔

لیکن نتیجہ ان کے گمان کے برعکس نکلا تھا۔ سب سن کر شمشیر خان غم و غصے سے پاگل سا ہو گیا تھا۔ زوردار ٹھوکر قیمتی چینی کے گلدان کو مارتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ کیا کیا؟ کیا کیا ہے یہ؟ کس نے مشورہ دیا تھا اس طرح اسے ان لوگوں کے حوالے کرنے کا؟"

"بہت سونا لیا ہے میں نے' بہت روپیہ۔"

"چ... پ ہو جاؤ۔" اس نے میز اٹھا کر اچھالی۔ لمحے بھر میں اس کے شیشے کے ٹکڑے گرین کارپٹ پر بارش کے قطروں کی طرح بکھر گئے۔

"ہوش میں آؤ شمشیر' دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟" شہباز خان نے کسی وحشی کی طرح بے قابو شمشیر خان کو بمشکل دونوں بازوؤں سے پکڑا' گل جاناں اس کی حالت دیکھ کر خوف سے تھر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھر کانپ رہی تھیں۔

"دشمنوں کے حوالے اسے کر دیا۔ میری مامتا کو روندتی۔ مجھے بتائے بغیر اجازت لیے بغیر ایسا کیوں کیا؟"

"پہلے اپنی جان پر قابو پاؤ۔ پھر بات کرو۔ اس کے لئے نکل کر آواز میں باہر جا سکیں گی۔ تمہارے خوف سے کسی میں اندر آنے کی ہمت نہیں ہے۔ مگر کان کوئی بات نہیں سننے گا۔ کیوں آپے سے باہر ہو رہی ہو۔" بابا جان اسے قابو کرنے کی کوشش میں بری طرح ہانپ رہے تھے۔

"میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا۔ کل جاناں آہستگی سے بولیں۔

"سوچ سمجھ کر ہوش و حواس میں سوچنے سمجھنے کی طاقت ہوتی تو بات ہی کیا تھی۔ کس سوچ سمجھ کر ہوش و حواس میں آپ بات کر رہی ہیں۔ اس سے دوگنا وہ اس معاملے کی فصل کاٹنے کمانے لگے۔

"میں نے درست کہا ہے۔" کل جاناں پر یقین لہجے میں بولیں۔ "میں یہ صورتحال کے پھیلنے سے پہلے سنبھالنا چاہتی تھی۔"

"بابا جان! آپ نے بھی کچھ نہیں سوچا۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ کس طرح یہ فیصلہ کیا آپ نے؟ میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آپ نے یہ سوچا کہ کیا جواب دے گا کہ دیا دہ آپ کرتے چلے گئے۔ قبیلے کی آن برادری کی حرمت قبیلے کی بلندی کسی کا بھی خیال نہیں کیا؟"

اس کے لہجے میں ایسا کچھ ضرور تھا جو شہباز خان جیسے دبدبہ شخصیت کے مالک فرد کا سر جھکا کر سیدھے نے جا رہا تھا۔ شمشیر خان کے جس میں ہونا وہ اتنی جرأت سے مخاطب کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جو خود کو ناقابل تسخیر سمجھتا تھا اپنوں کے ہاتھوں شکست کھا بیٹھا تھا۔ بہت بلندی سے گرا تھا وہ۔

"ہم آپ کو پہلے بھی کہہ چکے تھے بابا جان! عورت کی ناتواں عقل پر بھروسہ نہیں کیا کرتیں۔ عورت صرف گھر میں گھرداری سنبھالنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ دشمنوں کی دانشمندیوں و شر انگیزیوں سے جس طرح نمٹا لیا جاتا ہے اس کی سمجھ سے باہر ہے۔ نہیں نہیں سوچتی اور سمجھتی ہے خود کو عقل کل کی مانند۔" اس نے ماں کی جانب دیکھتے ہوئے سخت غصے بھرے انداز میں کہا۔

کل جاناں جو اس کی فطرت سے واقف و مزاج آشنا تھیں۔ بہت خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔ ویسے بھی انہیں اب اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

تھر بھی گھر اسے اپنے لگنے لگا گویا دوبارہ گھر میں اب داخل نہیں ہوں گے۔

جوان اولاد باپ کے لئے عقل و شعور اور اپاہج پن کا عصا ہوتی ہے۔ تم درست کہہ رہے ہو شاید میں بہت بوڑھا و کمزور ہو گیا ہوں جو اس عورت کے پلو سے کسی کٹھ پتلی کی طرح بندھ کر رہ گیا ہوں۔ اس وقت میں اس عورت کی حریصانہ طبیعت کے جھانسے میں آ کر بالکل ہی عقل سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ یہ معلوم کیا ہو گیا تھا مجھے جو میں نے بالکل بھی کچھ سوچنا گوارہ نہیں کیا۔ لیکن میرے اندر اس فیصلے کی غلطی کا احساس مجھے بے کل و بے سکون کئے ہوئے ہے۔" شہباز خان کے مضطرب احساسات کو گویا شمشیر خان کی زبان مل گئی تھی۔ وہ اس سے وقتی اختلاف بھلا کر اس سے مخاطب ہوئے تھے۔ کیونکہ اس وقت اس کی باتیں انہیں اندر سے جھنجھوڑ گئی تھیں۔

"ارے واہ! یہ آدمی بھی کیسے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں۔ کل تک میں ایک خوش نصیب و عقلمند عورت تھی' پیار کرنے والی' خیال رکھنے والی ماں سمجھی جاتی تھی' آج ان کو تباہ و برباد کرنے والی میں ہی ہوں؟ واہ بھئی واہ۔" کل جاناں بری طرح کھسیا کر گویا ہوئی تھیں۔

"خاموش رہو جا کر دیکھو کھانا تیار ہوا یا نہیں۔" شہباز خان نے خوفناک تیوروں سے انہیں گھورتے ہوئے کہا تو وہ غصے سے وہاں سے نکل گئی تھیں۔ شہباز خان اس کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

"بابا جان! میں اسے چھوڑوں گا نہیں' ظلمت میں نے کبھی تسلیم نہیں کی' کیا نام ہے اس کا؟"

"آں... ہاں.... عارم؟" اس نے گہرے انداز میں کچھ دیر سوچا پھر پرسوچ انداز میں غرایا۔

"جلدی نہیں' جلدی نہیں' اب بہت سوچ سمجھ کر بات کرنی ہوگی۔ ہم غلطی پر غلطی کیے جا رہے ہیں۔" انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں' مجھ سے اب میر انتظار قطعی نہیں ہوگا۔"

❁ ❁ ❁

ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو
اس کنارے پل دو پل
اک خواب کا نیلا پھول کھلے
وہ پھول بہا دیں لہروں میں
اک روز کہیں ہم شام ڈھلے
اس پھول کے بہتے رنگوں میں
جس وقت لرزتا چاند چلے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس وقت کہیں ان آنکھوں میں
اس گزرے پل کی یاد تو ہو
پھر چاہے عمر سمندر کی ہر موج پریشاں ہو جائے
پھر چاہے آنکھ دریچے سے
پھر چاہے پھول کے چہرے پر
ہر درد نمایاں ہو جائے
اس جھیل کنارے پل دو پل
وہ روپ نگر آباد تو ہو

وہ اسپتال سے گھر آیا تو خاصا پرسکون و خوش تھا۔

آج کئی ہفتوں بعد وہ پلاسٹر کی قید سے آزاد ہو کر اسٹک کے سہارے کے بنا اپنے قدموں پر چل کر حویلی کی دہلیز عبور کر کے اندر داخل ہوا تھا۔ حویلی میں جشن کا سماں تھا' بابا جانی اور بی بی جان کی خوشی دیدنی تھی۔ صدقے و خیرات دینے سے ان کے ہاتھ رکتے نہ تھے۔

گلباز خان اس موقعے پر موجود نہیں تھے۔ کسی زرعی مسئلے کے باعث گاؤں سے باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ ہوتے تو صارم کے انکار کے باوجود بڑے دھوم دھڑکے سے فنکشن کا اہتمام کرتے' کیونکہ بی بی جان اور بابا جانی کو سختی سے منع کر چکا تھا۔ وہ اس موقع پر کبھی نہیں مانتے اس کی کوئی دلیل لاجواز۔

آف وائٹ کلف شدہ سوٹ پر بلیک لیدر کی جیکٹ اور جینز میں وہ بہت عرصے بعد شوخی سے مسکراتا' کھلکھلاتا از حد وجیہہ و اسمارٹ لگ رہا تھا۔

"بھابھو! اگر آپ گرم گرم کافی اپنے ہاتھوں سے بنا کر پلا دیں تو دعاؤں کی مستحق ہو جائیں گی۔" وہ اس کے قریب آ کر کھنکھناتا ہوا بولا۔

"صاف کیوں نہیں کہتے' تمہیں تنہائی چاہیے۔" وہ اپنی برابر میں بیٹھی ورشا کی جانب دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں شرارت سے بولی تھی۔

"آہو بندہ اتنا خوش قسمت کہاں ہے۔" صارم نے کن انکھیوں سے شہنیل کے سرخ و سپید سوٹ پر شہنیل کا ہی ہم رنگ چادر نما دوپٹہ اوڑھے نگاہیں جھکائے بیٹھی ورشا کو دیکھ کر شوخی سے جواب دیا تھا۔ اس کے اس انداز میں ورشا کے چہرے پر گھبراہٹ سی چھا گئی تھی۔ جبکہ دانی کل کی چونک کر بول اٹھی تھیں۔

"کیا مطلب؟"

"اوہ! مطلب پوچھنے والے لوگ میری ناپسندیدہ لوگوں کی لسٹ میں شامل ہیں۔ لہٰذا اگر آپ کو اس "لسٹ" سے بچنا ہے تو برائے کرام اپنی ڈکشنری سے یہ لفظ کھرچ کر پھینک دیجیے۔"

وہ بھی ایک کائیاں تھا' ورشا کے چہرے پر پھیلتی گھبراہٹ و سراسیمگی اسے لطف سے دوچار کر گئی تھی۔ بھابھو کی پرتجسس' پراشتیاق نگاہوں کے سوال کو اس نے چالاکی سے موڑا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی کافی بنانے چلی گئیں۔

کمرے میں بولتی تنہائی تھی۔

چائنا روز کی مہک سے فضا معطر و خوش کن تھی۔

ورشا اس کی بے باک و دلکش نگاہیں اپنے چہرے پر محسوس کر کے سخت نروس ہو رہی تھی۔

لب خاموش تھے۔

نگاہوں کی سرگوشیاں اسے سہانے لگی تھیں۔

وہ خود سر تھی۔

ضدی

نڈر

اسے اپنی بولڈ نیس پر از حد ناز تھا۔

جواب ہوا کی زد میں بکھرے پتوں کی طرح بے جان و بے وقعت تھا۔

"ویلز' مبارک باد نہیں دو گی مجھے؟" اس نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کا گلابی ہاتھ پکڑتے ہوئے خاصی سنجیدگی سے کہا۔ اس کی اس جسارت پر وہ بوکھلا اٹھی تھی۔ سینے میں دل کی رفتار تیز ہو گئی۔ دھڑکنیں یکدم ہی بے اعتدال ہو گئیں۔

لبوں پر مہر خاموشی کے باوجود
گزر رہی ہیں جو اندر قیامتیں دیکھو

"ہوں... تم مجھے مبارکباد کیوں دو گی' تمہارا مشن تو فیل ہو گیا ہے۔ پہلے تم نے مجھے پہاڑ پر سے گرا کر مارنا چاہا تھا' لیکن موت کو بھی معلوم ہے میں بہت ڈھیٹ اور ہٹ دھرم بندہ ہوں۔ اتنی آسانی سے جان نہیں دوں گا۔ سو وہ ایک "کلک" لگا کر چلی گئی' کہ بعد میں نمٹنا ہے۔ اور تمہاری خواہش ادھوری رہ گئی ہے بلکہ کچھ مراد بر آئی کہ اسٹک کا سہارا لینے پر مجبور ہو گیا تھا' اور آج وہی اصلی حالت میں لوٹ آیا' اور تم جو چاہتی تھیں وہ نہ ہو سکا۔"

"آپ کسی پر طنز کرنا گھٹیا بلکہ رذیل حرکت سمجھتے ہیں۔" ورشا نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کا ہاتھ بدستور اس کے ہاتھ میں تھا۔ جس کو بڑے استحقاق سے اس نے تھام رکھا تھا۔

"ہاں' لیکن میں اس وقت طنز نہیں کر رہا' سچ بات کر رہا ہوں تم سے براہ راست بات کہنا طنز میں شمار ہوتا ہے؟"

"میں کیا جواب دے سکتی ہوں اس بات کا میں جھوٹ نہیں بولتی۔ اس وقت بھی نہیں بولوں گی کہ مجھے اب بھی کوئی پچھتاوا یا افسوس نہیں ہے۔ دنیا کا کوئی بھی مرد چاہے وہ کس قدر با اختیار' با حیثیت کیوں نہ ہو؟ اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی من مانی و ہٹ دھرمی' حیثیت و مرتبے کے گھمنڈ میں دوسروں کی پگڑیاں و عزت اپنے قدموں تلے روند ڈالے۔ دوسروں کی حرمت و ناموس کو خاک آلود کر دے۔ کسی کو اس طرح حاصل کرنا محبت نہیں ہے۔ مجھے اس طرح حاصل کر کے آپ مسرور و شاداں ہیں۔ اپنی انا کی سرخروئی و ضد کو جیت کا تاج پہنا کر آپ کو کوئی ندامت و شرمندگی نہیں ہے تو مجھے بھی کوئی افسوس و ملال نہیں ہے۔" اس کے سپاٹ لہجے میں تلخی و تندی عود کر آئی۔

"درست کہا ہے کسی نے' حسین چہرے کی کھوپڑی میں بھوسا بھرا ہوتا ہے۔ حسن و عقل کی صدا کی دشمنی چل رہی ہے۔" اس کی مکمل بات سننے کے بعد وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔" اس کے قہقہے میں مستغرق محسوس کر کے اسے اپنی سخت بے عزتی محسوس ہوئی تو اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کی۔

"کیا اجنبیوں کی طرح باتیں کرتی ہو' میرا میرا کی رٹ چھوڑو۔ کوئی علیحدگی نہیں ہے ہم میں' لو تم میرا ہاتھ پکڑو' میں تو نہیں کہوں گا میرا ہاتھ چھوڑو۔" اس نے ہنستے ہوئے اپنا بھاری ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔

"ہونہہ' آپ تو ویسے بھی باہر ہیں' ہاتھ پکڑنے اور پکڑانے میں۔"

جامعہ میں گزرے دنوں کے منظر اس کی نگاہوں میں گھومنے لگے جہاں وہ مختلف لڑکیوں کے ساتھ بانہوں میں بانہیں ڈالے' ہاتھوں میں ہاتھ جکڑے نیستاً تہاد سنسان گوشوں میں پایا جاتا تھا۔ اور اس کی یہ حرکتیں ہی اسے اس سے بدظن کیے رکھتی تھیں۔ اب بھی بے ساختہ اس کے منہ سے بھلے پھنے انداز میں فقرے نکلے تھے۔

"ہمیشہ وہ باتیں یاد رکھی جاتی ہیں جو باتیں ہمیں خوشی بخشتی ہوں۔ سکون و راحت فراہم کرتی ہوں' ایسی باتیں کیوں یاد رکھی جائیں جو آپ کو ڈیپریسڈ کر کے ٹینشن میں مبتلا کر دیں۔ آپ کا چین و قرار لوٹ کر دائمی دشمنی بٹھا لیں۔ بھول کیوں نہیں جاتیں تم' میرا ماضی' حالانکہ میں پروا نہیں کرتا' جیسا ویسا جیسی کے مصداق چلنے کا عادی ہوں میں۔ تم خواہ مخواہ خود کو بھی ٹینس رکھتی

ہو اور مجھے بھی ڈپریسڈ کر دیتی ہو۔" اس نے اس کے گرد بازو ڈال کر خود سے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"اگر میں ایسا کر یکٹر رکھتی تو....؟" اس نے کسمساتے ہوئے تڑخ کر کہا۔

"تو پھر بھی میں تمہیں قبول کرتا ورشا' محبت مثل سمندر ہے۔ اتنی لامحدود جس کا کوئی کنارا نہیں ہوتا۔ محبت روح کا جذبہ ہے' جسم کی آرزو و خواہش نہیں۔ یہاں عشق کی ضیاء پاشیاں ہیں' ہوس کی تاریکیاں نہیں۔ محبت انسان کو فراخدل و وسعت نگاہ بخشتی ہے۔ مرد گمراہی میں گرتا ہے' عورت اپنی وفا و محبت کی طاقت سے اسے سیدھے راستے پر لے آتی ہے' اسے اس کے ہر گناہ سمیت قبول کرتی ہے۔ تو کبھی نا کبھی میں عورت بھی ڈگمگا سکتی ہے' ایسی عورت کی نا کبھی و غلطیوں کو بھلا کر اس کے سر پر اپنی سروائنگی و تحفظ کی چادر ڈھانپنا غیور و با حمیت مرد کی پہچان ہے اور میں ایسا کرتا۔"

اس کے سنجیدہ لہجے میں صداقت و پختگی تھی۔

"ہونہہ' کہنے اور کرنے میں اتنا ہی فرق ہے جتنا دن اور رات میں ہے۔"

"تمہیں سمجھانا و یقین دلانا عبث ہے۔ میں نے شکست مان لی۔ لیکن اس قدر بدگمانی و خود سری خطرناک شے ہے۔ تم حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ جانو کہ تم کس وجہ سے یہاں ہو؟ دانشمند انسان وہی ہوتا ہے جو اپنے دماغ و شعور کا بروقت استعمال کرتا ہے۔ اس طرح وہ بہت ساری پریشانیوں' غلامتوں سے بچ جاتا ہے۔" اس کی باتوں نے اس کا مشتعل مزاج خراب کر ڈالا تھا۔ وہ اس سے دور ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

کمرے میں پھر سے خاموشی رقص کرنے لگی تھی۔ ورشا کو اپنے طرز عمل پر قطعی افسوس نہ تھا۔ ایک دم ہی زوردار آواز سے دروازہ کھلا تھا۔ اور زرگون خانم اندر داخل ہوئی تھی۔

"کب تک چھپاؤ گے اس قاتل کی بہن کو مجھ سے؟"

اندر داخل ہوتے ہی وہ چیخ کر صارم سے مخاطب ہوئی تھی۔ جبکہ اس کی کینہ توز نگاہیں ورشا کے حسین و دلکش چہرے پر جمی ہوئی تھیں جو چونک اٹھی تھی۔

"تمہیں تمیز کب آئے گی؟" صارم بھی غصے سے مخاطب ہوا تھا۔

"مر گئے مجھے تمیز سکھانے والے' واہ' یہاں سریز کے قاتل کی بہن کے ساتھ عیش کیے جا رہے ہیں' مجھ سے تمیز کی بات کی جا رہی ہے؟ یہ محبت ہے تمہاری سریز خان سے؟ جس کے بغیر تم ایک پل رہنا گوارہ نہیں کرتے تھے' اب اس کے قاتل کی بہن کے ساتھ..."

"بھابھو! بہتر ہوگا' آپ اسے یہاں سے لے جائیں تو...."

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اندر داخل ہوتی حیران و پریشان سی رانی گل اسے وہاں دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ صارم نے ان سے بھاپ اڑاتی کافی کا مگ لیتے ہوئے پرسکون انداز میں کہا۔

"چاچی! تمہیں میرے معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج تو یہ میرے ہاتھ لگی ہے مجھ سے اسے ایسے چھپایا جا رہا تھا گویا یہ لڑکی نہیں 'خزانے کا نقشہ ہے۔ اس گھر کا دستور بھی کتنا عجیب و انوکھا ہے۔ قاتل کی بہن سے بدلہ لینے کے بجائے اسے سر دل پر بٹھایا جا رہا ہے۔ ناز' نخرے اٹھائے جا رہے ہیں۔ سب بے غیرت و بے ضمیر ہو گئے ہیں۔ اگر ہوتے غیرت مند اور باہمیت تو اس لڑکی کو اسی وقت قتل کر کے سبریز خان کے برابر میں دفنا دیتے۔"

"پاگل ہو گئی ہو تم' تمہیں کوئی چھوٹے بڑے کا لحاظ نہیں ہے جو منہ میں آ رہا ہے بول رہی ہو' بولنا سوچ سمجھ کے۔"

رانی گل نے آگے بڑھ کر اس کے شعلے اگلتے ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

اس کے ہونٹوں سے نکلنے والے ایک ایک لفظ نے ورشا کے احساسات و جذبات پر بھی برف اس طرح پگھلا ڈالی تھی' گویا تیز آنچ جیسے پتھروں کو پگھلا ڈالے۔ اس کی سماعتوں میں دعا کے ہو رہے تھے' جسم میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔

"وہ قاتل کی بہن تھی۔ سبریز خان کے قاتل کی بہن۔"

رانی گل' بری طرح واویلا کرتی زرگون خانم کو زبردستی گھسیٹ کر لے گئی تھیں۔

"ورشا... ورشا! کیا ہوا؟" صارم نے اس کی متوحش آنکھوں میں جھانکتے ہوئے نارمل انداز میں استفسار کیا۔

❁❁❁

"وہ کیا کہہ رہی تھی؟" اس نے کانپتے لہجے' حیرانگی سے پھٹی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"بیٹھو... پلیز' لیک اٹ ایزی ورشے!" اس وقت وہ اسے بہت معصوم لگی۔ کمسن و خوفزدہ بچے کی مانند۔ بے ضرر' تنہا' کسی امان کی تلاش میں سہما ہوا وجود۔ اس نے مگ ٹیبل پر رکھ کر اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

"فار گاڈ سیک! آپ مجھ سے کچھ نہ چھپائیں جو بھی سچ ہے مجھے بتائیں؟"

اس وقت وہ عجیب کیفیت میں تھی۔ صارم کا لہجہ' اس کی قربت' اس کے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ' وہ کچھ محسوس ہی نہ کر رہی تھی۔

اس پر ایک جنون سوار تھا۔

ایک وحشت حاوی تھی!

بہت سے لفظ ذہن میں گڈمڈ ہونے لگے تھے۔

"کیا ہوا بچے؟ کیوں پریشان ہو رہے ہو؟"

رانی گل کے ہمراہ بی بی جان گھبرائی' بوکھلائی سی داخل ہوئی تھیں۔

زرگون خانم کو بمشکل اس کے کمرے میں چھوڑ کر وہ بی بی جان کو صورت حال بتا کر اپنے ساتھ لے کر آ گئی تھی۔ ورشا کو اس گھر میں آئے کچھ ہی دن ہوئے تھے۔ اور رانی گل کو وہ خاموش' گم صم رہنے والی بہت پسند آئی تھی۔ وہ اسے بہنوں کی طرح چاہنے لگی تھی۔ اب بھی اس کی ہراساں و پریشان صورت اس سے دیکھی نہ گئی تھی۔ اس لئے وہ بی بی جان کو بلا کر لے آئی تھی۔

"بی بی جان! کوئی بات نہیں ہے۔ آپ پریشان مت ہوں۔" صارم ان کی طرف بڑھ کر اطمینان سے بولا تھا۔ جبکہ انہوں نے اسے لپٹا لیا تھا۔

"میرا دل گھبرا رہا ہے۔ یہ میرا سر کیوں گھوم رہا ہے؟" یکدم ہی بی بی جان کی آغوش میں اسے پورا کمرہ قریب کھڑا صارم' رانی گل سب گول گول گھومتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ دل کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رفتار تھی کہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔

چند لمحوں بعد وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو چکی تھی۔

"ارے! یہ تو بے ہوش ہوگئی۔" بی بی جان پریشان لہجے میں گھبرا کر گویا ہوئیں۔ جبکہ سالم نے اسے قریبی صوفے پر لٹا دیا تھا۔ رانی گل پانی لینے کمرے سے باہر گئی تھی۔

"بی بی جان! آپ پریشان مت ہوں۔ کچھ نہیں ہوا اسے۔ ابھی ہوش میں آجائے گی۔"

"پریشان کیوں نہ ہوں؟ اگر یہی گھر کے حالات رہے تو کیا ہوگا؟"

"کچھ بھی نہیں ہوگا' اچھا ہے اسے جلد از جلد صورت حال کی سچائی کا احساس ہو جائے۔ بھلا کب تک یہ سچائی سے بچ سکتی ہے۔"

"تم اسے اپنے ساتھ کراچی لے جاؤ۔ اس طرح یہ بھی سکون سے رہے گی اور گھر میں بھی بدمزگی پیدا نہیں ہوگی۔" انہوں نے کچھ دیر سوچ کر کہا۔

"نہیں بی بی جان' ابھی نہیں۔ میں ابھی برنس کے متعلق کچھ کورسز کے سلسلے میں ملک سے باہر جاؤں گا۔ جب تک یہ یہیں رہے گی۔"

"نہیں..... میرے بچے جب تک بڑی بہو اور زرگون خانم اسے جلا جلا کر مار ڈالیں گی۔"

"سونا' آگ میں جل کر ہی کندن بنتا ہے۔ میری طرف سے ان کے دل میں ارمان پورے نہ ہوئے تھے۔ اب میں انہیں مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ میری پرورش میں مودے نے بھی بکے حق ادا کیا تھا۔ اور اس "حق" کے حوالے سے ورشا ان کی بہو ہے۔ ساس اور بہو کے درمیان میں نہیں آنا چاہتا۔"

❁ ❁ ❁

"ہوئے خان! گھر میں کیا تماشا لگا رکھا ہے آپ کی چہیتی نے؟ لگتا ہے جب سے بیٹی نے منہ کالا کیا ہے۔ اس وقت سے اس عورت کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

گل خانم آج کل گاؤں کی بچیوں کو بلا کر دین کی باتیں سمجھانے لگی تھیں۔ ان کو نیک اور اچھی باتوں کا درس دیتیں' نماز ادا کرنے کے فوائد' قضا کرنے کا عذاب اور بھی دوسرے سبق ایسے درس تھے کہ جن کی تبلیغ کی اس وقت اشد ضرورت تھی۔

وہ بے حد نرم لہجے میں میٹھے اور اپنائیت بھرے انداز میں بچیوں کو سمجھاتی تھیں۔

کم عمر لڑکیوں کے علاوہ ان کی مائیں بھی وہاں آنے لگی تھیں۔ گل خانم اپنا اور ان کے لمحوں میں بھول جایا کرتی تھیں۔ یہ وقت انہیں اپنی زندگی کا حسین ترین حصہ لگتا تھا۔ اور گل جاناں کو ان کی یہ مصروفیت اور اطمینان و سکون ایک آنکھ نہ بھا رہا تھا۔ پہلے پہل تو انہوں نے سب

عادت ان کو باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ اب کہاں ان کو خاطر میں لاتی تھیں۔ ورشا کے ساتھ ہونے والے ظلم نے ان کی ممتا کو نڈر اور مضبوط بنا دیا تھا۔ اب ان سے کسی سمجھوتے پر وہ راضی نہ تھیں۔ گل جاناں کو ان کا یہ مضبوط و بے لچک انداز قطعی نہیں بھا رہا تھا۔ لیکن اس بار وہ بے بس ہو گئی تھیں کہ ان کی "دانشمندی" کو شوہر اور بیٹے نے سخت برا کہا تھا اور بڑے دونوں بیٹے احتجاج کے طور پر حویلی چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ لیکن وہ اب بھی خود کو غلط کہنے پر راضی نہ تھیں۔

"میں نے کچھ کہا ہے خان' آپ سے۔" وہ ہنوز انہیں اخبار میں گم دیکھ کر ان کے قریب آ کر قدرے طنزیہ و خشک لہجے میں بولی تھیں۔

"اپنے مسئلے خود نمٹاؤ' میرا دماغ مت چاٹو۔" وہ غصے میں انہیں جھٹک کر بولے۔

"ارے آپ تو مجھے اس طرح ڈانٹ رہے ہیں جیسے میں اس حویلی کی مالک نہیں کوئی گھٹیا بھکارن ہوں۔" وہ جل کر خاک ہو گئیں۔

"سبز قہوہ لے کر آؤ۔" انہوں نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا جو گل جاناں بخوبی سمجھ گئی تھیں۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی آئیں۔ سامنے سے آتی سفاویہ کو دیکھ کر ان کا منہ ایسا ہی بن گیا تھا گویا زہر چبا لیا ہو پھر بھی اسے قہوہ بنا کر لانے کا حکم دے کر وہ آگے بڑھنے لگی تھیں کہ گل خانم کی نرم مگر گونجدار آواز نے ان کے قدم ساکن کر دیئے۔

"نہیں' سفاویہ تم قہوہ نہیں بناؤ گی۔" سفاویہ نے حیرانگی سے ان کی جانب دیکھا تھا۔

"مجھے نہیں اس کے باپ کو طلب ہو رہی ہے۔"

"تم سے کہا گیا ہے۔ لہٰذا تم خود بنا کر لے جاؤ۔"

"واہ..... واہ! ملانی صاحبہ' روز ان جاہل گنوار عورتوں کو بلا کر بڑی کتابیں سناتی ہو؟ بہت دین کی باتیں بتاتی ہو' خاوند مجازی خدا ہوتا ہے۔ خاوند کو خوش رکھنے والی عورت جنت میں جائے گی۔ جو بیوی خاوند کے حکم کو نہیں مانتی اس پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔ ان کے واسطے یہ سب کام فرض ہیں؟ تمہاری اولاد اور تم ان باتوں سے آزاد ہو؟"

"نہیں' نہ میں اپنے حقوق و فرائض سے بے بہرہ ہوں اور نہ میری اولاد بے ادب و نافرمان ہے۔ لیکن اس کا باپ اور میرا خاوند مجھے حکم دیتا تو کبھی خواب میں بھی ایسی بات نہیں ہوتی یا تم نے ہمیں اپنا سمجھا ہوتا تو مجال نہیں تھی انکار کی..... لیکن بات یہاں بیوی اور بیٹی کے فرض کی نہیں ایک بے رحم و سنگدل عورت کی ہٹ دھرمی کی ہے۔ تمہارے ہر ظلم' ہر ستم کو میں برداشت کر گئی۔ اپنے اندر کی عورت کو میں نے مار ڈالا تھا۔ مگر افسوس' عورت تو مر گئی لیکن ماں نہ مر سکی۔"

❁ ❁ ❁

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تین ماہ کا عرصہ بہت سرعت سے گزرا تھا۔ اور اس قلیل عرصے میں چند دنوں بعد ہی اسے اپنی جذباتی حماقت و بیوقوفی کا احساس ہر ہر لمحے ہوا تھا۔ اس نے جسے ایک مکمل انسان' انسانیت و شرافت کا پیکر سمجھا تھا' وہ جلد ہی اپنی اصلیت و خباثت پر اتر آیا تھا۔ اس کی ذات کی وہ پستیاں و غلاظتیں اسے متوحش و ہراساں کر گئی تھیں۔ شمشیر خان کی خاطر اس نے باپ سے زیادہ چاہنے والے چچا کو بے عزت کیا تھا۔ ان کی غیرت و حمیت کو ٹھوکر مار کر چلی آئی تھی۔ اپنے لئے ہر دم فکر مند و چاہنے والی' فرحت آپا کو اس نے اپنا دشمن سمجھ لیا تھا۔ کتنی عاقبت اندیش و دوراندیش تھیں وہ۔ انہوں نے کس قدر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی' کتنی اس کی دیوانگی سے نالاں تھیں' چچا جان نے بھی ہر ممکن کوشش کی تھی کہ وہ شمشیر خان کے سحر سے آزاد ہو جائے لیکن وہ باشعور اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود کسی کم عمر لڑکی کی طرح ناسمجھ و احمق بن گئی تھی۔

محبت و بے خودی کا طوفان جذبات میں کچھ اس طرح برپا ہوا تھا کہ وہ وقتی طور پر سب کچھ ہی بھلا بیٹھی تھی۔

اب سب یاد آیا تو وقت گزر چکا تھا۔ بے رحم و بے پروا وقت بھلا کبھی کسی کے لئے رکا ہے؟ طوفان تھم چکا تھا۔ جذبات کی شر انگیزیوں نے اسے ساحل سے دور گرداب میں لا پھنسایا تھا۔ جہاں وہ دھنستی جا رہی تھی۔ ہر سمت اندھیرا تھا۔

وحشتوں کی سنسناتی آندھیاں تھیں۔

پچھتاووں کی گرفت۔

آنسوؤں کی روانی جہاں اس کے رخساروں پہ مسکن بنا چکی تھی۔

شمشیر خان کی عیاش فطرت' رنگین مزاجی کب تک اس سے تھمی رہ سکتی تھی؟ وہ مرد تھا' اخلاق باختہ و بدکردار..... اسے اس کی دل رنجیدگی و احساسات کی پروا بالکل نہیں تھی اور نہ ہی اس نے اس سے بچنے یا پوشیدہ رہنے کی سعی کی تھی۔

آج بھی وہ پورے ایک ہفتے بعد آیا تھا۔ اسے دیکھ کر کائنات بپھر اٹھی تھی۔

"میں کہاں گیا تھا؟ کیوں گیا تھا؟ یہ سوال آج تک میری ماں کو مجھ سے پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی تو دو ٹکے کی عورت! مجھ سے پوچھتی ہے میں کہاں گیا تھا؟" اس کے استفسار پر وہ قدرے غضب سے دہاڑا تھا۔

"آپ کس انداز میں بات کر رہے ہیں؟ آپ کی ماں' آپ سے بے پروائی کا مظاہرہ کر سکتی ہیں لیکن میں نہیں' کیونکہ میں بیوی ہوں۔ میرا پوزیشن' فوقیت آپ سے واضح ہے۔" وہ اس کے جارحانہ آمیز رویے پر ششدر رہ گئی تھی۔

"اوقات میں رہو اپنی' تم جیسی ہزاروں عورتیں میری زندگی میں آ کر نکل گئیں۔"

"مجھے ان گھٹیا عورتوں کی لسٹ میں شامل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ میں باوقار طریقے سے آپ کی زندگی میں شامل ہوئی ہوں۔ مجھ سے محبت کا دعویٰ تھا آپ کو....."

"آ ہاہاہا..... مجھے محبت کا دعویٰ تھا یا تم خود پکے ہوئے پھل کی طرح میری آغوش میں گرنے کو بے قرار تھیں۔ شکر کرو عادت کے برخلاف تمہیں اپنا نام دیا ہے۔ ورنہ شمشیر خان کے لئے کسی لڑکی کو حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور یہ بھی تمہاری خوش بختی ہے کہ تم ابھی بھی یہاں نظر آ رہی ہو ورنہ شمشیر خان ایک دفعہ کے بعد دوبارہ کسی عورت کو برداشت نہیں کرتا۔ مجھے کلیوں سے عشق ہے پھولوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اس کا لہجہ نہایت توہین آمیز و تحقیر انہ تھا۔ کائنات بالکل ساکت ہو گئی تھی۔ اسے اپنے حسن' اس کے عشق پر بہت فخر و غرور تھا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟ کتنا ذلت آمیز تھا سب۔

"آہ..... اتنی جلد تو آرٹیفشل جیولری سے بھی کلر نہیں اترتا جتنی جلد آپ نے خود پر چڑھایا ہوا مکر و فریب کا لبادہ اتار پھینکا ہے۔" کچھ دیر بعد وہ خود پر قابو پا کر بولی۔

"مجھے بک بک سننے کی عادت نہیں ہے۔ اگر اس گھر میں رہنا چاہتی ہو تو آنکھیں اور کان بند کر کے رہو ورنہ یہاں سے جا سکتی ہو۔"

"میں اپنی ساری کشتیاں جلا کر اس سمت آئی ہوں خان! اب مجھے یہیں رہنا ہے۔ اپنی بقا' اپنے حقوق کی جنگ لڑنی ہے مجھے..... اور میں نے تمہیں پایا ہے تو کھونے نہیں دوں گی۔"

اس نے بہتے آنسو صاف کر کے ایک عزم سے سوچا تھا۔ جبکہ شمشیر خان بے خبر سو چکا تھا۔

❁ ❁ ❁

کسی کو کیا بتائیں ہم کہ
ہم کیسے ہیں ہم ایسے ہیں
جیسے کہ جلا ہوا وجود
جیسے تازہ زخم
جیسے دکھا ہوا دل جو ہوا سے بھی
دکھ جائے اور شبنم سے بھی
جیسے کوئی خالی لوٹائی گئی دعا
جیسے کوئی ہجر کی رات

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جس کی کوئی سحر نہ ہو
جیسے کوئی اوگن ہارا.....!

آگہی ایک عذاب مسلسل ہے۔

کس قدر بے فکر پر سکون زندگی ہوتی ہے۔ جب ہم اس چار حرفی لفظ "آگہی" سے نا آشنا' ناواقف رہتے ہیں۔ وہ بھی کچھ عرصہ قبل خود کو مظلوم و صادم کو ظالم سمجھتی رہی تھی۔

حالات کی ستم ظریفیوں!

وقت کی بے رخیوں!

اور اپنے ہی بھائی کے ظلم کا احساس نہ کر سکی تھی وہ!

آنکھیں' کان' دماغ۔

شعور پہ اس نے پہرے بٹھا دیئے تھے۔ اپنی انا کی شکست اسے برداشت نہ ہوئی تھی اور نتیجتاً اس زور دار انداز میں زمین بوس ہوئی تھی کہ شیشہ ذات چکنا چور ہو گیا تھا۔ ندامتوں اور شرمندگی نے کہیں کا نہ رکھا تھا۔

کس قدر روشن ضمیر' انصاف پسند' نیک لوگ تھے کہ محض اسے ذلت و رسوائی سے بچانے کی خاطر اس گھر کی بہو بنا کر لائے تھے' جس گھرانے کی خوشیوں کو لوٹنے والا اس کا بھائی تھا۔ اس نفسا نفسی' خود غرضی و خود پرستی کے دور میں جب سگے بھی رشتے توڑ ڈالتے ہیں۔ خلوص پامال کرتے ہیں' وفا پرستی پر بے رخی و بے ثباتی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

ایسے بے مہر و سنگدل وقت میں' وہ انسانیت و اخلاقیات کی مشعل ہاتھ میں لئے اس کی طرف بڑھے تھے۔ اسے اپنے سگوں سے بڑھ کر عزت و مان دیا تھا۔

اس ستم گر و طوطا چشم وقت میں اس قدر وضعدار' ایثار پسند' رحم دل و معاف کرنے کا بلند حوصلہ و اعلیٰ ظرف رکھنے والے لوگ موجود و سلامت ہیں۔

اور شاید ایسے نیک و فرشتہ صفت لوگوں کے بابرکت و پاک باطن کے باعث گناہوں کی دلدل میں غرق' نافرمانیوں کی آلودگی سے سیاہ دنیا' ابھی بھی قائم و دائم تھی۔

بی بی جان اور شریں گل سے بے حد اصرار کر کے اس نے ساری صورت حال معلوم کر لی تھی۔ صادم اسی دن اس سے ملے بغیر کراچی چلا گیا تھا۔ جہاں سے ایک ہفتے بعد وہ مغربی ممالک کے دورے پر نکل گیا تھا۔ وہ سنجیدگی سے بزنس اسٹیبلش کرنے ارادہ کر چکا تھا۔ اس لئے کچھ اسی سلسلے میں وہ باہر کے ملکوں کے تجارتی رجحان کی چھان بین کے لئے نکل گیا تھا۔ لیکن اسے لگ رہا تھا' وہ اس سے دامن بچا کر گیا ہے۔ شاید وہ خفا تھا اس سے۔ اس کی غیر موجودگی اسے اپنی فضول و

احمقانہ زیادتیوں اور بدتمیزیوں کا احساس دلاتی رہی اور وہ خود کو کم سے کمتر سمجھنے لگی۔ وہ بد کردار اور چھچھورا شخص جس کو کبھی اس نے قابل اعتنا نہ جانا تھا۔ اب بہت معتبر و عظیم نظر آنے لگا تھا۔ اور کیوں نہ آتا۔ بہت صبر و تحمل' اعلیٰ ظرفی و بردباری سے اس نے اس کی نفرت' تذلیل و تضحیک' ہتک آمیز گفتگو برداشت کر کے ثبوت دیا تھا کہ وہ بھی اس اعلیٰ و نجیب الطرفین خاندان کا باوقار و باحمیت مرد ہے۔ اپنی دسترس میں آنے والی شے بھی جس کے لیے ممنوع تھی۔

وہ شاید یکدم ہی از حد احسانوں اور نوازشوں کے زیر بار خود کو سمجھنے لگی تھی۔

ضمیر کا بوجھ' احساسات کی گرانی' اس سے برداشت نہ ہوئی اور بہت خاموشی سے اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ گل زیبا اور زرگون کے سامنے۔

اپنے بھائی کے قاتل ہونے کا ازالہ اسے یہی کرنا تھا۔

بے شک وہ لوگ بہت مہربان اور اچھے لوگ تھے۔ لیکن احسان فراموش اور کم ظرف وہ بھی نہ تھی' مگر یہ خان کی موت کا ازالہ وہ ہرگز نہ کر سکتی تھی کہ مرے زندہ کرنا ناممکن بات ہے سو ان ماں بیٹی کی گالیاں' طعنے' کوسنے بہت خاموشی سے سنتی تھی۔

انا.....

عزت نفس!

خودداری!

ہر جذبے کو اس نے کچل ڈالا تھا۔ اپنا آپ راکھ کر لیا تھا۔

گو کہ بی بی جان' شیریں گل اس کا بہت خیال رکھتی تھیں لیکن ایک ہی حویلی میں رہتے ہوئے وہ دن میں کئی مرتبہ ان دونوں سے ٹکراتی تھی اور جواب میں ہر بار ہی وہ دل کی بھڑاس نکالا کرتی تھیں۔

"کیا سوچ رہی ہو بیٹے؟ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔" بی بی جان کی نرم و محبت سے چور آواز اسے خیالوں کی دنیا سے کھینچ لائی تو اس نے گہرا سانس لے کر کہنا شروع کیا۔

"یہ سوچیں ہی تو انسان کے اختیار میں ہوتی ہیں بی بی جان ورنہ انسان بے چارا تو خاصا بے اختیار و بے بس بندہ ہے۔" اس نے دھیمے سے مسکرا کر کہا۔

"سچ ہے لیکن رب کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ اگر انسانوں کو سارے اختیارات حاصل ہو جاتے تو دنیا کب کی فنا ہو چکی تھی۔ کسی کو کھانے پر اختیار ملتا' کسی کو پانی پر' کسی کے اختیار میں روزی ہوتی' کسی کے اختیار میں رزق تو بچے' لوگ اپنی بڑائی کے زعم میں ایک دوسرے کو سسکا سسکا کر مار ڈالتے۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بالکل ٹھیک کہا بی بی جان! آپ نے اب جیسے صارم کے اختیار میں ہے اپنی مرضی کرنا' تو دیکھیں وہ کتنے اطمینان سے دو مہینے سے ملکوں ملکوں کی سیر کر رہے ہیں۔ نہ آپ کی اور بابا جانی کی فکر ہے اور نہ ہی گھر اور گھر والی کا خیال ہے۔ ایسا بھی بھلا کوئی کرتا ہے اگر جانا ہی تھا تو درشا کو بھی ساتھ لے جاتا۔" گل شیریں ان کے قریب بیٹھتے ہوئے گفتگو میں حصہ لینے لگی۔

"وہ تو ہے سدا کا بے پروا اور بے فکرا لیکن اب ورثے اسے اس کی ذمے داری کا احساس دلائے گی کہ وہ اب اپنا لاابالی پن وغیرہ ذمے دار رویہ چھوڑ کر زندگی کے تقاضوں کو سمجھے' نئے بندھن کا احساس کرے۔ وہ اب ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھ چکا ہے۔ اس کا یہ رویہ بالکل نہیں چلے گا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنائیت بھرے دبے دبے لہجے میں درشا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سن رہی ہو نا بہو بیگم' بی بی جان کے نیک ارادے۔" شیریں گل کے شرارتی لہجے پر وہ مسکرا کر رہ گئی۔

❁ ❁ ❁

دو چار نہیں مجھ کو فقط ایک بتا دو
انسان جو باہر سے بھی اندر کی طرح ہو!

"سمندر خان! خان کہاں ہے تمہارا؟" غیر متوقع اس کی آمد تھی۔

سمندر خان جو صمد خان کے ساتھ بیٹھ کر بے فکری سے نشے سے بھرے سگریٹ پی رہا تھا۔ اسے ڈیرے پر موجود دیکھ کر وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور ساتھ ہی صمد خان بھی۔

"کیا کان اور زبان سے بالکل ہی چوپٹ ہو گئے ہو دونوں؟"

"سس..... سلام بیگم صاب' آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟"

"تم کون ہوتے ہو یہ سوال مجھ سے پوچھنے والے؟ خان کہاں ہے تمہارا؟"

"وہ..... وہ! وہ بیگم صاب' خان اندر نہیں ہے۔" اس کے بگڑے تیور اور چارحانہ انداز دیکھ کر سمندر خان حواس باختہ ہو گیا تھا جبکہ صمد خان اسے سلام کر کے وہاں سے باہر چلا گیا تھا کہ وہ ڈرائیونگ کے فارغ اوقات میں یہاں کی چوکیداری کے فرائض انجام دیتا تھا۔

"جھوٹ نہیں بولو مجھ سے۔ وہ اندر ہی ہے۔" سمندر خان کی بوکھلاہٹ و سراسیمگی ہراساں نگاہوں سے اندر کی جانب دیکھنا اسے لمحے بھر میں باور کروا گیا تھا کہ شمشیر خان اندر ہی ہے۔

"نہیں بیگم صاب' خان اندر نہیں ہے۔ خان تو ایک ہفتے سے شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔" اسے اندر کی جانب قدم بڑھاتے دیکھ کر وہ سرعت سے اس کی راہ میں حائل ہوا تھا۔

"میری راہ سے ہٹ جاؤ۔ یاد رکھنا' طوفان سے زیادہ وہ عورت تباہ کن ہوتی ہے جس کے اعتماد کو جھوٹی محبت کے جھانسے میں پامال کیا گیا ہو۔"

کائنات نے غضب ناک نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ جواب میں وہ گینڈے جیسی جسامت رکھنے والا سمندر خان جس کی بڑی بڑی مونچھیں اور سرخ آنکھیں دیکھ کر لوگ خوف زدہ ہو جایا کرتے تھے' اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر گلوگیر لہجے میں التجائیں کرنے لگا۔

"ہماری جان پر رحم کرو بیگم صاب' صاب مجھے جان سے مار ڈالے گا' بلکہ زندہ دفن کر دے گا اور آپ کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"ہونہہ..... اب زندہ رہنے کی امنگ کس کو ہے۔ فی الحال تم مجھے اندر جانے سے نہیں روک سکتے۔" اس کی بلند آواز دور دشت لہجہ سرائے کے خاموش در و دیوار میں گونج اٹھا تھا۔

"کون شور کر رہا ہے؟" اندر سے شمشیر خان دہاڑتا ہوا برآمد ہوا تھا اور کائنات کو سامنے دیکھ کر پہلے تو لمحے بھر کو اس کی سرخ سرخ ہیبتی نگاہوں میں استعجاب و بے یقینی کی چمک ابھری پھر فوراً اس کی جگہ قہر و طیش نے لے لی۔ سمندر خان کی روح فنا ہو گئی تھی۔

"تم' کس کی اجازت سے گھر سے قدم نکالا ہے تم نے؟"

"جن عورتوں کے شوہر جنتوں گھر سے بلا اجازت' بغیر بتائے غائب رہتے ہیں۔ پھر ایسی عورتوں کو کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں رہتی۔"

"مجھے بچپن سے ایسی عورتوں سے خار رہا ہے جو تقریروں کی شوقین ہوتی ہیں۔ اور ایسی عورتیں بھی سخت زہر لگتی ہیں جو مرد سے زبان چلاتی ہیں اور ایسی عورت تو میں برداشت بھی نہیں کرتا جو خاوند کی بلا اجازت گھر سے نکل کر اس کا پیچھا کرے۔"

"عیاش طبع! بدکردار! ہوس پرست مرد کو عورت کا صرف ایک ہی روپ اچھا لگتا ہے۔ اس کے گناہ آلود نفس کی بھوک مٹاتا وجود' کبھی نہ بجھنے والی ہوس کی آگ کو سرد کرتا وجود۔ تم جیسا آدمی کیا جانے گا' شرافت' عزت' وقار کیا شے ہے؟ تمہاری دولت و طاقت کے زور پر کھلونا بن جانے والی عورت تمہیں پسند ہے بس۔ ان معاشرے کے اسی فیصد گھٹیا ذہنیت' خود غرض مردوں کی طرح۔"

بہت کم عرصے میں اس کا ہرجائی پن' جھوٹ' فریب اور سب سے زیادہ اس کی رنگین مزاجی و عیاش طبیعت نے کائنات کے اعتماد' اس کی ذات کو اس طرح توڑ کر ریزہ ریزہ کیا تھا کہ وہ اپنی شیشہ ذات کی ایک کرچی بھی سمیٹ نہ پائی تھی۔ فرحت آپا کے اندیشے' چچا جان کے اعتراضات و انکار کے معنی اس کے سامنے اتنی جلد آشکارہ ہو جائیں گے۔ اسے معلوم ہوا تو کھیل ہی ختم ہو گیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

منڈلانے والا بھنورا بھلا کب تک اس پر قناعت کر سکتا تھا۔ اس کے آگے

نے عہد کر لیا تھا وہ اسے مزید گھر خراب کرنے نہیں دے گی۔ بدلے میں
ے مار دے مگر وہ اب اس کے مقابلے پر اتر آئی تھی۔
نے کی کوشش آئندہ کی تو زندہ زمین میں گاڑ دوں گا۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"
ں کے بائیں رخسار پر مارتے ہوئے غضبناک انداز میں کہا۔
؟ باہر خاصی دیر لگا دی تم نے۔" اندر سے جھونتی جھانتی ایک عورت نکلی تھی۔
خسار پر ہاتھ رکھتے ہوئے نفرت سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ شمشیر خان
ت سے اندر جانے کو کہا تھا۔ وہ فوراً ہی اندر چلی گئی تھی۔
سے زیادہ توہین کیا ہو سکتی ہے کہ شوہر کے پہلو میں دوسری عورت نظر آئے۔
یہ مصروفیات تھیں۔ جس نے تمہیں گھر آنے کا ٹائم ہی نہیں دیا؟ بہرکیف
اس جگہ سے نہیں جاؤں گی جب تک تم اس گھٹیا عورت کو یہاں سے دفع کر

لہجے میں بولتی ہوئی وہیں باہر پڑی چارپائی پر اطمینان سے بیٹھ گئی۔
ے دماغ کا بندہ ہوں۔ میں نے کچھ سوچ کر فیصلہ کر لیا ہے۔ ورنہ میرا ہاتھ
یں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم چلی جاؤ ورنہ....."
ہو میں ایک تھپڑ کھا کر ڈر جاؤں گی؟ اونہہ' عورت کو صرف ایک ڈر ہوتا ہے'
سم کا' اپنے حق کے ہتھیارے کا' جو تم ان بازاری و سستی گھٹیا عورتوں میں تقسیم
تا جا رہا ہے۔ میری ذات کی نفی ہو گئی۔ میری انا' خودداری' وقار سب ختم
نہیں ہے۔ تم' مجھے مارو' جان سے مار دو' زندہ دفن کر دو' مجھے بدترین زندگی سے
ی موت سے خوف محسوس ہوتا ہے۔"
ے' بکھرنے' دل کا' اعتماد کا' محبت کا لہو رس رہا تھا۔ آنکھوں میں وحشت
ں تھا کہ شمشیر خان نے مزید کچھ نہیں کہا۔ سمندر خان کو اندر موجود عورت کو
یا حکم دیا اور خود اسے لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سیٹ سے ٹیک
ے اندر کے آنسوؤں پر قابو پانے کی جستجو میں مگن تھی۔ جانتی تھی وہ فاتح
نے ملازموں کی موجودگی میں کیا ہے کہ ان کے سامنے اس کی بک بک سننے کا

دو دن بعد وہ ہوگا اور اس کی رنگ رلیاں ہوں گی۔ ہاں شاید..... وہ اس پر کوئی سخت پہرے لگوا دے گا۔

❁ ❁ ❁

"کیسی مکار و چالاک لڑکی ہے۔ آپ کا ہر حکم کتنی سعادت مندی سے مانتی ہے۔ کسی بات پر چون و چرا نہیں کرتی۔ حد ہوتی ہے بے نیازی و بے غیرتی کی۔ لیکن اس پر تو لگتا ہے ہماری کڑوی سے کڑوی بات کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔" زرگون خانم' گل زیبا کے پاس لیٹی ہوئی ورثا کے متعلق استعجابیہ لہجے میں بات چیت کر رہی تھی۔

"میرا حکم مانے گی کیوں نہیں' جانتی ہے پوری حویلی میں میری حکمرانی چلتی ہے۔ ذرا بھی تیزی دکھائی تو چٹیا پکڑ کر باہر نہ کر دوں گی۔" گل زیبا چھالیہ چباتی ہوئی بڑے فخریہ لہجے میں بولیں۔ بیٹی نے تائید میں گردن ہلائی تھی۔

"مجھے اس کا وجود برداشت نہیں ہوتا مورے! اسے دیکھ کر مجھے اپنی شکست کا احساس ہوتا ہے۔ صارم کے چھن جانے کا دکھ چھری بن کر میری رگ رگ کو زخمی کر ڈالتا ہے۔"

"اب چھوڑو اس قصے کو' جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ وہ تمہارے نصیب میں ہی نہیں تھا۔ دو ماہ بعد کل برخ انگلینڈ سے آ رہا ہے۔ بڑی ادے نے عرصہ دراز سے تمہیں اس کے لئے مانگ رکھا تھا۔ مجھے معلوم تھا صارم مشکل سے ہاں کرے گا۔ کیوں کہ وہ بچپن سے تمہیں بہن کہتا آیا ہے۔ میں نے سوچ لیا تھا اگر یہاں بات نہ بنی تو وہاں معاملہ فٹ ہو جائے گا۔ یہی سوچ کر میں نے ادے کو جواب نہیں دیا تھا۔ اب دیکھ لو..... میری ہوشیاری کام آئی یا نہیں۔"

"تمہاری چالاکی و مکاری کی حکومت اب ختم ہو گئی بیگم صاحبہ! حویلی کی حکمرانی تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔" گلباز خان اندر آتے ہوئے سخت لہجے میں گویا ہوئے تھے۔ انہیں اس طرح اندر آتے دیکھ کر دونوں ماں بیٹی حواس باختہ سی کھڑی ہو گئی تھیں۔

"آ..... آپ کب آئے خان؟"

"میں اندر کمرے میں صبح سے موجود ہوں۔ تمہاری تمام حرکتیں دیکھنے اور باتیں سننے کے لئے۔ آج مجھے محسوس ہو رہا ہے' کتنا بدنصیب باپ اور نااہل شوہر ہوں میں۔" انہوں نے رنجیدہ و ملول سی نگاہیں بیوی اور گھبرائی گھبرائی سی بیٹی پر ڈالتے ہوئے تاسف سے کہا۔

"چالیس سال کی بے لوث و خلوص بھری رفاقت میں تمہاری اندر کی دوغلی و مفاد پرست عورت سدھر نہ سکی' اتنے عرصہ میں بے غرض محبت کی روشنی سیاہ اندھیروں میں اجالے بکھیر دیتی ہے' اور اولاد بھی ان سیاہ اندھیروں کی پروردہ نکلی۔ بیٹے نے مایوس کیا ہی تھا' آج بیٹی کے منہ سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نکلنے والے اس مظلوم لڑکی کے خلاف ایک ایک لفظ نے مجھے از حد ایذا پہنچائی ہے۔"

"بابا جان..... بابا جان..... معاف کر دیں میں پاگل ہو گئی تھی۔ دماغ خراب ہو گیا تھا میرا مجھے معاف کر دیں۔ آئندہ آپ کو کوئی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" گمراہی کی سیاہی ابھی اس کے اندر تک سرایت نہ کر سکی تھی۔ باپ کی شکستہ حالت نے اسے لمحے بھر میں تڑپا کر رکھ دیا تھا۔ بے اختیار وہ باپ کے آگے ہاتھ جوڑ کر رو پڑی تھی۔

"مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے بچے! افسوس تو تمہاری ماں کی تربیت کا ہے۔"

"بابا جان! آپ فکرمند مت ہوں۔ میں آپ کو اب کبھی شکایت کا موقع نہ دوں گی۔"

زرگون خانم نے باپ سے معافی مانگ کر دل کا بوجھ و شرمندگی دور کر لی تھی۔

گل زیبا کو پہلی بار ندامت و خجالت کے احساسات نے گھیرا تھا۔ وہ لفظوں کو ترتیب دینے لگیں۔

صارم کو حویلی سے گئے ہوئے تین ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔

بابا جانی اور بی بی جان کے علاوہ گلباز خان اور دوسرے لوگ بھی پریشان ہو گئے تھے۔ کیونکہ اس نے ان سے بہت کم تعلق رکھا تھا کہ کبھی کبھی اس کا لیٹر آ جایا کرتا کہ وہ خیریت سے ہے اور ہر بار ملک بدلا ہوا ہوتا تھا جس سے اس کے مستقل قیام کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

خط میں تقریباً سب کے لئے دعا ہوتی "اپنی خیریت بتائی جاتی۔ دوسروں کے لئے دعا سلام ہوتا مگر غائل تھا تو وہ صرف ورشا کی ذات سے کہ اس کا تو کوئی ذکر ہی نہ ہوتا۔

بی بی جان کو اس کی یہ بے پروائی و لاتعلقی بے سکون کئے ہوئے تھی۔ وہ اکثر اسے دلاسے دیتیں۔ ہر وقت اس کا دل بہلانے کی سعی میں رہتیں کہ وہ اس کی طرف سے فکرمند و پریشان نہ ہو۔ وہ دھیمے سے مسکرا کر انا نہیں سمجھانے لگتی، تسلی دینے لگتی اور خود کو خوش ظاہر کرتی۔ لیکن اس کے اندر ایک انجانی کسک جاگ اٹھتی تھی۔ وہ اس کے گریز، اجتناب اور بیگانگی و لاتعلقی کو خوب سمجھ رہی تھی۔ پہلے وہ اس کے مزاج کے موسم بھگت رہا تھا۔ اور اب اس کی باری تھی۔ نہ معلوم کب وہ صبح کا بھولا کس شام لوٹ کر آتا؟

ماحول پر سکون ہو گیا تھا۔ گل زیبا اور زرگون خانم کے مزاج ایک دم ہی تبدیل ہو گئے تھے۔ پہلے جیسے وقت بے وقت کے طعنے، تشنے کڑوی کسیلی باتیں اور طنز کے نشتر چلانے انہوں نے بند کر دیئے تھے۔ اگر اچھی نہ تھیں تو بری بھی نہ رہی تھیں۔

گلباز خان از حد خیال رکھتے تھے اس کا۔ ان ہفتوں میں انہوں نے اسے اس قدر محبت اور

اپنائیت دی تھی کہ کئی بار اس کی آنکھوں میں آنسو آ کر تھم سے جاتے۔ اپنوں کی محبت کو ترسی ہوئی وہ ان کی بے غرض محبت کی مقروض ہوتی جا رہی تھی۔

شروع شروع میں جب وہ اس گھر میں آئی تھی تو گلریز خان اس کی صورت دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ وہ اس کی پرچھائیں سے بھی نالاں و گریزاں تھا۔

بابا جانی اور گلباز خان کے سامنے اس نے اس سے اپنی غلطی کی معافی مانگی تھی۔ جو جوش انتقام میں اس سے سرزد ہوئی تھی۔ اس نے خود اعتراف کیا تھا کہ اسے صارم نے مزید گناہ کرنے سے بچایا تھا ورنہ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر نہ آتا۔ اس کے بھروسے وہاں چھوڑ آتا تو وہ اس کے قتل کا منصوبہ تیار کر چکا تھا۔ شمشیر خان سے سبریز خان کے قتل کا انتقام لینے کا اور صارم اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا۔ تبھی اسے چھوڑ کر وہ نہیں گیا تھا۔ اپنے ساتھ لے کر وہاں سے نکلا تھا۔ اور اس نے شکریہ کے طور پر اسی کو پہاڑ سے دھکا دے کر اس کی جان لینے کی کوشش کی تھی۔ کتنا تضاد تھا دونوں کے جذبات میں۔ گلریز کے اعتراف کے بعد تو وہ اس حد تک شرمندہ ہوئی کہ صارم سے تصور میں بھی سامنا کرنے سے ہچکچانے لگی۔

"بابا جانی! صارم کراچی میں ہے پچھلے ایک ماہ سے۔" گلباز خان کی اطلاع پر وہ ششدر رہ گئے۔ پھر چند لمحے حیرت زدہ رہنے کے بعد گویا ہوئے۔

"تمہیں کس نے بتایا ہے؟"

"مجھے شک تھا۔ وہ اتنا عرصہ تنہا باہر نہیں رہ سکتا۔ میں نے خفیہ انداز میں تحقیق کروائی تو معلوم ہوا وہ پچھلے ماہ سے کراچی میں اپنے بنگلے میں موجود ہے۔"

"اوہ..... کیا مطلب ہوا اس کی اس حرکت کا؟ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟"

"صاف ظاہر ہے بابا جانی وہ ورشا سے یعنی ذمے داری سے بچنا چاہتا ہے۔ شاید ابھی تک وہ بیوی کو قبول نہیں کر سکا ہے۔ اسی لئے اس سے بچنے کی خاطر وہ کراچی آنے کے باوجود نہ یہاں آیا اور نہ ہی اپنے آنے کی اطلاع دی ہے۔"

"ہوں....." خاصے متفکر انداز میں انہوں نے ہنکارا بھرا تھا۔

"بابا جانی! میرا خیال ہے ہمیں ورشا کو کراچی بھیج دینا چاہئے۔ میرا خیال ہے یہاں ہم سب لوگوں کے درمیان وہ رہیں گے تو ان کے فاصلے اور دوریاں ختم نہ ہو سکیں گی۔ وہاں تنہا ہوں گے تو کوئی جھجک شاید وہاں ان کی راہ میں حائل نہ ہو۔ اور پھر سب سے زیادہ یہاں کے چپے چپے گوشے گوشے سے سبریز خان کی یادیں وابستہ ہیں۔ جنہیں فراموش کرنے میں خاصا وقت لگے گا۔ اور اس وقت تک اس کا یہاں سے دور رہنا ہی بہتر و مفید ہے۔" گلباز خان نے دلائل سے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

باپ کو صورت حال سمجھائی۔

"مجھے تم پر مکمل بھروسہ ہے خان! میں سمجھتا ہوں تمہارا ہر اٹھتا قدم اس حویلی اور اس کے مکینوں کی بہتری و اچھائی کے لئے اٹھتا ہے۔ تم جو بہتر سمجھو وہ کرو۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں صارم کا گھر بس جائے وہ اپنے گھر میں شاد و آباد رہے۔" انہوں نے ان کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے آسودہ و پراعتماد لہجے میں کہا۔

❁ ❁ ❁

اس بن ویران ہے زندگی
اے کاش!
اسے کوئی کہہ دے
میرے دل کی اداس دھڑکنوں کا
پیغام اسے کہہ دے
کہہ دے کوئی اسے جا کر
تجھے تنہائیوں سے نجات دلا دے
اور بالکل ویسی شامیں میرے نام کر جائے
جن میں خوش ہے وہ خود
فقط میرا اتنا کام کر جائے!

"اوہ کم آن یار! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ پلیز پیچ کرو خود کو ایک ماہ سے تمہارا یہ سنجیدہ و سوچوں میں گم سراپا دیکھ کر وحشت ہونے لگی ہے۔ یار لگتا ہی نہیں کہ تم وہی صارم ہو جو روتوں کو ہنسا دیا کرتا تھا۔ سنجیدگی اور سوچ جس کے کبھی قریب سے بھی نہیں گزرتی تھی۔ آج سات آٹھ ماہ بعد تم بالکل ہی چینج ہو کر آئے ہو۔" بہروز اس کے قریب بیٹھ کر جھنجلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"وقت انسان میں بہت ساری تبدیلیاں لے آتا ہے میری جان! اس کا حال سبریز جیسے جاں نثار اور چاہنے والے دوست کی جدائی سے ہوا ہے۔ سنبھلنے میں وقت تو لگتا ہی ہے۔" افسردہ سے باسط نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"زندگی اور موت تو اللہ کے اختیار میں ہوتی ہے یار! جو لوگ چھوڑ کر چلے جائیں ان کو بھلانا اتنا آسان تو نہیں ہوتا۔ لیکن بھلانا پڑتا ہے۔ کوشش کرو یار! اللہ صبر کرنے والوں کو بہت عزیز رکھتا ہے۔ بہت اجر دیتا ہے۔" آفتاب نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے کہا۔ وہ اس کی یہاں موجودگی کی اطلاع پاتے ہی آ گئے تھے۔ اور روز ان کی محفل جمنے لگی تھی۔

شروع شروع میں ان کے لبوں پر سبریز کی باتیں ہوتی تھیں' وہ سب ہی اس کی جواں موت پر افسردہ تھے۔ انہیں از حد ملال ہوا تھا کہ اپنی اعلیٰ صفات و بہترین اخلاق کی وجہ سے وہ ان لوگوں میں بھی ہر دلعزیز تھا۔ لیکن کب تک وہ ان کی گفتگو کا موضوع بنتا' رفتہ رفتہ اس کی ذات محو ہونے لگی تھی مگر صارم کو اسی طرح گم صم و سنجیدہ کھویا کھویا دیکھ کر انہیں اس کی فکر ہونے لگی تھی۔ ان کی یہی کوشش تھی کہ وہ واپس اپنی دنیا میں لوٹ آئے محض اس کی دلجوئی کی خاطر وہ اکثر و بیشتر اس کے پاس چکر لگا لیتے تھے۔ ورنہ تینوں ہی اپنے کاروبار شروع کر چکے تھے اور کچھ کچھ وقفے سے تینوں کی شادیاں بھی ہو گئی تھیں۔ یہ ان کی از حد بے غرض و سچی محبت کا ثبوت تھا کہ وہ گھریلو اور کاروباری مصروفیات کے باوجود اس کے پاس آتے' اس کا دل بہلانے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔

"فدا حسین نظر نہیں آ رہا کہیں گیا ہوا ہے؟" آفتاب نے کچن کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"اس کی ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ صبح اپنے گاؤں گیا ہے۔ خاصا وقت لگ سکتا ہے اسے واپسی میں' اس لئے دو ماہ کی چھٹی لے گیا ہے۔"

"اوکے..... تمہیں کوئی پرابلم نہیں ہو گی' کھانا گھر پر ہی کھایا کرو گے' دیکھنا تمہاری بھابی کیسا لذیذ کھانا بناتی ہے۔ انسان دیر تک انگلیاں چاٹتا رہے۔" آفتاب نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"کس کی؟ اپنی یا بھابی کی؟" بہروز آنکھ دبا کر شرارت سے بولا۔

"بکواس نہیں کرو۔" آفتاب کھسیا کر بولا تو وہ تینوں ہنسنے لگے۔

"کیوں کھانا تم گھر پر کھاؤ گے' رانی سب سے بہتر کھانا بناتا جانتی ہے۔"

"ہونہہ' رانی سب سے بہتر کھانا بنانا جانتی ہے۔ وہ صرف ایک کام جانتی ہے اور وہ ہے تمہیں الو بنانا بس۔" آفتاب نے باسط کو چڑ کر جواب دیا تھا۔

"دیکھو..... دیکھو تنکی! آگے ایک لفظ بولا تو اچھا نہیں ہو گا۔"

"کیوں لڑ رہے ہو آپس میں' میرے پیارے بھائیو! صارم کی ذمے داری میرے اوپر ہے۔ لہٰذا آپ لوگ ٹرٹر بند کریں۔ صارم اپنی بھابی ثناء کے ہاتھوں کا پکا ہوا کھانا کھایا کرے گا۔" بہروز نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"ہاں..... آں' کیا بات ہے؟ جس کو اگر "ٹوائلٹ" سے عشق کرنا ہو تو وہ ثناء بھابی کے ہاتھ کے پکے اسپیشل کھانے کھائے اور....."

"اور ٹوائلٹ کے چکر لگائے۔" باسط کے ساتھ آفتاب کا قہقہہ بھی خاصا بلند تھا۔

UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"کیا چکر ہے یار یہ؟" صارم شرمندہ سے بہروز سے مسکرا کر مخاطب ہوا۔

"اس دن یہ دونوں گھر پر تھے۔ ثناء نے کھانے پر روک لیا اور پھر نہ معلوم کس طرح کھانے میں گڑبڑ ہو گئی۔"

"اور اس گڑبڑ نے ہمارے پیٹ میں ایسی گڑبڑ کر دی کہ ہم تینوں فوائلٹ کے ہو گئے۔ اس دن سے توبہ کی تھی ہم نے کہ بھوک برداشت کر لیں گے مگر کبھی اس کے گھر کھانا نہیں کھائیں گے۔"

"آفتاب! تجھیل نہیں زیادہ روز روز نہیں ہوتا ایسا۔"

"تم لوگوں کا بہت بہت شکریہ۔ میں کھانا آج کل زیادہ تر گھر سے باہر ہی کھاتا ہوں۔ صبح سے رات تک میرا وقت سائیٹ پر گزرتا ہے۔ فیکٹریز کے اسٹیبلش ہونے تک مجھے ذرا بھی تاخم نہیں ہے۔ پھر انشاء اللہ ضرور ڈنر کروں گا تینوں کے ہاں۔" صارم نے معذرت کی تھی۔

"او کے..... تم شادی کب کرو گے؟ یا ورشا آفریدی کے فراق میں ابھی بھی مبتلا ہو؟ کیا تمہاری اس سے پھر کبھی ملاقات ہوئی ہے کیونکہ وہ بھی تباہ حال تھی۔ سرجھ سے ہی اس کا بھی تعلق تھا۔" بہروز نے اشتیاق بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ان دونوں کی نگاہیں بھی اس کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

"بعض لوگ ہمیں اس وقت ملتے ہیں جب ان کا ملنا اور نہ ملنا بے معنی سا ہو جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کو حاصل کرنے کے لئے دیوانے ہو جاتے ہیں۔ ہماری تمام جدوجہد آرزوئیں' زور آوری صرف اور صرف اسے پانے کی سعی میں لگ جاتی ہیں۔ قرار لٹ جاتا ہے' سکون درہم برہم ہو جاتا ہے' وہ ساتھ چھوڑنے لگتا ہے' زندگی بے رونق و بے مصرف نظر آنے لگتی ہے' اسے اپنی دسترس میں نہ پا کر ذہنی توازن بگڑنے لگتا ہے' بیزاری و زندگی سے مایوسی ہو جاتی ہے تو پھر اچانک ہی وہ شے آپ کو مشروط طریقے سے ملتی ہے کہ اسے پانے کے لئے آپ کو اپنی عزیز ترین ہستی سے بچھڑنا پڑے تو پھر سب ہی غیر اہم و غیر دلچسپ لگتا ہے۔"

اس کے وجیہہ چہرے پر کبھی ایسی پرسوز' پرحزن کیفیت چھائی ہوئی تھی کہ وہ اس کے سنجیدہ و تھکے تھکے لہجے کی' نا سمجھ آنے والی گفتگو کی' کوئی وضاحت طلب نہ کر سکے۔ وہ بھی شکش و ذہنی انتشار میں مبتلا تھا کہ کس طرح انہیں بتائے کہ وہ جس کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں' وہ جو کبھی اس کی حیات ہوا کرتی تھی' جس کے دلکش وجود نے اس کے اندر پہلی بار پیار کی شمع روشن کی تھی۔ وہ جان آفریں جسے پانا زیست کا حاصل ٹھہرا تھا۔

آج بھی اس کی زندگی میں اس کی زرخرید تھی۔ کسی باربی ڈیکوریشن کی طرح وہ اسے خرید لایا تھا۔

وہ اس کی بیوی تھی۔

اس کی عزت و غیرت تھی۔

اسے پانے کے لئے جو اسے قربانی دینی پڑی تھی وہ بہت زیادہ تھی۔

سبریز خان سے زیادہ عزیز و محبوب وہ ہرگز نہ تھی۔

وہ انہیں کس طرح بتائے؟ جیسے اس نے خواصورت دعا کی طرح مانگا تھا' وہ نہایت بدصورت بددعا کی طرح اسے وصول ہوئی تھی۔

"میرے خیال میں تم آرام کرو' بہت ڈسٹرب لگ رہے ہو۔ ہم پھر اس موضوع پر بات کریں گے۔" ان تینوں نے اس کی بدلتی کیفیت کو بغور نوٹ کر کے کہا۔

❁ ❁ ❁

"بی بی جان! میں وہاں تنہا نہیں جاؤں گی' آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"

گل باز نے اسے تیاری کا حکم دے دیا تھا۔ اسے ان کے ساتھ کل روانہ ہونا تھا۔ وہاں تنہا رہنے کے خیال سے ہی وہ بوکھلائی ہوئی تھی اور اب انہیں راضی کرنے میں لگی ہوئی تھی۔

"نہیں بچے! میں گاؤں کے علاوہ کہیں اور رہ ہی نہیں سکتی۔ مجھے شروع سے گاؤں کے تازہ اور پرسکون ماحول کی عادت رہی ہے۔ ایک بار صارم زبردستی لے گیا تھا مجھے کراچی' اتنا شور و ہنگامہ دیکھ کر میرا دم گھٹنے لگا۔ طبیعت خراب ہو گئی تھی میری' دوسرے دن ہی میں واپس آ گئی تھی اور توبہ کر لی تھی کہ کبھی لوٹ کر نہ جاؤں گی وہاں۔" انہوں نے بال سنوارتے ہوئے اس سے شفقت سے کہا۔

"میں کیا کروں؟ میرے ساتھ جانے کو کوئی بھی راضی نہیں ہے۔"

"تم جاؤ' اپنا گھر بساؤ' آپس میں محبت و لگن پیدا کرو' دیکھو بچے' آنگنوں اور گارے سے چار دیواری اور چھت تو بن جاتی ہے۔ ماربل اور اسٹون سے محل و حویلیاں بھی وجود میں آ جاتی ہیں مگر کوئی گھر ہو یا محل' حویلی ہو یا جھونپڑی' عورت کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ عورت ایک خاندان کو جنم دیتی ہے۔ ایک نسل کو پروان چڑھاتی ہے۔ وہ خود مٹ جاتی ہے لیکن اپنے گھرانے پر آنچ نہیں آنے دیتی۔ وفاداری اور گھر گرہستی ہر خاندانی اور شریف باکردار عورت کا شعار ہوتی ہے۔ عورت میں انا ہو مگر بیوی میں اس کی رمق بھی نہ ہونی چاہئے۔ مجھے احساس ہے بچے! صارم نے تمہیں قبول نہیں کیا ہے۔ تمہیں بیوی کا حق نہیں دیا۔ وہ ایسا نہیں ہے۔ بہت نرم دل اور خوش مزاج ہے۔ سب سے محبت کرتا ہے' اور تم جو اتنی پیاری اور خوبصورت ہو' تمہیں کب تک وہ نظر انداز کر سکتا ہے' دیکھنا وہ بہت جلد تمہاری طرف راغب ہو جائے گا' چاہنے لگے گا تم کو۔ مرد کا مزاج موم سے بھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جلد بدل جاتا ہے۔ پھر وہ بچپن سے ہی حسین و دلکش چیزوں کا شیدائی رہا ہے۔ چاہے وہ حسین نظارے ہوں یا خوبصورت پھول، رنگین تتلیاں ہوں یا کھلکھلاتے بچے، بارش میں بھیگتا سبزہ ہو یا چاندنی راتوں کا فسوں، وہ ہر جگہ حسن ڈھونڈتا ہے۔ وہ پیدائشی حسن پرست ہے۔ گھر کی تکمیل کرنے کے لئے ہر عورت، ہر لڑکی کو کچھ نہ کچھ قربانی دینی ہوتی ہے۔ اپنی خودداری کو دھتکارنا پڑتا ہے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سب برداشت کرنا پڑتا ہے جو وہ کبھی برداشت کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ یہ سب کرتے ہوئے بہت غصہ آتا ہے، جھنجلاہٹ و بیزاری محسوس ہوتی ہے، بعض اوقات روح تک گھائل ہو جاتی ہے، دل پر داغ لگ جاتے ہیں لیکن عورت کو اس کا حق مل جاتا ہے۔ اس کی ریاضتوں اور تکلیفوں کا صلہ اسے بہت چاہنے والے قدر کرنے والے جیون ساتھی کی صورت میں ملتا ہے۔" وہ دھیمی پرتاثیر آواز میں اسے سمجھا رہی تھیں۔ وقت کی گردش، حالات کی ادلی بدلی سے بچانا چاہ رہی تھیں۔

"سمجھ رہی ہو نا میری بات دوشے؟" اسے سر جھکائے خاموش بیٹھے دیکھ کر وہ پوچھنے لگیں۔

"جی..... بی بی جان۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

"میاں بیوی کے رشتے میں کوئی غیریت نہیں ہوتی، پہل کرنے میں ہچکچانا نہیں، عورت چاہے تو پہاڑ کو موم بنا دے، پھر وہ تو ایک مرد ہے۔ عورت کی گرم نگاہوں سے بہک جانے والا وہ بھلا کب تک خود پر جبر کر سکتا ہے۔"

"میں کوشش کروں گی بی بی جان!"

"آہ..... تمہیں دیکھتی ہوں تو گل خانم کی یاد دل میں کسک جگانے لگتی ہے۔" اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"بی بی جان! آپ..... آپ ادے کو جانتی ہیں؟" اس نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں میں بہت دنوں سے تمہیں یہ حقیقت بتانا چاہ رہی تھی۔ تمہارا باپ کوئی غیر نہیں ہے میرے سگے بھائی کا بیٹا ہے۔ تمہاری ماں گل خانم میری بڑی بہن کی بیٹی ہے۔"

"اوہ! اتنی قریبی رشتے داری، لیکن ادے نے کبھی ذکر نہیں کیا تھا۔ اور بابا جان کا ذکر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ بیٹیوں کو کبھی شفقت کی نگاہ سے دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ بات کرنا تو انہونی تھی۔ ادے کو اپنے میکے کے بارے میں بتانے کا شاید حکم نہ ہو؟ پھر بی بی جان! ایسی دشمنی کیوں پیدا ہو گئی کہ کبھی کسی کی زبان پر ایک دوسرے کی رفاقت کا ذکر کبھی بھولے سے بھی نہیں آیا۔ اور رشتے کانچ کے برتنوں کی طرح ٹوٹ کر دوبارہ جڑ نہ سکے۔"

"ہم نے بہت کوشش کی بچے، لیکن شہباز جان کی دوسری بیوی نے کچھ ایسی آگ لگائی کہ

جو بجھنے کے بجائے بھڑکتی چلی گئی۔ ہماری قوم میں ضد اور انا کو زندگی سے زیادہ عزیز سمجھا جاتا ہے۔ بظاہر بہت بے ضرر چھوٹے نظر آنے والے یہ الفاظ بہت تباہ کن قوت و بربادکر دینے والے وجود رکھتے ہیں۔ اسی آگ میں جل کر خاندان کے خاندان اس دنیا سے فنا ہو گئے۔ خوامخواہ سرکی پہاڑوں والی زمین نے اس ایک قبیلے کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ڈھیروں رشتے مٹی کی کوکھ میں جا سمائے۔ وہ زمین آج بھی موجود قائم و دائم ہے لیکن اس کو پانے کی ہوس میں مبتلا سیکڑوں لوگ چھوڑ گئے اس دنیا کو، اس مٹی کی کوکھ میں مٹی ہو گئے، خواب بن گئے۔ زمینیں یوں ہی سدا رہتی ہیں۔ انسان فنا ہو جاتے ہیں۔"

ان کے پرانے زخم ہرے ہو گئے تھے۔ یادیں آنسو بن کر ان کے جھریوں بھرے چہرے پر بہہ رہی تھیں۔ دوشا بھی ان کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔ ان کا دکھ ایک ہی تو تھا۔

"تمہیں اس گھر کی بہو بنانے کا مقصد یہی ہے بچے کہ تم نوجوان نسل کو مل کر اس ٹوٹے بکھرے قبیلے کو پھر اپنی محبتوں سے جوڑنا ہے۔ انہیں ایک کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے یہ دو قبیلے جو ایک ہی خون رکھتے ہیں پھر سے ایک ہو جائیں گے۔ یہ سب تمہارا فرض ہے۔ ایک ایسی ذمے داری جو ہر حال میں تمہیں پوری کرنی ہے۔"

❁❁❁

آج پھر تجھ کو سوچنے بیٹھا
آج پھر زندگی اداس سی ہے
میری آنکھوں میں سب مناظر ہیں
میری سوچوں میں تیری خوشبو بھی
یاد میں ایک عجیب بے چینی
یاد میں ایک عجب سی راحت بھی
یاد خوشبو کا استعارہ ہے
یاد تو عالم جنون بھی ہے
تن مردہ میں جان پڑ جائے
یاد تیری تو اک فسوں بھی ہے

اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کوٹ بیڈ کی طرف اچھالا۔ بوٹ اور موکس سے پیر آزاد کرنے کے بعد ٹائی اتار کر دور پھینکی تھی، آستینوں کے بعد گریبان کے بٹن کھولتے ہوئے وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ کافی دیر تک شاور لینے کے بعد وہ خود کو تازہ دم محسوس کرنے لگا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وحشت کا ثبوت دے رہا تھا۔

فدا حسین کے جانے کے بعد اس نے عارضی طور پر خانساماں رکھنا چاہا تو واج بین نے یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ وہ چائے' کافی وغیرہ بنانا چاہتا ہے اور ہلکے پھلکے کھانے بھی بنا لیا کرے گا۔ کیونکہ سارے دن رات تک وہ مکمل فارغ ہوتا تھا۔ کچن کا کام وہ خود سنبھال لے گا۔

کچن کا کام زیادہ تھا بھی نہیں۔ صبح وہ ناشتہ کر کے گھر سے نکلتا تو رات گئے باہر کھانا کھا کر گھر میں گھستا تھا۔ صارم خان کو کبھی کافی' چائے اور رات کو دودھ کا گلاس دینا ہوتا تھا جو وہ بخوبی کر لیا کرتا تھا۔ صارم نے اس کے انکار کے باوجود اس کی سیلری بڑھا دی تھی۔

چائے سے فارغ ہونے کے بعد وہ فارغ بیٹھا ریموٹ ہاتھ میں دبائے ٹی وی کے چینلز بدلتا رہتا۔ گاؤں سے آنے کے بعد اس کی طبیعت عجیب سی بے چینی و اضطراب کا شکار ہو گئی تھی۔ بزنس میں اس نے الیکٹرونکس کے مختلف سامان کو چنا تھا۔ دوبار جرمنی' کینیڈا اور جاپان کی عمدہ اور بڑی تجارتی منڈیوں میں جانے کے دوران اسے خاصے کانٹیکٹ مل گئے تھے۔ کاروباری اعتبار سے اسے اپنا مستقبل بہت روشن نظر آ رہا تھا۔ کراچی آ کر وہ تیزی سے اپنے بزنس میں لگا تھا۔ جان بوجھ کر اس نے خود کو مشین بنا لیا تھا۔ گاؤں میں اپنی واپسی کی خبر اس لئے نہیں دی تھی کہ وہ اسے اس طرح یہاں نہیں چھوڑتے۔ وقتاً فوقتاً اسے چکر وہاں ضرور لگانے پڑتے اور وہ وہاں سے فرار چاہ رہا تھا۔

بے بسی ہی نہ سمجھ آنے والی کیفیت نے اسے فوراً الجھا رکھا تھا۔

یہ معلوم وہ فرار کس سے چاہ رہا تھا؟

سبریز خان کے دکھ سے؟

یا ورشا کی موجودگی سے؟

عجیب متضاد کیفیات میں گھر گیا تھا وہ۔

ورشا کے متعلق سوچنا چاہتا تو لگتا وہ سبریز خان سے بے وفائی کر رہا ہے۔

سبریز خان کو سوچتا تو فقط یادوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

زندگی کے اس دوراہے پر وہ بری طرح اپ سیٹ ہو کر رہ گیا تھا۔

کس کو چنے؟

کس کو اپنائے؟

سبریز خان کا عکس اس کے ذہن سے وقت ہی دھندلا سکتا تھا۔ فی الوقت تو وہ اس کی یادوں' پیتے لمحوں کی پرچھائیوں سے منہ موڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

اس کا قبائلی خون ورثا سے بھی دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔ وہ جس طرح بھی اس کی زندگی میں داخل ہوئی تھی بہرکیف اس کے نکاح میں تھی۔ اس کی غیرت عزت و حمیت بن گئی تھی۔ اسے چھوڑنا' مردانگی چھوڑنے کے مترادف تھا۔

"صاحب! وہ بڑے خان ملنے آئے ہیں اور....." شیر خان نے اسے اطلاع دی تھی۔

بالکل غیر متوقع طور پر ان کی آمد نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ پھرتی کے ساتھ باہر نکل آیا۔

اکا جان نے ہمیشہ کی طرح اسے بڑی محبت سے سینے سے کافی دیر لگائے رکھا تھا۔ اس کے بالوں پر بوسہ دے کر بہت نارمل انداز میں اس کا حال چال پوچھ رہے تھے۔

"اکا جان! آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ میں آ چکا ہوں۔؟" اس نے کچھ شرمندگی سے پوچھا۔

"بیٹا جان! آپ کیا سمجھتے ہو؟ عقل داڑھ صرف آپ کی نکلی ہے؟ اتنا تو تم خود سے بھی واقف نہیں ہو جس قدر میں آپ کو جانتا ہوں۔"

"دیٹس رائٹ' میں بھول گیا تھا کہ آپ مجھ سے غافل نہیں رہ سکتے' میں چاہتا تھا مکمل سیٹ اپ کے بعد آپ سے رابطہ کروں' جس میں اب زیادہ دن نہیں لگیں گے۔" وہ جھینپا جھینپا سا ان کے خفوص کے آگے وضاحتیں پیش کر رہا تھا۔

"اوکے..... جانتا ہوں تم کتنے کریزی ہو جو خان نواسے مکمل کئے بغیر سکون سے نہیں بیٹھتے۔ اسی لئے تم نے اپنی صحت تباہ کر لی ہے۔ صنوبیہ صرف تمہارے شوق کے تحت تمہیں پرمیشن ملی ہے کہ تم بزنس کرو..... ورنہ تمہارے پاس اتنا کچھ ہے کہ تا حیات بیٹھ کر کھا سکتے ہو۔" اس کی گرتی صحت اور پژمردگی ان کی نگاہوں سے چھپی نہ رہ سکی۔

"اوہ! میں باتوں میں لگ گیا۔ ورشا..... بیٹا! ادھر آؤ۔"

"السلام علیکم۔" وہ پردے کے پیچھے سے نکل آئی تھی۔ وہ جو اکا جان کے انداز پر چونکا تھا۔ اسے سامنے دیکھ کر حیرت و استعجاب سے کھڑا ہو گیا تھا۔

پنک خوبصورت کڑھائی والے سوٹ پر سیاہ پلین لمبی چوڑی چادر کو اچھی طرح لپیٹے وہ اسکے سامنے چہرہ جھکائے کھڑی تھی۔ حسین چہرے پر دلکشی و شگفتگی لوٹ آئی تھی۔ سرخ مارشوں پر جھکی لرزاں سیاہ دراز پلکوں کے خم' ستواں ناک میں دمکتی ڈائمنڈ کی نوگ کا نشکار ہوا۔

وہ سکتے کی کیفیت میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ اکا جان نے کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لئے اس کی محویت کو توڑنا چاہا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"برخوردار! کیا پہچان نہیں پا رہے؟ یہ آپ کی وہی زوجہ محترمہ ہیں جن کو آپ پچھلے کئی سے فراموش کیے' تنہا موج اڑا رہے ہو۔ اب کم از کم سلام کا جواب تو دے دو۔" انہوں نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کر کے کہا۔

ان کی بات نے اسے خاصا شرمندہ کر ڈالا تھا۔ اس نے آہستگی سے سلام کا جواب دے کر اس سے نظریں چرا لی تھیں۔ اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے' بلکہ بچنے کے لئے وہ گاؤں سے لڑا تھا۔ اس کے ساتھ دو سوٹ کیس اور بیگ ثبوت تھے کہ اس کا قیام یہاں مختصر نہیں ہوگا۔ مستزاد اماں جان کی مسکراتی نگاہیں۔ متبسم لب گواہ تھے کہ وہ اس کی بوکھلاہٹ و پریشانی کو اس مسرت اور خوشگواریت سے تعبیر کر رہے تھے جو ایک محجوب بیوی کو دیکھ کر شوہر کو ہوتی ہے جبکہ اسے ان پریشانیوں و بے چینیوں نے آن گھیرا تھا۔

"آؤ یہاں بیٹھو بیٹا! یہ تمہارا گھر ہے۔ یہاں تم اپنی مرضی سے حکمرانی کرنا' اگر صارم کی طرف سے کوئی پریشانی ہو تو بلا خوف مجھ سے شکایت کرنا' اس سے ڈرنے کی یا رعب میں آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے انہوں نے نرم خو انداز میں کہا۔

"لیکن اماں جان! یہ یہاں..... تنہا....."

"تنہا ایک انسان کہلاتا ہے۔ تمہاری موجودگی میں یہ تنہا کیوں ہونے لگی۔"

"میں ابھی بہت بزی ہوں۔ میرے گھر آنے جانے کا کوئی شیڈول نہیں ہے اور یہ بھی یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو سکتی۔ میں اسٹیبلشڈ ہو جاؤں گا تو سب کو بلا لوں گا۔"

"گھر آنے جانے کا شیڈول تمہیں ترتیب دینا ہوگا۔ ورشا اب تمہارے ساتھ رہے گی۔"

"آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں اماں جان! میں ابھی تنہائی چاہتا ہوں' کمپلیٹ دلجمعی سے کام مکمل کرنا چاہتا ہوں' مزید کسی کو سپورٹ کرنے کا وقت نہیں ہے مجھے۔ آپ پلیز..... ابھی اسے واپس لے جائیں۔"

بیزاری و اضطراب اس کے چہرے' لہجے سے عیاں تھا۔ ورشا گردن جھکی ہونے کے باوجود اس کے رویے کو پوری طرح محسوس کر رہی تھی۔ لیکن کیا کر سکتی تھی۔ یہ اس کے لئے مکافات عمل تھا۔ کل تک اس کا رویہ و لہجہ اس کے لئے ایسا ہوتا تھا۔

"صارم خان! جو تم نے حرکت کی ہے' اس کی معافی تمہیں اس لئے ملی ہے ورنہ جانتے ہو یا بھول گئے ہو' فراہیوں کے آگے کسی سے بھی مروت برتنے' لحاظ کرنے کے عادی نہیں ہیں ہم۔ آئندہ ایسی کوئی بات کہنے سے پہلے سوچ لینا کہ تمہاری اولین و اہم ذمے داری فی الوقت تمہاری بیوی ہے' اس کے بعد دوسری ذمے داریاں ہیں۔" اس بار انہوں نے خاصے سخت انداز میں

اسے سرزنش کی تھی۔

وہ بھی ان سے مزید بحث نہ کر سکا کہ ان کی بات اس کے لئے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔

گلریز خان اسے چھوڑ کر زیادہ نہیں رکے تھے۔ چند گھنٹے بعد شام کی فلائٹ سے چلے گئے تھے۔

صارم اندر کی جانب جا کر غائب ہو گیا تھا اور ایک گھنٹے کے باوجود وہ دوبارہ ادھر نہیں آیا تھا۔ وہ جب سے آئی تھی ایک جگہ ہی بیٹھی رہ گئی تھی۔

صارم کے سرد مہر رویے' لاتعلق انداز و بیگانگی نے اسے مزید ہراساں کر دیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ خاصی مشکل پوزیشن درپیش تھی۔

آٹھ بجے کے قریب وہ اندر کمرے سے کی رنگ انگلی پر گھماتا وہاں آیا تھا۔

بلیو جینز' بلیک ٹی شرٹ میں اس کی شخصیت کی تمام خوبروئی نمایاں تھی۔

اس کے وجود سے نکلتی "ڈارک" کی دل آویز مہک ہر سو پھیل گئی تھی۔

"ڈنر گھر میں کرو گی؟ یا ہوٹل میں کرو گی؟" بہت عام سے لہجے میں اس نے سوال کیا۔

"بھوک نہیں ہے مجھے۔" اس نے کھڑے ہو کر کہا۔

"اوہ' تم تو کھڑی ہو گئیں! ورنہ میں تو سمجھا تھا تا حیات اسی طرح بیٹھی رہو گی۔" اس نے تمسخر سے کہا تھا۔ ورشا نے بہت ضبط سے خود کو جواب دینے سے باز رکھا۔

"میرے خیال میں بی بی جان نے اچھی تابعدار و فرمانبردار بیوی کا مکمل سبق پڑھا کر بھیجا ہے؟" صارم نے آگے بڑھ کر اس کی طرف جھکتے ہوئے اپنے یقین کی تائید چاہی اور قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتی۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر بہروز' آفتاب اور باسط اندر آئے تھے۔ ورشا کو صارم کے قریب دیکھ کر ان کی شکلیں حیرت کی شدت سے بگڑ گئی تھیں۔

❀❀❀

UrduPhoto
UrduPhoto
UrduPhoto

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ان کی اچانک اور غیر متوقع آمد نے ورشا کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ اپنے شانوں پر رکھے اس کے ہاتھ ہٹا کر وہ افتاں و خیزاں ہی اٹھ کھڑی ہوئی تو صارم جو انہیں دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔ چند ثانیے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے؟ اس نے مصلحت کے تحت ان سے ورشا سے اپنی سیرج کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ورشا یہاں آجائے گی۔ اور پھر ان سے اس کا سامنا ہونا ناممکن بات نہیں تھی۔ کہ وہ اس کی تنہائی اور پھر دکھ کی وجہ سے دل بہلانے کے لئے کسی بھی وقت چلے آتے تھے۔ جیسا اس وقت ہوا تھا۔

"کیا ہوا یار! میری واٹف اتنی ڈراؤنی شکل نہیں رکھتی کہ تم تینوں مارے خوف کے بت بن کر رہ گئے ہو۔" لمحے بھر میں خود کو سنبھال کر وہ مسکراتا ہوا ان سے مخاطب ہوا۔ جو ابھی بھی از حد استعجاب سے گنگ ان دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ورشا سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس کی نگاہوں میں یونیورسٹی کے دنوں کے وہ مناظر فلم کی طرح چل رہے تھے۔ جب وہ صارم کے ساتھ ساتھ ان تینوں کو بھی خوب بے بھاؤ کی سناتی تھی۔ آج اس شخص کے پہلو میں اس کے حوالے سے کھڑی وہ خود کو ان تینوں کے سامنے زمین میں دھنستا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ ندامت، خجالت، شرمساری، شرمندگی ہی شرمندگی تھی۔

"صارم! یہ..... یہ؟"

"یس شی از مائی واٹف ورشا صارم آفریدی!" اس نے آفتاب کی حیرانگی پر مسکرا کر نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ جبکہ ورشا کو اس کے لہجے میں تفاخر و فتح مندی کا گھمنڈ و غرور پوری طرح محسوس ہوا۔

"آفتاب بھائی سارنگ پلیز آپ ذرا اپنے دلیروں کی خاطر مدارت کا انتظام کریں۔ اتنے میں ہم اپنے طریقے سے سیارکباد دیتے ہیں۔" ورشا سے مخاطب ہوتے وقت ان کا لہجہ انداز خاصا مہذبانہ تھا۔ جبکہ صارم کی جانب اٹھی ہوئی ان کی نگاہوں میں بے حد خونخواری و قہر

ورشا خود کو ان کی موجودگی میں بالکل عجیب محسوس کر رہی تھی۔ اشارہ پاتے ہی وہاں سے

نکل گئی۔

اس کے نکلتے ہی کمرے میں گویا بھونچال سا آ گیا۔ وہ تینوں بپھرے ہوئے جذبات کے ساتھ اس کی جانب بڑھے تھے۔ وہ پہلے ہی تیار کھڑا تھا۔ آسانی سے ان کے ہاتھ کہاں آنے والا تھا۔ وہ تینوں غصے سے چیختے کے ساتھ اسے پکڑنے کی کوشش بھی کر رہے تھے جو پارے کی طرح کمرے میں چکراتا پھر رہا تھا۔

"میری بات تو سنو پلیز یار!" وہ بولتا جا رہا تھا۔

"خدا کی قسم! تو ہاتھ آ جا پھر تجھ سے پوچھیں گے۔ یعنی خود شادی کر کے بیٹھا ہوا ہے اور ہمارے پوچھنے پر بھی انکاری ہو رہا تھا۔" باسط ہانپتے ہوئے گرجا۔

"پلیز میری بات سنو۔ یہ سب اس طرح نہیں ہوا جس طرح ہونا چاہیے تھا۔ سیریز کا قتل کیا گیا تھا اور ورشا کا بھائی شمشیر خان اس کا قاتل ہے۔" آخر کار ان نے انہیں تھک ہار کر مکمل روداد سنانے کا فیصلہ کر لیا کہ اب سب کچھ مخفی رکھنا حماقت اور ان جیسے مخلص و بے لوث دوستوں سے بے وفائی کرنے کے مترادف تھا۔

❁ ❁ ❁

آنے والے وقت نے ایک مسرت کا الوہی احساس اس کی خالی جھولی میں ڈالا تھا۔

کتنا خوش رنگ احساس و انکشاف تھا۔

چاند کی کرنوں کی طرح روشن روشن۔

نسیم سحر میں چٹکنے والی کلیوں کی طرح پاکیزہ!

بارش کے پہلے قطرے کی طرح لطیف و خوش کن

بہار میں کھلنے والے پہلے پھول کی طرح حسین و دلربا۔

کتنی آسودگی و طمانیت محسوس ہوئی تھی اس کو یہ جان کر کہ وہ ماں بننے والی تھی۔

"ماں" لفظ کے بعد دوسرا مضبوط و دلکش رشتہ۔ عورت کی تکمیل اور ازدواجی زندگی کو باہم جکڑنے والی فولاد سے بھی مضبوط کڑی۔

وہ بہت مسرور و شاداں رہنے لگی۔ اسے یقین تھا کہ اب شمشیر خان اس کی طرف پلٹ آئے گا۔ اس کے بچے کو جنم دے کر وہ اس کھوئے ہوئے شخص کو ہمیشہ کے لئے پا لے گی۔ کیونکہ شوہر بیوی کو نظر انداز کر سکتا ہے مگر باپ بچے کو نہیں۔

اس دن وہ خلاف توقع جلدی آ گیا تھا۔ اور موڈ بھی بہت خوشگوار تھا۔

بہت عرصے بعد اس نے اس سے محبت سے باتیں کی تھیں اس کے ساتھ وقت گزارا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ اس کے سنگ رہ کر بہت محتاط و محتدار ہو گئی تھی۔ شام اور رات اس نے اپنی خوشی پر بمشکل قابو کیا تھا۔ صبح ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اس کے شانے پر سر رکھ کر اس نے جب انکشاف کیا تو اس کا ردعمل اس کی سوچ و دسترت کے بالکل متضاد تھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟" وہ اسے ایک طرف جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا اور پرتشش لہجے میں بولا۔

"بب..... بکواس..... ہماری اولاد....."

"شٹ اپ! میں ایسی خرافات نہیں پالا کرتا۔ جلد سے جلد جان چھڑاؤ اس مصیبت سے۔ مجھے کوئی بچہ وچہ نہیں چاہئے۔"

"خرافات' مصیبت' میں آپ کی بیوی ہوں۔ آپ کے ہونے والے بچے کی جائز ماں۔ گناہ آلود لمحوں کو رنگین بنانے والی سستی و گھٹیا عورت نہیں ہوں جو آپ کے ایسے بیہودہ اور بے ایمان مشورے پر عمل پیرا ہوں گی۔" وہ صدمے کی کیفیت سے نکلی تو چیخ کر بولی۔ شمشیر کی حقارت بھری نگاہیں تحقیر آمیز لہجے نے اسے خاک کر ڈالا تھا۔

سہانے خوابوں کی عمر از حد مختصر ہوتی ہے۔ جو پلکوں کی جنبش سے فوت ہو جاتے ہیں۔ کانچ کے نازک برتن کی طرح ہاتھ سے پھسلے اور چکنا چور ہو کر بکھر جاتے ہیں۔ پانی میں اٹھتے حسین بلبلوں کی طرح جن کا پہلا سانس ہی آخری سانس ہوتا ہے۔ برتن ٹوٹتے ہیں' صدا ابھرتی ہے' انکا احتجاج سماعتوں کو جھنجھوڑ ڈالتا ہے۔

خواب ٹوٹتے ہیں..... دل پکار اٹھتا ہے اور دل کی صدائیں جسم کے ایوانوں میں گونج گونج کر دم توڑ دیتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی اندھے کنوئیں میں کسی اجنبی مسافر کی چیخیں' آہیں' سسکیاں آس پاس ویرانوں میں سننے والا کوئی نہیں ہوتا۔

خوابوں سے بہتر تو وہ برتن بھی بہادر اور جرأت مند و دلیر ہوتے ہیں۔ جو اپنا احتجاج کانوں تک تو پہنچا دیتے..... جن کے ٹوٹنے کا ملال محسوس ہوتا ہے۔

شمشیر خان اس کے رخساروں پر "زبان درازی" کی سزائیں ثبت کر کے جا چکا تھا۔ صائمہ کی حکم بھی کہ وہ اس وجود سے نجات حاصل کرے ورنہ.....

وہ خاموش سمجھ کر اس کے ہر ظلم کو اپنی سن مانی کی سزا سمجھ کر قبول کرتی آئی تھی۔

مگر ایک قاتل اپنے بچے کے قاتل کو وہ قبول کرنے کو تیار نہ تھی۔ خوابوں کی طرح ظرف و بلند حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ دنیا ہمیشہ شور کرنے والوں' اپنا حق چھین کر لینے والوں سے مفاہمت کرتی ہے۔ وہ اپنے بچے کے لئے ضرور آگے جائے گی۔

نہ معلوم ان چاروں میں اندر کیا کیا مذاکرات ہو رہے تھے۔ پہلے دس پندرہ منٹ تک اندر سے دھڑام دھڑام ایسی آوازیں آتی رہیں۔ جیسے کوئی اچھل کود ہو رہی ہو۔ اس کے بعد ایک دم ہی سکون چھا گیا تھا۔ ہر شا صحن میں اونچے سے چبوترے پر بیٹھ گئی تھی۔ ملازم نے اسے کچن میں کسی کام کو ہاتھ لگانے نہیں دیا تھا۔ (اس کے خیال میں وہ نئی نویلی دلہن تھی) حالانکہ اس کی ظاہری حالت ایسی قطعی نہ تھی کہ وہ دلہن یا بیاہ کی کوئی چیز لگتی۔ شاید اس کی پہلی بار موجودگی سے وہ یہی نتیجہ اخذ کر سکا تھا۔

کھانا اس نے ٹیبل پر لگانے کے بعد اسے اطلاع دی تھی۔ مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔

ذہن عجیب سی تھکن و جھنجلاہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔

صائمہ سے دور تھی جب الجھن سوار تھی۔

اب قریب تھی تو بے چینی حد سے سوا تھی۔

"تمہیں کس نے سزا دی ہے؟" صائمہ کی آواز بہت نزدیک سے ابھری تھی۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ وہ قریب کھڑا بہت غور سے اس کی جانب تک دیکھ رہا تھا۔ "تمہارے یہاں بیٹھنے کا انداز تو ایسا ہی ہے جیسے ٹیچر نے کان سے پکڑ کر کلاس روم سے نکال کر سزا دی ہو۔ تنہائی و خاموشی میں بیٹھنے کی۔" اس کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں اس نے مسکرا کر وضاحت پیش کی تھی۔

"میں یہاں بیٹھ گئی تھی۔" اس لمحے اپنی مظلومیت پر اسے خود ہی از حد ترس آیا۔

"چلو..... کھانا کھاؤ۔ پھر آرام کرنا بیڈ روم میں۔"

"مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔ میں صرف آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"او کے۔ پہلے کچھ کھا تو لو۔"

"پلیز' مجھے قطعی بھوک نہیں ہے۔" اس بار اس کے لہجے میں لجاجت و قطعیت تھی۔

"او کے..... آؤ....." اس کا اداس و پژمردہ تھکن زدہ چہرہ دیکھ کر اس نے اندازہ لگا لیا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔ اس کی اجازت ملی تو وہ فل فرنشڈ بیڈ روم میں داخل ہوئی۔ اے سی کی ٹھنڈک اور ایئر فریشنر کی مسحور کن فضاؤں نے اس کے اعصاب پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ وہ چند لمحوں بعد ہی نرم گدے پر بے خبر سو گئی تھی۔

پھر اس کی آنکھ کھلی تو صبح کی پرنور روشنی ہر سو دھیرے دھیرے پھیل رہی تھی۔ وال کلاک کی سوئیاں چھ کے ہندسے پر ٹکی تھیں۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ کر بیٹھی تھی۔ گو کہ کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مگر سامنے کی کار نٹر والی کھڑکی سے معمولی سا پردہ ہٹنے سے شیشے کے پیچھے کا منظر معمولی سا واضح تھا۔ دائیں جانب صارم بے خبر سو رہا تھا۔ وائٹ شب خوابی کے ڈریس میں اس کی جانب پشت کیے۔ وہ چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہی۔ اسے اپنی نیند پر حیرانگی ہو رہی تھی کہ وہ کس قدر بے خبری کی نیند سوتی رہی تھی کہ صارم کب کمرے میں آیا؟ کب سویا؟ بالکل محسوس ہی نہ کر سکی۔ کیونکہ وہ اسے بیڈ روم کے دروازے پر چھوڑ کر باہر سے ہی چلا گیا تھا۔

"اوہ! کیا سوچتا ہوگا؟ میں اس قدر نیند کی رسیا ہوں کہ" بشت اپنی طرز سوچ و گفتگو کو بداد بے وقوف۔ اس نے خود کو سرزنش کی۔ بیگ سے سوٹ نکال کر باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔ نہا کر' بال برش کرنے کے بعد وہ کمرے سے نکل آئی۔ گھوم پھر کر جائزہ لینے لگی۔ اس بیڈ روم کے علاوہ وہاں دو کمرے اور تھے' ساتھ ہی لاؤنج اور لاؤنج سے ملحقہ کیچن تھا۔ کیبن کی وائٹ کرل سے لپٹی بوگن ویلیا سبز پہار دکھاتی خوبصورت لگ رہی تھی۔

گولائی میں جاتی ہوئی سرخ کارپٹ سے ڈھکی سیڑھیاں عبور کر کے وہ نیچے چلی آئی۔ نیچے چار بیڈ روم تھے' ایک سٹنگ روم' ٹی وی لاؤنج' لائبریری روم' اور سینٹر میں ڈسنگ و عریلیس پنگ ہال تھا۔ والا امریکن کچن' لاؤنج کے دروازے سے باہر چھوٹا سا صحن تھا اور صحن سے ملحق لان تھا جس کے وسط میں مین گیٹ آویزاں تھا۔

"سلام بیگم صاب!" ملازم نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ اندر چائے دی؟ میرا مطلب ہے صاحب کو۔"

"آج چھٹی کا دن ہے' اور چھٹی کا دن صاحب بیڈ ٹی نہیں پیتا۔ بارہ بجے ناشتہ کرتا ہے۔" ملازم کی اطلاع اس کے لئے نئی تھی۔ گاؤں میں تو اس کا یہ معمول نہ رہا تھا۔ چند ماہ میں ہی اس نے اپنی روٹین چینج کر لی تھی۔

"اور بھی نہ معلوم کیا کیا تبدیلی آیا ہوگا اس میں؟" اس کے اندر فکر انگیز خیال اٹھا تھا۔ چائے پی کر وہ ٹیبل پر رکھے نیوز پیپر اور سنڈے میگزین کا مطالعہ کرنے لگی۔ دس بجے کے قریب ملازمہ آ گئی تھی۔ اس کی موجودگی نے ملازمہ کو بھی خاصا پر مسرت کیا تھا۔ اپنی نگرانی میں وہ اس سے صفائی کروانے لگی۔

"بیگم گڈ مارننگ! پہلے دن ہی کام شروع کرو لا؟" یلو جینز' ہاف سلیوز یلو وائٹ فی شرٹ میں فریش سا وہ بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ سنجیدہ موڈ لئے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ فضا میں خوشبو پھیل گئی تھی۔

وہ ایسے ہی بور ہو رہی تھی۔ ملازمہ آئی تو میں نے سوچا اپنی نگرانی میں کام کروا دوں۔" اس

نے کاسنی دوپٹہ درست کرتے ہوئے کہا۔

"بور ہو رہی تھیں' ہونہہ..... یہاں تو آپ کو مستقل ہی بور ہونا پڑے گا۔" کیونکہ میں تو سارا دن بلکہ رات گئے تک باہر رہتا ہوں۔ کاروباری مصروفیات کی وجہ سے' پھر یہاں کس طرح وقت گزارو گی؟" ناشتے کی ٹیبل پر اس کی جانب حلوہ پوری کی ڈش بڑھاتا ہوا وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"آپ فکر مت کریں' میں خود ہی ایڈجسٹ ہو جاؤں گی۔"

"او کے' ایز یو وش۔" اس نے سلائس پر بٹر لگاتے ہوئے کہا۔

"رات..... مجھے ایسی نیند آئی تھی کہ ایک بار بھی آنکھ نہیں کھلی اور نہ ہی آپ نے مجھے اٹھایا؟" اب جبکہ وہ ہتھیار ڈال چکی تھی تو اسے پیش قدمی کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ ایک طویل عرصہ وہ اس کے مزاج و تیوروں کی زد میں رہ چکا تھا۔ اس کی ہر زیادتی و بدتمیزی خندہ پیشانی و فراخدلی سے قبول کی تھی۔ اب باری اس کی تھی۔ اسے بھی وہ سب برداشت کرنا تھا۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ بہت اکھڑا اکھڑا مزاج لئے اسے نظر انداز کر رہا تھا حالانکہ مکمل طور پر اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ پھر بھی اس کے انداز میں بہت سی تبدیلی آ چکی تھی۔ وہ سوال کرتی تو جواب دیتا ورنہ خاموش بیٹھا اخبار چہرے کے آگے لگا کر چائے کی چسکیاں لیتا رہتا۔

"کیوں اٹھا کر نیند خراب کرتا۔ بلکہ میں خود بے آواز انداز میں کمرے میں آ کر لیٹا تھا کہ نیند خراب نہ ہو تمہاری۔" لفظ خاصے اپنائیت بھرے تھے۔ مگر لہجہ بالکل سپاٹ و گداز سے میرا تھا۔ وہ مزید گفتگو جاری نہیں رکھ سکی تھی۔

❁ ❁ ❁

"عدہ ہوتی ہے آوارہ پن کی بھی! وہ گھر چھوڑ کر چلے گئے' وہ ایسا گھر سے بیزار و بے پروا ہے کہ ہفتوں پلٹ کر خبر نہیں لیتا' جب گھر سے کوئی ضرورت پڑتی ہے تب ہی شکل دکھاتا ہے' پھر چھٹی ہفتوں کے حساب سے' ایسے کب تک چلے گا۔ اس طرح بیٹھے بٹھائے کھانے' خزانے سے تو خزانے بھی خالی ہو جاتے ہیں۔"

"وہ منحوس لڑکی جب سے گئی ہے' ہمارا سکون و قرار لٹ گیا ہے۔ کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہی رہتی ہے۔" گل جاناں نے انہیں شدید اشتعال و غضب ناک انداز میں دیکھ کر ان کا غصہ دوسری طرف منتقل کرنا چاہا۔

"خاموش رہو تم' بد بخت عورت' یہ سب تمہارے لالچ اور میری ناشکری کا نتیجہ ہے۔ میں تو گناہ گار تھا ہی مگر تم نے میری زندگی میں آ کر گناہوں کی ایسی سیاہی پھیلائی کہ میں تہہ در تہہ گناہوں کی دلدل میں اترتا چلا گیا۔ بے ضمیر' بے ایمان' بے حس تو تھا' تم نے بے غیرت و بے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حیثیت بھی بنا ڈالا۔ کتنی بیچ و تاب کھاتی یا حرکت کی ہے میں نے' پہلے بیٹیوں کے وجود کو اللہ کا احسان سمجھنے کے بجائے اس رب کی ناشکری و گناہ کا مرتکب بنتا رہا' نہ کبھی بیٹیوں کے لئے شفقت ظاہر کی اور گل خانم کو دکھ دے کر اس کا گنہگار بھی بن گیا۔"

کئی ماہ سے پکتا ہوا لاوا آج پھوٹ پڑا تھا۔ شہباز ولی خان جو چٹانی سینہ' پتھر یلے احساسات و جذبات رکھتے تھے۔ آخر کار ان کا ضمیر جاگ اٹھا تھا۔ انہیں وہ اپنے تمام ظلم' بے رحمی' زیادتیاں' ناروا سلوک سب یاد آ رہے تھے۔ اور بے بسی و بے ضمیری کا وہ منظر بھی جب انہوں نے ورثا کو رقم لے کر فروخت کیا تھا اور اپنی' اپنے قبیلے' کی شرافت و افتخار' جاہ و جلال کا جنازہ خود ہی نکال دیا تھا۔ کسی از خود بھوکے و لالچی فقیر کی طرح انہوں نے گویا بھیک مانگی تھی اور ان کے اسی غیر دانشمندانہ فیصلے نے انہیں بھنور کر رکھ دیا تھا۔ نرم بستر کانٹوں کی سیج بن گیا' آرام' راحت' سکون ناپید ہو کر رہ گئے۔

چل گیا جادو۔ کر دیا مجھ سے بدظن اسی حرافہ عورت نے' ہائے اللہ! میں کہاں جاؤں؟" اس عمر میں کیسی میری مٹی پلید ہو گئی۔ رات' دن پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہے' تسبیح گھماتی ہے' کر دیا جادو' کیسی اس کی اور اس کی بیٹیوں کی نظر لگ رہی ہے!" گل جاناں ایک دم ہی سینہ کوبی پر اتر آئیں۔

"خاموش..... سچ کہا ہے کسی نے کہ جاہل عورت دماغ کے بجائے زبان کا استعمال کرتی ہے۔ تم جیسی عورتوں کی لوگ کبھی عزت نہیں کرتے۔ میں بھی تمہاری زبان درازی و اپنی عزت کے خوف سے اپنی بیٹیوں اور گل خانم کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ بالکل نہیں ہوگا میں جا رہا ہوں اللہ سے توبہ کرنے' اپنی بدی و گناہوں کی بخشش طلب کرنے' اب مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

ایمان کی شمع قلب میں روشن ہو جاتی ہے تو غفلت و برائی کے اندھیرے یکلخت ہی چھٹ جاتے ہیں' توبہ کے دروازے وا رہتے ہیں۔

رب اپنے بندوں کی توبہ و معافی کا منتظر ہے۔

بندہ چل کر اس کی راہ پر جاتا ہے۔

وہ دوڑ کر بندے کی جانب آتا ہے۔

گناہوں کے اندھیرے میں بندہ آخری حد تک کیوں نہ اتر جائے۔ اگر دل میں کہیں معمولی سی بھی ایمان کی کرن موجود ہوتی ہے تو معمولی سی کرن..... بدی کے اندھیروں کو مٹا ڈالتی ہے۔ سچی توبہ اپنے گناہوں پر شرمندگی و ندامت اور آسمدہ کے لئے توبہ بندے کو رب سے قریب

کر ڈالتی ہے اور جو رب سے جڑ گیا' اس سے قریب ہو گیا' وہ نجات پا لیتا ہے۔ شہباز خان بھی اپنی گزری زندگی پر اشک بہاتے ہوئے مسجد کی جانب چلے گئے تھے۔

گل جاناں جو دونوں بیٹوں اور بہو کے گھر چھوڑ کر جانے کے بعد وہ اندر سے خود کو خالی و کھوکھلا محسوس کر رہی تھیں اس پر ستم یہ تھا کہ شہباز خان کا رویہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ بدلتا جا رہا تھا۔ وہ گل خانم کی طرف پلٹ رہے تھے۔ ورثا کا نام اکثر و بیشتر ان کی زبان پر رہتا' کبھی حسرت زدہ' کبھی رنجیدہ ان کا انداز ہو جاتا۔ اور ایسے میں گل جاناں انہیں متنفر کرنے کے باوجود بے بس و بے سکون رہنے لگیں۔

"مالکن! باہر ایک لڑکی آئی ہے' وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔" وہ سوچوں میں غلطاں تھیں' ملازمہ نے آ کر اطلاع دی تو وہ چونک گئیں۔ پھر کچھ سوچ کر اس لڑکی کو آنے کی اجازت دے دی تھی۔

ملازمہ کے ساتھ اندر داخل ہونے والی لڑکی سلک کی گولڈن پلین ساڑی میں ملبوس تھی۔ رنگت سفید اور نقوش جاذب نظر تھے۔ بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بندھا تھا۔ وہ خاصی پر وقار اور با اعتماد طریقے سے اندر آئی تھی۔ اور گل جاناں کو سلام کیا تھا۔

"آپ شمشیر خان کی والدہ ہیں؟" اس نے ان کا مغرور انداز نظر انداز کر کے سلام کے بعد سوال کیا۔ اس بار ان کا ردعمل فوراً ہی تبدیل ہوا۔ بہت غور سے اسے سر سے پاؤں تک جائزہ لیتی ہوئی گویا ہوئیں۔

"ہاں..... تم کون ہو؟ اور کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"میں..... شمشیر خان کی بیوی ہوں۔" کائنات نے آہستگی سے کہتے ہوئے ان کی جانب نگاہیں اٹھا کر کہا۔

"اچھا تم' شمشیر خان کی بیوی ہو؟ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟" گل جاناں کے لہجے میں بے یقینی و تمسخر تھا۔ بہت کاٹ دار لہجے میں انہوں نے استفسار کیا۔

"ثبوت؟ نکاح کیا ہے اس نے مجھ سے اور وہ باپ بننے والا ہے۔ میں التجا لے کر آپ کے پاس آئی ہوں' خدارا' آپ ایک ماں ہیں اور ماں ہونے کا احساس آپ کو ہوگا۔ آپ کا بیٹا اپنی آنے والی نسل کو خود ہی پیدا ہونے سے پہلے قتل کر دینے کے درپے ہے۔ پلیز آپ انہیں سمجھائیں' اس گناہ سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ کا یہ احساس زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔"

ان کی منت و سماجت کرتے ہوئے بے اختیار اس کے آنسو بہنے لگے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"لڑکی قبل اس کے کہ میرا دماغ گھوم جائے اور تجھے ذلیل و رسوا کر کے یہاں سے نکالوں' اگر اپنی عزت پیاری ہے تو خاموشی سے واپس لوٹ جا' ہم خاندانی لوگ ہیں' اور خاندانی لوگوں کی بہوئیں معزز لوگوں کی ہمراہی میں سسرال میں قدم رکھتی ہیں۔ جہاں انہیں اور ان کی اولاد کو فخر سے قبول کیا جاتا ہے۔ تجھ جیسی عورتیں میرے بیٹے جیسے شریف' جوان و خوبصورت دولتمند مرد پر یوں ہی ڈورے ڈالتی ہیں اور دولت و جائداد ہتھیانے کے لئے....."

"میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں' بہت اعلیٰ خاندان ہے میرا۔"

"خوب اچھی طرح جانتی ہوں' تجھ جیسی فاحشاؤں کو....."

"زبان سنبھال کر بات کیجئے آپ! سمجھ کیا رہی ہیں؟"

"ارے چل نکل خوب سمجھتی ہوں۔ تجھ جیسی چالتر باز و حرام خور عورتوں کو نہ معلوم کس بد معاش کا گناہ میرے معصوم و شریف بیٹے کے نام لگا رہی ہے۔ چلی جا یہاں سے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ اور خبردار جو کبھی یہاں آئندہ آنے کی کوشش کی۔"

جلی جاناں گویا آتش کی طرح بھڑک اٹھی تھیں۔ ان کا انداز اس قدر خونخوار اور جارحانہ تھا کہ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی لمحے آگے بڑھ کر اس کی بوٹی بوٹی کر ڈالیں گی۔

"یقین آ گیا مجھے کہ تم جیسی عورت نے ہی شمشیر خان جیسے حیوان کو جنم دے کر پرورش کیا ہے۔ میری بات کو آپ نے جھٹلایا ہے' میری توہین و بے عزتی کی ہے' یہ سب میں نے برداشت کیا لیکن یاد رکھیے گا' اگر میرے بچے کو کچھ ہوا تو میں آپ کے بچے کو بھی "سلامت" رہنے نہیں دوں گی۔"

اس کے لہجے میں ڈھکی ناگن جیسی پھنکار تھی۔ وہ لہو رنگ آنکھوں سے ان کو دیکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

❁ ❁ ❁

"آپ ناراض ہیں مجھ سے؟"

"کیوں؟" صارم نے اس کی جانب سپاٹ نگاہوں سے دیکھا۔ بے بی پنک کلر سوٹ میں ملبوس' نازک سی گولڈ کی جیولری اور لائٹ سے میک اپ میں مرکری لائٹس کی روشنی میں اس کا چاند سا حسن دمک رہا تھا۔

جھکی ہوئی لرزاں پلکیں!

دھیرے دھیرے کانپتا وجود!

گلابی لبوں کو دانتوں سے گھائل کرتی ہوئی وہ از حد نروس و بدحواس لگ رہی تھی۔

"پلیز' مجھے معاف کر دیجئے' میں نے بہت زیادتیاں کی ہیں۔ بے حد بدتمیزیاں روا رکھی ہیں' بہت بے وقوف ہوں میں۔"

اس کے شرمندہ و رنجیدہ لہجے میں کوئی بناوٹ و کھوٹ نہ تھی۔ اس کی بے لوث چاہت' بے غرض محبت' ہمت و استقلال' عظمت و مقاومت آمیز سلوک نے اس کے اندر سے تمام نفرت اور بغض کو صاف کر دیا تھا۔

اس کی الفت اتنی ہی کھری و پاکیزہ تھی کہ اس جیسی خود سر و ضدی طبیعت رکھنے والی دوشیزہ خود ہی اس کی جانب پیش قدمی کر بیٹھی تھی۔

اس راہ میں نہ اس کی خودداری آڑے آئی اور نہ ہی اس کی انا حائل ہوئی۔ اس نے جان لیا' کہ ایسے نازک و کڑے وقت میں جب اسے اس کے اپنوں کی شفقت' توجہ اور مہربانی کی ضرورت تھی تو اسکے اپنوں نے اس کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا تھا۔ اسے اپنی نرم و گھنی چھاؤں میں پناہ دینے کے بجائے اسے فروخت کر ڈالا تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کی روح کو سوختہ کر دیا تھا۔ اس کی عصمت و ناموس کو بے غیرتی و بے وقعتی کے سیاہ کفن میں رخصت کر ڈالا تھا۔ ان بے حس و بے احساس لوگوں میں رہ کر وہ بھی تو ایسی ہی بن گئی تھی۔

اگر بی بی جان اور بابا جانی جیسے مخلص و بے ریا لوگوں کی اسے شفقت و اپنائیت نہ ملتی تو وہ نا معلوم کب تک اسی طرح رشتوں اور محبتوں کی چاشنی کے بنا تلخ و سنگلاخ زندگی گزارتی' پتھریلی چٹانوں کی طرح۔

جب اس پر یہ حقیقت آشکارہ ہوئی تھی کہ اسے صارم نے اغوا نہیں کرایا تھا' بلکہ وہ تو اپنے بھائی کے کئے گئے ظلم کا شکار ہوئی تھی' ایک ایک منظر' ایک ایک لفظ اسے از سر نو یاد آنے لگا تھا۔

صارم کو اس نے کیا کچھ نہیں کہا تھا۔

کیسے کیسے گھٹیا الزامات اس کی ذات پر لگائے تھے۔

کیسی توہین آمیز گفتگو روا رکھی تھی اس سے۔

اس نے اس کی زندگی بچائی تھی۔

اس کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کی تھی۔

وہ اس کی جان کی دشمن بن بیٹھی تھی اور کتنا خوفناک منصوبہ بنایا تھا۔ اس سے انتقام لینے کا اور آخر کار اسے پہاڑ سے گرانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ یہ تو اسے ان لوگوں کے درمیان رہ کر ہی محسوس ہوا کہ وہ ہر وقت اپنے بزرگوں کی دعاؤں کے حصار میں رہتا ہے۔ تبھی پہاڑ سے گر کر بھی زندہ سلامت تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب اس کی زندگی اس کے لئے اپنی زندگی سے بھی اہم تھی۔

"بہشت" کیا کر رہی ہو؟ دماغ خراب ہو گیا ہے کچھ نہیں کیا تم نے۔" صارم نے اس کے پیچھے آنسو اپنے ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے ملائمت سے کہا۔

"یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے یا آپ مجھے سزا دے رہے ہیں؟ فی الحال میں سب برداشت کرنے کی اہل ہوں؟ میں نے جو کچھ بھی کیا وہ لاعلمی میں سرزد ہوا۔ شمشیر لالا نے جو ظلم کیا' اس کا ہاں تو میں جان دے کر بھی نہیں چکا پاؤں گی۔ لیکن آپ جو چاہیں....."

"اوہ' کیا ہو گیا ہے؟ کیوں اس طرح باتیں کر رہی ہو؟ میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہا ہوں کہ کسی کی زیادتی کا بدلہ دوسرے سے لینا میں قطعی پسند نہیں کرتا' یہ فعل سخت بیوقوفی' غیرت کے تقاضے کے خلاف ہوتا ہے۔ سزا..... سزاوار کو ہی ملنی چاہئے۔ پھر میں کس طرح تم کو سزا دے سکتا ہوں؟" وہ نرم دراز ہو کر سنجیدگی سے کہنے لگا۔

"پھر آپ کا گریز' الجھا الجھا لاتعلق سا رویہ مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے آپ مجھ سے خفا ہیں۔ یا مجھے معاف نہیں کر سکے ہیں۔" اس نے جھجکتے ہوئے اٹک اٹک کر کہا۔ اور صارم نے سر اٹھا کر اس کے گلابی گلابی حسین مکھڑے کو بغور دیکھا۔ پھر ایکدم ہی دور ہو کر گویا ہوا۔

"آہ' سمجھ نہیں آتا قسمت کی ستم ظریفی پر ہنسوں؟ یا نصیب کے اس سیاہ مذاق پر آنسو بہاؤں؟ چاہت ہمیں اس وقت کیوں نہیں ملتی جب ہمیں اس کی "چاہ" ہوتی ہے؟ مسرتیں دوسرے طریقے سے کیوں ملتے ہیں؟ ایک وقت تھا جب میں تمہیں پانے کے لئے جان کی بازی لگانے کو تیار تھا۔ جب تم میری زندگی میں آئیں تو تمام جذبے دشوق فریز ہو گئے۔ خواہشوں کے پھول مرجھا گئے۔

آرزوؤں کی تتلیوں کے رنگ اتر گئے۔ تمناؤں کی کہکشائیں تاریک ہو گئیں۔ انگلیوں جذبات' احساسات' ولولے سب فنا ہو کر رہ گئے۔ تمہارا آنا' اور نہ آنا' ملنا اور نہ ملنا' کوئی معنی نہیں رکھتا' میرے اندر اب صرف گہرے سمندروں کی مانند سکوت و تاریکی کا راج ہے۔"

ایک لمحے کو رک کر اس نے اس کے زرد پڑتے چہرے کی جانب بغور دیکھا۔

"میرا مقصد تمہیں دکھ پہنچانا' آزردہ کرنا نہیں ہے۔ میں اپنی کیفیت بیان کر رہا ہوں' میری جان میری زندگی کا اہم جزو رہا تھا۔ میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ مجھے چھوڑ کر جا چائے گا۔ اس کی جدائی نے' اس کے ساتھ گزرے لمحے نے مجھے بالکل ریزہ ریزہ کر ڈالا ہے۔ اس کو بھلائے ہوئے چھ سات ماہ گزر گئے۔ میرے دل میں اس کی یادیں ایسی ہی تازہ دم ہیں کہ لگتا ہے ہمارے درمیان کبھی جدائی کی دیوار تعمیر ہی نہیں ہوئی' وہ میری روح کا ایک اہم

ہے۔"

"جو کسی جدوجہد و لگن کے بغیر مل جائے تو وہ اس طرح ہی بے وقعت و ارزاں ہو جاتا ہے' جس طرح میں آپ کو بنا مانگے مل گئی؟"

ورشا نے اس کا کمزور پن' بیچارگی دیکھ کر رندھے لہجے میں کہا۔

"ہوں' تم نے مجھے کون سے اشکوں بھرے دل' سچے و کھرے جذبات' بے لوث محبت سے اپنایا ہے؟ ملن میں جب غرض و مجبوری شامل ہو جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" اس بار اس نے خاصے کاٹ دار و طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔ اس کا موڈ ایک دم ہی بدل گیا تھا۔

"کیا..... کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ سٹپٹا کر گویا ہوئی۔

"تم محض مجبوری کی بنا پر مجھے قبول کر رہی ہو ورشا خان' ورنہ جانتا ہوں میں آج بھی وہی آوارہ و ہرجائی شخص ہوں تمہاری نگاہ میں' اپنے بھائی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتی ہو' عورت بہت مکار ہوتی ہے۔ پل پل روپ بدلنے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ کل تک میری پرچھائیں سے گریزاں تھیں' اب میرے پہلو میں مجھے اسیر محبت کرنے کی سعی میں مصروف ہو۔ یہ سب دل سے نہیں ہے۔ یہ صرف لاچاری ہے' سمجھوتہ ہے۔"

"آپ میری انسلٹ کر رہے ہیں۔" ورشا احتجاجاً بولی۔

"شٹ..... تو ہین تم میری کر رہی ہو' دھوکہ مجھے دینا چاہتی ہو۔ لیکن یاد رکھو میں پر خلوص جذبوں کی پذیرائی کرتا ہوں' بے غرض چاہت کا شیدائی ہوں' مجھے جسم سے نہیں' روح سے عشق ہے۔ جسم تو چند نوٹوں کے عوض بھی مل جاتے ہیں' پاکیزہ و مفاد سے بالاتر محبت ہی نایاب ہے یہاں۔"

"وہ کچھ دیر سانس لینے کو رکا' ورشا سن سی بیٹھی رہ گئی' کمرے کی ٹھنڈی خنک فضا میں گویا تپش دہکتے انگاروں کی تپش برس پڑی تھی۔

ہنستے مسکراتے' اپنائیت و محبت سے لبریز شخص کا یہ کونسا روپ تھا؟

"تم پلیز مائنڈ مت کرنا' میں اپ سیٹ ہوں۔ مجھے معلوم نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔" اسے گم صم دیکھ کر وہ ملائمت سے گویا ہوا۔

"میں برا نہیں مان رہی اور نہ ہی برا مانوں گی' آپ کے دل میں جو بھی میری طرف سے غبار و غصہ ہے آپ مجھے برا بھلا کہہ کر دل صاف کر لیجئے۔ میں یہی چاہتی ہوں۔" اس نے تحمل و بردباری سے کہا۔

"کاش' تم اس وقت یہ سب کہتیں تو حالات کس قدر مختلف اور خوبصورت ہوتے' شاید

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مسرت سے میری سانسیں رک جاتیں۔" صارم نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔ "مائیڈ اٹ ورشا" میں ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا' تمہاری ذمے داری سے میں غافل نہیں ہوں گا' تمہارا خیال رکھنا' تمہاری ہر ضرورت پوری کرنا بحیثیت شوہر میرا فرض ہے۔ میں تمہاری طرف سے کوئی غفلت و بے پروائی نہیں برتوں گا' لیکن تمہاری طرف لوٹنے میں شاید مجھے کچھ عرصہ لگے۔"

❁❁❁

"اوے! کیوں بلوایا ہے مجھے؟" شمشیر خان نے اندر داخل ہوتے ہی سوال کیا تھا۔

"کیوں؟ میں بلوانے کا حق نہیں رکھتی تمہیں؟"

"حق؟ یہ حق کی بھی خوب کہی تم نے' میں کب سے سوچ رہا ہوں' بابا جان سے اپنا حق وصول کرلوں اب۔ بابا جان سے کہوں مجھے میرا حصہ دے دیں میرا بنک اکاؤنٹ خالی ہونے والا ہے اور مجھے بار بار ان کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہوئے غیرت آتی ہے۔"

"تمہارا حصہ تمہیں دے دیا جائے تاکہ تم اسے بھی دنیا بھر کی آوارہ' بدکردار عورتوں پر لٹاؤ اور وہ آ کر یہاں ہماری عزت پر داغ لگائیں۔ یہ کہہ کر کہ وہ تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہیں؟"

ماں کے بگڑے تیور' کڑوا لہجہ اس نے کبھی نہیں سنا تھا' اور ان کے ہونٹوں سے ادا ہونے والے جملوں نے اسے ششدر و حیران کر ڈالا۔

"کیا کہہ رہی ہو اوے' کون آیا تھا یہاں؟"

"سنا ہے وہ پہلے یہاں ڈاکٹرنی تھی' پھر وہ لوگ یہاں سے چلے گئے۔"

"بالکل غلط سنا ہے۔ میں بھلا اس طرح شادی کر سکتا ہوں؟ میری بیوی اس قبیلے کی لڑکی بنے گی جو عزت دار اور معزز گھرانے سے تعلق رکھتی ہوگی۔ میں کسی ڈاکٹرنی کو نہیں جانتا۔" وہ مالی کے سامنے صاف مکر گیا۔ لیکن دل ہی دل میں کائنات پر طیش کھا رہا تھا کہ وہ اس کی بلا اجازت یہاں کیوں آئی؟ اس کے حوصلے و جرأت نے اس کے اندر کے حیوان کو بیدار کرنا شروع کر ڈالا

قسط

جاناں بانو نے اپنی عمر لوگوں کے درمیان گزاری ہے۔ حیات کے مکروہ و قبیح چہروں کے اظہار' سچ جھوٹ' ان سب سے میں بخوبی واقف ہوں۔ اس لڑکی کی باتوں اور تمہارے جھوٹ سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ لڑکی سچ بول رہی تھی۔ میں تمہیں یہ نہیں کہوں گی کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ کیونکہ تم جیسے لوگ ایسے کام کرتے رہتے ہیں لیکن تم نے اس لڑکی کا ڈھول اپنے

گلے میں کیوں لٹکایا؟" اسے اتنا حوصلہ اور جرأت کیوں دی۔ جو وہ اس گھر کی دہلیز تک آ پہنچی۔ ایسی عورتیں بہت لالچی اور چالاک ہوتی ہیں۔ دولت بٹورنے کے لئے' جائیداد پر قابض ہونے کے لئے' اس طرح کے بچوں کو بھی جنم دے ڈالتی ہیں۔ پہلی فرصت میں اس سے جان چھڑاؤ اور آ کر حویلی میں رہو۔ تمہارے بابا جان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ وہ اب ہر وقت غصے میں رہنے لگے ہیں۔ زیادہ وقت ان کا مسجد میں گزرتا ہے۔ یا پھر گل خانم کی طرف رہتے ہیں۔ میری تو آواز تک سننے کے روادار نہیں ہیں۔"

گل جاناں مضبوط اعصاب کی عورت تھیں۔ کائنات کی شکل اور باتوں سے انہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔ مگر اسے قبول کرنے کا مقصد تھا کہ جگ ہنسائی اور وہ خواب بھی مر جاتا جو وہ شمشیر خان کی بیوی کی صورت کسی اونچے خاندان کی لڑکی اور لڑکی سے زیادہ اس کے ساتھ آنے والی جائداد سے محروم ہونا پڑتا۔ اس لئے سختی سے انہوں نے اس کی بات کی تردید کی اور ساتھ ہی بے عزت کر کے اسے حویلی سے نکالا کہ آئندہ کبھی وہ بھول کر یہاں قدم نہ رکھ سکے۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ شمشیر خان سے اس لڑکی کا پتہ ہی گنوا دیں گی۔

"بابا جان کو ایکدم کیا ہوا ہے؟ وہ تو اوے کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔" اس نے کائنات کا ذکر گول کرتے ہوئے استعجابیہ لہجے میں کہا۔

"جادو کرنی ہے وہ....."

"ہوں' سب درست کرلوں گا میں' تم بس بابا جان سے کہہ دینا کہ جائداد اس ہفتے میں میرے نام کر کے پکا کاغذ دے دیں مجھے۔"

"ابھی وقت نہیں آیا کہ جائداد بانٹی جائے' تمہارے دونوں بھائیوں نے آج تک ہوا اوے کی بات نہیں کی پھر تم اس قدر بے قرار کیوں ہو؟ دونوں بھائی گھر چھوڑ کر چلے گئے ان کی غیر موجودگی میں یہ کام ہو بھی نہیں سکتا۔" گل جاناں اس کا حتمی انداز دیکھ کر سمجھانے لگیں۔

"کیوں گئے وہ گھر چھوڑ کر؟ کسی نے انہیں گھر سے نکالا نہیں ہے۔ اگر وہ اس قدر ہی غیرت مند و غیور بنتے ہیں تو مجھے پروا نہیں ہے اور نہ ہی میں انہیں جائداد سے ایک روپیہ بھی لینے دوں گا' اب ہر چیز پر میرا حق ہے۔ اگر کسی نے درمیان میں آنے کی کوشش کی تو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دوں گا۔" اس کے لہجے سے سفاکی و قطعیت جھلک رہی تھی۔ گل جاناں دہل سی گئیں۔ اس کی سرخ آنکھوں میں اترتا خون انہیں حواس باختہ کر گیا۔ پہلی بار انہیں اس کی جانب سے تشویش ہوئی کہ وہ بہت آگے نکل چکا تھا۔

وہ کچھ دیر بیٹھ کر واپس آ گیا تھا۔ اس کے ذہن میں مسلسل کائنات کے خلاف غصہ بڑھتا جا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رہا تھا۔ وہ چاہ رہا تھا اڑ کر گھر پہنچ جائے اور اس کا وہ حشر کرے کہ وہ یاد رکھے۔ گھر جلد سے جلد پہنچنے کے خیال سے صمد خان کو بھی فل اسپیڈ سے جیپ چلانے کی تاکید کی تھی۔

جیپ ہوا کے دوش پر گویا اڑ رہی تھی۔ صمد خان مالک کے حکم پر عمل پیرا تھا۔ راستہ بہت خوبصورت تھا۔ ہریالی ہی ہریالی پھیلا ہوا تھا۔ سامنے آسمان کی حدوں کو چھوتے برف پوش پہاڑ تھے۔ جن کی خوشنما پھولوں کی بہتات' چاندی کی طرح چمکتے ہوئے جھرنوں کا رقص سب کچھ بہت دلکش و متاثر کن تھا کہ یکدم ہی وہ لڑکی نہ معلوم کہاں سے نمودار ہوئی تھی' صمد خان اگر ایک دم بریک نہ لگاتا تو وہ زیردست انداز میں جیپ سے ٹکراتی۔ اچانک بریک لگانے سے پہیوں کی چرچراہٹ پر سکوت ماحول میں گونج کر رہ گئی تھی اور ساتھ ہی اس لڑکی کی الہڑ و کھنکتی ہوئی شوخ ہنسی ریشمی چوڑیوں کی طرح بجتی ہوئی وہاں بکھر گئی۔ غصے سے لال بھبوکا شمشیر خان گویا ساکت ہو کر رہ گیا۔ سرخ گھاگھرے' کھلتی ہوئی سبز چولی اور دھنک رنگ دوپٹا اوڑھے نوخیز و شگفتہ حسن کی رعنائیوں کا مرقع وہ لڑکی ہنستی ہوئی' انہیں شوخی بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوئی' تیزی سے سڑک عبور کر کے آگے کھیتوں میں گھس گئی تھی۔

"کیسا چاند جیسا حسن تھا اس کا۔ روشن و مبہوت کر دینے والا۔" شمشیر خان نے آہ بھرتے ہوئے ستائشی لہجے میں کہا۔ نگاہیں اس کی ابھی بھی وہیں مرکوز تھیں۔

"نائی برکت خان کی لڑکی ہے۔ ابھی ہفتے گاؤں سے آئی ہے۔ حرا نام ہے اس کا۔"

"یہ تو اصلی ہیرا ہے۔ اس کے حسن کی شعاعوں نے تو مجھے تاریک کر کے رکھ دیا ہے۔"

"خان جی! آپ کا حکم ہو تو لے آؤں اسے ڈیرے پر؟" خان کا شوق و وارفتگی دیکھ کر وہ خوشامدی واوباشانہ لہجے میں گویا ہوا۔

"ہاں۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ اب تو جب تک اس کے رخ روشن کا دیدار نہ کر لوں' جاؤں گا۔ تب تک بے چینی و بے قراری تو مسلسل رہے گی۔

آج کیسی انہونی ہوئی تھی۔

کئی لمبے و تگڑے لوگوں کی طرح وہ بھی بھرائی و بے چینی سے آنے والوں کے مسرت سے سرشار چہرے دیکھ رہی تھی۔

"بی بی جان! کیا گزرے وقت نے مجھے اس حد تک بدل دیا ہے کہ آپ مجھے پہچان نہیں پا رہی ہیں؟ یا مجھ سے ملنے کی آپ کو خواہش نہ تھی؟" مسرت سے دمکتے چہرے پر یکلخت حزن و ملال اتر آیا تھا۔

"میری بچی! میری جان' گل خانم! ان آنکھوں کو اعتبار تو آنے دو۔ یہ تم ہو؟ آہ تم سے ملنے' تمہیں دیکھنے کی خواہش تو حیات کی حسرت بن گئی۔ ظالم وقت نے ہمیں بہت اذیت دی ہے۔"

پہلے تو انہیں یقین نہ آیا کہ ان کی نگاہوں کے سامنے گل خانم کھڑی ہیں۔ وہ گل خانم' جو نہ صرف ان کی لاڈلی بھتیجی بھانجی تھی بلکہ ان کے مرحوم بیٹے کی محبت بھی تھی۔ جسے وقت کی سیاہی' آندھی' دشمنی کا لہو رنگ طوفان ان سے دور لے گیا تھا اور آج چالیس برس بعد وہ ان کے روبرو تھیں۔ انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا اور پھر اشکوں کا دریا سا بہہ اٹھا تھا۔

"میں اپنے اللہ سے ناامید نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا وہ ایک دن ایسا ضرور میری زندگی میں دکھائے گا کہ میں اپنے وقتی طور پر جدا فکروں سے مل پاؤں گی۔ اس رب کا بہت شکر و احسان ہے کہ میں نے آج یہ دن دیکھ لیا ہے۔"

تادم' تادم' بے حد شرمندہ سے وہ مجرموں کی طرح گردن جھکائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے ہی آج انا و دشمنی کی دیوار گرائی تھی اور خود گل خانم کے ہمراہ یہاں آ کر ان لوگوں سے معافی مانگی اور دوستی کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔ جو بہت محبت و خلوص سے تھاما گیا تھا۔ وہ اب ان سب کے درمیان بیٹھے تھے۔

"ہاں لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اس مالک کا جو بندوں کو ان کی دعاؤں سے بڑھ کر نوازتا ہے۔" بابا جانی نے شہباز خان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کھلے دل سے کہا۔

"یہ تو سب آپ لوگوں کا بڑا پن و خوش اخلاقی ہے جو مجھ جیسے کمینے و گھٹیا شخص کو معاف کر کے گلے سے لگایا ہے ورنہ....." شدت جذبات سے ان کی زبان رندھ گئی تھی اور آنسو بہنے لگے۔

"ایسی باتیں کر کے ہمیں شرمندہ مت کرو شہباز خان! تم آج بھی ہمیں اتنے ہی عزیز ہو جتنے کل تھے۔ غلطی کرنے والا سچے دل سے معافی مانگ لے تو اللہ بھی معاف کر دیا کرتا ہے پھر ہم تو اس کے گناہ گار بندے ہیں۔ ہمارا دل تمہاری طرف سے بدگمانیاں صاف کر چکا ہے۔" بی بی جان نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنائیت سے کہا۔

حویلی کا ماحول جنت نظیر تھا۔ سب گلے شکوے ختم ہو گئے تھے۔ شہباز خان' گلریز' گلباز سے چھوٹے گل داد خان' رانی گل' زرگون' خانم اور گل زیبا سب ہی وہاں بیٹھے تھے۔ خوبصورت و خوشگوار باتوں کے ساتھ مشروبات کا دور چل رہا تھا۔

"بی بی جان! ورثا کہاں ہے؟ میں اس سے ملنے کو بہت بے تاب ہوں۔" معاً خانزادیہ کی بے قرار و بے چین سی آواز ابھری تھی اور ساتھ ہی گل خانم اور شہباز خان کے چہروں پر بھی بے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تالی و محبت کے رنگ گہرے ہو کر چھلک اٹھے تھے۔

"وہ یہاں قدم رکھتے ہی متلاشی نگاہوں سے بیٹی کو دیکھ رہے تھے مگر کچھ جھجک و شرمندگی اس سرعت سے آگے آ رہی تھی کہ سخاوت بیہ نے آخر کار ان کی مشکل حل کر دی تھی۔

"بچے! وہ تو پچھلے ایک ماہ سے کراچی میں رہ رہی ہے' صارم نے نیا کاروبار شروع کیا ہے۔ اسے اس لئے وہاں بھیج دیا کہ یہاں رہتے رہتے وہ گھبرا نہ جائے۔ اس سے ملنے کراچی چلی جانا' وہ تو کچھ عرصے بعد دونوں آ جائیں گے۔ نئے کاروبار کی بہت دیکھ بھال کرنی ہوتی ہے۔" بی جان نے نہایت شفقت سے بتایا تو سخاوت بیہ کو سکون محسوس ہوا' یہ جان کر کہ اس کی بہن خیریت سے ہے اور ان کے شفیق لہجے و پیار بھرے انداز بتا رہے تھے کہ اس نے اس گھر میں ہی نہیں بلکہ ان کے دلوں میں بھی ذخیروں جگہ بنا لی ہے۔

شہباز خان اور گل خانم کے چہروں پر آسودگی و طمانیت کی سرخی چھا گئی تھی۔

زرگون خانم سخاوت بیہ کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی تاکہ اس سے گپ شپ کر سکے۔ ویسے بھی ان دونوں ماں بیٹی کا رویہ گلباز خان کے شکستہ رویے سے بدل گیا تھا اور درشا کے کراچی روانہ ہونے سے قبل دونوں ماں بیٹی نے اس سے معافی مانگ لی تھی۔

گلریز خان اور گل داد خان کسی کام کی وجہ سے معذرت کر کے اٹھ گئے تھے۔

گل زیبا اور رانی گل کھانے کی تیاری کے لئے ملازماؤں کا ہاتھ بٹانے کی خاطر کچن میں آ گئی تھیں۔ اب وہاں وہ چاروں تھے۔ شہباز خان نے چرمی بیگ سے نوٹوں کی گڈیاں اور وہ سونا نکالا جو انہوں نے درشا کے نکاح کرنے کے عوض لیا تھا اور ساتھ ہی ایک بڑی زمین و دو صنعتی جائداد کے حصے جو درشا کے نام تھے ان کی طرف سے۔ کاغذ ان کی طرف بڑھایا تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" بابا جانی تحیر زدہ لہجے میں استفسار کرنے لگے۔

"نذرانہ بابا جانی انکار مت کیجئے گا۔ یہ سونے کے سکے اور رنگین کاغذ کے ٹکڑے مجھے سانپ و بچھو بن کر ہر وقت ڈستے تھے۔ ان کے زہر نے ہی میرے ضمیر میری روح کو بیدار کیا ہے۔ مجھے مذہب اور انسانیت سے روشناس کروایا ہے۔ ورنہ میں ایک باپ رہا تھا اور نہ اچھا انسان بن سکا تھا۔"

"لیکن شہباز خان!"

"آپ کو اللہ کا واسطہ ہے بابا جانی! مجھے کچھ میری نگاہوں میں سرخرو ہونے دیجئے۔ کل کو بیٹی اور داماد سے نگاہیں ملا کر بات تو کر سکوں گا۔ ساری زندگی اپنی بچیوں کو وہ پیار و محبت نہ دے سکا جس کی وہ حقدار تھیں' یہ اس کے جہیز کے نام پر جو دے رہا ہوں' وہ میری غفلت و بے

پروائی کا کفارہ تو نہیں۔ لیکن میری طرف سے بیٹی داماد کے لئے معمولی سا تحفہ ہے۔" شہباز خان گلوگیر لہجے میں گویا ہوئے گل خانم خاموش آنسو بہا رہی تھیں۔

"تمہاری حق و صداقت کی طرف واپسی سب سے بڑا تحفہ ہے شہباز بچے! اگر رے وقت کو بھول کر میں نے تمہیں سینے سے لگایا ہے۔ ہم ایک ہو گئے' ہمارا قبیلہ ایک ہو گیا اس سے بڑھ کر خوشی کیا ہو سکتی ہے۔"

"شمشیر خان نے جو ظلم آپ پر توڑا ہے' اس کا بدلہ اللہ نے مجھ سے لیا ہے۔ میرے دونوں بیٹے گھر چھوڑ کر چلے گئے' اور وہ بد بخت یہاں ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ دل کرتا ہے اسے اپنے ہاتھوں سے ختم کر ڈالوں۔"

"ایسی بات نہیں کرو بچے! اولاد کی بھلائی کے لئے دعا گو رہنا چاہیے۔"

"میرے دل میں زخم کر دیے ہیں اس نے' اب مجھے محسوس ہو رہا ہے بیٹا یا بیٹی اولاد تو اولاد ہوتی ہے۔ یہ سب ہمارے ذہنوں و سوچوں کا تغیر ہوتا ہے۔ میں نے گاؤں میں لڑکیوں کے لئے اسکولز اور مدرسوں کے لئے عمارتیں تیار کروانے کا کام شروع کر دیا ہے۔ آج میں سمجھ گیا ہوں ہمارے سماج میں پھیلے ہوئے اندھیروں اور فرسودہ رسم و رواج کو تعلیم کی روشنی ہی تاراج کر سکتی ہے۔ جس طرح میری بیٹی نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے باوجود میری گردن جھکنے نہ دی اور خاموشی سے میرے فیصلے کی بھینٹ چڑھ گئی۔ آج مجھے فخر ہے بیٹی پر اور اس کے نام سے ہی سب اسکولز و مدرسے کام کریں گے۔"

"واہ..... شہباز خان..... واہ! یہاں تم نے ہمیں بھی پیچھے چھوڑ دیا۔" بابا جانی نے خوشی سے نہال ہوتے ہوئے انہیں سینے سے لگا لیا۔

❁ ❁ ❁

کائنات کی آنکھ درد کی اس تیز لہر نے کھول دی تھی' جو اس کے پورے وجود میں برق کی طرح لہرتی جا رہی تھی۔ سانس بھی گویا اکھڑا اکھڑا سا تھا۔ تکلیف سے بند ہوتی آنکھیں اس نے کھول کر بمشکل اردگرد دیکھنے کی کوشش کی' یہ کوئی نامانوس سی جگہ تھی۔

ہر سو اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ایسی تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔

شاید میں مر گئی ہوں؟ کیا یہ قبر ہے؟ اف اس قدر اندھیرا اور وحشت تو قبر میں ہی ہو سکتی ہے۔ موت کا خیال تھا یا قبر کی وحشت کا احساس وہ روح فرسا تکلیف کے باوجود اٹھ کھڑی ہوئی' ٹانگوں میں چلنے کی سکت نہیں تھی لیکن وہ لڑکھڑاتی ہوئی تاریکی میں ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے۔ اسے وہ وقت رہ رہ کر یاد آ رہا تھا جب وہ بے خبر سو رہی تھی کہ معاً اسے احساس ہوا جیسے کوئی اس کے چہرے پر مسلسل تھپڑ مار رہا ہو۔ تکلیف کا احساس اتنا شدید تھا کہ اسکی آنکھیں کھل گئی تھیں اور وہ تھپڑ خواب نہیں حقیقت تھا۔ شمشیر خان جھکا ہوا نہایت غصے و بیدردی سے اس کے چہرے پر تھپڑ مار رہا تھا۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر وہ چنگاڑا۔

"ذلیل' گھٹیا عورت' میری بغیر اجازت تو گھر سے نکلی اور حویلی کی دہلیز تک پہنچ گئی میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"تم' مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے؟ میں زندہ تمہیں بھی رہنے نہیں دوں گی خان! تمہیں مزید گھر جلانے نہیں دوں گی' اب تم مزید عصمتیں برباد نہیں کر سکتے۔"

"ہا..... ہا' صمد خان لانے والا ہے ابھی ایک نوخیز کلی کو۔ میں تو اس سے دل بہلاؤں گا' مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ تو بھی نہیں' کیونکہ تو قبر کی اندھیری گود میں موت کی نیند سو رہی ہوگی۔"

اس نے خوفناک لہجے میں کہا۔

"اگر ایسا ہوا تو یاد رکھنا خان' میں زندہ تمہیں بھی نہیں رہنے دوں گی۔ تم نے ابھی عورت کا انتقام نہیں دیکھا۔" اس کے فولادی گھونسوں' لاتوں تھپڑوں نے بھی اس کی ہمت و عزم میں دراڑ نہیں ڈالی تھی۔

"عورت؟ اور اس کا انتقام! کس طرح چیونٹی کی طرح میں عورت کو مسل کر رکھ دیا کرتا ہوں' تمہیں ابھی بتاتا ہوں۔ تمہارے ساتھ اس ناسور کو بھی ختم کر ڈالوں گا جس کی وجہ سے تم بہت باحوصلہ اور بہادر ہو گئی ہو۔"

اس پر جیسے کوئی جنون سوار ہو گیا۔ کائنات اس کی حیوانیت و وحشی پن کے آگے کوئی مزاحمت نہ کر سکی تھی۔ لمحہ بہ لمحہ اس کی گردن پر اس کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بری طرح مچل رہی تھی' اس کی گرفت سے آزاد ہونے کے لئے..... مگر..... سب بے سود و بیکار ثابت ہو رہا تھا۔ اس کا دم گھٹتا جا رہا تھا۔ اور آنکھیں حلقوں سے باہر ابل رہی تھیں..... شمشیر خان اس وقت کوئی مافوق الفطرت مخلوق لگ رہا تھا۔ خوفناک چہرہ' خون چھلکاتی نگاہیں' اور اس کی سانسیں ایک دم رک گئی تھیں۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا' پھر اس کا ذہن اندھیروں میں گم ہوا تو وہ اب بیدار ہوئی تھی۔ کوٹھڑی میں اندھیرا بدستور قائم تھا اور اس کا پورا وجود' درد' بنا ہوا تھا۔ کافی دیر اندھیرے میں رہنے کے باعث آنکھیں عادی ہو گئی تھیں۔ یہ اسے محسوس ہو گیا تھا۔ یہ قبر نہیں تھی۔ کیونکہ یہاں کی دیواریں پختہ و فرش تھوس تھا اور آگے شاید سیڑھیاں تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ کافی سیڑھیاں چڑھنے کے بعد وہ اوپر پہنچی تو یہاں دروازہ نصب تھا اور دروازے کی جھریوں سے

اندر آنے والی معمولی سی روشنی اس کے لئے بہت تھی۔ کائنات نے جھری سے جھانکا' اور وہ چونک گئی۔ یہ تو اسی کا بیڈ روم تھا لیکن اس کے پیچھے تہہ خانے سے وہ واقف نہ تھی۔ اس نے دروازے پر دباؤ ڈالا اور دروازہ بے آواز کھل گیا۔ وہ اپنے کمرے میں تھی۔ لکڑی کی بھاری دو پٹ وارڈ روب اپنی جگہ سے کھسکی ہوئی تھی اور اس کے پیچھے دروازہ صاف نظر آ رہا تھا۔ "تو..... تم نے اپنا کمین پن دکھا دیا شمشیر خان' تم مجھے مردہ سمجھے اور تم نے مجھے نیچے تہہ خانے میں پھینک دیا' کسی کو تمہارے گناہ کی خبر نہ ہوتی اور شاید میری ہڈیاں بھی مٹی میں مل جاتیں۔ آہ! مجھے معلوم ہے میں اب زندہ نہیں بچوں گی' میری کوکھ میں موت کے سانپ پھیل گئے ہیں۔ جو بہت جلد میرے اندر بھی پھیلنے والے ہیں۔ لیکن میں....."

اسی دم باہر سے بھاری قدموں اور کسی لڑکی کے رونے' چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ اچھی اور اٹیچڈ باتھ میں چھپ گئی۔ ساتھ ہی دروازہ کھولنے کی آواز آئی تھی۔

"لالہ! مجھے چھوڑ دو' کون ہو تم؟ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"خاموش رہو۔ شور مچایا تو گلا دبا کر تہہ خانے میں ڈال دیں گے۔ ابھی خان آ رہے ہیں۔ وہ آ کر تمہیں بتائیں گے۔" صمد خان کے مکروہ قہقہے وہاں گونج اٹھے۔

وہ لڑکی کو پھوڑ کر چلا گیا۔ لڑکی دروازہ پیٹ پیٹ کر رونے چیخنے لگی۔

"چپ ہو جاؤ' خاموش ہو جاؤ۔" اس نے باہر نکلتے ہوئے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کو کہا۔ پندرہ سولہ سالہ وہ لڑکی کسی کے ساتھ ساتھ بے حد حسین بھی تھی۔

"بی بی! مجھے بچا لو' مجھے بچا لو' نہ جانے یہ آدمی مجھے کیوں اٹھا لایا ہے۔ میں اپنی سہیلی سے مل کر آ رہی تھی کہ یہ کھیتوں میں چھپا ہوا تھا۔ میرے وہاں جاتے ہی منہ بند کر کے اٹھا لایا۔" وہ خوف سے کانپتی' سسکیوں سے لرزتے ہاتھوں کو پھیلا کر وہ اس کے پیروں پر جھک گئی تھی۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے آؤ میرے ساتھ' جلدی پہنچ جاؤ یہاں سے اپنے گھر' وہ درندہ اگر آ گیا تو بہت برا ہوگا۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ روم کے دوسرے دروازے کی سمت بڑھی جو پچھلی جانب اس حصے کی طرف کھلتا تھا جہاں سے عقبی گلی کا راستہ پڑتا تھا۔ وہاں سے ایک راستہ گاؤں کی بڑی پگڈنڈی کی طرف جاتا تھا اور دوسرا راستہ بہت پرخطر تھا جس جگہ ایسی ایسی خطرناک دو بھیانک کھائیاں تھیں جن کی گہرائیوں کا اندازہ بھی ناممکن تھا۔ اس کی ٹانگوں کا دم نکلا جا رہا تھا' آنکھوں میں اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ سانس بتدریج دھیمی ہو رہی تھی' جسم پکے پھوڑے کی مانند ٹیسوں سے بے حال ہو رہا تھا۔ وہ اس ڈری' سہمی' روتی کانپتی لڑکی کا ہاتھ تھامے اس راستے پر پہنچ گئی جس کا ایک راستہ اس پگڈنڈی کی سمت جاتا تھا جو گاؤں کے پررونق علاقے پر ختم ہوتا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس وقت شام ڈھلنے کے بعد وہاں خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

"بس اب تم جاؤ" اس راستے پر سیدھی چلی جاؤ" آگے گاؤں آ جائے گا۔ جاؤ پیچھے مڑ کر مت دیکھنا اور نہ ہی کسی کو کچھ بتانا اس واقعے کے متعلق۔" اس نے بکھرے بکھرے سانسوں سے بے ترتیب حالت کے زیر و بم میں بمشکل اسے سمجھایا۔

"بی بی! تمہاری حالت تو بہت خراب ہے بلکہ....."

اسے رہائی کا یقین ہو گیا تو تکیے سے اندھیرے میں کائنات کے زخموں سے پر چہرہ اور عجیب سا حلیہ اسے اب نظر آیا تھا۔ وہ خلوص سے بولی۔

"بس..... تم جاؤ..... بلکہ دوڑ کر جاؤ..... مجھے چھوڑ دو۔" وہ درد کی شدت سے ہونٹ کاٹتی ہوئی اضطرابی انداز میں گیٹ کی جانب بھی دیکھتی جا رہی تھی۔ اسے یقین تھا وہ لڑکی کو کمرے میں نہ پا کر غم و غصے سے پاگل ہو کر اس طرف ہی آئے گا۔ کیونکہ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی اسکیم کے تحت تمام دروازے کھول کر آئی تھی کہ وہ شکار کی بو سونگھتا ہوا وہاں تک پہنچے گا اور۔"

"میں کیسے آپ کا شکریہ ادا کروں بی بی!"

"میرے لئے دعائے مغفرت کرنا۔ تمہارا سب سے بہترین شکریہ ہو گا میرے لئے۔" اس نے خود سے لپٹی لڑکی کو پگڈنڈی کی جانب دھکیلتے ہوئے کہا۔

لڑکی جیسے ہی نگاہوں سے اوجھل ہوئی' اسی وقت اندر سے شمشیر خان کے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ اس کے اندر جیسے نفرت و حقارت کا طوفان امڈ آیا تھا۔ ٹوٹتے حوصلے و بکھرتی طبیعت کو وہ بمشکل سنبھالے دوسرے راستے کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ پرخطر راستہ خاردار جھاڑیوں' زہریلے کیڑوں سے بھرا ہوا تھا لیکن اس وقت وہ موت سے کچھ سانسیں مستعار لے رہی تھی۔ اونچے اونچے راستوں پر لڑکھڑاتی بڑھے جا رہی تھی۔ چاند اس سے سیاہ بادلوں کی اوٹ میں جا چھپا اور ماحول میں اندھیرا مزید بڑھ گیا۔

"او لڑکی! کہاں جا رہی ہو؟ آگے مت جاؤ..... رک جاؤ۔" شمشیر خان اس لمبے گیٹ سے باہر نکل آیا تھا۔ اندھیرے میں وہ کائنات کو لڑکی سمجھ رہا تھا۔ پھر چیتے کی سی پھرتی سے وہ بھاگتا ہوا اوپر چڑھتا چلا گیا۔

"کہاں بھاگ رہی تھی؟ شمشیر خان کے جال میں پھنس کر کوئی شکار بھاگ نہیں سکتا۔" اس نے اس کے بازوؤں میں جکڑتے ہوئے وحشیانہ لہجے میں کہا۔

"آج تم ہار گئے خان!" کائنات کی آواز نے گویا اس کے اندر برق و رو ڈا دی۔

"تت تم' تم زندہ ہو؟ ہم..... مگر میں....."

"ہاں..... تم تو مجھے مردہ سمجھ کر تہہ خانے میں پھینک چکے تھے لیکن میں تمہارے بغیر کیسے مر سکتی تھی؟ ہم نے ساتھ جینے' ساتھ مرنے کی قسمیں کھائی ہیں خان!"

"نہیں..... یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ تم بچ نہیں سکتی تھیں۔"

"مجھ جیسے لوگ جو فیصلہ ایک بار کر لیں' اس پر عمل کئے بغیر مر ہی نہیں سکتے' تم' عورت کو چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیتے ہو' سخت ہستی سے مٹا ڈالتے ہو۔ آج اس چیونٹی کی طاقت دیکھنا' کہ کس طرح تم جیسے بدقماش و بدکردار حیوان سے' دنیا کی معصوم و بھولی بھالی دوشیزاؤں کو محفوظ کرتی ہے۔"

"تم..... تم! پاگل ہو گئی ہو۔ چھوڑ دو مجھے۔" وہ خود سے بری طرح لپٹی ہوئی کائنات کو دور کرنے کی سعی میں ہانپ کر رہ گیا۔ حیرت انگیز بات تھی' وہ پہاڑ جیسا وجود رکھنے والا مرد اس جیسی عورت کی گرفت سے خود کو چھڑا نہ پا رہا تھا۔ وہ اسے دھکیلتی ہوئی کھائیوں کی طرف لے جا رہی تھی۔

"تمہیں چھوڑ ہی تو نہیں سکتی' اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔" وہ ہذیانی انداز میں بولتی ہوئی اسے مسلسل گھسیٹ رہی تھی۔ اور وہ گویا اپنی طاقت و قوت کھو بیٹھا تھا۔ رات کی ہولناک تاریکی' پراسرار سرگوشیاں کرتی ہوئی ہوائیں اسے اپنی موت کی آہٹیں ہر سو سنائی دینے لگیں۔

"کائنات! میری جان' میری محبت' مجھ سے بہت بڑی بھول ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو۔ میں آئندہ ایسا کوئی کام نہیں کروں گا۔ آج سے دنیا کی ساری عورتیں میری مائیں بہنیں ہیں' میں کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھوں گا۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ یہ دنیا بہت خوبصورت ہے' تم جو کہو گی وہ میں کروں گا۔" وہ رو دینے والے انداز میں اس کی منت و سماجت کر رہا تھا۔

"تم کس قدر سچے' قول کے پکے ہو' مجھے معلوم ہے۔ مگر ڈارلنگ! اب وقت گزر گیا' اور گزرا وقت لوٹ کر نہیں آتا' تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔"

"نہیں..... نہیں میں مرنا نہیں چاہتا۔ میں مرنا نہیں۔"

کائنات نے موت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کی آخری چیخ کے ساتھ ہی اس کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا تھا۔ شمشیر خان جو مکمل اس کی گرفت میں تھا اس جھٹکے سے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا تھا ڈھلوانی سطح پر پھسلتا ہوا اس کا جسم گہری کھائیوں میں گرتا چلا گیا اور اس کی وحشت ناک چیخیں کھائیوں کی گہرائیوں میں گونج کر رہ گئی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی کائنات کا بے روح جسم بھی گرتا جا رہا تھا۔ وہ وفا کا پیکر تھی' دوسرے جہان بھی اپنے محبوب شوہر کو ساتھ لے کر گئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھی۔

شمشیر خان کا انجام بہت عبرتناک تھا۔ گولی کی زبان میں بات کرنے والے شخص کو دو گز کفن بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ پانی کی طرح خون بہانے والے شخص کی آخری آرام گاہ بھی لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل تھی۔ اور ابھی نہ معلوم کتنے عرصے تک اس کی موت کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے اس خفیہ ٹھکانے سے صرف صمد خان واقف تھا۔ وہاں ایسی کوئی نشانی بھی نہ چھوڑی گئی تھی جس سے حقیقت کا سراغ لگ جائے۔ وہ آوارہ مزاج تھا' ایک عرصہ تو یہی قیاس کیا جائے گا کہ نکل گیا ہوگا کہیں آگے خوبصورتی کی تلاش میں۔

❁ ❁ ❁

نئے برس کی نوید لے کر
نئی بہاریں مہک اٹھی ہیں
مجھے خبر ہے مسرتوں کی
محبتوں کی رفاقتوں کی
زمین زرخیز ہو رہی ہے
نئی مسافتوں کا خواب دل میں
مچل رہا ہے
نئی تمنا کی جستجو میں
ہر ایک موسم بدل رہا ہے
کہ جیسے پھر میں
نئی رتوں کے حصار میں ہوں
کسی کے دست نگار میں ہوں

"گاؤں کب چلیں گے؟" ورشا نے خوشی سے سرشار لہجے میں صارم سے دریافت کیا۔ بالوں میں برش کرتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں نظر آتے اس کے عکس کو بغور دیکھتے ہوئے اس نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔

"میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔" اس کا لہجہ بے تاثر انداز سپاٹ تھا۔

"زیادہ دن نہیں لگائیں گے۔"

"نہیں ہے وقت میرے پاس ابھی۔ ضد کیوں کرتی ہو بچوں کی طرح؟" اس نے خاصے تلخ آمیز لہجے میں کہا اور برش میز پر پٹخ کر کمرے سے نکل گیا۔

"میں ضد کر رہی ہوں آپ سے؟ یا آپ مجھے سزا دے رہے ہیں اس رویے کی جو انجانے میں میں نے آپ سے روا رکھا۔ اور جس کی میں بارہا معافیاں مانگ چکی ہوں۔ اپنی انا و خودداری کو میں نے قربان کر ڈالا اور آپ بدلے میں مجھے کیا دے رہے ہیں؟ بے پروائی' بے نیازی' ذلت و تذلیل' یا پھر خاموشی و نفرت انگیز رویے کی مار؟"

وہ جو پچھلے دو ہفتوں سے اس کے سرد و خاموش رویوں کی مار برداشت کر رہی تھی۔ مزید برداشت نہ کر سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

شاید یہ سب ابھی بھی اسی طرح چلتا رہتا کہ اسے گاؤں سے وہ حیات بخش و سرور انگیز خبر ملی گئی تھی کہ اللہ نے معجزہ کر دکھایا تھا۔ اور وہ ہو گیا تھا جو بظاہر ناممکن ترین بات محسوس ہوتی تھی۔

حویلی سے بھی سب نے اس سے بات کی اور دونوں قبیلوں کے ایک ہونے کی مبارکباد کے ساتھ ساتھ یہ انتہائی مسرت انگیز خبر بھی سنائی گئی کہ گلریز خان کے لئے سخاویہ کو پسند کر لیا گیا ہے بلکہ بڑوں میں بات بھی طے ہو گئی ہے بس ان کا انتظار ہے کہ جب وہ پہنچیں گے چٹ منگنی' پٹ بیاہ والا کام سرعت سے ہو جائے گا۔

بابا جان نے بھی اس سے بات کی اور پہلی بار ان کے پیار و شفقت کی برسات میں وہ بھیگ بھیگ گئی۔

اسے اپنا آپ بہت پیارا لگا۔

اپنے بخت پر خود پر وہ نازاں ہو گئی۔

ماں سے بات کر کے اس کی رگ رگ میں آسودگی و سکون سرایت کرنے لگا۔ اور سخاویہ کو اس نے خوب خوب چھیڑا۔ اس دن کے بعد سے اسے اس در و دیوار میں پھیلی خاموشی و تنہائی سے وحشت ہونے لگی۔ وہ صارم کی سرد مہری' بے نیازی کے باوجود وقتاً فوقتاً سماجت کرتی رہتی کہ وہ گاؤں چلے۔

"خبردار..... جو تم نے مجھ سے زبان درازی کی کوشش کی تو....."

"میں زبان نہیں چلا رہی' سچ بول رہی ہوں۔" وہ تیزی سے اس کے آگے راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا چاہتی ہو تم؟ کیوں راستہ روک رہی ہو؟"

"میرا دم گھٹتا ہے یہاں پر' تنہائی و وحشت برداشت نہیں ہوتی' میں وہاں جانا چاہتی ہوں۔ اپنوں سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"اپنے' وہ اپنے جنہوں نے تمہیں کتنے شاندار طریقے سے "رخصت" کیا تھا' کس قدر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عزت افزائی و احساسِ تفاخر بخشا تھا تمہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھوں ڈال کر متفخرانہ انداز میں گویا ہوا۔

"بابا جان کس قدر شرمندہ ہیں۔ کتنی معذرت کی تھی انہوں نے فون پر آپ سے بھی۔" وہ نگاہیں جھکا کر آہستگی سے بولی۔

"ہاں ..... میں بھول گیا تھا تم باپ کی حمایت ہی لوگی' ان کی سب خطائیں بخش سکتی ہو' معاف کر سکتی ہو' لیکن میرے ساتھ ایسا کوئی جذبہ تمہارے دل میں نہیں ہے' میرے ساتھ تم صرف اور صرف کمپرومائز کر رہی ہو' تقاضے نبھا رہی ہو ورنہ میرے ساتھ نہ کوئی دلی وابستگی ہے تمہاری اور نہ ہی محبت کی کشش۔"

وہ بیڈ روم میں چلا آیا بریف کیس سائیڈ میں رکھ کر خشمگیں نگاہوں سے اسے گھور کر گویا ہوا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" اس کے موڈ کے بدلنے پر وہ حیران ہو کر بولی۔

"مجھے یقین ہے تم آج تک مجھے دل سے قبول نہ کر سکی ہو' اور جہاں دل کی خوشنودی و جذبوں میں امنگ نہ ہو تو زندگی ایسی ہی محسوس ہوتی ہے' جیسے بغیر چینی کی چائے' بے ذائقہ' بدمزہ پھیکی پھیکی۔" اس نے یکلخت پینترا بدل کر اسے ہراساں کر دیا تھا۔

کیا تھا وہ شخص؟ پل پل چہرے بدلتا عجیب مزاج کا شخص۔

"یونیورسٹی میں تمہیں مجھ سے یہی شکایت تھی کہ میں زیادہ تر دوشیزاؤں کے جھرمٹ میں رہتا تھا' میرا زیادہ وقت رنگین آنچلوں کی چھاؤں میں گزرتا تھا۔ تو ڈیئر' پہل میری طرف سے نہیں ہوتی تھی' میں ہمیشہ لیڈیز فرسٹ کا شکار رہا ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ اگر میں ایسا ویسا ہوتا تو تم تنہائی و وحشت کا شکار ہو سکتی تھیں؟ جو شخص اتنا شریف' باکردار اور نیک ہو کہ بیوی کی رضا کے بغیر اسے حاصل کرنا بھی گناہ سمجھتا ہو تو کسی غیر لڑکی کو کس طرح غلط نظروں سے دیکھ سکتا ہے؟"

"پلیز' مجھے معاف کر دیں۔ مجھے یقین ہے آپ کی شرافت پر' اعتماد ہے آپ کی ذات پر اور فخر ہے آپ کے کردار پر۔"

"بس ..... بس پلیز اتنی تعریفیں میرا دل ناتواں کب برداشت کر پائے گا۔" اس نے شوخی سے ہنستے ہوئے اسے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

ایک طویل عرصے بعد اس کے چہرے پر شوخی و شرارت سے بھی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

نگاہوں میں اول روز والا والہانہ پن و لگاوٹ جھلکانے لگی تھی۔

"مجبوراً میں نے یہ سب تمہیں راہ راست پر لانے کے لئے ڈرامہ تھا۔ تاکہ تم خود اپنی

زبان سے اقرار محبت کرو۔ اور دیکھو ہمارا دعویٰ کس طرح پورا ہوا۔"

"ہوں ..... شاید اسی کو کہتے ہیں ہارے بھی تو بازی مات نہیں۔" ورشا نے شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مات کہاں! اب تو جیت ہی جیت ہے۔"

"پھر ہم گاؤں کب چلیں گے؟"

"ایک ہفتے بعد' کیوں کہ ایک ہفتے تک ہماری دعوتیں ہیں' آفتاب' باسط' بیروز اور میرے کچھ دوستوں کے ہاں' ان سے فارغ ہو کر ہم گاؤں جائیں گے۔ جہاں گریز کے ساتھ ہمارے ولیمے کی بھی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بی بی جان نے فون پر کہا تھا کہ تمہیں تمہاری پسند کا' ولیمہ کا سوٹ دلواؤں۔ کیسا سوٹ لوگی تم؟"

"جو آپ کو پسند آئے گا۔" وہ کہہ کر حیا سے سرخ اندر چلی گئی۔

صارم سیٹی پر شوخ سی دھن بجاتا اس کے پیچھے اندر کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

﴿ختم شد﴾

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں